گمشدہ قافلے
نسیم حجازی

گمشدہ قافلے
نسیم حجازی

گمشدہ قافلے

نسیم حجازی

جہانگیر بک ڈپو

• لاہور • راولپنڈی • ملتان • حیدرآباد • کراچی

زندگی اور راحتیں

اب زندگی یوسف کے لئے اَن گنت امیدوں اور بے حساب خوشیوں کا نام تھا وہ بی اے کے امتحان کے مہینے اور ہفتے گِنا کرتا تھا، کبھی کبھی فہمیدہ کی والدہ یا والد کو بھی خط لکھ دیا کرتا تھا۔ اور ہر خط میں چند الفاظ ایسے ہوتے تھے جن کا مفہوم صرف فہمیدہ ہی سمجھ سکتی تھی جوں جوں امتحان کے دن قریب آرہے تھے اس کا بیشتر وقت امتحان کی تیاری میں گزرتا تھا۔

امتحان کا آخری پرچہ دینے کے بعد وہ اپنے گھر جانے کی بجائے سیدھا بلقیس کے پاس پہنچا اور اسے السلام علیکم کہتے ہوئے بولا: "چچی جان میرا آخری پرچہ بھی بہت اچھا ہوگیا ہے، مجھ سے تھوڑی سی حماقت ضرور ہوئی ہے کہ میں نے دو مہینے پہلے محنت شروع نہیں کردی ورنہ فرسٹ ڈویژن ضرور آتی۔ اب انشاءاللہ ہائی سیکنڈ ڈویژن تو کہیں نہیں گئی۔ ویسے میری صحیح تعلیم کالج کا نصاب ختم کرنے کے بعد شروع ہوگی چچی جان مجھے سندھ سے احمد خان صاحب کا تار ملا ہے۔ انہوں نے فوراً وہاں آنے کی تاکید کی ہے پروگرام یہ بنایا ہے کہ سندھ میں شکار کھیلنے کے علاوہ کراچی کی سیر کریں گے اور پھر بلوچستان میں مارخور کے شکار کے لئے بھی جائیں گے۔"

"بیٹے! مارخور واقعی کوئی سانپ کھانے والا جانور ہوتا ہے؟"

"چچی جان! اس مارخور کا سانپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک لمبے سینگوں والے پہاڑی بکرے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور کافی بلندی پر سرد مقامات

میں رہتا ہے۔ جہاں سردی کے باعث سانپ ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح سبزی خور ہے اور اسے مارنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ بہرحال ورزش خوب ہو جاتی ہے۔ چچی جان! میں کسی ڈاک خانے کے قریب ہوا کروں گا تو آپ کو میرے خط مل جایا کریں گے۔ لیکن کبھی کبھی جب میں شکار پہ ہوا کروں گا تو خط لکھنا بہت مشکل ہوگا۔ آپ میرے لئے دعا ضرور کیا کریں —— اب مجھے اجازت دیجئے، کل صبح میں سندھ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"

"بیٹا بیٹھ جاؤ! تم کھانا یہیں کھاؤ گے اور فہمیدہ سے ٹیلی فون پر بات کر کے جاؤ۔ ان کا ٹیلیفون کسی وقت بھی مل سکتا ہے۔ میں نے انہیں کل کہہ دیا تھا کہ یوسف پرچہ دیتے ہی سیدھا میرے پاس آئے گا۔ میں نے بھی احتیاطاً تھوڑی دیر پہلے اس طرف سے کال بک کرا دی ہے۔ اب میں کھانا رکھواتی ہوں۔"

بلقیس نے باہر نکل کر نوکر کو آواز دی اور تھوڑی دیر بعد وہ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بلقیس نے مسکراتے ہوئے پوچھا:

"بیٹا تمہارے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اس وقت تمہارے چچا، فہمیدہ اور نسرین کو بھی یہاں ہونا چاہیئے تھا؟"

"چچی جان آپ ہمیشہ بہت اچھی باتیں سوچتی ہیں۔ لیکن انسان کی ہر خواہش تو پوری نہیں ہو سکتی۔ ہم صرف دُعا ہی کر سکتے ہیں۔"

"بیٹا میں سمجھ سکتی ہوں کہ تم فہمیدہ کے لئے کتنی دعائیں کرتے ہو گے۔"

"نہیں چچی جان! معاف کیجئے یہ بات کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میں امتحان کا پرچہ دیتے وقت بھی اُن کے متعلق سوچ رہا تھا۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور بلقیس نے ٹیلی فون اٹھاتے ہوئے کہا: "بیٹی! یوسف بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے پرچے بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی مجھے وہ یہ کہہ رہا تھا

کہ امتحان کے پرچے لکھتے وقت بھی وہ تمہیں یاد کیا کرتا تھا۔ میں مذاق نہیں کر رہی، بیٹی وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ اچھا خود ہی اس سے بات کر لو۔ یوسف بیٹا ادھر آؤ۔"

یوسف نے اٹھ کر رسیور پکڑ لیا اور کان سے لگانے کے بعد کہا "یہ مذاق نہیں جی یہ بات میں نے پوری سنجیدگی سے کہی تھی۔ اور صرف آپ کی چچی سے یہ بات کہی ہے۔ جن کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے آپ کو یاد کرتی رہتی ہیں۔ میں کل احمد خان کی دعوت پر سندھ جا رہا ہوں۔ گھر بیٹھ کر امتحان کے نتیجے کا انتظار کرنے کی بجائے سیر و شکار میں مصروف رہنا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ جی مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ سندھ کے راستے میں جالندھر نہیں آتا۔ ورنہ خالہ جان کو سلام کرنے کے کئی بہانے مل سکتے تھے . . . . اچھا خدا حافظ۔"

اگلے دن یوسف اور منظور لاہور کے ویٹنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"منظور بھائی! جو باتیں میں تم سے کئی بار کر چکا ہوں۔ اس میں ذرا کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے اور اگر تم صورتِ حال کو میرے ناموافق دیکھو تو مجھے فوراً اطلاع دے دینا۔ میرا پروگرام یہ ہے کہ میں امتحان کا نتیجہ نکلنے کے بعد بھی چند ہفتے اور سیر و سیاحت اور شکار میں مصروف رہوں گا۔ خان صاحب نے لکھا ہے کہ زیادہ وقت وہ بلوچستان میں گزاریں گے یا مسوری چلے جائیں گے اور میں تعطیلات کے دوران ان کے بیٹے خان محمد کی تعلیم کے سلسلہ میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ بہرحال میں جس جگہ بھی ہوا آپ کو میرے خط ملتے رہیں گے۔ میں اس بات سے بہت پریشان ہوں کہ ابا جی میرے رشتے کے لئے عبدالکریم صاحب کی بیٹی کی طرف بہت مائل نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کبھی مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ میں نے انہیں اس کا موقع دیا ہے۔ تاہم اندر ہی اندر ایک مہم چل رہی ہے۔ جس سے میں پریشان ہوں۔ اس سلسلہ

میں جب آپ میرے اباجی سے ملیں گے تو میرے مستقبل کا ذکر ضرور آئے گا۔ بھائی! اگر آپ ذرا عقل سے کام لیں تو انہیں یہ سمجھانا مشکل نہیں کہ آئندہ کئی سال تک میرے پروگرام میں شادی کا مسئلہ نہیں آئے گا۔ اگر وہ یہ بات نہ سمجھ سکیں تو عبدالکریم صاحب کو زیادہ آسانی سے سمجھایا جا سکے گا۔ امینہ ایک سمجھدار لڑکی ہے۔ لیکن میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اور اسے کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے بھی کہ نہیں، بہرحال مجھے اس سے یہ امید ضرور ہے کہ وہ میرے معاملات میں میری طرفدار ہوگی۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ یہ معاملہ اس حد تک آگے جائے۔ منظور صاحب! آپ کے لئے اباجان سے یہ کہنا مشکل نہیں ہوگا کہ میری شادی کا مسئلہ میری ذات اور میرے پروگرام سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی کو بھی اس کے لئے پریشان نہیں ہونا چاہیئے خصوصاً اس صورت میں کہ میرے خاندان کا کوئی آدمی مجھے بے وقوف نہیں سمجھتا۔"

منظور نے کہا۔ "یوسف صاحب! میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے اور آپ کی خاطر اپنا سارا علم کام میں لانے کی کوشش کروں گا۔ اور انشاء اللہ آپ کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اب چلیئے پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہیں۔"

منظور نے یوسف کا بیگ پکڑ لیا اور وہ باہر نکل آئے۔ جب تک گاڑی کھڑی رہی وہ باتیں کرتے رہے۔ جب انجن نے سیٹی بجائی تو یوسف ایک ڈبے میں بیٹھ گیا اور دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہنے لگے۔

یوسف چند ہفتے احمد خان کے مہمان کی حیثیت سے سندھ میں شکار کھیلنے میں مصروف رہا۔ پھر دو ہفتے کراچی کی سیر کی اس کے بعد وہ بلوچستان چلے گئے۔

کوئٹہ میں یوسف، احمد خان کے ساتھ اسی بنگلے میں ٹھہرا جہاں وہ اس سے پہلے قیام کر چکا تھا۔ اور چوتھے روز وہ تین مقامی شکاریوں اور ایک نوکر کے ساتھ

پہاڑوں کی طرف شکار کے لئے نکل گئے۔ اور پانچویں روز یوسف کوئٹہ واپس آ کر منظور کو یہ خط لکھ رہا تھا۔ "میرے بھائی! السلام علیکم۔

ہم نے کوئٹہ اور زیارت کے درمیان نو ہزار فٹ کی بلندی پر دو مارخور مارے تھے۔ ایک تو ایسے گہرے کھڈ میں گرا تھا جسے ابھی تک تلاش نہیں کیا جا سکا۔ دوسرا جس کا خوش قسمتی سے میں نے کل صبح شکار کیا تھا۔ آج بڑی مشکل سے ہمارے ساتھ کوئٹہ پہنچا ہے۔ چونکہ اس کے خراب ہو جانے کا احتمال تھا۔ اس لئے فوراً کچھ خان صاحب کے دوستوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور باقی کی دعوت کر دی گئی ہے۔ بھئی اس دعوت میں تم بہت یاد آئے۔"

دو ہفتے بعد یوسف کو منظور کا خط ملا۔ "بھائی! نتیجہ نکل آیا ہے اور تم میری توقع کے خلاف فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئے ہو! وہ مارخور جو تم نے شکار کیا تھا یقیناً ایک اچھا شگون تھا۔ بھئی ایسا نظر آتا ہے کہ یہاں کوئی کھچڑی پک رہی ہے شاید آپ کو جلدی گھر آنا پڑے۔ میں آپ کو تار دے دوں گا۔ بھائی جان، مجھے آپ کے اباجی سے گفتگو کے لئے دو بار موقع ملا ہے۔ لیکن میرا علم کسی کام نہیں آیا۔ پہلی بار تو میں ابھی تمہید باندھ رہا تھا کہ پانچ منٹ میں بات ختم ہو گئی —— دوسری ملاقات میں تو ایک لطیفہ ہو گیا۔ آؤ گے تو سناؤں گا۔"

ایک ہفتہ بعد یوسف کو پہلے منظور کا خط اور اس کے بعد اپنے باپ کا تار ملا۔ "جلدی گھر پہنچ جاؤ۔" منظور نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ:

"بھائی صاحب! مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ پانی سر سے گزر رہا ہے۔ آپ گھر آ جاتے تو بہتر ہوتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ امینہ بھی میٹرک میں پاس ہو چکی ہے اور عبدالکریم صاحب آپ دونوں کی ایک بہت بڑی دعوت کرنے کے لئے کسی موقع کے

انتظار ہیں تھے ۔ آپ کے خلاف ایک سازش ہو رہی ہے جسے روکنا میرے بس کی بات نہیں ۔ مجھے ڈر ہے کہ اس دعوت میں کسی تاخیر کے بغیر لڑکی اور لڑکے کے والد کی رضامندی سے یہ اعلان کر دیا جائے گا کہ آپ کی اور امینہ کی منگنی ہو چکی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ اس کھیل میں امینہ کا کوئی حصہ نہیں ہے ۔ وہ واقعی ایک سمجھ دار لڑکی ہے اور آپ کو کسی مصیبت میں نہیں ڈالے گی ۔ لیکن ان بزرگوں کو آپ ہی سمجھا سکتے ہیں ۔ آپ جتنی جلدی آ جائیں اسی قدر اچھا ہو گا —— ہاں بھائی وہ لطیفہ بھی سن لو ۔ جو میں ملاقات پر سنانا چاہتا تھا ۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کچھ اس طرح گفتگو شروع کی : چچا جان ! ایک ہونہار اور ذہین آدمی کی شادی کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے ۔ آپ کو کئی پہلوؤں سے اس پر غور کرنا پڑے گا ۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا ۔
"بیٹا مجھے معلوم ہے کہ یوسف جوان ہو چکا ہے ۔ انشاءاللہ اب اُس کی شادی کی مبارک رسم میں تاخیر نہیں ہو گی ۔ لڑکی بھی پاس ہو گئی ہے اور اس کا باپ ایک شاندار دعوت کا انتظام کر رہا ہے اور کئی رشتہ داروں کو خط لکھے ہیں کہ جلدی گھر پہنچ جائیں ۔" مجھے اتوار کا دن کوئی خطرناک دن محسوس ہوتا ہے ۔"

یوسف نے یہ حالات بیان کئے تو احمد خان نے مشورہ دیا : "میرے بھائی ! تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور اتوار سے پہلے پہنچ جاؤ گے ، مجھے اپنے حالات سے باخبر رکھو ۔ تمہاری وجہ سے میں نے اپنا سارا پروگرام بدل دیا ہے ۔ میں خان محمد کی خاطر ذہرہ دون کے پاس مسوری میں قیام کروں گا اور میری کوشش یہ ہو گی کہ جب تک گھر میں تمہارے حالات ٹھیک نہیں ہو جاتے تم میرے ساتھ رہو ۔ خان محمد کو ایک اچھے استاد کی ضرورت ہے اور تم سے بہتر اس کے لئے کوئی اور استاد نہیں ہو سکتا ۔ مجھے تم لاہور میں جس کے ہاں ٹھہرا کرتے ہو اس کا ٹیلی فون نمبر لکھ دو ۔ میں تم سے بات کر لیا کروں گا ۔ میں نوکر کو بھیج کر تمہارے لئے جمعہ کی سیٹ ریزرو کروا لیتا ہوں ۔"

"خان صاحب ! میرے لئے انٹر کلاس ٹھیک رہے گا اور کرایہ میرے پاس ہے ۔"
"میرے بھائی آج سے تم میرے بیٹے خان محمد کے اتالیق ہو اور جب تک تم کہیں اور مصروف نہیں ہو جاتے تمہیں باقی اخراجات کے علاوہ چار سو روپے تنخواہ ملتی رہے گی اور میں یہ سودا بہت سستا سمجھوں گا ۔ مجھے اُمید ہے کہ تم میری درخواست رد نہیں کرو گے ۔ ورنہ مجھے بہت صدمہ ہو گا کہ میں اپنے بیٹے کی ایک بہت بڑی ضرورت پُوری نہ کر سکا ۔"
"خان صاحب ! میں شکریہ کے ساتھ آپ کی دعوت قبول کرتا ہوں ۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ آپ نے میری کتنی الجھنیں دور کر دی ہیں ۔"
"بھائی ! الجھنیں تو میری دور ہوئی ہیں ۔ جسے اس بات کا خدشہ تھا کہ تم میری پیش کش قبول نہیں کرو گے ۔ میں اپنے بیٹے کو خوش قسمت سمجھتا ہوں ۔"
یوسف نے جواب دیا ۔ "خان صاحب ! اللہ مجھے آپ کی نیک توقعات پُوری کرنے کے قابل بنائے ۔"
تھوڑی دیر بعد یوسف منظور کو اپنے پروگرام کے متعلق ٹیلی گرام دے رہا تھا —— اور جمعہ کے روز احمد خان اُسے ڈیرہ دون ریلوے اسٹیشن پر رخصت کر رہا تھا ۔

کوکے شاہ کا زہر

گاڑی آٹھ بجے شام کے قریب لاہور اسٹیشن پر رُکی۔ یوسف نیچے اترا اور اپنا سوٹ کیس پلیٹ فارم پر رکھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دو منٹ بعد منظور بھاگتا ہوا ہجوم سے نکلا اور اس سے لپٹ گیا۔ اور اُس نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

"تمہیں اپنے اباجی کا تار مل گیا تھا؟"

"ہاں تم نے کسی کو یہ تو نہیں بتایا کہ مَیں اس گاڑی پر آرہا ہوں"؟

"نہیں بالکل نہیں۔ کل شام ان کا ذکر اور آج دوپہر میاں عبدالکریم تمہارے پروگرام کے متعلق پوچھنے آئے تھے۔ لیکن مَیں نے انہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ میں آپ کو فوراً یہاں پہنچنے کے لئے خط لکھ چکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی آپ کو تار دیئے ہوں گے۔"

"اُن کی طرف سے مجھے امتحان میں پاس ہونے پر مبارک باد کا تار ملا تھا۔ لیکن اگر تم خط نہ لکھتے تو مجھے یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ یہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ اباجی کا تار مجھے تمہارے خط کے ساتھ ملا تھا۔ اور اس وقت سے میرا سر چکرا رہا ہے۔ خان صاحب کو میری پریشانی کا علم ہوا تو وہ اُسی وقت مجھے اپنی کار میں بٹھا کر اسٹیشن کی طرف چل پڑے ہم گاڑی کی روانگی سے صرف پانچ منٹ قبل روہڑی پہنچے تھے۔ اب میں تم سے کوئی نئی خبر سننا چاہتا ہوں"۔

"مجھے صرف اِتنا علم ہے کہ پرسوں دوپہر کے لئے دعوت کی تیاریاں زوروں پر

ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے تمہارے اباجی کو سلام کرنے گیا تھا۔ وہ اس بات پر پریشان تھے کہ تم نے ان کے تار کا جواب نہیں دیا۔ میں نے یہ کہہ کر ان کی تسلی کر دی تھی کہ شاید آپ شکار پر گئے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خان صاحب آپ کو کوئٹہ یا کراچی سیر کے لئے لے گئے ہوں۔ پھر باتیں کرتے کرتے وہ اچانک عبدالکریم پر برس پڑے۔ کہتے تھے: "کہ یہ کتنا بے وقوف ہے جس نے یوسف کی طرف سے کسی اطلاع کے بغیر دعوت کی تاریخ بھی مقرر کر دی اور مہمانوں کو بھی بلا لیا"۔ میں نے کہا تھا۔ "جناب آپ اتنی فکر کیوں کرتے ہیں۔ یوسف کی دعوت بعد میں بھی ہوسکتی ہے۔ ابھی تو میرا خیال ہے کہ عبدالکریم صاحب اپنی بیٹی کے میٹرک میں پاس ہو جانے پر خوشیاں منا رہے ہیں"۔ اور تمہارے اباجان کہنے لگے۔ "بیٹا وہ بڑا بے وقوف ہے۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ جب دولت زیادہ آتی ہے تو عقل رخصت ہو جاتی ہے۔ حماقت کی انتہا یہ ہے کہ صرف ہمیں نہیں بلکہ ہمارے رشتہ داروں کو بھی دعوت نامے بھیج دیئے۔ اور دعوت کا مقصد جو مجھے بتایا ہے وہ یہ ہے کہ مہمانوں کے سامنے یوسف اور امینہ کی منگنی کا اعلان کر دیا جائے گا"۔۔۔۔ مَیں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔ میاں جی آپ نے یوسف کی مرضی معلوم کر لی ہے۔ وہ کہنے لگے۔ "یہی تو مجھے پریشانی ہے۔ یوسف نے اپنے کسی خط یا گفتگو میں یہ اشارہ تک نہیں کیا کہ وہ اُسے پسند کرتا ہے"۔ مجھے انہوں نے کہا تھا۔ "دیکھو بیٹا! وہ تمہارا دوست ہے۔ جب وہ یہاں آئے تو اُسے اپنا نفع و نقصان سمجھا دینا۔ میں اتنے دوستوں اور رشتہ داروں کے سامنے شرمندہ ہونا پسند نہیں کروں گا"۔

یوسف نے کہا: "منظور! تم میرا سوٹ کیس لے جاؤ۔ میں یہ طوفان گزر جانے تک تمہارے پاس ٹھہروں گا۔ لیکن کسی کو یہ نہ بتا دینا کہ میں لاہور پہنچ گیا ہوں"۔

منظور نے کہا: "یار کہیں جانے سے پہلے میرے ساتھ کھانا تو کھا لو"۔

یوسف بولا: "منظور! میں کسی تاخیر کے بغیر اپنے ہمدردوں سے ملنا چاہتا ہوں اگر انہوں نے روک نہ لیا تو میں تمہارے پاس آجاؤں گا۔ ورنہ ان حالات میں میرے لئے اُن کا گھر ایک محفوظ قلعہ ہو گا۔"

منظور نے سوٹ کیس اٹھا لیا اور وہ اسٹیشن سے باہر نکل کر تانگوں پر سوار ہو کر مختلف سمتوں کی طرف چل دیئے۔

کوئی نصف گھنٹے بعد یوسف، عبدالعزیز کے مکان پہ دستک دے رہا تھا۔ نوکر نے دروازہ کھول کر اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:

"آپ تھوڑی دیر اندر بیٹھیں۔ بی بی جی ابھی ابھی کار پہ باہر گئی ہیں۔ وہ مجھے کہہ گئی تھیں کہ میں واپس آکر کھانا کھاؤں گی۔"

یوسف صحن عبور کر کے برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نوکر نے اسے لیموں کے شربت کا ایک گلاس پیش کرتے ہوئے کہا:

"جناب دو تین دن سے آپ کا عبدالکریم کے گھر سخت انتظار ہو رہا ہے۔ آج دوپہر تک میاں صاحب کی بیوی اور بیٹی کا تیسرا پھیرا تھا۔ عبدالکریم صاحب بھی بار بار فون کرتے ہیں۔ آپ کے اباجی کا نوکر بھی کل شام اور آج صبح آیا تھا۔ وہ شاید اسی لئے پریشان تھے کہ آپ نے سندھ جاکر اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ آپ کب یہاں پہنچے ہیں؟"

"دوست محمد! میں سیر و شکار میں بہت مصروف رہا ہوں۔ اب تم اس بات کا خیال رکھو۔ کہ کوئی فون پر یا خود آکر پوچھے تو اسے یہ نہ بتاؤ کہ میں یہاں ہوں یا یہاں آیا ہوں۔ میں ایک ضروری کام میں مصروف ہوں۔ اس لئے کچھ عرصہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ میں کہاں ہوں۔"

دوست محمد نے کہا: "صاحب جی! اب میں سمجھ گیا۔ کہ آپ کسی بڑے ڈاکو کا پیچھا کر رہے ہوں گے۔"

"دوست محمد تم سمجھ دار آدمی ہو۔ ابھی میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کیا کر رہا ہوں لیکن یہاں چچی جان کے سوا ابھی کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ میں کہاں ہوں۔"

یوسف کی زبان سے سمجھ دار کہلوا لینا دوست محمد کے لئے بہت بڑا انعام تھا۔ اس نے کہا:

"جناب آپ مطمئن رہیں۔ جو بھی اس طرف آئے گا۔ میں اسے باہر سے ہی رخصت کر دوں گا۔"

"وہ خواہ عبدالکریم ہو یا کوئی اور ہو۔"

"جناب! آپ فکر نہ کریں۔ میں کسی کو مکان کے اندر لانے سے پہلے آپ کو کسی جگہ چھپا دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالکریم کے گھر والوں کی کسی بات پر ہماری بی بی جی بھی خوش نہیں ہیں۔ دوپہر کے وقت انہوں نے آتے ہی پہلے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ اور پھر وہ میرے منع کرنے کے باوجود بی بی جی کے کمرے میں گھس گئی تھیں۔ بی بی جی گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھیں اور ان پر برس پڑیں: "کہ تم بار بار یہاں آکر یوسف کے متعلق کیوں پوچھتی ہو؟ اگر وہ سندھ سے نہیں آیا ہے تو تم وہاں جاؤ۔ اگر سندھ سے آچکا ہے تو تم اس کے گھر کی تلاشی لو۔ یا اس کے دوستوں سے پتہ کرو۔" پھر کوئی دعوت کی بات چھیڑی تھی۔ تو بی بی جی نے یہ جواب دیا تھا: "اگر میرے میاں گھر میں نہ ہوں تو میں کسی دعوت پر نہیں جایا کرتی۔ اور تمہاری دعوت میں تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" عبدالکریم کی بیوی یہ کہہ بیٹھی بی بی جی آپ کو منانے کے لئے ہم یوسف کو بھیج دیں گے۔ بی بی جی نے کہا: "میں کہہ چکی ہوں کہ میں کسی صورت دعوت میں نہیں جاؤں گی۔" عبدالکریم کی بیوی اور صاحبزادی چلی گئیں تو عصر کے بعد راولپنڈی سے

انسپکٹر صاحب کا فون آیا مجھے معلوم نہیں کہ بی بی جی کے ساتھ انہوں نے کیا باتیں کی ہیں۔ میں صرف یہ سمجھ سکا ہوں کہ عبدالکریم کے گھر والوں پر ان کا غصہ کم نہیں ہوا۔"

یوسف نے کہا: "دوست محمد! میں بیٹھک میں جاکر نماز پڑھتا ہوں۔ اگر چچی جان مجھ سے بھی خفا نہ ہو گئی ہوں۔ تو یہ کہہ دینا کہ یوسف سلام کے لئے حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔"

دوست محمد نے کہا: "صاحب آپ نماز یہیں پڑھ لیں۔ آپ کو دیکھ کر بی بی جی بہت خوش ہوں گی۔"

"بہت اچھا!"

یوسف اٹھ کر وضو کے لئے غسل خانے چلا گیا۔ وضو کے بعد وہ اس بڑے کمرے میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ جہاں اس نے اپنی ماں کے ساتھ فہمیدہ اور اس کے عزیزوں کو پہلی بار دیکھا تھا۔ نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔

باہر سے موٹر کی گڑگڑاہٹ اور اس کے چند ثانیے بعد بلقیس کی آواز سنائی دی۔ اور وہ دعا ختم کر کے برآمدے میں نکل آیا۔ بلقیس برآمدے سے کچھ دور اسے دیکھ کر ٹھٹکی۔ اور پھر سر اونچا کر کے پوری تمکنت کے ساتھ آگے بڑھی۔

"چچی جان السلام علیکم" یوسف نے کہا۔

بلقیس نے مسکرانے یا بولنے کی بجائے اپنے ہونٹ بھینچ لئے اور پھر اچانک اس پر قہر آلود نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا:

"یوسف مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اتنے بے حس ہو جاؤ گے کہ ان کی سفارش لے کر میرے پاس آ جاؤ گے۔ میں کئی بار یہ کہہ چکی ہوں۔ کہ میں ان کی دعوت پر نہیں جاؤنگی۔ مجھے اس بات سے بہت تکلیف ہوئی ہے کہ اب تم ان کے وکیل بن کر یہاں پہنچ گئے ہو۔"

یوسف چند ثانیے ایک سکتہ کی حالت میں بلقیس کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر اس نے کہا:

"چچی جان آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آپ مجھے کس جرم کی سزا دے رہی ہیں۔"

"اچھا! تو تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ تم ساری دنیا کو بے وقوف سمجھتے ہو۔ میں نے دوپہر کے وقت انہیں کہہ دیا تھا کہ یوسف کو سفارش کے لئے یہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں میں کسی صورت وہاں نہیں جاؤں گی۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے پہلے میرے میاں سے فون کروایا۔ اور اس کے بعد تمہیں یہاں بھیج دیا۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"چچی جان میں سیدھا یہاں آیا ہوں۔"

"سیدھے یہاں آئے ہو تو سیدھے اپنے گھر جاؤ! اگر کوئی سمجھانے والی بات ہے تو اپنے باپ کو سمجھاؤ۔ یا پھر عبدالکریم اور اس کی بیوی کو سمجھاؤ۔ دیکھو! میری زندگی میں کوئی ان پھولوں کو نہیں مسل سکتا۔ جو مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔"

یوسف جس قدر بلقیس کے طرزِ عمل پر حیران تھا۔ اسی قدر اس بات پر آزردہ تھا کہ وہ اس جرأت سے یکایک کیوں محروم ہو گیا ہے۔ جس کی بدولت وہ بدترین حالات کو بھی ساز گار بنا لیا کرتا تھا۔ وہ بڑی کوشش کے بعد صرف اتنا کہہ سکا:

"چچی جان! آپ نے بہت تکلیف دہ باتیں کہی ہیں۔ لیکن جب یہ باتیں آپ کو یاد آیا کریں گی۔ تو آپ کو زیادہ تکلیف ہوا کرے گی۔ آپ کے سامنے میں پہلے بھی ایک بچہ تھا اور اب بھی ایک بچہ ہوں اور ایک بچے کے پاس ماں کے غصے کا آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ لیکن میں آپ کو اپنے آنسو نہیں دکھاؤں گا۔ جب میں چلا جاؤں گا تو مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت رہے گی ——— خدا حافظ چچی جان۔"

یوسف وہاں سے چل دیا اور مڑ کر دیکھے بغیر مکان سے باہر نکل گیا پھر ہر قدم پر اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔

بلقیس کچھ دیر دل گرفتہ سی ہو کر صحن کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ یوسف کو آواز دینا چاہتی تھی لیکن اس کی قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔ وہ آٹھ یا دس قدم آگے بڑھی —— رُکی اور پھر نڈھال سی ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی: "میرے اللہ مجھے کیا ہو گیا تھا —— میں کیا کر بیٹھی ہوں۔ اگر میں نے یوسف کا دل دُکھایا ہے تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اور وہ بھی مجھے دوبارہ دیکھنا پسند نہیں کرے گا —— نہیں وہ ایسا نہیں —— اُس نے یہ کہا تھا۔ کہ ایک بچے کے پاس ماں کے غصے کا آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا —— میرے اللہ! مجھے معاف فرما۔ کاش اس کے ساتھ میری گفتگو ایک خواب ہوتی۔ میرے اللہ! اگر قدسیہ کے بیٹے کو میری دعاؤں کی ضرورت ہے تو میں مرتے دم تک اس کے لئے دعائیں کرتی رہوں گی —— اس نے کتنے وثوق سے کہا تھا کہ جب مجھے یہ باتیں یاد آیا کریں گی تو زیادہ تکلیف ہو گی —— کاش میں اس کو روک لیتی اور اطمینان سے اس کی باتیں سن سکتی۔ ممکن ہے کہ میری سوچ بالکل غلط ہو۔ اور وہ آج بھی اتنا ہی معصوم ہو۔ جتنا کہ پہلے نظر آیا کرتا تھا۔"

بلقیس نے کرب کی حالت میں اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

دوست محمد نے جھجکتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا:

"بی بی جی! یوسف صاحب سیدھے یہاں آئے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ لاہور میں میرے متعلق چچی جان کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیئے۔"

"یہ کہا تھا اُس نے؟"

"جی ہاں، اُن کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی وجہ سے چھپ کر رہنا چاہتے

ہیں۔"

"دیکھو دوست محمد! تمہیں اس کے دوست منظور کا گھر معلوم ہے نا؟"

"جی اگر آپ حکم دیں تو میں ڈھونڈ لوں گا۔ اُن کے ابا جی کے نوکر اور عبدالکریم کے گھر والوں کو بھی یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔"

"دوست محمد! میں نے اسے بہت بُرے موڈ میں یہاں سے روانہ کیا تھا۔ اسی وقت اس کا پیچھا کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ اگر وہ صبح مل جائے تو صرف اتنا کہہ دینا کہ تم نے اُس کی چچی کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور وہ بہت پشیمان ہے۔"

"بی بی جی! اگر آپ حکم دیں تو میں انہیں یہاں لے آؤں گا۔ وہ بہت نیک ہیں۔ انہوں نے آتے ہی کہا تھا کہ میں بیٹھک میں نماز پڑھتا ہوں اگر چچی جی اجازت دیں تو انہیں کہہ دینا کہ میں سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ شاید انہیں یہ ڈر تھا کہ آپ کسی بات پر خفا ہیں —— کھانا لاؤں بی بی جی؟"

"نہیں ابھی نہیں، نماز کے بعد اگر میرے دل کا بوجھ اُتر گیا تو شاید میں دو نوالے کھا لوں۔ میرے دل پر یہ کتنا بڑا زخم ہے کہ قدسیہ کا بیٹا میرے گھر سے بھوکا گیا ہے۔"

یوسف، منظور کی قیام گاہ کے قریب پہنچا۔ تو اُسے دروازے سے باہر اچانک عبدالغفور، منظور احمد سے باتیں کرتا ہوا دکھائی دیا۔ دونوں نے اسے دیکھ کر بیک وقت کہا: "لو جی وہ آ گئے۔"

منظور نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے عبدالغفور کو سمجھا دیا ہے۔ جب تک آپ اجازت نہیں دیں گے۔ یہ کسی کو نہیں بتائے گا کہ آپ میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ویسے آپ کے گھر میں بڑی شدت سے آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

عبدالغفور نے آگے بڑھ کر کہا: "صاحب جی! آج بی بی جی نے بڑے شوق سے آپ کے لئے کھانے پکائے ہیں۔ صبح اُن کی والدہ، عبدالکریم صاحب کی بیگم کے ساتھ آپ کا پتہ کرنے آئیں تھیں۔ عبدالکریم کی بیگم صاحبہ جلدی میں تھیں۔ اس لئے آپ کے متعلق پوچھ کر چلی گئیں۔ لیکن بی بی جی کی ماں کو ابھی تانگے پر سوار کرا کے آیا ہوں۔ اگر آپ کا انتظار نہ ہوتا۔ تو بی بی جی بھی ان کے ساتھ چلی جاتیں۔ وہاں بہت سے مہمان جمع ہو گئے ہیں۔"

یوسف نے پوچھا: "اباجی گھر پر ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اچھا تم گھر جاؤ اور وہاں یہ کہہ دو کہ مَیں کچھ دیر تک آجاؤں گا۔ اور کھانا وہیں کھاؤں گا۔"

منظور احمد نے پوچھا: "آپ واقعی گھر جائیں گے؟"

"ہاں منظور۔ میں نے سوچا ہے کہ مجھے حالات سے بھاگنے کی بجائے اُن کا سامنا کرنا چاہیئے۔"

عبدالغفور نے کہا: "بی بی جی نے آپ کے لئے پلاؤ پکایا ہے۔ وہ کہتی تھیں کہ آپ کو پلاؤ بہت پسند ہے۔ مَیں آپ کے لئے بڑا اچھا گوشت لایا تھا۔ اگر آپ کو دیر ہو گئی تو بھی میں آپ کا انتظار کروں گا۔ میں آپ کی سائیکل یہیں چھوڑ جاتا ہوں اور آپ کا سامان تانگے پر لے جاتا ہوں۔"

یوسف نے کہا: "نہیں ابھی میرا سامان یہیں رہے گا۔"

"صاحب پھر بھی آپ کو سائیکل کی ضرورت ہو گی۔ اس لئے میں تانگے پر یا پیدل چلا جاؤں گا۔"

یوسف نے اسے ایک روپیہ نکال کر دیتے ہوئے کہا: "اچھا تم جاؤ اور میرا

انتظار کرنے کی بجائے کھانا ہاٹ کیس میں رکھ دینا۔ ہو سکتا ہے کہ منظور صاحب کے ساتھ باتوں میں کچھ دیر لگ جائے۔ اور پھر میں انہیں بھی ساتھ لیتا آؤں! اباجی اور امی کو میرا اسلام کہہ دینا۔"

منظور نے کہا: "یوسف صاحب مجھے یقین تھا۔ کہ آپ وہاں سے کھانا کھائے بغیر نہیں آئیں گے۔ اس لئے میں نے یہاں آتے ہی کھا لیا تھا۔"

عبدالغفور نے کہا: "جناب میاں جی تو شاید سو گئے ہوں گے لیکن بی بی جی آپ کا ضرور انتظار کر رہی ہوں گی۔ منظور صاحب آپ نے کھانا کھا لیا ہے۔ تو بھی یوسف صاحب کے ساتھ آجائیں۔ وہاں آپ کو بڑے لذیذ کباب ملیں گے۔"

"یار عبدالغفور کباب تو تمہارے بنائے ہوئے بہت لذیذ ہوتے ہیں، لیکن آج میرے نوکر دین محمد نے بھی کچھ کاری گری دکھائی تھی۔ خیال تھا کہ شاید یوسف صاحب یہاں سے کھانا کھا کر اس کی تعریف کریں گے۔ اس لئے میں نے خوب کھایا ہے۔ اب میں یوسف صاحب کو دروازے پر چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔ مجھے واقعی افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے پیٹ میں کچھ خالی جگہ کیوں نہیں رکھی۔"

عبدالغفور کو رخصت کرنے کے بعد یوسف اور منظور کوئی نصف گھنٹہ باتیں کرتے رہے۔ یوسف بظاہر ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ لیکن منظور کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ کہ اُس کے دل پر کچھ بوجھ ہے۔ اُس نے کہا:

"یوسف صاحب مجھے بتائیے تو سہی کہ وہاں کیا بات ہوئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ سخت لڑائی کے موڈ میں ہیں۔"

"منظور! مجھے معلوم نہیں کہ میں کیسے موڈ میں ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھے چاہنے والوں نے ہنسی مذاق میں میری گردن پر چھری رکھ دی ہے۔"

"ارے یار! یوں کیوں نہیں کہتے کہ سقراط کو زہر کا پیالہ پیش کیا جا رہا ہے۔"

"یار اس میں زہر والی کوئی بات نہیں۔ یہ حکیم اللہ رکھا کا وہ جوشاندہ ہے جسے دیکھتے ہی مجھے متلی آجایا کرتی تھی۔ گھر کے بزرگ اور اباجی خاص طور پر میرے منہ میں انڈیلنے کی کوشش کیا کرتے تھے ——— میں آنکھیں بند کرتا تھا۔ مٹھیاں بھینچ لیتا تھا اور بڑی ہمت سے منہ کھول کر ایک گھونٹ اپنے حلق سے اُتار لیا کرتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے قے آجایا کرتی تھی۔ ان باتوں کو کچھ برس ہو گئے ہیں، لیکن میں اب بھی جب اس جوشاندے کا تصور کرتا ہوں تو مجھے اس کی قے آور بو محسوس ہونے لگتی ہے۔"

منظور نے کہا: "یار اس لحاظ سے سقراط بدقسمت تھا کہ اس کے زمانے میں حکیم اللہ رکھا جیسے زہر فروش نہ تھے، لیکن خدا نہ کرے کہ تمہیں زہر پلانے والے کو خوش کرنے اور اس کے ساتھ ہی زندہ رہنے کا تجربہ کرنا پڑے۔"

یوسف نے کہا: "چھوڑو یار بار بار سقراط کا نام لے کر مجھ پر اپنی قابلیت کا رعب نہ ڈالو۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔"

"بھائی جان! معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بہت سنجیدہ ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ خدا نے آپ کے ہاتھ میں زہر کا پیالہ چکنا چور کرنے کی قوت دے رکھی ہے اور اگر کسی آہنی پیالہ میں چھید کرنے کے لئے میری مدد کی ضرورت پڑی تو میں ہر وقت موجود ہوں گا۔ آپ مجھے زندگی کے اندھیروں اور اجالوں میں ہر قدم پر اپنے ساتھ دیکھیں گے۔ اگر کوئی نازک مرحلہ آگیا ہے تو میں آپ کے اباجان، عبدالکریم صاحب۔ عبدالعزیز صاحب اور بیگم بلقیس سے بات کر سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان سب کی خوش فہمیاں اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔"

"مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شبہ نہیں منظور۔ لیکن ابھی دُور کے بادل صرف گرج رہے ہیں اور میں اس امکان سے مایوس نہیں ہوں کہ یہ برسے بغیر گزر جائیں گے۔ میں اباجی کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ خطرہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہم دونوں بے لچک ثابت ہوں گے، لیکن پھر مجھے یہ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ جب میں سنجیدہ ہو جایا کرتا ہوں تو وہ میری بات اطمینان سے سُنا کرتے ہیں۔"

منظور نے کہا۔ "یوسف صاحب میں آپ کے گھریلو معاملات میں دخل دینے سے بہت جھجکتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اپنی سوتیلی والدہ کے تعاون سے یہ الجھن بآسانی دُور کر سکتے ہیں۔ میں آپ کے بھائی صدیق سے ملتا رہتا ہوں۔ اور اس نے سوتیلی والدہ کے طرز عمل کے متعلق کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ ایک دن آپ کے چچا لاہور آئے تھے۔ اور آپ کا بھائی انہیں میرے پاس لے آیا تھا۔ بڑے خوش طبع آدمی ہیں۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی سوتیلی والدہ بچوں سے بہت پیار کرتی ہیں اور آپ کے خاندان میں اُن کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ لیکن آپ کا بھائی سگی ماں سے بہت خائف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب وہ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر صدقے جاؤں واری جاؤں کہنا شروع کرتی ہے تو وہ سہم جاتا ہے ———

——— یار وہ سائیں پیر کوٹ کے شاہ کون ہے؟

"بھئی میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ قائم دین اور اس کی بیوی اُس کے مرید ہیں۔"

"تمہارا چچا کہتا تھا۔ کہ وہ امرتسر کے آس پاس کہیں رہتا ہے۔ دوائیاں اور کشتے بھی بناتا ہے۔ اور قائم دین اور اس کی بیوی اسے ولی سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسے سادہ دل لوگوں کو اپنا طرف دار بنا لینا تمہارے لئے مشکل نہیں ہوگا۔"

"منظور تم مجھے بالکل اُلو سمجھنے لگ گئے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ مجھے ان لوگوں کو بھی سہارا سمجھ لینا چاہیئے جو نیک و بد کی تمیز نہیں رکھتے۔ اگر مجھے کسی کے تعاون کی ضرورت پیش آئی تو میرے لئے امینہ اور اس کے والدین کو راہِ راست پر لانا زیادہ آسان ہوگا ——— اب چلو۔"

وہ سائیکل پکڑ کر باہر نکلے تو یوسف نے کہا: "یار اگر تم پیدل چل سکو تو میری تھکاوٹ

دور ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" منظور نے جواب دیا اور وہ سڑک کے کنارے باتیں کرتے ہوئے چل پڑے۔

گھر کے قریب پہنچ کر یوسف نے منظور کو رخصت کیا۔ اور آگے بڑھ کر ڈیوڑھی کے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹانے ہی لگا تھا کہ اندر سے کنڈی کھلنے کی آہٹ سنائی دی ـــــ دروازہ کھلا ۔ اور وہ بجلی کی روشنی میں چراغ بی بی کو دیکھ رہا تھا ۔ یوسف السلام علیکم کہہ کر ڈیوڑھی میں داخل ہوا اور چراغ بی بی نے اسے دعائیں دیتے ہوئے کہا:

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم آ گئے۔ تمہارے ابا جان بہت پریشان تھے۔ وہ ابھی ابھی سوتے ہیں۔ صدیق بھی سو گیا ہے۔ لیکن اُس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جب تم آ جاؤ گے تو میں اُسے جگا دوں گی۔"

"اُسے جگانے کی ضرورت نہیں۔ اور آپ بھی آرام کریں۔ میرا خیال تھا کہ عبدالغفور کنڈا کھلا رکھے گا اور میں دبے پاؤں اُوپر جا کر چند نوالے کھانے کے بعد سو جاؤں گا۔"

"یوسف! تم یہ کیسے سوچ سکتے ہو۔ کہ میں تمہیں کھانا کھلائے بغیر سو سکتی ہوں۔"

"آپ کا بہت شکریہ، لیکن اب آپ آرام کریں ـــــ میرا بستر چھت پر ہے نا؟"

"ہاں۔ ابھی گرمی تو اتنی نہیں آئی۔ لیکن میں نے تمہارا بستر اُوپر لگوا دیا تھا۔"

"بہت اچھا۔ میں ہاٹ کیس وہیں لے جاؤں گا۔"

"میں نے کباب بھی پلاؤ کے ساتھ ہاٹ کیس میں رکھ دیئے ہیں۔ امید ہے کہ تم دونوں چیزیں پسند کرو گے۔ اور میں اس بات پر بہت خوش ہوں کہ تم کہیں باہر سے کھانا نہیں کھا آئے۔ ورنہ مجھے بہت افسوس ہوتا۔"

چند منٹ بعد یوسف اپنے بستر پر بیٹھ کر ہاٹ کیس کھول رہا تھا۔ پلاؤ کے دو لقمے کھانے کے بعد اسے فوری طور پر پانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ نیچے اترا۔ اور اس نے دوسری چھت کے زینے کے قریب مٹی کی صراحی سے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس بھر کر منہ کو لگا لیا۔ اور پھر صراحی اور گلاس اٹھا کر اوپر چلا گیا۔ لیکن زینہ عبور کرتے ہی اسے تلخی محسوس ہوئی اور اس نے یکے بعد دیگرے پانی کے دو اور گلاس بھر کر پی لئے۔ پھر وہ ایک کباب نکال کر چکھنے لگا۔ تو اسے محسوس ہوا کہ اسے مزید پانی کی ضرورت ہے۔ اُس نے کباب رکھ دیا۔ اور گلاس بھرنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے صراحی اٹھا کر منہ کو لگا دی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے اندر کوئی آگ ہے۔ جو ٹھنڈے پانی سے بجھ نہیں رہی۔ اُس نے صراحی حلق میں انڈیل لی۔ اور پھر اچانک اسے زور سے قے آئی۔ وہ نقاہت کے باعث لیٹ جانا چاہتا تھا۔ لیکن اچانک اسے خیال آیا کہ وہ کسی زہر کے اثر سے مر رہا ہے اور زہر اس کے کھانے میں تھا۔

زیادہ پانی پینے اور فوراً قے کرنے کے باعث وہ بچ گیا۔ لیکن زہر کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا۔ اگر وہ چند نوالے اور کھا لیتا تو اب تک وہ ختم ہو گیا ہوتا۔ موت کے خوف سے اس پر کپکپاہٹ سی طاری ہو گئی۔ ابھی تک پیاس سے اس کا سینہ جل رہا تھا۔ وہ اٹھا اور نیچے اتر کر زینے کے اس کونے تک جا پہنچا۔ جہاں پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ پھر اس نے مٹی کا ایک بڑا پیالہ اٹھایا جو گھڑے کے لئے ڈھکنے کا کام دیتا تھا۔ اور پھر بھر بھر کر پینا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر اسے متلی محسوس ہوئی۔ وہ اٹھ کر بیت الخلاء کی طرف بھاگا۔ لیکن پیٹ میں شدید ابال کی وجہ سے اس نے بیت الخلاء کے باہر ہی قے کر دی۔ قے سے فارغ ہو کر وہ لڑکھڑاتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے وہ کمرے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے دائیں ہاتھ وہ کمرہ تھا۔ جہاں اس کا بھائی صدیق سو رہا تھا۔ اور اس کے

ساتھ اس کے والد اور سوتیلی ماں کا کمرہ تھا۔ نیچے جانے والے زینے کے قریب دیوار کے ساتھ دو چارپائیاں کھڑی تھیں۔ وہ ایک بار پھر پانی پینے کے بعد اٹھا اور ایک چارپائی بچھا کر لیٹ گیا: "کیا میں زندہ ہوں"—— "کیا میں زندہ رہوں گا؟" وہ اپنے دل سے بار بار پوچھ رہا تھا۔ آسمان پر وہی ستارے جگمگا رہے تھے۔ جنہیں وہ رات کے وقت چھت پر لیٹ کر دیکھا کرتا تھا۔ ایک ستارہ ٹوٹا اور ایک ثانیہ کے لیے روشنی بکھیرنے کے بعد فضا میں تحلیل ہو گیا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اس نے اپنے دل میں کہا۔ "یہ ستارے اگر رات بھر ٹوٹتے رہیں تو بھی آسمان پر کوئی کمی محسوس نہیں ہوگی۔" پچھلے پہر کے چاند کی روشنی پھیل رہی تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی دوسری چھت کے زینے پر چڑھ رہا ہے۔ پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے جسم کی نقاہت آنکھوں تک جا چکی ہے۔ لیکن چھت کے قریب پہنچ کر چڑھنے والا متحرک سایہ اُسے صاف طور پر نظر آنے لگا۔ وہ اٹھا اور درمیانے جنگلے کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بالائی منزل کی سیڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ پھر جب وہ جنگلے کا سہارا لے کر اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا تو اس کی سوتیلی ماں ایک ہاتھ میں ہاٹ کیس اور دوسرے ہاتھ میں وہ ڈبہ اٹھائے نیچے آ رہی تھی۔ جس میں سے اس نے پلاؤ کے دو لقمے کھائے تھے۔ وہ اچانک یوسف کو سامنے دیکھ کر ٹھٹکی لیکن یوسف نے آگے بڑھ کر کہا:

"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ مَیں نے ابھی کھانا ختم نہیں کیا تھا۔ وہ تو پیاس لگ گئی تھی۔ صراحی میں پانی شاید کم تھا۔ اس لئے مجھے نیچے آنا پڑا۔ لائیے میں اپنا کھانا اطمینان سے ختم کروں گا۔"

پیشتر اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ اس نے اس کے ہاتھوں سے ہاٹ کیس اور ڈبہ جس میں سے اس نے پلاؤ کھایا تھا۔ پکڑ لیا۔

"یوسف——!" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ٹھیک ہو نا؟"

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ مَیں نے اپنی پیاس بجھانے کی بجائے کھانا شروع کر دیا تھا۔ یہ پلاؤ اتنا لذیذ ہے کہ میں اس کا ایک دانہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا—— آپ آرام کریں۔ اب خنکی بھی ہو گئی ہے۔ میں نیچے جا کر کھانا کھانے کے بعد آرام سے سو جاؤں گا۔"

"یوسف! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"جب میں پیٹ بھر کر کھاؤں گا تو میری طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ جائیں جا کر آرام کریں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ سب جاگ جائیں گے اور میرے حصے کا کھانا چھین لیں گے۔"

یوسف اُسے کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر مڑا اور چند قدم دُور نیچے جانے والے زینے میں غائب ہو گیا۔

چراغ بی بی خوف سے لرزتی ہوئی جنگلے سے نیچے دیکھنے لگی۔ اسے پہلے ہینڈ پمپ چلنے کی آواز آئی۔ پھر اُسے یہ محسوس ہوا کہ یوسف قے کر رہا ہے۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی—— خاموشی کے یہ دو تین منٹ اسے انتہائی خوفناک محسوس ہوئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور زینے کے ساتھ بجلی کا بٹن دبا کر نیچے اترنے لگی—— نیچے پہنچ کر اس نے دوسرا بٹن دبایا اور بجلی کی روشنی ڈیوڑھی سے صحن تک پھیل گئی—— یوسف اپنی سائیکل پکڑ کر ڈیوڑھی سے باہر نکل رہا تھا۔

"یوسف!" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟"

یوسف نے مڑے بغیر جواب دیا۔ "آپ کا لذیذ پلاؤ چکھتے ہی مجھے جو پیاس محسوس ہوئی ہے۔ وہ گھر کے پانی سے نہیں بجھ سکی۔ اس لئے دریا کے کنارے کھلی ہوا میں یہ کھانا اطمینان سے ختم کروں گا۔"

"یوسف! تم بیمار ہو۔ تم قے کر رہے تھے—— ٹھہرو۔"

یوسف نے جواب دیا۔" نہیں جب بیماری کے ساتھ قے شروع ہو جائے تو مریض کو گھر سے باہر رہنا چاہیئے۔ آپ کو اوپر کی چھت اور درمیانی چھت پر گھڑے رکھنے والی جگہ اور یہاں نلکے کے آس پاس اچھی طرح صفائی کروانی چاہیئے۔ اور وہ برتن بھی اچھی طرح صاف کر لیجیئے جن میں میرے لئے لذیذ کھانے تیار کئے گئے تھے تاکہ بیماری کا اثر کسی اور تک نہ پہنچے۔ اگر میں گھر نہ آ سکا۔ تو یہ یا اس سے بہتر ڈاکٹر کہیں یہاں پہنچ جائے گا۔"

چراغ بی بی کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اُس کی ٹانگیں اس کا بوجھ نہیں سہار سکتیں۔ وہ نڈھال سی ہو کر سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ اور یوسف سائیکل لے کر باہر نکل گیا۔ وہ اٹھی لرزتی اور لڑکھڑاتی ہوئی ڈیوڑھی کے دروازے کی طرف بڑھی۔ یوسف گلی سے غائب ہو چکا تھا۔ صحن کی پچھلی کوٹھڑی سے عبدالغفور نمودار ہوا۔

"بی بی جی! کیا ہوا؟ میں پمپ چلنے کی آواز سے بیدار ہوا تھا۔ اور پھر مجھے ایسا لگا جیسے کوئی قے کر رہا ہے۔ جب میں پوری طرح بیدار ہوا تو مجھے آپ کی اور یوسف صاحب کی آوازیں سنائی دیں ——— اُن کی سائیکل یہاں نہیں ہے؟ کہیں میاں صاحب تو اُن سے ناراض نہیں ہوئے۔"

چراغ بی بی نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔" میں بھی نلکہ چلنے اور قے کی آواز سُن کر آئی تھی، لیکن شائد یوسف یہ سمجھتا تھا۔ کہ اسے ہیضہ ہو گیا ہے۔ اس لئے گھر نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ وہ اتنی جلدی باہر نکل گیا تھا کہ مَیں اُسے روک بھی نہ سکی۔"

"بی بی جی، آپ آرام کریں شاید وہ ڈاکٹر کے پاس گئے ہوں۔"

"دیکھو عبدالغفور! اگر یوسف کے ابا جی کو یہ پتہ چلا کہ میں نے اسے بیماری کی حالت میں نکلتے ہوئے دیکھا تھا اور تم بھی جاگ اٹھے تھے تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔ مَیں کیا جواب دوں گی کہ میں اُسے بھاگ کر روک بھی نہ سکی ——— میں نے شور

بھی نہ مچایا۔ میں نے اس کے بھائی کو بھی نہ جگایا۔"

"بی بی جی! خدا خیر کرے گا۔ آپ اوپر جا کر اُن کے لئے دُعا کریں۔ یہاں کئی ڈاکٹر انہیں جانتے ہیں۔ انشاءاللہ وہ کل مسکراتے ہوئے گھر آئیں گے۔"

چراغ بی بی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔" دیکھو عبدالغفور! تم نے مجھے یوسف کے ابا جی کے غصّے سے بچا لیا تو میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"بی بی جی! آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

چراغ بی بی آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگی۔ اور نچلی چھت کے اوپر پہنچ کر سر پکڑ کر اسی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ جہاں کچھ دیر پہلے یوسف بیٹھا تھا۔ وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہی تھی۔ "یا اللہ میں کیا کر بیٹھی ہوں ——— اب کیا ہوگا ——— وہ یہ سمجھ گیا ہے کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ اور وہ باقی کھانا اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس نے ایک مشہور ڈاکو کو گرفتار کیا تھا۔ میں اس سے کیسے بچ سکتی ہوں۔ اگر وہ چاہتا تو ایک ہاتھ سے میرا گلا گھونٹ سکتا تھا۔ لیکن اس نے مجھے زندہ کیوں چھوڑ دیا؟ کیا یہ اس لئے تھا کہ وہ اپنے باپ سے بہت پیار کرتا ہے۔ اور مجھے اس کی بیوی سمجھ کر معاف کر گیا ہے ——— کاش! میری ماں مجھے جنم نہ دیتی ——— کاش! میں اس کے مشورے نہ سنتی۔ اگر یہ معاملہ آگے بڑھا۔ تو میں، میری ماں، میرا باپ اور وہ کالے منہ والا پیر کو کے شاہ سب پکڑے جائیں گے۔ یا اللہ میرے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا تھا۔ کہ اگر امینہ اس گھر میں بہو بن کر آ گئی تو میں بہت حقیر ہو جاؤں گی ——— کاش میں اپنی ماں کے مشوروں سے کان بند کر لیتی۔ اب یوسف کالے پیر کا زہر کھا کر بھی زندہ ہے۔ اور میں اور میری ماں جو اس گھر پر حکومت کرنا چاہتی تھیں۔ اتنی ذلیل ہو جائیں گی۔ کہ کوئی ہمیں منہ لگانا پسند نہیں کرے گا۔ یہ معاملہ امینہ کے گھر تک پہنچے گا تو دنیا میں ہمارے لئے سر چھپانے کے لئے جگہ نہیں رہے گی جو تھوڑی سی جائیداد میرے باپ نے خریدی ہے۔ اس کے باوجود

ہیں کسی جگہ قابلِ عزت نہیں سمجھا جائے گا۔ مجھے اپنی جان بچانے کے لئے بھی امینہ اور اس کی ماں کے پاؤں پر گرنا پڑے گا ——— وہ کتنی پریشان تھیں کہ یوسف گھر نہیں پہنچا۔ کاش میں یوسف کو زہر والے کھانے کھلانے کی بجائے اسے ساتھ لے کر امینہ کے گھر چلی جاتی اور پھر اس کے ساتھ خوشی خوشی واپس آتی۔ اور یوسف کے ابا کو جگا کر یہ کہتی کہ آپ گہری نیند سو رہے تھے۔ اس لئے میں یوسف کو لے کر لڑکی والوں کے گھر چلی گئی تھی۔ تاکہ انہیں تسلی دے سکوں۔ آپ بلاوجہ پریشان تھے کہ یوسف یہ رشتہ پسند نہیں کرے گا۔ لیکن وہ بہت خوش تھا۔ امینہ ہمیں اپنی کار پر چھوڑ کر گئی ہے۔ پیر کوکے شاہ تیرا بیڑہ غرق ہو۔ تو نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اگر اس وقت تو میرے سامنے آجائے تو میں تیرا منہ نوچ لوں گی۔

کمرے سے عبدالرحیم اسے آواز دیتا ہوا باہر نکلا۔ اور اس نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"جی! میں یہاں ہوں"۔

"یوسف نہیں آیا؟" اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"جی وہ آیا تھا۔ آپ سو رہے تھے اس لئے وہ کہیں چلا گیا ہے"۔

"کہاں چلا گیا ہے؟"

"جی مجھے معلوم نہیں۔ اس کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ اسے قے آنا شروع ہوگئی تھی۔ اور وہ یہ سمجھ کر سائیکل پر باہر نکل گیا تھا کہ شاید اسے ہیضہ ہوگیا ہے"۔

عبدالرحیم نے گرج کر کہا: "وہ ہیضہ کی حالت میں باہر نکل گیا ہے اور تم نے مجھے اطلاع تک نہ دی۔ تمہارے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی"۔

"جی اُس نے مجھے کسی کو جگانے سے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنی سائیکل پر گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سیدھا ڈاکٹر کے پاس جائے گا ——— یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ

میاں عبدالکریم کے گھر چلا گیا ہو"۔

"تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں! وہ مجھے ملے بغیر کہیں نہیں جا سکتا تھا"۔

"جی مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہاں آتے ہی اس کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ اور وہ اس طرح اچانک چلا جائے گا"۔

"اگر وہ کریم کے گھر گیا ہو تو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی۔ مجھے اس بات کا ڈر تھا۔ کہ وہ رشتے کے متعلق ہمارے فیصلے سے بغاوت نہ کر دے"۔

"آپ کا مطلب ہے کہ امینہ اسے پسند نہیں تھی؟"

"مجھے معلوم نہیں کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ کیوں کہ جب بھی میں اس کی منگنی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ تو وہ ٹال دیتا تھا"۔

"جی وہ شرماتا ہوگا۔ یہ بات تو آپ کے گاؤں کے سب لوگ اور اس محلے والے بھی جانتے ہیں کہ یوسف کیا چاہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ امینہ اپنے ساتھ کیا کچھ لائے گی۔ عبدالکریم کی بیوی نے یہ بات تو میرے سامنے کہی تھی۔ کہ دوسری کوٹھی وہ امینہ کے لئے بنوائیں گے"۔

"میرا بیٹا ایسی باتیں نہیں سوچتا۔ وہ جہیز کے لالچ میں شادی نہیں کرے گا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لڑکی قدسیہ مرحومہ کو بھی پسند نہ تھی۔ ورنہ یہ منگنی اس کی زندگی میں ہی ہوگئی ہوتی۔ اگر عبدالکریم فوراً منگنی کے اعلان پر ضد نہ کرتا تو میں یوسف کے دل کی بات پوچھنے کی ذمہ داری تمہیں سونپ دیتا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو کر اس لڑکی کو پسند کرے گا۔ جو بلقیس بیگم کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھی۔ تم نے اس کی ماں اور نانی کو بھی دیکھا ہوگا۔ وہ لڑکی بڑی خوب صورت ہے۔ اگر یوسف کے دل میں اس کے ساتھ شادی کرنے کا خیال پیدا ہوگیا، تو یہ معاملہ بہت خراب ہو جائے گا"۔

"نہیں جی! یوسف وہی کرے گا جو آپ چاہتے ہیں۔"

"اگر وہ لڑکی تم نے غور سے دیکھی ہوتی تو تم فوراً یہ سمجھ جاتیں کہ جب یوسف نے ایک بار اُس خاندان سے تعلق جوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ تو ہم بے بس ہو جاتیں گے وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو کچھ حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ ترک کر دیا کرتے ہیں۔"

"یہی تو میں کہتی ہوں کہ وہ امینہ کا گھر ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے جان پر کھیلنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ وہ بہت دُور کی سوچتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ امینہ کی وجہ سے دونوں گھروں پر اس کی حکومت ہو گی۔ اور امینہ کا باپ بھی یہ سمجھتا ہے کہ اس کی بیٹی دونوں خاندانوں پر راج کرے گی۔"

چراغ بی بی کو اِس گفتگو کے دوران یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ یوسف کے والد کو قائل کرنے کی بجائے اپنے دل کو تسلی دے رہی ہے اور اس کا دِل ملامت کے احساس سے پِسا جا رہا تھا۔

عبدالرحیم نے کہا: "میں مسجد میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ اگر یوسف آ جائے تو اُسے روک لینا۔ اگر اُس کے دِل پر کوئی بوجھ ہے، تو میں چند منٹ میں دور کر دُونگا۔"

چراغ بی بی نے اُٹھ کر کہا: "اگر اُس کے دل پر اس وجہ سے بوجھ ہے کہ اِس دعوت میں اس کی منگنی کا اعلان ہو گا، تو آپ کیسے دُور کر سکیں گے؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا: "خدا میرے بیٹے کو صحت دے۔ اگر وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو سکا، تو چند دن بعد میاں عبدالکریم کو ایک اور دعوت کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اور اس میں منگنی کے اعلان کی بجائے نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

عبدالرحیم یہ کہہ کر نیچے اُتر گیا، اور چراغ بی بی اپنے دل کو پھر یہ تسلی دے رہی تھی کہ اس سے جو جرم سرزد ہوا ہے وہ بلا وجہ تھا —— پھر وہ کمرے کے اندر بستر

پر لیٹی اپنے دِل میں کہہ رہی تھی: کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ امینہ کو اِس گھر سے دُور رکھنے کے اور بھی طریقے ہیں۔ لیکن مَیں بیوقوف تھی۔ میں نے فہمیدہ کے متعلق کیوں نہیں سوچا تھا۔ میں امینہ کے حسد سے کیوں اندھی ہو گئی تھی۔ ایک احمق ماں اور بے وقوف باپ کی بیٹی نے کیوں یہ سمجھ لیا تھا کہ اُس سے کوئی عقل کی بات بھی ہو سکتی ہے۔ مَیں نے امینہ کے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کی بجائے اپنے پاؤں کاٹ لئے ہیں، کاش میں اس کے ساتھ فہمیدہ کے متعلق باتیں کیا کرتی۔ اور اس کے خیالات معلوم کرنے کے بعد پُوری قوت کے ساتھ جالندھر والوں کے گھر میں یوسف کی منگنی کی حمایت کرتی۔ پھر وہ عمر بھر کے لئے میرا احسان مند ہو جاتا —— میری کسی نیکی کے بغیر بھی تو وہ دِل سے میری عزت کرتا تھا، لیکن اب کیا ہو گا'' اس کے پاس اضطراب کی حالت میں مٹھیاں بھینچنے، آہیں بھرنے، سسکیاں لینے اور آنسو بہانے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

یوسف منظور کے مکان کے قریب پہنچ کر نڈھال سا ہو چکا تھا۔ اس نے سائیکل ایک دیوار کے ساتھ کھڑی کی اور لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دینے کے بعد دہلیز پر بیٹھ گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ پھر دروازے پر ہاتھ مارنے لگا۔

اندر سے کنڈی کھلی اور دین محمد نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا:

"صاحب کیا ہُوا آپ کو؟ آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟"

"دین محمد میری طبیعت ٹھیک نہیں!"

منظور بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اور اس نے یوسف کا بازو پکڑ کر اٹھنے کے لئے سہارا دیتے ہوئے کہا:

"یوسف بھائی کیا ہوا؟"

"تم مجھے کسی نچلے کمرے میں ہی لٹا دو۔ اور جلدی سے ڈاکٹر کو بلا لاؤ اور دیکھو اس ہاٹ کیس کی پوری طرح نگرانی کرو۔ اس کے اندر جو کھانا ہے۔ اسے چھونا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اسے الماری میں بند کر کے تالا لگا دو۔ تم ڈاکٹر کو یہ بتا سکتے ہو کہ مریض نے کوئی زہریلی چیز کھالی ہے اور تین مرتبہ پیٹ بھر کر پانی پینے سے کھل کر قے آئی ہے۔ اب قے رُک گئی ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ انتڑیاں اندر سے ٹوٹ رہی ہیں۔ اگر تم ڈاکٹر ٹھاکر کے گھر پہنچ سکو۔ تو وہ میرا نام سنتے ہی تمہارے ساتھ چل پڑیں گے۔ تم میرے ساتھ ان کا مکان اور دکان بھی دیکھ چکے ہو۔ اگر وہ نہ ملے تو ڈاکٹر نور الٰہی کے گھر چلے جاؤ۔ میں موجودہ حالات میں کسی اجنبی کو اعتماد میں نہیں لے سکتا۔"

"نہیں یوسف صاحب میرے ماموں ڈاکٹر محمود علی تبدیل ہو کر ریلوے ہسپتال میں آ چکے ہیں۔ میں سیدھا اُن کے پاس جاؤں گا۔"

یوسف نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا: "بہت اچھا۔ انہیں یہ بتا دینا کہ میں کوئی زہریلی چیز کھا چکا ہوں۔"

منظور نے اسے سہارا دے کر ایک کمرے کے اندر بستر پر لٹا دیا۔ اور بجلی کا پنکھا آن کرتے ہوئے نوکر سے کہا:

"دین محمد تم ان کا خیال رکھو ــــ میں جلدی آ جاؤں گا۔"

وہ چلا گیا تو یوسف نے دین محمد سے کہا:

"تم ٹھنڈے پانی کا ایک جگ لے آؤ اور اس میں ایک چمچہ نمک ڈال کر میرے پاس رکھ دو۔"

تقریباً ایک گھنٹہ بعد منظور واپس آیا۔ تو اس کی سائیکل کے پیچھے ایک تانگہ

آ رہا تھا۔ دین محمد دروازے سے باہر کھڑا تھا۔ منظور نے سائیکل سے اترتے ہی سوال کیا:

"یوسف صاحب کا اب کیا حال ہے؟"

"جناب! وہ بستر پہ آنکھیں بند کئے پڑے ہوئے ہیں۔ نمکین پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد ان کا جی متلانے لگا تھا۔ لیکن قے نہیں آئی۔ پھر انہوں نے کہا۔ اس پانی میں برف ڈالو اور مجھے چمچہ کے ساتھ پلاتے جاؤ۔ اور میں اب تک ایک بڑا گلاس انہیں پلا چکا ہوں۔"

ڈاکٹر تانگے سے اترا اور منظور اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ یوسف نے ان کی آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں اور بستر سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن منظور نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے روکتے ہوئے کہا:

"یوسف صاحب آپ آرام سے لیٹے رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ماموں جان مجھے جاتے ہی مل گئے تھے۔"

ڈاکٹر محمود نے کسی تاخیر کے بغیر یوسف کی نبض دیکھی، اس کا بلڈ پریشر چیک کیا۔ اس کے بعد اس کی آنکھوں کا معائنہ کیا۔ پھر اسے ایک ٹیکہ لگایا۔ اور چند سوالات پوچھنے کے بعد منظور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بیٹا قدرت نے تمہارے دوست کی مدد کی ہے۔ اس طرح اس کا یک لخت اتنی مقدار میں پانی پی جانا اور پھر قے کر دینا ایک معجزہ ہے۔ اب انہیں نمکین پانی میں گلوکوز ڈال کر پلاتے رہو، گلوکوز کا ڈبہ میرے بیگ میں ہے۔ اور اگر انہیں نیند آ جائے تو بہت اچھا ہو گا۔ کچھ دیر سونے کے بعد ان کی طبیعت بہت بہتر ہو جائے گی اور ہم انہیں دودھ پلا سکیں گے۔ اس کے بعد میں انہیں اپنے ساتھ ہسپتال میں لے جاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں ٹھیک ہو رہا ہوں۔ اور ہسپتال جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"نہیں بیٹا!" ڈاکٹر محمود علی نے شفقت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "جب تک مجھے یہ تسلی نہیں ہو جاتی کہ تم بالکل ٹھیک ہو گئے ہو۔ تمہیں ہسپتال میں رہنا پڑے گا۔"

"ڈاکٹر صاحب میں نے دو نوالے ہی منہ میں ڈالے تھے۔"

"بیٹا! بعض خوش قسمت لوگوں کی انتڑیوں کا نظام ایسا ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ کوئی مُضر چیز نگل لیں تو فوراً قے آجاتی ہے اور تم اسی وجہ سے بچ گئے ہو۔ ہم وہ کھانا بھی اُٹھا کر لے جائیں گے۔ اور لیبارٹری میں میرے کچھ دوست ہیں اور میں ان سے پوری طرح چیک کرواؤں گا۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحب میں یہ نہیں چاہتا۔ کہ یہ معاملہ ہمارے گھر تک پہنچے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ مجھے زہر دینے والا کون تھا۔"

"بیٹا! اگر یہ بات ہے۔ تو ہم پرائیویٹ طور پر اپنی تسلی کے لئے یہ کھانا چیک کروالیں گے۔ اور لیبارٹری میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

تیسرے دِن بلقیس ظہر کی نماز سے فارغ ہوئی تو دوست محمد نے برآمدے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا:

"بی بی جی! یوسف صاحب کا نوکر آیا ہے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔"

"کیا کہتا ہے وہ؟"

"بی بی جی! وہ مجھے صرف یہ بتا کر رو پڑا تھا کہ میں یوسف صاحب کی خبر لینے

آیا ہوں۔"

بلقیس نے کہا۔ "اُسے اندر لے آؤ۔"

"بی بی جی! آپ اُسے کچھ نہ کہیں۔ وہ بہت دُکھی معلوم ہوتا ہے۔"

دوست محمد یہ کہہ کر ڈیوڑھی کی طرف بڑھا اور ایک منٹ بعد عبدالغفور بلقیس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی مغموم صورت دیکھ کر بلقیس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے پوچھا۔ "عبدالغفور کیا بات ہے؟"

"بی بی جی! ہم کل صبح سے یوسف صاحب کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ رات کے وقت گھر آئے تھے اور پچھلے پہر کہیں چلے گئے تھے۔ وہ آج عبدالکریم کے گھر دعوت میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ میاں جی کا خیال تھا کہ اگر آپ دعوت میں آئیں تو شاید ان کے متعلق کچھ بتا سکیں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یوسف عبدالکریم کے گھر نہیں گیا تھا؟"

"جی نہیں۔ وہ نہیں آئے تھے۔ میں ان کے دوست منظور صاحب کے گھر بھی گیا تھا، لیکن ان کے نوکر نے بتایا تھا۔ کہ وہ گھر نہیں ہیں اور یوسف بھی وہاں نہیں آئے۔ میں کل رات اور آج صبح بھی منظور صاحب کے گھر گیا تھا۔ لیکن وہ اپنے نوکر کو یہ بتا کر نہیں گئے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ عبدالکریم کا نوکر فضل دین بھی منظور صاحب کے علاوہ اُن کے کئی جاننے والوں سے پتہ کر چکا ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ یوسف صاحب کہاں ہیں۔ منظور صاحب کا بھی کسی نے نہیں بتایا۔"

بلقیس بولی: "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کہ یوسف اپنے گھر کیوں نہیں ٹھہرا اور پچھلے پہر یہ بتا کر کیوں نہیں گیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔"

عبدالغفور نے کہا: "بی بی جی۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں۔ کہ یوسف صاحب جب گھر سے نکلے تھے تو اُن کی طبیعت خراب تھی۔ وہ قے کرنے کے بعد نکلے

سے پانی پی رہے تھے۔ پھر وہ اپنی سائیکل پر سوار ہو کر باہر نکل گئے تھے۔"

"تم نے اُن سے کچھ پوچھا تھا؟"

"جی نہیں۔ مجھے پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو وہ سائیکل پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ میرا خیال تھا۔ کہ وہ کسی ڈاکٹر سے دوائی لینے گئے ہونگے"

بلقیس نے کہا: "دیکھو عبدالغفور تم ایک اچھے آدمی ہو، یوسف کو تلاش کرو۔ اور اگر وہ مل جائے تو فوراً مجھے اطلاع کر دو۔"

پانچویں دن عبدالرحیم کو یوسف کا خط ملا۔

"ابا جان مجھے آپ کی پریشانی کا پورا احساس ہے اور میں خلوصِ دل سے اپنی کوتاہی کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ میں گھر پہنچا تھا تو آپ سو رہے تھے۔ اس لئے میں نے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ میری طبیعت راستے میں ہی ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن گھر پہنچتے ہی مجھے قے شروع ہو گئی۔ مجھے احساس ہوا کہ شاید مجھے اُسی بیماری نے پکڑ لیا ہے، جس نے چند گھنٹوں میں امی جان کو ہم سے جُدا کر دیا تھا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ ایسی بیماری میں وقت بہت اہم ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کو پریشان کرنے کی بجائے۔ میں ڈاکٹر کی تلاش میں چل پڑا تھا۔ میرا ایک مخلص دوست میرے ساتھ تھا۔ اور وہ مجھے اپنے ماموں کے پاس لے گیا تھا۔ صرف چند گھنٹے میں ہسپتال میں رہا تھا۔ پھر یہ بزرگ ڈاکٹر مجھے اپنے گھر لے گئے ——— اب میں رُو بہ صحت ہوں، لیکن اتنا کمزور ہو چکا ہوں۔ کہ اگر آپ مجھے دیکھیں تو آپ کو تکلیف ہو گی۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں، کہ ایک ہفتہ آرام کرنے کے بعد میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ لیکن میری خواہش یہ ہے کہ مجھ میں کچھ جان آ جائے۔ اور میں فوراً گھر پہنچ جاؤں۔"

عبدالرحیم نے یہ خط بیوی کو سنایا۔ پھر صدیق کو پیار کر کے اسے تسلی دی اور اُٹھ کر عبدالکریم کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ تو عبدالکریم نے ان کا چہرہ دیکھتے ہی سوال کیا:

"یوسف کا کچھ پتہ چلا؟"

"جی ہاں، مجھے بلاوجہ اس پر غصہ آتا رہا۔ اور آپ بھی پریشان رہے ہیں۔ لیکن وہ بے قصور تھا۔ وہ گھر پہنچتے ہی بیمار ہو گیا تھا۔ قے کی وجہ سے اُسے شک ہوا کہ شاید اسے بھی اپنی ماں کی طرح ہیضہ ہو گیا ہے۔ یہ اس کی عادت ہے کہ وہ اپنی تکلیف میں کسی دوسرے کو حصہ دار نہیں بنایا کرتا۔ اس لئے وہ چپکے سے کسی ڈاکٹر کے پاس چلا گیا تھا۔ آج اس کے خط سے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ کمزوری کی حالت میں میرے سامنے بھی آنا پسند نہیں کرتا ——— بیٹی امینہ ادھر آؤ۔"

امینہ اپنی آنکھیں پونچھتی ہوئی آگے بڑھی۔ عبدالرحیم نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بیٹی مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا کسی کا دل نہیں دکھا سکتا۔ اُس کا خط پڑھ کر تمہارے اور تمہاری امی کے تمام گِلے شکوے دور ہو جائیں گے۔"

"ابا جان! یوسف صاحب سے کسی کو گلہ نہیں ہونا چاہیئے۔ جو راستہ وہ اختیار کرتے ہیں ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔ مجھے اس پر بھی تعجب نہیں کہ انہوں نے بیماری اور تکلیف کی حالت میں اپنے عزیزوں سے دُور رہنا پسند کیا ہے تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو۔ لوگ یوسف صاحب جیسے انسانوں کو سمجھنے میں اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔ اور میں اس بات سے ڈرتی ہوں۔ کہ کہیں آپ اور میرے والدین بھی انہیں سمجھنے میں غلطی نہ کر بیٹھیں، ممکن ہے کہ ان کے گھر سے نکلنے اور پھر بیماری کی حالت میں اتنے دن غائب رہنے میں کسی ایسی بات کا دخل ہو۔ جو اس وقت ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یوسف کی بہت سی باتیں سمجھنے

کے لئے ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہو گی۔"

امینہ نے جواب دیا۔"ایک صاف دِل اور سیدھے آدمی کو کسی کی عقل سے نہیں بلکہ اپنے دل سے سمجھا جا سکتا ہے۔"

عبدالرحیم نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"بیٹی مجھے ٹھنڈا پانی پلاؤ اور سب میرے پاس بیٹھ جائیں۔ میں ایک اہم فرض سے سُبک دوش ہونا چاہتا ہوں۔"

امینہ نے شربت کا ایک گلاس لا کر پیش کیا اور پوچھا:

"میاں جی آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

عبدالرحیم نے چند گھونٹ اطمینان سے پینے کے بعد کہا:

"بیٹی میں بالکل ٹھیک ہوں، اس وقت میں اپنے دل کی بات کر رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ایک سیدھی سی بات پر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

عبدالرحیم نے یہ کہہ کر گلاس تپائی پر رکھ دیا اور پھر اپنی جیب سے ایک ڈبیہ نکال کر کھولتے ہوئے کہا۔"بیٹی اپنا ہاتھ ادھر کرو۔"

امینہ نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے کر دیا لیکن کھلی ڈبیہ میں سنہری انگوٹھی دیکھ کر اچانک پیچھے ہٹا لیا۔

ماں نے جلدی سے کہا:"بدشگونی نہ کرو بیٹی۔"

امینہ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا:

"امی جان بدشگونی تو یہ ہے کہ جس کی طرف سے مجھے یہ انگوٹھی پیش کی جا رہی ہے وہ خود یہاں نہیں ہے ——— اگر یہ میرا اور یوسف صاحب کا مسئلہ ہے۔ تو اس کا فیصلہ ہم علیحدہ علیحدہ نہیں کر سکتے۔ میں ان کے متعلق یہ نہیں سوچ سکتی کہ ان کی تائید اور رضامندی کے بغیر ہمارا کوئی فیصلہ صحیح ہو گا۔"

عبدالرحیم نے پریشان ہو کر کہا:

"بیٹی تمہیں اس کے خلوص اور شرافت پر شک نہیں کرنا چاہیئے۔"

"ابا جان اگر وہ میرے ہاتھوں میں یہ انگوٹھی دیکھنا پسند نہ کریں تو بھی مجھے اُن کے خلوص اور شرافت پر شبہ نہیں ہوگا، لیکن ہمیں یہ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور کچھ چاہتے بھی ہیں یا نہیں۔ آپ یہ انگوٹھی امانت کے طور پر رکھ جائیں۔ جب یوسف صاحب یہ کہیں گے۔ کہ مجھے یہ انگوٹھی پہن لینی چاہیئے۔ تو میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گی۔ وہ بہت نیک دل ہیں اور میں نے بھی ان سے دوسروں کے احساسات کا احترام کرنا سیکھا ہے۔"

عبدالرحیم نے کہا:"بیٹی تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ بات میرے بیٹے کو بھی معلوم ہو گی۔ میں پرسوں دورے پر جا رہا ہوں۔ اگر وہ میری غیر حاضری میں گھر آیا۔ تو اسے میری طرف سے یہ پیغام مل جائے گا۔ کہ اسے بِلا تاخیر تمہارے والدین کے پاس حاضری دینی چاہیئے ——— بہن رشیدہ آپ یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھ لیں۔ اب یوسف کے رُو بہ صحت ہو کر گھر آنے پر آپ کو اس انگوٹھی کے لئے ایک اور چھوٹی سی دعوت کرنی پڑے گی۔ بیٹی امینہ تم اس کے لئے دعا کرتی ہونا!"

امینہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کچھ کہنے کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دس دن بعد علی الصبح یوسف سائیکل دوڑاتا ہوا اپنے گھر سے کچھ دور ایک مسجد کے قریب آ کر رکا۔ اور دروازے سے باہر سائیکل کھڑی کر کے نماز کے لئے اندر چلا گیا۔ نماز کے بعد وہ سائیکل پکڑ کر پیدل چلتا ہوا اپنے گھر کے سامنے آ کر ٹھہر گیا اور سائیکل کھڑی کر کے دروازے پر دستک دی۔ جب چند ثانیے جواب نہ آیا تو اس نے عبدالغفور کو آواز دی۔

اچانک کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔ آہستہ سے دروازہ کھلا اور چراغ بی بی نے باہر جھانکا۔ اور اسے دیکھ کر ڈیوڑھی میں بجلی کا بٹن دبا دیا۔ یوسف نے باہر سے سائیکل اٹھا کر ڈیوڑھی میں رکھ دی اور چند ثانیے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ چراغ بی بی کا رنگ زرد تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یوسف نے بڑی مشکل سے کہا:

"ماں جی آپ ٹھیک ہیں۔ آپ کا چہرہ بہت زرد ہو رہا ہے؟"

چراغ بی بی کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے اور اس نے اچانک جھک کر یوسف کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا:

"یوسف خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیئے تھا لیکن میں بہت سخت جان ہوں۔ جو سزا میں اپنے آپ کو خود دے رہی ہوں۔ وہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ میں کتنی بار اوپر کی چھت پر کھڑی ہو کر چلانا چاہتی تھی۔ کہ میں مجرم ہوں ——— میں قاتل ہوں۔ لیکن خوف یہاں بھی میری زبان بند کر دیتا تھا ماں نے مجھے ڈرایا تھا۔ کہ ہم سب پھانسی چڑھ جائیں گے۔"

یوسف نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا: ماں جی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا، میں زندہ ہوں۔ ابا جی ایسی باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے۔"

"وہ دورے پر گئے ہوئے ہیں۔ اور تین چار دن بعد آئیں گے۔"

"عبدالغفور کہاں ہے؟"

"وہ سو رہا ہو گا۔ تمہارا بھائی بھی سو رہا ہے۔"

یوسف نے کہا: آپ اوپر چلیں میں آپ سے چند باتیں کرنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ اور آپ کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے کہ میں لڑائی کے لئے نہیں آیا۔"

چراغ بی بی نے پر اُمید ہو کر اس کی طرف دیکھا اور زینے پر چڑھنے لگی ———

تھوڑی دیر بعد یوسف اس کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

چراغ بی بی نے قدرے تذبذب کے بعد کہا:

"یوسف میں تم سے پوچھتی ہوں کہ کیا خدا مجھ جیسی گناہ گار کو بھی معاف کر دے گا؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "وہ سب کو معاف کرنے پہ قادر ہے۔ اور توبہ کرنے والوں کو تو اس سے بالکل مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔"

"یوسف! میں ہزار بار توبہ کرتی ہوں۔ اور باقی عمر ہر سانس کے ساتھ توبہ کیا کروں گی۔ میں بہت پشیمان ہوں اگر تم مجھے اوپر کی چھت سے نیچے پھینک دو۔ تو بھی میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلے گی۔"

یوسف نے کچھ سوچ کر کہا:

"ماں جی میں نے آپ کے ساتھ پہلے بھی کوئی دشمنی یا بُرائی نہیں کی تھی اور اب بھی نہیں کروں گا۔ کیا میرے پاس شکر کرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ میں زندہ ہوں لیکن ایک سوال ایسا ہے۔ جس کا جواب معلوم کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ زہر آلود کھانا جس کے دو نوالے میں نے اس رات کھائے تھے آپ کی توقعات پوری کرتا اور میں مر جاتا۔ تو آپ کو اس سے کیا حاصل ہوتا؟"

چراغ بی بی نے پھر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا:

"یوسف! خدا گواہ ہے کہ مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی، لیکن حسد کی آگ نے میرا دل سیاہ کر دیا تھا۔ میری ماں یہ کہتی تھی کہ جب امینہ اس گھر میں دلہن بن کر آئے گی تو تمہاری حیثیت ایک نوکرانی کی سی رہ جائے گی۔ اور تمہارے ابا بھی امینہ کے ذکر سے باغ باغ ہو جایا کرتے تھے۔ میں یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ مجھے جیتے جی قبر میں ڈالا جا رہا ہے۔ خدا اس کالے پیر کا بیڑا غرق کرے۔ اس نے ماں کے دل سے خدا کا خوف اٹھا دیا تھا اور میری ماں نے میرے دل پر مُہر لگا دی تھی۔"

"آپ کو اباجان نے میرا وہ خط نہیں دکھایا تھا جس میں مَیں نے لکھا تھا کہ چند سال تک میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ چوں کہ میاں عبدالکریم کو جلدی ہے۔ اس لئے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی صاحبزادی کے لئے کوئی اور رشتہ تلاش کر لیں۔"

"تم نے یہ لکھا تھا؟" چراغ بی بی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "مجھے انہوں نے ایسا کوئی خط نہیں دکھایا اور نہ ہی مجھ سے کوئی ذکر کیا تھا۔ اب مجھ پر ندامت کا بوجھ اور زیادہ ہو جائے گا۔ کاش! تم مجھے صرف ایک بار یہ کہہ دیتے کہ تم نے کسی اور لڑکی کو پسند کر لیا ہے۔ تو میں تمہارے باپ کو اپنے ساتھ لے جاتی اور اُن کے پاؤں پکڑتی، مِنّت سماجت کرتی۔ اور پھر اس خوشی کے ساتھ زندگی گزارتی کہ میں تمہاری ماں ہُوں۔"

یوسف نے پوچھا۔ "آپ نے اباجی کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ آپ امینہ کو پسند نہیں کرتیں؟"

چراغ بی بی دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بولی: "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم اُسے پسند نہیں کرتے تو میں اُس میں سو عیب نکالتی۔"

"آپ کو عیب نکالنے کی ضرورت نہ تھی۔ امینہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ آپ اُسے اطمینان سے سمجھا سکتی تھیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں بھی اسے سمجھا سکتا تھا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ اب پھر یہ مسئلہ بڑے زور شور سے اٹھے گا۔ اور اباجی جو عام حالات میں میری بات مان جایا کرتے تھے۔ پوری قوت کے ساتھ اپنا فیصلہ نافذ کریں گے۔ اگر آپ اپنے والدین سے مشورہ کرنے کی بجائے۔ اپنے دماغ سے کام لیں۔ تو آپ میری ایک بہت بڑی الجھن دُور کر سکتی ہیں۔"

"یوسف! میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہُوں۔ کہ تم جو کہو گے۔ وہی کروں گی۔"

"آپ صرف یہ کوشش کریں۔ کہ شادی کے متعلق جب اباجی سے میری گفتگو ہو تو اباجی کا موڈ اتنا خراب نہ ہو جائے کہ مجھے گھر چھوڑنا پڑے۔ گھر چھوڑنے کی صُورت میں آپ کے والدین کو یہ خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ انہوں نے کوئی میدان مار لیا ہے۔ اور اس کالے پیر نے جو لذیذ مسالہ آپ کو دیا ہے۔ وہ کسی اور کے کھانے میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں باقی تمام کھانا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کھانے کا معائنہ ہو چکا ہے۔ اور اس کی رپورٹ میرے ایک دوست کے پاس امانت ہے۔ آپ یہ احتیاط کریں کہ اس گھر میں میرے بھائی یا اباجی کو بھی کھانے کے بعد قے نہ آئے۔ ورنہ وہ زہر مہیا کرنے والوں، کھلانے والوں اور کھلانے کا مشورہ دینے والوں کے لئے پھانسی کا پھندہ بن جائے گی۔ اگر آپ توبہ کر چکی ہیں تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں صرف احتیاطاً آپ کو یہ بتا رہا ہوں۔ اور دیکھئے اباجی کو اس بات کا قطعی علم نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ اس رات جب میں گھر سے نکلا تھا تو مجھ پر کیا گزری تھی میں نہیں چاہتا کہ ان کی باقی زندگی تلخ ہو جائے —— اب مجھے اجازت دیجئے میں صدیق سے مل کر چلا جاؤں گا۔ اور ایک ضروری کام سے فارغ ہو کر اباجی کے سلام کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔"

عبدالغفور نے اُوپر آکر آواز دی۔ "بی بی جی ناشتے کے لئے مکھن، ڈبل روٹی اور دہی لے آیا ہوں۔ اگر حکم ہو تو چائے کے لئے آگ جلا دوں۔"

"عبدالغفور! صدیق سے کہو کہ تمہارے بھائی جان آگئے ہیں۔"

"بی بی جی! یوسف صاحب کب آئے ہیں؟"

"وہ اذان سے تھوڑی دیر بعد آگئے تھے اور تم اس وقت سو رہے تھے۔ ہاں! تم صدیق کو جگا دو۔"

صدیق بھاگتا ہوا آیا۔ "بھائی جان کب آئے تھے۔ مجھے کیوں نہیں جگایا۔"

یوسف نے اُسے پکڑ کر گود میں بٹھالیا۔

"صدیق تم نے نماز نہیں پڑھی۔ میرا خیال ہے کہ اب بھی وقت ہے۔ تم جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھ لو۔"

"بہت اچھا بھائی جان۔ لیکن آپ وعدہ کریں کہ آپ کہیں چلے نہیں جائیں گے۔"

یوسف نے کہا "پہلے تم نماز پڑھ لو۔ ورنہ وقت نکل جائے گا۔"

صدیق بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ چراغ بی بی نے کہا: "یوسف صاحب اگر آپ اجازت دیں تو عبدالغفور آپ کے لئے بہت سا دہی لے آتے۔"

"ماں جی! مجھے صرف یوسف کہیں ـــــ عبدالغفور! جاؤ دہی لے آؤ۔ اور لسی کے لئے برتن بھی لے جاؤ۔ میں یہیں ناشتہ کروں گا۔"

چراغ بی بی کی آنکھیں اب تشکر سے لبریز ہو رہی تھیں۔ ایک گھنٹہ بعد یوسف نے کہا "میں چند دن مصروف رہوں گا۔ جب اباجی دورے سے واپس آجائیں گے، میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

جب وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا تو چراغ بی بی یہ محسوس کر رہی تھی: کہ وہ جس طوفان سے خوفزدہ تھی وہ گزر چکا ہے۔

چھٹے روز یوسف دوبارہ گھر پہنچا۔ تو عبدالغفور نے دروازے سے اسے اطلاع دی کہ "میاں صاحب پرسوں آگئے تھے اور آپ کے متعلق سخت بے چین ہیں۔ مجھے انہوں نے منظور صاحب کے گھر بھی بھیجا تھا، لیکن آپ وہاں بھی نہیں تھے۔ اور منظور صاحب بھی دین محمد کو یہ بتا کر نہیں گئے تھے کہ انہیں کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ آج صبح سڑک پر مجھے دوست محمد بھی ملا تھا۔ وہ بھی آپ کو تلاش کر رہا تھا۔ فضل دین تو صبح شام آیا کرتا ہے۔ گزشتہ شام میاں عبدالکریم اپنے بال بچوں کے ساتھ آئے تھے۔ اور کافی دیر یہاں بیٹھے رہے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے پہلی بار میاں صاحب کی زبان سے آپ کے متعلق سخت الفاظ سنے تھے۔ اور مجھے بڑا دکھ ہوا تھا۔"

یوسف نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا: "میرے لئے تمہیں بہت کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اباجی نیچے بیٹھک میں ہیں یا بیڈ روم میں؟"

"جی وہ نیچے بیٹھک میں لیٹے ہوئے ہیں۔ ابھی انہوں نے چائے نہیں پی۔"

یوسف بیٹھک میں داخل ہوا۔ اور "اباجی! السلام علیکم" کہہ کر ادب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

عبدالرحیم نے دبی زبان میں اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا:

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ مجھے یہ نہیں لکھ سکتے تھے کہ تم کہاں چھپے ہوئے ہو؟ مجھے تم سے یہ توقع نہ تھی کہ تم لوگوں کے سامنے مجھے اتنا ذلیل و خوار کرو گے۔"

"اباجی اگر میں نے آپ کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے تو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔"

چراغ بی بی بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا: "میں نے آپ کو کتنی بار یہ سمجھایا ہے کہ آپ کا بیٹا بے قصور ہے۔ جرم اگر کوئی تھا تو میرا تھا۔ جو اسے بیماری کی حالت میں باہر نکلنے سے روک نہ سکی۔"

"لیکن تم نے اسے یہ نہیں بتایا تھا۔ کہ میں تین چار دن بعد دورے سے واپس آجاؤں گا؟ اور میں تین دن سے اس کا راستہ دیکھ رہا ہوں۔"

چراغ بی بی نے آواز دی۔ "عبدالغفور، جلدی سے لیمن کی چار بوتلیں لے آؤ۔ اور پھر چائے تیار کرو۔"

عبدالرحیم نے کہا: "لیمن لے آؤ۔ چائے ہم عبدالکریم کے ہاں جا کر پئیں گے۔ غضب خدا کا وہ کل بھی یہاں تین گھنٹے انتظار کر کے گئے۔ اور اس برخوردار کو یہ خیال ہی نہیں آیا کہ اُسے کہیں سے فون کر لیتا"۔

چراغ بی بی نے کہا: "جی یوسف مجھے یہ بتا کر گیا تھا۔ کہ وہ ایک کام میں بہت مصروف ہے۔ اور کام ختم کرنے کے بعد حاضر ہو جائے گا"۔

"تم بلاوجہ اس کی طرف داری کرتی ہو۔ تم نے اسے یہ احساس نہیں دلایا تھا کہ اُن کے گھر جانا کتنا ضروری تھا"۔

چراغ بی بی بولی "اب غصہ میں آنے کی کون سی بات ہے۔ جلد بازی وہ کر رہے تھے۔ آپ نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ آپ یوسف سے پوچھے بغیر اس کی منگنی کا اعلان کر دیں گے۔ آپ نے خود یہ کہا تھا کہ میرا بیٹا اپنا مستقبل بہتر سوچ سکتا ہے۔ اور اب آپ اس کے ساتھ اطمینان سے بات بھی نہیں کر رہے ہے"۔

"بات ہو چکی ہے۔ اور یہ مسئلہ اب ہماری عزت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ میں اُن کے گھر انگوٹھی بھی دے آیا ہوں۔ وہ لڑکی اتنی سمجھ دار ہے کہ اس نے یہ کہہ کر انگوٹھی اپنی ماں کے پاس رکھوا دی تھی۔ کہ جب یوسف تندرست ہو کر یہاں آئیں گے۔ تو ان کے سامنے خوشی سے یہ انگوٹھی پہنوں گی۔ اُس دن مجھے پہلی دفعہ یہ احساس ہوا تھا۔ کہ اُس کے دل میں کوئی بے اطمینانی ہے۔ اب تم بھی یوسف کے ساتھ ان کے گھر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے اُس بچی کو انگوٹھی پہنائے بغیر اطمینان نہیں ہوگا"۔

یوسف نے کہا: "ابا جی آپ میرے معاملے میں وہی کرنا چاہتے ہیں جسے ڈونٹن کے معاملے میں غلط سمجھتے رہے ہیں"۔

"بے وقوف! اگر تم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لوگے۔ تو میں تمہیں پکڑ کر کھینچتا ہوا سیدھے راستے کی طرف لے جاؤں گا"۔

"ابا جی میں نے اپنی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی"۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے؟"

"ابا جی میں نے یہ نہیں کہا"۔

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو"۔

"ابا جی جو مسئلہ میری زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے متعلق میں عبدالکریم صاحب یا کسی اور کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اگر آپ اطمینان سے یہ سُن سکیں کہ میرا پروگرام کیا ہے۔ اور میں کن مقاصد کے لئے کام کرنا چاہتا ہوں۔ تو آپ اس مسئلہ کو اتنی اہمیت نہیں دیں گے"۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے پروگرام اور مقاصد کیا ہیں؛ تم سمجھتے ہو کہ ملک کی ہر اچھی لڑکی کے والدین تمہاری طرح بے وقوف ہوں گے اور وہ اُس دن کا انتظار کریں گے۔ جب تم ایک مشہور مصنف بن جاؤ۔ خواہ روٹی ملے یا نہ ملے"۔

"ابا جی! اس وقت میں آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ میں روٹی کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ اور میں ایک مصنف بن کر بھی آپ کو مایوس نہ کرتا، لیکن میں نے آپ کی خواہش پوری کرنے کے لئے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ میں فوج میں شامل ہو رہا ہوں اور مجھے اُمید ہے۔ کہ مجھے بہت جلد کمیشن مل جائے گا"۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ عبدالرحیم غور سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمزوری کے باوجود یوسف کے چہرے پر عزم و یقین کی روشنی تھی: "میری مصروفیت کی وجہ بھی یہی تھی"۔

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا! میں نے تمہیں کب فوج میں جانے کا مشورہ دیا تھا"۔

"ابا جی! آپ نے مشورہ نہیں دیا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ آپ مجھے فوج میں ایک بڑا افسر

دیکھنا پسند کریں گے اور میں آپ سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں۔ کہ میں قدم قدم چلنے کی بجائے
بھاگتا ہوا اپنے راستے کی منازل طے کروں گا۔"

عبدالرحیم نے نرم ہو کر کہا: "بیٹا یہ مجھے معلوم ہے۔ اس لئے میں نہیں
چاہتا کہ تم ردی کے لئے فوج میں جاؤ۔ عبدالکریم کے ساتھ رشتہ جوڑنے کے بعد تم جو
چاہو کرتے رہو۔ مجھے فکر نہیں ہوگی۔ وہ لوگ تمہیں ردی کے معاملے میں پریشان نہیں ہونے
دیں گے۔ اور امینہ تم سے کبھی نہیں پوچھے گی کہ تم کتابیں کیوں لکھتے ہو۔ پھر اگر تم یہ دیکھو
کہ کتابوں کا تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔ تو تمہاری تعلیم ان کا کاروبار چمکانے کے کام آسکے
گی۔ اور تمہیں کوئی کمی نہیں ہوگی۔"

"اباجی خدا کے لئے میرے لئے یہ دعا نہ کریں کہ مجھے زندہ رہنے کے لئے سہارے
تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئے۔"

عبدالرحیم نے برہم ہو کر کہا: "تم مجھ سے سیدھی بات کیوں نہیں کرتے۔ میں یہ پوچھنا
چاہتا ہوں کہ عبدالکریم کی لڑکی میں کس بات کی کمی ہے؟"

"اباجی۔ میں نے اس کی کوئی برائی نہیں کی وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اور میں اس
کی عزت کرتا ہوں۔ لیکن جن لوگوں کے زندگی کے راستے متوازی جا رہے ہوں۔ ان
کے درمیان ہمیشہ ایک فاصلہ رہتا ہے۔"

چراغ بی بی نے نوکر کو آواز دی: "عبدالغفور چائے یہیں لے آؤ۔ ہم کہیں نہیں
جائیں گے۔"

عبدالرحیم نے گرج کر کہا: "تم اس نالائق کے ساتھ مل کر مجھے رسوا کرنا چاہتی ہو۔"
یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا: "اباجی! مجھے اجازت دیجئے، مجھے اپنے دامن
سے نالائقی کا دھبہ دھونے کے لئے ایک طویل سفر طے کرنا پڑے گا۔"
عبدالرحیم نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا: "جاؤ دور ہو جاؤ میری نظروں سے

اگر تمہاری قسمت میں ٹھوکریں ہیں تو میں تمہارا راستہ تبدیل نہیں کر سکتا۔"

یوسف "خدا حافظ" کہہ کر باہر نکلا۔ چراغ بی بی اس کے پیچھے بھاگی اور اس نے
ڈیوڑھی میں اس کا بازو پکڑ کر کہا: "یوسف خدا کے لئے گھر چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میں نے انہیں
سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ابھی انہیں غصہ ہے۔ یہ غصہ بہت جلد دور ہو جائے
گا۔ اور وہ تمہارا راستہ دیکھنا شروع کر دیں گے۔"

صدیق روتا ہوا نیچے اترا اور یوسف سے لپٹ کر بولا: بھائی جان آپ کہاں
جا رہے ہیں؟"

یوسف نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "صدیق میں ایک
کام سے جا رہا ہوں۔"

"آپ اباجی سے لڑ رہے تھے؟"

"نہیں صدیق میں اباجی سے نہیں لڑ سکتا۔ تم میرے لئے دعا کیا کرو۔"

یوسف یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

تین ہفتے بعد امینہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ برآمدے سے ماں کی آواز آئی:
"امینہ بیٹی! ادھر آؤ۔ تمہارا خط آیا ہے۔"

امینہ اٹھ کر ماں کے پاس گئی۔ تو اس نے تپائی پر پڑی ہوئی ڈاک میں سے اسے
ایک لفافہ دکھاتے ہوئے کہا: "بیٹی تمہارا ایڈریس کسی نے بڑے ادب اور احترام سے
لکھا ہے ——— محترمہ امینہ صاحبہ۔ بوساطت جناب عبدالکریم صاحب ——— تمہاری
پرانی سہیلیوں کا خط میں پہچانتی ہوں یہ کوئی نئی لگتی ہے۔"

امینہ نے خط لے کر کھولا۔ اور دل میں تیز دھڑکنیں محسوس کرتی ہوئی اپنے کمرے
میں چلی گئی۔ اور صوفہ پر بیٹھ کر خط پڑھنے لگی۔ یہ یوسف کا خط تھا اور اس نے لکھا تھا:

"میں یہ خط اس یقین اور اعتماد کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی۔ اس لئے میں یہ بھی کبھی نہیں چاہوں گا۔ کہ آپ میرے متعلق کسی خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا رہیں۔ آج خط لکھنے کی بجائے سیدھا مجھے آپ کے گھر آنا چاہیے تھا، لیکن پچھلے دِنوں میں ایسے حالات سے گزرا ہوں۔ کہ مجھے آپ اور آپ کے والدین کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ میں عنقریب لاہور چھوڑ رہا ہوں اور شاید ایک طویل مدت کے لئے مجھے باہر رہنا پڑے۔ جانے سے پہلے میں وہ تمام باتیں لکھ بھیجوں گا۔ جو اس وقت بیان نہیں کی جا سکتیں۔ اگر میں نے یہ خط بذریعہ ڈاک بھیجنا مناسب نہ سمجھا تو میرے دوست منظور صاحب جو مجھے بھائی کی طرح عزیز ہیں۔ بذاتِ خود حاضر ہو کر آپ کو میرا خط پہنچا دیں گے۔ فی الحال یہ مختصر سا خط لکھنے سے آپ کو یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ میں خلوص دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں اور یہ پیغام دینا چاہتا ہوں۔ کہ مجھے اپنی زندگی کے ایک نازک مرحلہ میں اپنے ہر بہی خواہ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

اپنے ابا اور امی جان کو میرا مؤدبانہ سلام پہنچا دیجئے۔ اگر وہ کسی بات پر مجھ سے ناراض ہوں۔ تو مجھے اُمید ہے کہ آپ ان کا غصہ دور کر سکیں گی ـــــ والسلام"

امینہ نے خط بند کر کے الماری میں رکھ دیا اور ماں کو آواز دی: "امی جان ذرا اِدھر آیئے"۔

ماں اندر آئی اور اس نے کہا:

"امی جان اگر میں یہ کہوں کہ وہ خط یوسف صاحب کا تھا۔ تو آپ کو یقین آ جائیگا؟"

"ارے بیٹی مجھ سے زیادہ خوشی کس کو ہو سکتی ہے"۔

"امی جان! آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گی کہ میں یوسف صاحب کا حال پوچھ آؤں"۔

"بیٹی اس کا حال پوچھنے کے لئے ہم سب کو جانا چاہیئے۔ تمہارے ابا آ جائیں گے تو ہم فوراً چل پڑیں گے"۔

"نہیں امی جان اگر آپ مجھے بے وقوف نہیں سمجھتیں تو مجھے اسی وقت اجازت دیجئے۔ مَیں فضل دین کے ساتھ انہیں تلاش کروں گی۔ امی جان میں اُن کے خط سے یہ اندازہ لگا سکتی ہوں کہ جو بات وہ مجھے کہنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی اور سے نہیں کہیں گے۔ فضل دین کو یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ہو سکتے ہیں"۔

"بیٹی میں نے تمہیں منع تو نہیں کیا۔ اور تمہارے ابا جان بھی تمہیں منع نہیں کریں گے۔ اگر فضل دین یوسف کو تلاش کر سکتا ہے تو تمہیں فوراً جانا چاہیئے۔ تم تیار ہو کر نکلو مَیں فضل دین کو بلاتی ہوں"۔

"امی جان اسے کہیں کہ ڈرائیور کو بھی بُلا لے"۔

ماں نے باہر نکلتے ہوئے کہا: "خدا کا شکر ہے کہ تم مجھ سے زیادہ عقلمند ہوتی جا رہی ہو"۔

ایک گھنٹہ بعد یوسف منظور سے باتیں کر رہا تھا کہ دین محمد بھاگتا ہوا اُوپر آیا۔ اور اس نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا:

"جی فضل دین آیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ سڑک پر آپ کے مہمان کھڑے ہیں"۔

یوسف نے جلدی سے اُٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے کہا: "منظور مجھے خط لکھتے وقت ہی یہ احساس تھا کہ وہ میرا پتہ کریں گے۔ لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی۔ کہ خط ملتے ہی میری تلاش شروع ہو جائے گی۔ شاید میں کافی دیر لاپتہ رہا ہوں۔ اگر مناسب سمجھو تو میرے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لئے سڑک تک آ جاؤ"۔

پھر نیچے آ کر منظور کے ساتھ سڑک کی طرف چلتے ہوئے اس نے فضل دین

سے پوچھا: "کیا چچی اور میاں صاحب دونوں آئے ہیں؟"

"جی نہیں۔ صرف چھوٹی بی بی آئی ہیں۔ اور میاں صاحب گھر میں نہیں تھے ورنہ بڑی بی بی بھی آجاتیں۔ وہ کسی خط کی وجہ سے پریشان تھیں۔"

یوسف نے سڑک پر پہنچ کر گلی سے چند قدم پیچھے امینہ کو کار میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ڈرائیور کار سے باہر کھڑا تھا۔ امینہ سیاہ چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ اور اس نے اپنا بیشتر چہرہ سفید چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔

منظور نے دبی آواز میں کہا: "یوسف تم جاؤ اور اطمینان سے ان کے ساتھ بات کرو۔"

یوسف نے اس کا بازو پکڑ کر کہا: "یار بے وقوف نہ بنو۔ میرے ساتھ آؤ۔"

پھر وہ جلدی سے امینہ کے قریب پہنچ کر بولا:

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ اتنی گرمی میں تکلیف اٹھائیں گی۔ تو میں خط لکھنے کی بجائے خود آپ کے گھر پہنچ جاتا۔"

"جی میں نے آپ کا خط پڑھتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ مجھے فوراً آپ کا حال پوچھنا چاہیے۔ اور آپ کو اچھی حالت میں دیکھ کر مجھے گرمی کا احساس نہیں رہا۔"

یوسف نے منظور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ میرے دوست منظور صاحب ہیں۔"

منظور نے ایک قدم آگے بڑھ کر السلام علیکم کہا۔ اور امینہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: "میں منظور صاحب کو جانتی ہوں اور مجھے ان سے ایک گلہ بھی ہے۔"

منظور بولا: "مجھے یقین ہے کہ اس گرمی کے باوجود میں آپ کا گلہ دور کر سکوں گا۔"

"نہیں منظور صاحب میں آپ سے جھگڑنے نہیں آئی، لیکن آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ یوسف صاحب اس دنیا میں تنہا ہیں۔ اور ان کا کوئی بھی خواہ ان کی تکلیف میں حصہ دار نہیں بن سکتا۔ ان کا چہرہ بتا رہا ہے کہ یہ بیمار رہے ہیں اور ہمیں اطلاع تک

نہیں دی گئی۔"

منظور نے کہا: "جی اس سوال کا جواب یوسف صاحب زیادہ بہتر دے سکیں گے ـــــ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ یہاں دھوپ میں باتیں کرنے کی بجائے آپ یوسف صاحب کو اپنے گھر لے جائیں۔ اور وہاں انہیں کھانا کھلائیں اور اطمینان سے باتیں بھی کریں مجھے اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ میرے متعلق شاید آپ کے خیالات بدل جائیں گے۔"

امینہ بولی: "کھانا تو ابھی میں نے بھی نہیں کھایا۔ یوسف صاحب چلیں گے آپ ہمارے گھر؟"

یہ کہہ کر امینہ نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ یوسف کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور فضل دین اور ڈرائیور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اور امینہ نے کار چلا دی۔

نصف گھنٹہ بعد یوسف، امینہ، اس کی والدہ اور اس کے بھائی علی اکبر کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کھانے کے دوران گفتگو رسمی باتوں تک محدود رہی پھر یوسف نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا:

"نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں یہ فرض پورا کرنے کے بعد اطمینان سے باتیں کروں گا۔"

امینہ نے اٹھتے ہوئے کہا: "میں ساتھ والے کمرے میں جائے نماز بچھا دیتی ہوں آپ وہیں غسل خانے سے وضو کر لیجیے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف نماز پڑھ رہا تھا۔ اور امینہ سرگوشی کے انداز میں اپنی ماں سے کہہ رہی تھی۔

"امی جان! آپ جا کر آرام کریں۔ یوسف صاحب مجھ سے کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جو آپ کے سامنے نہیں کہہ سکتے ـــــ علی اکبر کو بھی ساتھ لے جائیں ـــــ میں یہیں نماز پڑھ کر انہیں روک لوں گی۔ اور اگر کوئی خاص بات ہوئی تو انہیں آپ

کے کمرے میں لے آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹی، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری کسی بات پر ناراض ہو جائیں۔"

"امی وہ ناراض ہونے کے لئے یہاں نہیں آئے۔ ان کی بات کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔ اس میں عقل ضرور ہو گی۔"

"اچھا بیٹی، میں بھی اپنے کمرے میں جا کر نماز پڑھتی ہوں۔ اور تمہارے لئے دعا کرتی ہوں ـــــ علی اکبر تمہیں یوسف صاحب بہت پسند ہیں نا؟"

"جی امی جی، میں اُن کے لئے بہت دُعا کیا کرتا تھا کہ وہ تندرست ہو جائیں۔"

امینہ نے کہا۔ "آہستہ بولو۔ اور امی جان کے ساتھ جا کر نماز پڑھو۔"

علی اکبر نے جواب دیا۔ "آپا جی میں نماز پڑھ کر یہ دعا کروں گا۔ کہ بھائی جان یوسف ہم سے کسی بات پر ناراض نہ ہو جائیں۔"

وہ ماں کے ساتھ چلا گیا۔ امینہ اپنے کمرے سے وضو کر کے جائے نماز لائی۔ اور کمرے کے ایک کونے میں بچھا کر نماز کے لئے کھڑی ہو گئی۔

اس نے نماز ختم کر کے بائیں طرف دیکھا تو یوسف ساتھ والے کمرے کے دروازے کے قریب تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔

امینہ نے کہا۔ "آپ اسی کمرے میں بیٹھ جائیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

یوسف واپس چلا گیا۔ اور ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے کی بجائے ٹہلنے لگا۔ پانچ منٹ بعد امینہ شربت کا ایک جگ اور گلاس اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور تپائی پر رکھتے ہوئے بولی:

"میرا خیال ہے آپ پیاس محسوس کر رہے ہوں گے۔ تشریف رکھئے۔ اور ٹھنڈا شربت پینے کے بعد اطمینان سے بات کیجئے۔"

اُس نے گلاس بھر کر یوسف کو پیش کر دیا۔ یوسف نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا:

"آپ نہیں پئیں گی؟"

"میں ٹھنڈے پانی کے دو گلاس پی کر آئی ہوں۔ اور اب میں اطمینان سے آپ کی ہر بات سُن سکتی ہوں۔"

امینہ یہ کہہ کر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف شربت پی کر خالی گلاس تپائی پر رکھنے لگا تو امینہ نے جلدی سے جگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اور لیجئے۔"

یوسف نے کہا۔ "آپ اطمینان سے بیٹھی رہیں۔ جب میں اپنی بات ختم کر دوں گا۔ تو یہ جگ بھی ختم ہو جائے گا۔"

امینہ نے بیٹھ کر سر جھکا لیا۔ یوسف نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا:

"امینہ آپ اتنی اچھی ہیں۔ کہ مجھے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔"

امینہ بولی۔ "یوسف صاحب اگر آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں۔ تو میں کسی حالت میں بھی آپ کی نظر میں بُری بننے کی کوشش نہیں کروں گی۔ آپ کھُل کر بات کریں۔ ممکن ہے۔ آپ سے گفتگو کے بعد میں زیادہ اچھی نظر آنے لگوں۔"

یوسف نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا: "اب بات کرنا میرے لئے زیادہ دشوار ہو گیا ہے۔"

امینہ نے ایک ثانیہ کے لئے یوسف کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکاتے ہوئے کہا:

"یوسف صاحب میں آپ کی مشکل کو آسان بنانے کی کوشش کروں گی۔ آپ اپنی کوئی ایسی مجبوری بتانے کے لئے آئے ہیں۔ جو مجھے معلوم نہیں۔ یا آپ مجھے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی کے پروگرام میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ـــ اگر یہ بات ہے۔ تو بھی مجھے آپ سے کوئی گِلہ نہیں ہو گا۔ میں اتنا سمجھ سکتی ہوں کہ اس دنیا کی ہر بات

میری مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتی۔ میں اسے بھی قدرت کا احسان سمجھتی ہوں کہ میں آپ کو جانتی ہوں اور میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ مجھے آپ نے جو یقین اور اعتماد دیا ہے۔ وہ میری زندگی کا ایک قیمتی سرمایہ ہو گا۔"

یوسف نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولی: "آپ اتنے اچھے ہیں، لیکن معلوم نہیں میں اتنا کیوں ڈرا کرتی تھی شاید ڈاکوؤں کے ساتھ آپ کی لڑائی کے بعد آپ سے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہو گئی۔"

"ارے امینہ! تم سچ کہتی ہو کہ تم مجھ سے خوف کھاتی ہو؟"

"جی! میں یقین سے کوئی بات نہیں کہہ سکتی۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ ہر لحاظ سے بہت بڑے اور میں ہر لحاظ سے بہت چھوٹی ہوں۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "یہ جھوٹ ہے بہنیں کبھی چھوٹی نہیں ہوتیں۔"

"پھر وہ کیا ہوتی ہیں؟"

یوسف نے کہا: "بہنیں ضدی ہو سکتی ہیں، جھگڑالو ہو سکتی ہیں۔ عقلمند ہو سکتی ہیں، بے وقوف بھی ہو سکتی ہیں، لیکن وہ چھوٹی نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان کے اندر چھپی ہوئی ماتا انہیں چھوٹا نہیں ہونے دیتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں اپنی توقع سے زیادہ خوش قسمت ہوں، یوسف صاحب! اگر مجھے یہ اطمینان ہو جاتے کہ آپ کی شفقت کا ہاتھ ہمیشہ میرے سر پہ رہے گا۔ تو میں اسے بھی ایک انعام سمجھوں گی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں، شکایت کے طور پر نہیں صرف اپنے دل کے اطمینان کے لئے۔"

"پوچھئے۔ میں سوال کے جواب کے ساتھ آپ کی شکایت بھی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یوسف صاحب! کیا آپ بتائیں گے کہ آخر وہ خوش نصیب کون ہے۔ جسے آپ کا قرب حاصل ہو گا؟"

یوسف نے جواب دیا: "اگر مجھے اپنے خواب کی تعبیر کا علم ہوتا، تو میں فوراً آپ کے سوال کا جواب دیتا، لیکن ابھی مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جسے آپ خوش نصیب سمجھتی ہیں اس کے اور میرے درمیان کتنے پہاڑ اور دریا حائل ہیں۔"

امینہ نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ کوئی پہاڑ اور کوئی دریا آپ کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی مرحلہ پہ میں آپ کی مدد کر سکوں تو میں یہ سمجھوں گی کہ میں نے زندگی سے بہت کچھ پالیا ہے۔"

"مجھے صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

امینہ بولی: "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں اسے جانتی ہوں۔ وہ جالندھر سے تعلق رکھتی ہے اور بہت خوب صورت ہے۔"

"آپ کے دل کی گواہی غلط نہیں ہو سکتی، لیکن حالات نے ہمیں ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جس لڑکی کو میں جانتی ہوں۔ اس کے بارے میں میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی۔ کہ وہ آپ سے دور جا سکتی ہے۔"

یوسف نے کہا: "اس سے تو مجھے کوئی شکایت نہیں۔ مجھے صرف اپنے حالات سے شکوہ ہے۔ امینہ ان حالات نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ کچھ عرصہ میں اپنے گھر سے دور رہوں۔ میں فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے ابتدائی مراحل سے گزر چکا ہوں۔ اور عنقریب میں کہیں دور چلا جاؤں گا۔ یہاں منظور سے بہتر میرا اور کوئی دوست نہیں۔ اور وہ وقت آنے پر میرے مسائل اور الجھنوں سے تمہیں آگاہ کر سکے گا۔ اب اگر آپ اپنی امی کو میرے اچانک چلے جانے کے لئے کوئی موزوں الفاظ سوچ سکتی ہیں تو میں نہیں

سے رخصت ہوتا ہوں۔ آپ کی جو تصویر پہلے میرے دل میں تھی۔ وہ آج اور بھی دلکش
ہو گئی۔" یوسف اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور امینہ بھی اٹھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ یوسف بولا:
"آپ نے کہا تھا کہ آپ کے سر پر میری شفقت کا ہاتھ ایک انعام ہوگا۔ آج
رخصت ہوتے ہوتے میں آپ کے سر پہ دونوں ہاتھ رکھ کر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میرے
ہاتھ تمام عمر آپ کے سر پہ رہیں گے۔ اور میں یہ دعا بھی کیا کروں گا۔ کہ مجھ سے آپ بھی
اور علی اکبر بھی کسی مرحلہ پہ مایوس نہ ہوں۔ آپ نے ایک دن علی اکبر کی تعلیم کے بارے
میں اپنی کچھ پریشانی ظاہر کی تھی۔ تو میں منظور سے بات کر چکا ہوں چونکہ میں اچانک چلا
جاؤں گا۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ منظور سے آج ہی فیصلہ کر لیا جائے فضل دین کو اپنے
ڈرائیور کے ساتھ میری طرف سے یہ رقعہ دے کر بھیج دیں کہ منظور صاحب پانچ بجے
تک یہاں پہنچ جائیں، ابھی نہیں انہیں چار بجے کے بعد بھیج دیں، میں آپ سے کئی
اور باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں پسند نہیں کروں گا کہ آپ کے دل میں میری
قدر نہ رہے۔ مجھے سندھ سے لاہور پہنچتے ہی آپ سے رابطہ قائم کرنا چاہیئے تھا۔
لیکن رات ہو چکی تھی اور مجھے کافی دیر منظور صاحب کے پاس رکنا پڑا۔ میرا خیال تھا کہ
میں اپنے گھر پہنچتے ہی آپ کو اطمینان سے خط لکھوں گا۔ اور علی الصباح منظور صاحب
کو آپ کے پاس بھیج دوں گا، لیکن گھر پہنچ کر میں زہر آلود کھانے کے دو نوالے کھاتے ہی
زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔"

امینہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "چراغ بی بی نے آپ کو زہر دے دیا تھا۔"
اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

یوسف بولا۔ "لیکن اب یہ بات کسی اور کو معلوم نہیں ہونی چاہیئے۔ میں نے دو
لقمے کھاتے ہی اپنے اندر ایک آگ سی محسوس کی تھی اور پانی کی پوری صراحی بھی پی گیا
تھا۔ ساتھ ہی مجھے قے آنی شروع ہوئی اور میرا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔"

امینہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اور سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا: "میں سوچ
رہی تھی کہ آپ نے چراغ بی بی کا گلا گھونٹ ڈالا ہوگا۔"

یوسف بولا: "شاید میں اتنا نڈھال ہو چکا تھا کہ زہر کے ساتھ میرا غصہ بھی ختم ہو چکا
تھا۔ اور میں نے اسے اس لئے معاف کر دیا تھا کہ اس نے اپنے جرم پر رونا شروع کر دیا
تھا اور آئندہ کے لئے توبہ کی تھی۔"

"نہیں بھائی جان یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اگر
مجھے فوراً خبر مل جاتی تو میں اسی وقت آپ کے گھر پہنچتی اور چراغ بی بی کا گلا گھونٹ
دیتی۔"

"چپ رہنے کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے کہ میں کیسے یہ گوارا کر سکتا تھا کہ ایک
بے وقوف سی عورت کے لئے کوئی اپنی زندگی خطرے میں ڈال دے، لیکن تمہاری
اور تمہارے گھر کی سلامتی کے لئے ہمیشہ سوچتا رہا ہوں — میرے پاس آپ کی
حفاظت کے لئے منظور صاحب جیسا آدمی موجود ہے۔ وہ تعلیم میں آپ اور علی اکبر
دونوں کی مدد کر سکے گا۔ لیکن وہ کوئی معاوضہ لینے کے لئے رضامند نہیں ہوگا۔ وہ
ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔"

امینہ بولی۔ "لیکن معاوضہ انہیں ضرور لینا پڑے گا۔"

یوسف بولا: "لین دین کے مسئلہ میں تمہارے اباجی ہم سب سے زیادہ جانتے
ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ منظور کو رضامند کرنے کا کوئی راستہ نکال لیں گے۔ جب آپ
منظور کو اچھی طرح جان لیں گی۔ تو آپ کو اس میں بہت سی خوبیاں نظر آئیں گی۔"

"میں یہ سمجھ سکتی ہوں کہ ایک معمولی آدمی آپ کے دل سے اتنا قریب نہیں
ہو سکتا۔"

بھٹکا ہوا مسافر

یوسف اور منظور لاہور ریلوے اسٹیشن پر کھڑے رد ہڑی کی طرف سے آنے والی گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ گاڑی عین وقت پر آئی۔ احمد خان انہیں فرسٹ کلاس کے ڈبے سے اُترتا دکھائی دیا۔ یوسف بھاگ کر اس سے بغلگیر ہوا۔ اور منظور کا تعارف کرواتے ہوئے بولا:

"خاں صاحب یہ میرے دوست منظور احمد ہیں۔"

احمد خان نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "بھائی میں پہلے بھی انہیں تمہارے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔ آج کل دنیا میں بہت کم ایسے لوگ رہ گئے ہیں۔ جو اپنے دوستوں کی پریشانیوں میں حصہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں —— یوسف! تمہاری صحت کچھ اچھی معلوم نہیں ہوتی —— تم ٹھیک تو ہو نا؟"

"جی ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور آپ کی اِس شفقت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے تو مجھے الفاظ ہی نہیں ملتے کہ آپ نے میرا خط پڑھتے ہی اپنی آمد کا تار بھیج دیا تھا۔"

"بھئی مجھے یہ بتاؤ کہ اب دہرہ دُون سے تمہیں کال کب آئے گی؟"

"جی وہ تو پرسوں مِل گئی تھی۔"

"یار یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مجھے لاہور کی گرمی میں رُکنا نہیں پڑے گا —— کب تک حاضری ہے تمہاری؟"

"جی مجھے تئیس جُون کو حاضر ہونے کا آرڈر آیا ہے۔"

"بس پھر آج ہی تم تیاری کر لو۔ اور کل ہم دہرہ دون روانہ ہو جائیں گے۔ میں نے خان محمد کو گرمیوں کی چھٹیوں میں گھر بلانے کی بجائے ایک دوست کی معرفت مسوری کے ایک ہوٹل میں ٹھہرانے کا انتظام کر دیا تھا۔ میرا ایک دوست دہرہ دون میں کاروبار کرتا ہے اور اس نے اس بات کا ذمہ بھی لیا ہے کہ جب میں مسوری پہنچوں گا تو ایک مکان بھی کرایہ پر مل جائے گا۔ ویسے مجھے اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم نے یکایک فوج میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا ہے۔"

"خاں صاحب جب آپ ساری باتیں سُنیں گے۔ تو آپ کو تعجب نہیں ہوگا فلیٹی ہوٹل میں آپ کے لئے ایک کمرہ لے لیا ہے اور مجھے تنہا دہرہ دون جانے کی بجائے آپ کی رفاقت میں سفر کرنے سے زیادہ خوشی ہوگی۔"

"بھئی جب تک کسی سنٹر سے تمہاری فائنل کال نہیں آجاتی تم مسُوری میں ہمارے ساتھ رہو گے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ خان محمد تم سے کچھ سیکھ جائے ہم دہرہ دون کے ہیڈ کوارٹر میں تمہارے لئے مسُوری کا پتہ لکھوا دیں گے۔ اب چلو باقی باتیں ہم ہوٹل میں پہنچ کر کریں گے۔"

یوسف نے کہا: "خاں صاحب ٹھہریں گے تو آپ ہوٹل میں، لیکن کھانا آپ کو منظور صاحب کے ہاں کھانا پڑے گا۔ ان کا مکان تو آپ کے شایانِ شان نہیں مگر ان کا باورچی بہت اچھا کھانا پکاتا ہے۔"

احمد خان نے کہا: "بھئی تمہارے دوست کا باورچی اگر اچھا کھانا نہ بھی پکاتا ہو تو بھی مجھے بہت اچھا محسوس ہوگا، لیکن میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ ہم اسٹیشن سے نکلنے سے پہلے کل کے لئے دہرہ دون کی سیٹوں کی بکنگ کروالیں۔"

اگلے روز وہ دہرہ دُون کا رُخ کر رہے تھے۔

یوسف نے اپنے لئے نچلے درجہ کا ٹکٹ لینے کی بہت کوشش کی تھی، لیکن احمد خان نے بضد ہوکر اپنے ساتھ اُس کا ٹکٹ خرید لیا تھا اور یوسف کو قائل کرنے کے لئے اس کی آخری دلیل یہ تھی۔

"دیکھو یوسف اگر تم نے اپنے گھر سے تار اور خط آنے کے بعد اچانک لاہور پہنچنے کا فیصلہ نہ کرلیا ہوتا، تو میں آپ سے یہ کہنے والا تھا۔ کہ میں آپ کو اپنے سیکرٹری اور خان محمد کے اتالیق کی حیثیت سے معقول تنخواہ دے سکتا ہوں اور اب آپ کو دیکھتے ہی میرے دل میں امید پیدا ہوگئی ہے کہ آپ میری تجویز کو ردّ نہیں کریں گے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب تک آپ کسی اور کام پر نہیں لگ جاتے تو آپ میرے ساتھ رہیں گے۔ اور جس کلاس میں میں اور خان محمد سفر کریں گے۔ آپ کو بھی اسی کلاس میں سفر کرنا پڑے گا۔ اور آپ کو لکھنے پڑھنے کے لئے تمام سہولتیں مہیا کرنا بھی میری ذمہ داری ہوگی۔"

لاہور سے امرت سر تک یوسف احمد خان سے باتیں کرتا رہا۔ جب گاڑی امرتسر سے روانہ ہوئی تو وہ اچانک خاموش ہوگیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا —— احمد خان اخبار اٹھاکر پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔

کچھ دیر بعد اخبار سے اکتاکر اُس نے ایک کتاب اٹھالی۔ اور یوسف سے مخاطب ہوکر کہا:

"بھئی یوسف تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

"جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"نہیں یار کوئی بات ضرور ہے تم مغموم نظر آتے ہو۔"

"کوئی خاص بات نہیں خاں صاحب۔ مجھے یہ خیال آرہا تھا کہ زندگی کی جو منازل کئی برس سے میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ میں ان سے دُور جارہا ہوں۔ اور اس کے باوجود میں اس امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا کہ یہ ایک نیا راستہ جس پر حالات نے مجھے اچانک چلنے پر مجبور کردیا ہے۔ بالآخر مجھے اپنی اہم ترین منزل تک لے جائے گا۔"

"بھائی یوسف میری بات غور سے سنو۔ تم ایک اچھے سوار ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ جب سوار راستہ بھول جاتے تو عقل کی بات یہی ہوتی ہے کہ وہ گھوڑے کو اپنی مرضی پر چھوڑ دے۔ پھر گھوڑا اُسے کسی بستی کے بہترین آدمی کے گھر تک پہنچا دیتا ہے۔"

یوسف کچھ دیر خاموش رہا۔ اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ جب گاڑی جالندھر کے اسٹیشن سے گزر رہی تھی۔ تو اس نے دونوں بازو کھڑکی پر رکھتے ہوئے اپنی پیشانی دونوں ہاتھوں پر اس طرح رکھ دی کہ اس کا چہرہ احمد خان کی نظروں سے چھپ گیا۔ احمد خاں کچھ دیر ایک کتاب کے ورق الٹتا رہا۔ پھر اس نے کہا:

"بھائی یوسف تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

یوسف نے آہستہ سے گردن اٹھائی تو احمد خان کو محسوس ہوا۔ کہ وہ آستین سے اپنے آنسو پونچھ رہا ہے۔

"کیا ہوا تھا یوسف؟" احمد خان نے شفقت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں خاں صاحب۔ میں اپنی عقل کے گھوڑے کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے کی نصیحت پر عمل کررہا ہوں۔ لیکن وہ بہترین گھر جسے تلاش کرنے کی مجھے امید ہوسکتی تھی پیچھے رہ گیا ہے۔"

"بھائی یوسف اگر تم اس قدر آزردہ ہو تو ہم سو بار جالندھر آسکتے ہیں۔ اور میں یہ بھی کرسکتا ہوں کہ میرا ایک بھائی وہیں ڈیرہ ڈال لے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ بہت اچھے ہوں گے اور تمہاری دل آزاری نہیں کریں گے۔"

"خان صاحب وہ یقیناً بہت اچھے لوگ ہیں۔ لیکن مجھے ان کا قرب حاصل کرنے کے لئے کئی بے نشان راستوں سے گزرنا پڑے گا —— بے نشان اور تاریک

راستوں پر! لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ ایک روشنی خواہ کس قدر دھندلی ہو جائے۔
اپنے مستقبل کے متعلق میرے یقین اور اعتماد میں کمی نہیں آنے دے گی ــــ خانصاحب
راستہ خواہ کتنا دشوار ہو۔ میں چلتا رہوں گا۔ اس وقت تک چلتا رہوں گا۔ جب تک کہ
ہمارے راستے کسی موڑ پر مل نہیں جاتے۔"

احمد خاں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: "یوسف بھائی! میں اللہ سے دعا کیا کروں
گا۔ کہ تمہارے راستے بہت جلد مل جائیں۔ اور میں تمہاری اور اس نیک بیٹی کی خوشیاں اپنی
زندگی میں ہی دیکھ لوں۔ جس کے تصور سے تمہارے چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ میرے
بھائی اگر تمہیں سفر کے کسی مشکل مقام پر سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں یہ وعدہ
لینا چاہتا ہوں کہ تم مجھے آواز ضرور دو گے۔"

"خان صاحب! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ ضرورت کے وقت آپ مجھ سے
اتنی دور نہیں ہوں گے کہ مجھے آواز دینے کی ضرورت پیش آئے۔"

دہرہ دُون کے اسٹیشن پر اُن کا خیر مقدم کرنے کے لئے ایک سندھی تاجر سیٹھ
جمنا داس وہاں موجود تھا۔ اس نے احمد خان کو ادب سے سلام کرنے کے بعد اطلاع دی:
"جناب فی الحال ایک ہوٹل میں آپ کے قیام کا انتظام ہو چکا ہے، مکان آپ کو اسی ہفتے
مل جائے گا۔ میں نے مالک مکان کو چھ ماہ کا پیشگی کرایہ دے دیا ہے۔ کل اس کی مرمت
اور رنگ روغن کا کام شروع ہو چکا ہے۔ جس ٹھیکیدار کو مالک مکان نے یہ کام سونپا ہے
اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ پانچ دن تک یہ کام مکمل کرے گا اور چھٹے روز آپ
وہاں جا سکیں گے۔ پرسوں خان محمد کو چھٹیاں ہو جائیں گی اور میں انہیں آپ کے پاس پہنچا
دوں گا باہر آپ کے لئے ٹیکسی کھڑی ہے اور میں آپ کو مسوری پہنچا کر واپس آجاؤں گا۔"

مسوری برصغیر کے صحت افزا مقامات میں سے ایک انتہائی خوب صورت شہر تھا۔

اس کے نشیب و فراز میں حدِ نگاہ تک قدرت کے دلکش مناظر پھیلے ہوئے تھے۔ موسم
گرما میں دور دراز سے خوش حال لوگ وہاں آتے تھے اور شہر کے نچلے حصے سے لے کر
بالائی حصے تک وہ عام سڑکیں جن پر صرف پیدل چلنے کی اجازت تھی۔ ان لوگوں سے بھر
جاتی تھیں۔ جو اپنی صورتوں کے ساتھ نئے نئے قیمتی ملبوسات کی نمائش کے لئے وہاں
آتے تھے۔

احمد خان نے جس ہوٹل میں قیام کیا اس کے ساتھ دو سینما گھر تھے جن کے ہر روز
تین شو ہوتے تھے۔ یوسف دوپہر کا کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ سینما گھروں میں
گانے شروع ہو گئے۔ نماز ختم کرنے کے بعد وہ بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن سینما گھر لاؤڈ سپیکروں
کی مدد سے اتنا شور پیدا کر رہے تھے کہ اس کے لئے اخبار پڑھنا بھی مشکل ہو گیا۔ احمد خان
گہری نیند میں خراٹے لے رہے تھے۔ یوسف نے اٹھ کر جوتے پہنے اور منیجر کے دفتر میں
جا کر کہا: "میں سیر کے لئے جا رہا ہوں اور شام تک سیٹھ جمنا داس کا ایک نوکر خان صاحب
کی خدمت کے لئے پہنچ جائے گا اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک ایک قابلِ اعتماد
بیرا خان صاحب کے دروازے پر موجود رہے۔" منیجر نے کہا: "جناب آپ مطمئن رہیں
ہمیں معلوم ہے کہ خانصاحب ایک بڑے آدمی ہیں۔"

"ہاں سیٹھ صاحب! وہ جس قدر بڑے ہیں۔ اسی قدر شریف ہیں۔"

منیجر بولا۔ "بھائی صاحب سیٹھ جمنا داس ہمیں ان کے متعلق بہت کچھ بتا چکے ہیں
آپ مطمئن رہیں۔ میں خود ان کا خیال رکھوں گا، آپ مزے سے سیر کریں۔"

یوسف نے بلندی کی طرف جانے والی سڑک کا رخ کیا اور ایک گھنٹہ بعد وہ مسوری
کے بلند ترین مقام پر کھڑا تھا۔ یہاں سے نیچے کی طرف ایک گنجان جنگل دکھائی دیتا
تھا۔ وہ ایک پگڈنڈی پر جا رہا تھا کہ اچانک ایک درخت دیکھ کر رک گیا جو اس کے
گاؤں کے قریب پر دیسی درختوں سے گہری مشابہت رکھتا تھا۔ اس کے پتے اور اس

کی شاخیں اُسی طرح تھے۔ لیکن فرق صرف یہ تھا کہ اس کا قد بہت چھوٹا تھا۔ اس نے ایک شاخ پکڑ کر کھینچی تو وہ اُسی طرح ٹوٹ گئی جیسے پردیسی درختوں کی بے لچک شاخیں ٹوٹ جایا کرتی تھیں۔ پھر وہ قریباً نصف گھنٹہ جنگل میں ادھر ادھر دیکھتا رہا، لیکن اسے کوئی اور ایسا درخت نظر نہ آیا۔ دوبارہ چوٹی پر جاکر اس نے عصر کی نماز ادا کی اور پھر واپس چل دیا۔ سڑک کا پررونق حصہ شروع ہو چکا تھا، لیکن اس نے کسی جگہ رک کر دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا ——— "میں ایک چھوٹا سا پردیسی درخت ہوں جو اپنے قافلے سے بچھڑ کر بہت دور پہنچ گیا ہے۔ اور بونے درخت کی طرح میرے لئے واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی یوسف کے لئے یہ امید ایک بہت بڑا سہارا ہوا کرتی تھی کہ خواہ کتنی دور چلا جاؤں میرے لئے واپسی کے راستے بند نہیں ہوں گے۔ قدرت کا کوئی معجزہ مجھے کسی دن اِن لوگوں کے دروازے تک پہنچا دے گا۔ جن کے بغیر میں زندگی کا تصور نہیں کرسکتا! لیکن آج اسے محسوس ہو رہا تھا کہ مایوسیوں کے تاریک سائے آہستہ آہستہ گہرے ہوتے جائیں گے۔ پھر جب وہ کافی دیر ادھر ادھر گھومنے کے بعد اذان سن کر ایک مسجد میں داخل ہوا تو نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے بے اختیار رو پڑا اور پھر ہولے ہولے سسکیاں لیتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا:

"یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میری آزمائش شروع ہو چکی ہے تو میں تجھ سے صبر اور حوصلے کا طلب گار ہوں۔ میرے اللہ مجھے کسی ایسی آزمائش میں نہ ڈالیو، جس میں مَیں پورا نہ اتر سکوں، میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ زمانے کی ٹھوکریں مجھے تیری رحمت سے مایوس نہ کر دیں، اے تھکے ہارے لوگوں کی دعائیں سننے اور انہیں قبول کرنے والے! میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں۔ یا اللہ! اُن نیک انسانوں پر کرم فرما جو انتہائی بیچارگی کے عالم میں میرے لئے زندگی کا بہت بڑا سہارا بن گئے تھے۔ میرے اللہ! مَیں جن مقاصد کے لئے زندہ رہنا چاہتا تھا ان سے منہ پھیر کر زندگی کا ہر سانس میرے لئے ایک عذاب

بن جائے گا۔ میں اس عذاب کے خوف سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ احمد خان کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھتے ہی کہا:

"بھائی یوسف! آپ نے ہمیں بہت پریشان کیا، بیٹھ جاؤ۔ آپ کہاں چلے گئے تھے"؟

"خان صاحب! میں سیر کے لئے نکلا تھا اور کافی دور چلا گیا تھا"۔

"میرے بھائی میں تمہارا چہرا دیکھ کر تمہارے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا لیا کرتا ہوں ابھی مَیں تمہارے لئے دعا مانگ رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تم جیسے نیک انسانوں کو دیر تک پریشان نہیں چھوڑے گا۔ تاریک راستوں پر چلتے ہوئے گھبراہٹ ضرور ہوتی ہے، لیکن کسی وقت اچانک تم یہ دیکھو گے کہ سورج تاریک بادلوں سے نکل آیا ہے اور تمہاری دنیا چکا چوند ہو رہی ہے۔ میرے بھائی! ہمت اور حوصلے سے کام لو۔ تمہارا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو حل نہ ہو سکے۔ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ جب ضرورت پڑے گی میں خود ان لوگوں کے پاس جاؤں گا جن کے تصور سے تمہارے سارے غم دور ہو جاتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو میں تمہارے والد کے پاس بھی جاؤں گا تم جیسے آدمی کا باپ کبھی یہ گوارہ نہیں کرے گا کہ اس کا بیٹا زندگی سے مایوس ہو جائے"۔

یوسف نے کہا: "خان صاحب! آپ بہت نیک ہیں اور آپ کی باتیں سن کر مَیں پُر امید ہو جاتا ہوں"۔

احمد خان نے ہنستے ہوئے کہا: "میرے بھائی تم اتنے نیک ہو کہ تمہیں میری باتیں سنے بغیر بھی مطمئن رہنا چاہیئے"۔

عبدالعزیز ایک ہفتہ دورے کے بعد جھنگ واپس آیا۔ وہ رات آٹھ بجے کے قریب اپنے دفتر میں ضروری ڈاک دیکھنے اور چند جوابات لکھوانے کے بعد اٹھا لیکن دفتر سے باہر نکلتے ہی اسے اردلی نے آکر آواز دی۔ "جناب لاہور سے آپ کا فون آیا

ہے۔ شاید بیگم صاحبہ کی آواز تھی۔" عبدالعزیز واپس مڑا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ ریسیور اٹھا کر بلقیس سے گفتگو کر رہا تھا۔

بلقیس کہہ رہی تھی۔ "جی میں نے تین بار آپ کو گھر میں فون کیا تھا اور دُوسری مرتبہ دفتر میں فون کر رہی ہوں۔"

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ "میرا دورہ زیادہ طویل ہو گیا تھا اور تھکاوٹ کی وجہ سے آج دفتر بھی ذرا دیر سے پہنچا تھا، لیکن آپ کی آواز میں گھبراہٹ مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔ آپ اطمینان سے بات کریں۔"

بلقیس نے کہا۔ "جی اپنی حماقتوں کا ذکر کرتے ہوئے مجھے اطمینان کیسے ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ گزشتہ حماقتوں سے کسی بڑی حماقت کا ذکر کرنا چاہتی ہیں؟"

"جناب میری گفتگو اسی حماقت سے تعلق رکھتی ہے۔ جب میں نے یوسف کو دُھتکار کر گھر سے نکالا تھا تو مجھے جلد ہی یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اسے موقع نہ دیا۔ اس کے یہ الفاظ دیر تک میرے کانوں میں گونجتے رہے۔ "چچی جان آپ کی یہ باتیں بڑی تکلیف دہ ہیں لیکن کسی دن آپ یہ باتیں یاد کیا کریں گی تو آپ کو زیادہ تکلیف ہوا کرے گی۔" میں بھاگ کر اسے آواز دینا چاہتی تھی لیکن وہ جا چکا تھا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیگم صاحبہ! یہ بات میں پہلے بھی سُن چکا ہوں، میں یہ بھی سُن چکا ہوں کہ آپ روئی بھی تھیں اور آپ نے اگلے روز اسے تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی، لیکن وہ اپنے دوست منظور احمد کے ساتھ کہیں غائب ہو چکا تھا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یوسف کے یکایک کہیں غائب ہو جانے کی وجہ سے اس کے والد بہت پریشان ہیں۔ پھر آپ کو عبدالکریم کے گھر سے بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اور میں نے آپ کو ٹیلی فون پر یہ تسلی دی تھی کہ جس یوسف کو میں جانتا ہوں وہ ہمیں چھوڑ

کر کہیں نہیں جا سکتا۔"

بلقیس کہہ رہی تھی کہ "بعض معاملات میں میری پہلی سوچ عام طور پر غلط ہوتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ بعض اوقات آپ کی دوسری اور تیسری سوچ بھی غلط ہوتی ہے، لیکن اللہ نے آپ کو ایک خوبی دی ہے کہ آپ فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا کرتی ہیں۔ اطمینان رکھیئے جب یوسف یہ محسوس کرے گا کہ آپ کا غصہ دور ہو چکا ہے تو ہنستا ہوا آپ کے پاس آئے گا۔"

"جی میرا غصہ تو اسی وقت دور ہو چکا تھا، لیکن اس بات سے خوف محسوس کرتی ہوں کہ ہم ایک قابل فخر بیٹے کو ہمیشہ کے لئے کھو چکے ہیں۔"

"کیا ہوا اُسے اور آپ رو کیوں رہی ہیں؟"

"میں اس لئے رو رہی ہوں کہ مجھے بڑی دیر سے اطلاع ملی ہے کہ وہ کہیں چلا گیا ہے۔ امینہ نے اچانک مجھے فون کیا تھا کہ وہ لاہور چھوڑنے سے پہلے ان کے گھر آیا تھا۔ میں اسی وقت ان کے گھر پہنچی تھی اور مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں اسے غلط سمجھتی رہی ہوں۔ امینہ نیک اور معصوم لڑکی ہے۔ مجھے علیحدہ بٹھا کر اس نے ایک دلخراش واقعہ بیان کیا تھا اور گفتگو کے دوران وہ رو رہی تھی اور مجھ سے بار بار معذرت کرتی تھی کہ میں نے فوراً آپ کو یہ واقعہ اس لئے نہیں بتایا کہ یوسف صاحب مجھے یہ کہہ گئے تھے کہ جب چچی جان سے یہ باتیں ظاہر کرنے کا وقت آئے گا تو میں خط لکھوں گا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیگم صاحبہ خدا کے لئے مجھے یہ بتائیے کہ یوسف ٹھیک تھا؟"

"جی جس رات وہ میرے عتاب سے پریشان ہو کر گیا تھا اس کی سوتیلی ماں نے اسے زہر دے دیا تھا۔ منظور احمد اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اور اس نے کسی کو یہ معلوم نہ ہونے دیا کہ وہ کہاں ہے۔ جب وہ تندرست ہونے کے بعد منظور کی قیام گاہ میں آ گیا تو وہ اسے تلاش کر کے اپنے گھر لے گئی تھی اور اس نے یہ بتایا تھا کہ میرا گھر رہنا مشکل ہو

گیا ہے اس لئے میں کہیں جا رہا ہوں۔ امینہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اُسے فوج میں کپتانی حاصل کرنے کی امید ہے یہ کتنی عجیب بات ہے کہ میں امینہ کی گفتگو سے پہلے اتنا بھی نہ سمجھ سکی کہ وہ یوسف کو اپنا بھائی سمجھتی ہے اور وہ دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر رخصت ہوا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں بھی آجانی چاہیئے تھی، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ فہمیدہ کے متعلق میرے جذبات کتنے نازک ہیں۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ کسی اور جگہ اس کی منگنی ہو جائے۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ سندھ سے واپسی پر وہ کسی اور کے پاس جانے سے پہلے سیدھا میرے پاس آیا تھا۔"

"بیگم صاحبہ! یقین جانیئے وہ اب بھی سیدھا ہمارے پاس آئے گا۔ ورنہ ہم اسے تلاش کرلیں گے۔ یہ زہر والا واقعہ یقیناً تکلیف دہ ہے۔ مجھے اس کی پوری تفتیش کروانے کے لئے چند دن کی چھٹی لینا پڑے گی۔"

"لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ اس نے اپنی سوتیلی ماں کو معاف کر دیا تھا۔ ورنہ یہ کیس اتنا مضبوط ہے کہ منظور احمد نے زہریلے کھانے کے متعلق کسی لیبارٹری سے رپورٹ حاصل کرلی تھی۔"

"ایسی صورت میں ہم یوسف کی رضامندی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔"

"جی اسی بات سے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے کہ یوسف لاپتہ ہو گیا ہے۔"

"بیگم صاحبہ! اگر آپ نے اب بھی اُسے غور سے دیکھا ہوتا تو آپ یہ سوچ بھی نہ سکتیں کہ یوسف کہیں دور جا سکتا ہے۔"

"لیکن امینہ یہ کہتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے سارے پروگرام چھوڑ چکا ہے۔"

عبدالعزیز نے جواب دیا: "بیگم صاحبہ آپ اس کے لئے دعا کیا کریں مجھے یقین ہے کہ زندگی کا ہر راستہ اسے کامیابی کی طرف لے جائے گا۔"

بلقیس نے قدرے توقف کے بعد کہا: "میں اس کے لئے ہر وقت دعا کیا کرتی ہوں

لیکن فہمیدہ کے متعلق میں بہت فکر مند ہوں۔"

"تمہیں فہمیدہ کے متعلق فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اسے زندگی کے ہر موڑ پر دکھائی دے گی۔ شاید یوسف کو گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے گر چکا ہے۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی۔ کہ جو لوگ اس سے پہلے پیار کرتے تھے اب بھی وہ پیار کرتے ہیں۔"

بلقیس نے کہا: "ایک دفعہ اُس نے کہا تھا کہ بیٹا اگر رُوٹھے گا تو بھی ماں کے سوا اور کس کے پاس جائے گا۔ اب مجھے جس قدر یہ الفاظ یاد آتے ہیں اسی قدر اطمینان محسوس ہوتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا: "دیکھو بلقیس ان حالات میں اس کو ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہاری دعائیں قبول ہوا کرتی ہیں۔"

احمد خان کا بیٹا خان محمد مسوری پہنچ چکا تھا اور وہ ہر روز کبھی علی الصبح اور کبھی بعد از دوپہر ایک لمبی سیر کے لئے یوسف کا ساتھ دیا کرتا تھا۔ خان محمد ایک ذہین لڑکا تھا اور ہر سیر کے بعد وہ یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ یوسف کی گفتگو سے اس کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ چوتھے روز وہ کرائے کے مکان میں جا چکے تھے اور یوسف نے باقاعدہ ایک پروگرام کے مطابق اسے پڑھانا شروع کر دیا تھا، استاد اور شاگرد کا یہ رشتہ بتدریج دوستی میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ جب یوسف خان محمد سے کسی دلچسپ موضوع پر گفتگو کیا کرتا تھا تو احمد خان بھی ان کے پاس بیٹھ جایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے کہا: "یوسف صاحب میرا بیٹا بہت خوش قسمت ہے کہ اسے آپ جیسا استاد مل گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کے لئے کیا دعا کیا کرتا ہوں۔"

"جی میں صرف یہ سمجھتا ہوں کہ آپ میرے لئے کوئی اچھی ہی دعا کرتے ہوں گے۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ اچھی ہے کہ بُری، بہر حال میری خواہش ہے کہ آپ جس کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں وہ آپ کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے قوم کے جوانوں کے لئے بہت اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ پاکستان کی جد وجہد میں بھرپور حصہ لینا ہے۔ اور یہ ایسے مقاصد ہیں جن سے منہ پھیر کر آپ خوش نہیں رہ سکتے۔ آج صبح جب آپ سیر پر گئے ہوئے تھے تو جمنا داس کے ساتھ ڈیرہ دون سے ایک پروفیسر بھی مجھے ملنے آیا تھا۔ میں نے آپ کی تعریف شروع کر دی تو اس نے کہا۔ امیر لوگوں کو اپنے بچوں کے لئے ہمیشہ اچھے استادوں کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر یوسف تین چار لڑکوں کو ٹیوشن دے سکیں تو ان کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو سکتا ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب جو رقم آپ دیتے ہیں وہ بھی میری ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ میں جلد از جلد اپنی کتاب ختم کرنا چاہتا ہوں اور خان محمد کے سوا میرے پاس کسی اور کے لئے وقت نہیں ہے۔ مجھے اپنے مستقبل کے متعلق یہ اطمینان ہے کہ دو تین کتابیں لکھنے کے بعد میں رزق سے بے نیاز ہو جاؤں گا اور کسی تنخواہ کے بغیر آپ کی خدمت کر سکوں گا۔"

"بھئی مجھے یقین ہے کہ اللہ آپ کو بہت زیادہ دے گا۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ کو معقول معاوضہ دینے سے ہمارے رزق میں کمی نہیں آئے گی، بلکہ جس قدر ہمارا دل کشادہ ہے اسی طرح ہمارا رزق کشادہ ہوگا۔"

یوسف نے کہا: "خان صاحب اگر میرے لئے آپ کی دعائیں قبول ہو جائیں تو مجھے اپنی زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔"

"بھائی مجھے یقین ہے کہ آپ کے لئے بہت سے لوگ دعائیں کرتے ہیں اور ان میں سے اللہ کا کوئی نیک بندہ ایسا ضرور ہوگا جس کی دعائیں قبول ہوں گی۔"

"خان صاحب میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

دُھند اور روشنی

تین ہفتے اور گزر گئے اور احمد خان یوسف کی ظاہری مسکراہٹوں کے باوجود یہ محسوس کرتا تھا کہ اسے اندر ہی اندر کوئی چیز کھائے جا رہی ہے۔ وہ رات کے وقت چند گھنٹے باقاعدہ لکھا کرتا تھا اور کبھی کبھی اس کے انہماک کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ تہجد کی نماز کے وقت اپنا کام چھوڑتا تھا۔ رات کی تنہائیوں میں اسے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے ایک تسکین محسوس ہوتی تھی۔ ایک دن وہ عصر کی نماز کے لئے اٹھا تو فضا میں گھرے بادل تیر رہے تھے وہ مسجد سے نکل کر اس سڑک پر چل دیا جو بازار سے نکلتے ہی شروع ہو جاتی تھی اور پہاڑی کے گرد چکر لگانے کے بعد پھر بازار سے آملتی تھی۔ لوگ اس پرسکون سڑک کو کیمل بیک روڈ کہتے تھے اور اس کے دائیں جانب وہ کھڈ شروع ہو جاتی تھی جو اوپر کی جانب شہر کے بالائی حصے کے پہاڑ سے جا ملتی تھی اور دوسری طرف کشادہ ہوتے ہوتے ڈیرہ دون کی سرسبز وادی سے جا ملتی تھی۔ یوسف نے تھوڑی دیر چلنے کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھا تو بالائی مسوری پر گہری دھند چھا رہی تھی وہ کنارے کے آہنی جنگلے پر ایک ہاتھ رکھ کر اپر مسوری کی طرف دیکھنے لگا۔ یہاں سے گہری دھند ایک عظیم آبشار کی طرح کھڈ میں اتر رہی تھی۔ چند منٹ کے اندر اندر یہ کھڈ اور اس کے اردگرد کے تمام مناظر دھند کے اندر غائب ہو چکے تھے۔ اور وہ چند قدم سے زیادہ دور نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اچانک اسے اپنے قریب کسی لڑکے کی آواز سنائی دی۔

"آپا جان ذرا ادھر آ کر دیکھو: معلوم ہوتا ہے کہ سارا کھڈ دور دور تک روئی کے گالوں سے بھر گیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اس سفید اور خوب صورت بستر پر چھلانگ لگاؤں، میں نیچے کودنے لگا ہوں۔"

ایک لڑکی نے سڑک کے دوسرے کنارے سے بھاگ کر لڑکے کا بازو پکڑ لیا۔ اور اُسے جھنجھوڑتے ہُوئے بولی۔ "شرم نہیں آتی تمہیں لوگوں کے سامنے اپنی بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہُوئے۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "دیکھو بھئی اپنی بہنوں کو اس طرح پریشان نہیں کیا کرتے۔" لڑکی لڑکے کو چھوڑ کر یوسف کا بازو پکڑ کر چلائی: "آپا جان آپا جان۔ دیکھو یہ کون ہیں۔ جلدی آؤ۔ ورنہ بھائی جان بادلوں میں چھپ جائیں گے۔"

"نسرین! کون ہے؟" دوسری جانب سے کسی نے سوال کیا۔

ظہیر چلایا "آپا جان یہ بھائی جان یوسف ہیں۔"

فہمیدہ چند ثانیے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوتے کہا: "آپ کہاں تھے؟ آپ کو یہ احساس کیوں نہ ہُوا کہ کچھ لوگ آپ کے لئے تڑپ رہے ہیں ـــــ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ کو دوسروں کے دکھ سے خوشی ہوتی ہے۔ اب اگر آپ نے غائب ہونے کی کوشش کی تو میں آپ کے سامنے اس کھڈ میں کود پڑوں گی۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "فہمیدہ میں بھاگ رہا تھا اور یہاں تک بھاگنے کے بعد میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں اپنے عزیزوں سے بہت دور آ گیا ہوں۔ لیکن میرا سفر جاری رہے گا۔ یہ مسئلہ اپنی پسند یا ناپسند کا نہیں تھا۔ بھاگنا میری مجبوری بن گیا تھا۔ لیکن . . ."

"لیکن کیا؟" فہمیدہ اس کی طرف مبہوت ہو کر دیکھ رہی تھی۔ اور چھٹتے ہوئے بادلوں سے سورج کی روشنی اس کے خوب صورت چہرے پر پڑ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتا تھا۔

"فہمیدہ" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "اب میں کہیں نہیں بھاگ سکتا یہ ایک معجزہ ہے۔ کہ قدرت نے میرے لئے فرار کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں آپ کو یہاں دیکھنا قدرت کا ایک عظیم انعام ہے۔ اس وقت مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں ایک پردیسی درخت ہوں اور اپنے گاؤں کے قریب پردیسی درختوں کے متعلق جو کہانیاں سنی تھیں۔ وہ شاید درست نہیں تھیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک شہزادی بادلوں پر سوار ہو کر پردیسی درختوں کے جنگل سے گزر رہی تھی۔ پردیسی درختوں نے اس کی ایک جھلک دیکھی اور اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ دھند اس قدر گہری تھی۔ کہ شہزادی کو یہ معلوم نہ ہُوا کہ کسی نامعلوم جنگل کے درخت اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ پھر دُھند کے بادل اچانک چھٹنے لگے اور شہزادی پریشان ہو کر چلائی: "یہ بے وقوف درخت میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں۔" اور درخت جس جگہ تھے وہیں سہم کر رک گئے۔"

فہمیدہ نے پوچھا: "اور شہزادی کا کیا بنا؟"

"میرا خیال ہے۔ شہزادی پریوں کے ساتھ سیر کے لئے نکلی تھی اور کسی ان دیکھے جنگل میں پہنچ گئی تھی اور اس ان دیکھے جنگل کے درخت اتنے مسحور ہو گئے تھے کہ اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔ جب شہزادی نے اپنے محل کے قریب مڑ کر دیکھا تو بادل چھٹ چکے تھے۔ اور اس نے محل کے پہرے داروں کو آواز دی تھی۔ "ان بے وقوف درختوں کو روک کر پوچھو کہ وہ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟" اور درخت جہاں پہنچے تھے وہیں شرم و ندامت کے سبب گڑ گئے تھے۔"

فہمیدہ نے کہا: "نسرین تم گھر جا کر اطلاع دو کہ ہمارے ایک عزیز مہمان راستہ بھول کر ادھر آ گئے ہیں۔ وہ بہت تھکے ہُوئے ہیں۔ میں انہیں آہستہ آہستہ اپنے ساتھ لا رہی ہُوں۔"

نسرین نے کہا: "بھائی جان آپ میرے سَر کی قسم کھائیں کہ اب آپ راستے میں کہیں غائب نہیں ہو جائیں گے۔"

"پگلی تمہیں فہمیدہ پہ اعتماد ہونا چاہیئے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان کے حکم کے

بغیر ان کی آنکھوں سے دور ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

"بھائی جان! جتنی دیر میں آپ گھر پہنچیں گے۔ اتنی دیر میں دہرہ دون، جالندھر، لدھیانہ، لاہور اور کئی اور شہروں میں یہ خبر پہنچ جائے گی کہ آپ مسوری میں مل گئے ہیں بھائی جان میں بہت رویا کرتی تھی اور باجی فہمیدہ بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں سب کے سامنے رویا کرتی تھی اور باجی چھپ چھپ کر۔"

فہمیدہ نے برہم ہو کر کہا: "چڑیل یہاں سے بھاگو۔ اور گھر پہنچ کر امی جان کو پریشان نہ کرنا۔ صرف یہ بتانا کہ یوسف صاحب بالکل ٹھیک ہیں۔ ذرا تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

نسرین بولی۔ "میں اور ظہیر بھاگتے ہوئے گھر پہنچیں گے۔ صرف ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"پوچھو۔"

"بھائی جان میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ بھابی جان کیسی ہیں؟"

ایک ثانیہ کے لئے یوسف کا چہرہ منجمد سا ہو کر رہ گیا اور فہمیدہ نے کہا:

"نسرین تم بڑی چڑیل ہو۔ بھاگو یہاں سے۔"

اور نسرین ہنستی ہوئی ظہیر کے ساتھ بھاگ گئی۔

یوسف کچھ دیر خاموشی سے فہمیدہ کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر اس نے رک کر پوچھا:

"دیکھو فہمیدہ اگر تم بھی اس وہم کا شکار ہو گئی ہو۔ کہ میری منگنی ہو گئی ہے تو اس وقت تک میں خاموش رہوں گا۔ جب تک کہ آپ کی تمام غلط فہمیاں خود بہ خود دور نہیں ہو جاتیں۔"

"آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، جب آپ پردیسی درختوں کی نئی کہانیاں سنا رہے تھے۔ تو مجھے خیال آیا تھا۔ کہ شہزادی نے اپنے محل کے قریب پہنچ کر پیچھے بھاگنے والے درختوں کو غصہ کی حالت میں یہ کہا تھا۔ "تم اس جنگل سے کیوں بھاگ آئے ہو۔ جہاں ایک شہزادہ شکار کے لئے گیا تھا اور اسے تلاش کرنے کی بجائے تم میرے پیچھے کیوں آ گئے ہو۔ جاؤ اسے تلاش کرو۔ ورنہ میں تم سب کو کاٹ کر آگ میں ڈال دوں گی اور پھر فوج بھیج کر سارا جنگل تباہ کر دوں گی۔ اور پھر دور سے ایک سوار کے سرپٹ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور پہریدار چلا اٹھے، "شہزادہ آ گیا" "شہزادہ آ گیا"۔ اور پردیسی درخت اتنے خوش ہوئے کہ وہ وہیں رک کر رہ گئے، لیکن یوسف صاحب میں اس بات سے خوف کھانے لگی ہوں ——— کہ آپ حقیقتوں کو افسانے بنا دیتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ کسی دن ہماری یہ ملاقات بھی ایک افسانہ بن جائے۔"

"فہمیدہ! نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا، لیکن آپ سے چھپانا بھی میرے بس کی بات نہیں۔ اب دیکھو دھوپ نکل آئی ہے اور تمہارا چہرہ اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہے کہ میں اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی ملال دیکھنا نہیں چاہتا۔"

"یوسف صاحب! آپ کہتے تھے کہ آپ مجھے ایک طویل سفر کے بعد ملے ہیں اور اگر اس سفر کے دوران آپ کے پاؤں زخمی ہوئے ہیں تو ان پر پھاہے رکھنا میری ذمہ داری ہے۔ آپ کو اپنے تاریک اور بے نشان راستوں کے ہر قدم پر یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ آپ تنہا نہیں ہیں۔"

"فہمیدہ میں اپنے مقدر کی ٹھوکروں میں آپ کو کیسے حصہ دار بنا سکتا ہوں۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ دنیا کی انتہائی خوبصورت وادیوں سے پھولوں کے انبار جمع کر کے تمہارے راستے میں بچھا دوں۔ پھر میں یہ کیسے سوچ سکتا تھا کہ میں کسی خطرناک راستے سے پھسلتے ہوئے آپ کا ہاتھ پکڑ لوں۔ اور آپ کے جسم پر کوئی خراش آ جائے۔ فہمیدہ! میں نے زندگی کی تلخیوں سے بے بس ہو کر ایک تکلیف دہ فیصلہ کیا تھا۔ اور یہ فیصلہ سراسر اپنی ذات کے لئے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ یہ فیصلہ سنیں تو آپ کے دل میں کوئی تلخی پیدا ہو جب ایک سپاہی نڈھال ہو کر ہتھیار پھینک دیتا ہے اور اپنے آپ کو زندگی سے زیادہ

موت کے قریب محسوس کرتا ہے۔ تو اپنے عزیزوں اور پیار کرنے والوں کے لئے اس کی آنکھیں اور اس کے کان بند ہو جاتے ہیں۔ فہمیدہ میں اس بات پر شرمسار ہوں کہ میری یہ حالت نہیں ہوئی تھی۔ میں جسے بھول جانا چاہتا تھا اور یہ دُعا کیا کرتا تھا کہ وہ بھی مجھے بھول جائے۔ اس کی آواز ہر وقت میرے کانوں میں گونجا کرتی تھی اور اس کی تصویریں ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی تھیں ـــــ میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اپنے ماضی سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ میرے لئے فوج میں شامل ہو کر کہیں دور نکل جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں ابتدائی مراحل طے کر چکا ہوں۔ ایک اہم مرحلہ چند دن بعد مجھے دہرہ دون میں پیش آئے گا۔ لیکن آپ وہ ہیں جن کا ایک اشارہ، ایک مسکراہٹ اور ایک آنسو یا ایک قہقہہ میرے تمام فیصلے منسوخ کر سکتا ہے اور میں آپ کا قہقہہ سننے سے پہلے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس مقام سے میری پسپائی شروع ہو چکی ہے ـــــ فہمیدہ مجھے ہنس کے دکھاؤ۔ مجھے اس پسپائی میں بھی تمہارے سہارے کی ضرورت پڑے گی۔ میں وہ تمام کاغذات جو میرے سوٹ کیس میں پڑے ہوئے ہیں۔ آپ کو پیش کر دوں گا اور یہ درخواست کروں گا کہ آپ اپنے ہاتھوں سے انہیں پھاڑ ڈالیں۔"

فہمیدہ مسکرائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو امڈ پڑے۔ "یوسف" اس نے کہا: "جن طوفانوں سے آپ گزرے ہیں۔ وہ یقیناً بڑے ہولناک ہوں گے۔ میں آپ کے سفر کی پوری رُوداد سننا چاہتی ہوں۔ تاکہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ زندگی کی الجھنوں میں مجھے آپ کا ساتھ دینے کے لئے کس قدر صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے ـــــ مجھے یہ سُن کر یقیناً بہت صدمہ ہوا ہے کہ آپ نے اچانک اپنی زندگی کے پروگرام ترک کر دیئے تھے اور صرف زندہ رہنے کے لئے فوج کی ملازمت میں پناہ لینا چاہتے تھے۔"

"فہمیدہ میرے ساتھ بہت سے ناقابلِ یقین واقعات پیش آئے ہیں، لیکن جس راستے پر میں نے انتہائی مایوسی کی حالت میں قدم اٹھایا تھا۔ اس کے متعلق آخری وقت تک مجھے یہ اطمینان نہیں تھا کہ میں اس پر چل سکوں گا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جب میں سڑک کے کنارے کھڑا تھا اور مجھے چند مانوس آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت بھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے۔ اس پر قائم نہیں رہ سکوں گا۔ اور میں نے جس کرب سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دن تک میرے ساتھ رہے گا۔ جب کسی موڑ پر میرے سپنوں کی شہزادی یہ آواز نہیں دے گی کہ میرے پردیسی درخت تم کہاں جا رہے ہو؟"

فہمیدہ کچھ دیر خاموشی سے چلتی رہی اور پھر اچانک رُک کر بولی:

"یوسف صاحب کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شہزادی صرف اپنے دل سے باتیں کر سکتی ہو۔ اور اس کی ہزاروں آوازیں آپ کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔"

"آپ کو کیا معلوم کہ میں گہری نیند میں بھی آپ کی آوازیں سُنا کرتا ہوں لیکن اس وقت میں آپ کو اپنے سپنوں کی دنیا میں نہیں لے جانا چاہتا۔ میں اس وقت ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا جو مجھے آپ کی سننے اور اپنی سنانے کے لئے ملا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس مقام سے آگے ہمارے راستے میں کتنے پھول ہیں اور کتنے کانٹے۔ اور مستقبل میں ہمیں کتنے دریاؤں اور صحراؤں میں سے گزرنا پڑے گا۔"

فہمیدہ بولی: "اگر مجھے یہ یقین ہو کہ آپ میرے ہمسفر ہیں تو مجھے یہ معلوم بھی نہیں ہو گا کہ میں کیسے مہیب دریاؤں اور صحراؤں میں سے گذر رہی ہوں۔ آج سے آپ کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہمارے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ آپ کی امی، میری امی اور چچی بلقیس کی خاموش دعائیں قبول ہوئی ہیں۔"

"کاش! میری زبان پر کوئی ایسی دُعا آ سکتی کہ چچی بلقیس کا غصہ دور ہو سکتا۔"

فہمیدہ نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ چچی بلقیس آپ سے بہت زیادہ ناراض ہو گئی

تھیں۔ لیکن کاش! آپ دو دن بعد جا کر ان کی حالت دیکھتے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے چچا جان کو فون کیا تھا۔ کہ مجھ سے ایک بہت بڑا جرم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے امّی جان سے بات کی تھی۔ اور مجھے بُلا کر کہا تھا۔ "بیٹی میں بہت بے وقوف ہوں میں نے یوسف کو بہت صدمہ پہنچایا ہے۔ وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اگر ساری دنیا سے رُوٹھ جائے تو بھی تم سے نہیں روٹھ سکتا۔ خدا کے لئے جب اس کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو فوراً مجھے فون کرو۔ تمہارے چچا نے مجھے تسلی دی تھی کہ یوسف مجھے اپنی ماں سمجھتا ہے اور وہ ان بچوں میں سے نہیں۔ جو اپنی ماں سے روٹھ جاتے ہیں۔"

"فہمیدہ! میں ان سے روٹھا تو نہیں تھا۔ اپنے آپ سے روٹھ گیا تھا۔"

فہمیدہ نے کہا: "آپ دیکھیں گے کہ وہ ٹیلی فون پر اطلاع ملتے ہی یہاں پہنچ جائیں گی اور جالندھر سے میرے ابّو کو بھی ساتھ لے کر آئیں گی اور چچا عبدالعزیز اگر آ سکیں تو وہ بھی پہنچ جائیں گے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ ہمارے گھر میں کتنی اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔"

"یہ بھی قدرت کا ایک معجزہ ہے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میں اپنے گھر میں اجنبی بن چکا ہوں۔ ایک بات میں بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن آپ سے کوئی بات چھپائی بھی نہیں جا سکتی۔ شاید میرا اولین فرض یہی ہے۔ کہ میں آپ کی نگاہوں سے اپنے مقدر کی تاریکیاں چھپانے کی کوشش نہ کروں ـــــ فہمیدہ! جس رات میں چچی بلقیس سے جھڑکیاں کھا کر نکلا تھا۔ اسی رات مجھے اپنے گھر میں زہر دیا گیا تھا۔"

فہمیدہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی اور وہ مبہوت سی ہو کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد وہ لڑکھڑاتی ہوئی سڑک کے کنارے پتھر پر بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لئے۔

یوسف نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا:

"فہمیدہ کیا ہوا آپ ٹھیک ہیں نا؟"

فہمیدہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا:

"میں ٹھیک ہوں یوسف، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اور مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ میں یہ خبر سننے کے بعد بھی زندہ ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔"

"آپ نے وہی کیا ہے کہ جو آپ کو کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ میں اتنی بے خبر کیوں تھی۔ میں جو ہر سانس کے ساتھ آپ کی سلامتی کی دعا کیا کرتی تھی۔ جس کا ہر خواب آپ کے لئے ہوا کرتا تھا۔ یہ کیوں نہ دیکھ سکی۔ کہ کوئی تاریک سایہ ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔" پھر وہ ایک لمبا سانس لینے کے بعد اچانک کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی: "اب آپ آرام سے بولتے جائیں۔ یہ خبر سننے کے بعد میں ہر بات سن سکتی ہوں۔"

یوسف نے کہا: "یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم کسی جگہ بیٹھ جائیں۔"

"یوسف صاحب میں بالکل ٹھیک ہوں آپ گھر پہنچنے سے پہلے مجھے اپنی سرگزشت سنا دیں۔ تفصیلات میں بعد میں اطمینان سے پوچھوں گی۔"

یوسف نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا:

"یہ تو میں بتا چکا ہوں کہ چچی بلقیس سے مرمت کروانے کے بعد میں بڑا دل برداشتہ ہو کر نکلا تھا۔ اس کے بعد کے واقعات مختصراً یہ ہیں۔ کہ میں راستے میں اپنے ایک دوست منظور احمد کے پاس رُک گیا تھا۔ جو ریلوے اسٹیشن سے ہی میرا سامان لے آیا تھا۔ وہاں کافی دیر اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر میں نے جب گھر جا کر کھانا کھایا۔ تو مجھے پلاؤ کا دوسرا نوالہ منہ میں ڈالتے ہی یہ محسوس ہوا کہ کوئی ایسی چیز میرے اندر چلی گئی ہے جس نے میرے بدن میں آگ لگا دی ہے۔ میں نے اتنا پانی پیا کہ اس سے زیادہ پی نہیں

سکتا تھا۔ اور پھر مجھے اچانک قے آگئی۔ لیکن کوئی زہریلے اثرات اپنا کام کر رہے تھے
پھر میں نے اندر لگی ہوئی آگ بجھانے کے لئے دو مرتبہ پانی پیا اور قے کر دی۔ اس کے
بعد میں نڈھال ہو چکا تھا اور مجھے یہ محسوس کرنے کے لئے کچھ سوچنے کی ضرورت نہ تھی
کہ مجھے کوئی خطرناک زہر دیا گیا ہے۔ میں نے وہ ہاٹ کیس اٹھایا جس میں پلاؤ تھا۔ اور نیچے
ڈیوڑھی سے اپنی سائیکل اٹھا کر اپنے دوست منظور کے پاس چلا گیا۔"

"گھر میں آپ کے لئے کسی نے کچھ نہیں کیا تھا؟"

"وہ سب سو رہے تھے۔ سوتیلی ماں جاگ رہی تھی۔ لیکن جو کچھ اس نے کیا تھا۔
اس کے بعد میرا راستہ روکنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ منظور نے بھاگ دوڑ کی اور
مجھے ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ میں صرف اس لئے بچ گیا ہوں کہ کھانے
میں زہر کی مقدار بہت زیادہ تھی اور ایک قدرتی ردعمل کے نتیجہ میں بہت سا پانی پینے
کے بعد مجھے قے آگئی تھی۔ اگر وہ زہر کچھ دیر اور ٹھہر جاتا تو آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوتا کہ میرے
ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ زہر آپ کی سوتیلی ماں نے ہی دیا تھا؟"

"اُسے اپنے جرم کا اعتراف کرنے میں دیر نہیں لگی تھی اور ہماری ملاقات سے پہلے
یہ بات میرے علاوہ منظور اور امینہ تک محدود تھی اور چوتھی آپ ہیں جسے میں بتا رہا ہوں۔
لیکن اس سے آگے یہ بات نہیں جانی چاہیئے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اباجی کی زندگی تلخ ہو
جائے۔"

"یوسف صاحب یہ بات آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں کہ جو قاتل ہوتے ہیں۔ وہ صرف
ایک قتل پر اکتفا نہیں کرتے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ لیکن میں وہاں یہ تاثر چھوڑ آیا ہوں۔ کہ میرے گھر میں ہر موت
خواہ وہ ملیریا سے ہی کیوں نہ ہو۔ میری سوتیلی ماں کے والدین اور ان کے کالے پیر کے

فراہم کردہ زہر سے منسوب کی جائے گی۔ اور وہ اس بات سے ہمیشہ خوف زدہ رہیں
گے کہ میں لیبارٹری سے زہر کی رپورٹ لے کر اپنے دوست کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ میرا دل کتنا مضبوط ہے، لیکن اس وقت میں پورے یقین اور
اعتماد کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔ کہ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔ اور مجھے ان واقعات کا علم ہو
جاتا تو میں جو کسی کے لباس پر خون کا داغ دیکھ کر بدحواس ہو جاتی ہوں بھری مجلس میں اپنے
ہاتھوں سے آپ کے قاتل کا گلا کاٹتی اور مجھے محسوس بھی نہ ہوتا کہ میں کیا کر رہی ہوں۔"

"فہمیدہ اس وقت شاید میں آپ کو یہ نہ سمجھا سکوں کہ میں نے درگزر سے کیوں کام
لیا تھا۔ اس کی وجہ وہ حالات تھے۔ جن کے باعث زندگی سے میری دلچسپیاں یکایک
ختم ہو گئی تھیں۔ یا میں اپنے بھائی کو کسی متوقع خطرے سے بچانا چاہتا تھا۔ بہرصورت
ان حالات میں میں یہی فیصلہ کر سکتا تھا۔ اس سلسلے میں جو انتہائی اہم بات آپ کو بتانا
چاہتا تھا۔ وہ یہ ہے کہ قے کرتے وقت جب میری انتڑیاں ٹوٹ رہی تھیں اور میرے
دل و دماغ پر موت کا خوف طاری ہو رہا تھا۔ تو میں آپ کو آوازیں دینا چاہتا تھا ——
میں آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میں یہ چاہتا تھا۔ کہ آپ کا ہاتھ پکڑ لوں اور اس وقت تک
پکڑے رکھوں جب تک کہ موت کی بے رحم قوتوں کے سامنے میری قوتِ مدافعت
جواب نہ دے جائے —— فہمیدہ شاید میری ماں کو یقین تھا۔ کہ وہ اچانک مجھے
اس دنیا میں چھوڑ جائیں گی اور اس سے پہلے پہلے وہ یہ چاہتی تھیں۔ کہ ان کے بعد
مجھے کسی ایسے ہمسفر کی ضرورت پڑے گی جسے میں چاہوں۔ جس پر میں یقین رکھوں۔
اور جس کے لئے میں اپنی زندگی کی قربانی دے سکوں۔ آپ پھر یہ کہیں گی۔ کہ میں اپنے
گرد و پیش کی بہت سی تلخیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے شاعری میں پناہ لے رہا ہوں۔
لیکن آپ کو دیکھ کر کوئی تکلیف دہ بات سوچنے کو دل بھی تو نہیں چاہتا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ ہماری قیام گاہ زیادہ دور نہیں۔ اور وہاں آپ کو کسی تلخی کا

سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"یوسف مسکرایا۔ "کاش! آپ کی قیام گاہ بہت دور ہوتی، اتنی دُور ہوتی، کہ آپ کے ساتھ چلتے چلتے میری عمر گزر جاتی۔"

"یوسف صاحب عمر گذارنے کے لئے تو ہم اپنے چھوٹے سے جھونپڑے کے گرد بھی ان گنت چکر لگا سکتے ہیں۔ اگر اس وقت مجھے یہ پریشانی نہ ہوتی کہ گھر میں سب آپ کا راستہ دیکھ رہے ہیں تو میں ایک طویل راستہ اختیار کرتی۔ اب مجھے یہ بھی احساس نہیں رہا کہ آپ تھک گئے ہوں گے۔"

"فہمیدہ! تمہارے ساتھ میں ماؤنٹ ایورسٹ تک بھاگ سکتا ہوں۔"

"ماؤنٹ ایورسٹ کے پروگرام تو آپ کو بعد میں بنانے چاہئیں۔ اس وقت آپ کو ساری ذہانت اس بات پر صرف کرنی چاہیئے کہ میرے ابو، میری چچی اور شاید نانی جان بھی کل تک یہاں پہنچ جائیں۔ وہ چڑیل نسرین سب کو فون کر چکی ہو گی۔ اور شاید یہاں آنے والے اپنے دل میں کوئی بڑا فیصلہ کر کے آئیں۔ اور آپ کو بھی شاید کوئی فیصلہ کرنا پڑے۔"

"فہمیدہ جو فیصلے میرے دماغ میں آ سکتے تھے۔ وہ تو اسی دن ہو گئے تھے۔ جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اب اُن حالات کا مسئلہ ہے جو مجھے پیش آ رہے ہیں آپ کو ایک عجیب بات بتاتا ہوں ایک دن جب میں بہت مغموم تھا تو سیر کے دوران اپر سوری۔ سے آگے ایک جنگل کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں میں نے ایک بونے قد کا پردیسی درخت دیکھا۔ صرف اس کا قد چھوٹا تھا ورنہ وہ ہر لحاظ سے اُن قدآور پردیسی درختوں کی طرح تھا جو میرے گاؤں کے قریب ہیں۔ میں اس بات پر حیران تھا کہ یہ درخت اپنے قافلے سے جُدا ہو کر سینکڑوں میل دور یہاں کیسے پہنچ گیا ہے۔ اس کے بعد میں یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ میں بھی ایک پردیسی درخت ہوں جو اپنے قافلے سے

جدا ہو چکا ہے۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ چھوٹا سا پردیسی درخت اپنی شہزادی کی تلاش میں یہاں پہنچ گیا ہے۔"

"آپ نے اتنی سیر کرنے کے باوجود ایسے درخت کسی اور جگہ نہیں دیکھے۔"

"اس درخت کے دیکھنے کے بعد مجھے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایسے درخت اور بھی ہوں گے اور ایسی شہزادیاں بھی تو ہو سکتی ہیں جنہیں دیکھ کر ان بھاگنے والے درختوں کے قافلے اور کئی مقامات پر رُک گئے ہوں۔ پھر زمین اور آب و ہوا کی تبدیلی سے ان کے قد بھی تو بڑے چھوٹے ہو سکتے ہیں، لیکن معاف کیجئے میں یہ بھول گیا تھا کہ میں کسی پردیسی درخت کے نہیں بلکہ اپنی شہزادی کے سامنے کھڑا ہوں۔ اب ان غیر متوقع حالات کا مسئلہ آتا ہے جن کا میں سامنا کر رہا ہوں، یا میری وجہ سے آپ کو سامنا کرنا پڑے گا۔ فہمیدہ اپنے مصائب کی دلدل سے نکلتے ہوئے میں یہ گوارا نہیں کروں گا۔ کہ کیچڑ کا کوئی چھینٹا آپ یا آپ کے خاندان تک پہنچ جائے اور جن لوگوں سے مجھے پیار ملا ہے وہ مجھ سے نفرت کرنے لگ جائیں۔"

"دیکھئے یوسف صاحب" فہمیدہ نے رک کر کہا۔ "مجھے اس بات پر سخت اعتراض ہے کہ جن حالات کا آپ سامنا کر رہے ہیں۔ مَیں اُن سے خوف زدہ ہو جاؤں گی یا بھاگنے کی کوشش کروں گی۔ یہ بات شاید میں آپ سے کبھی نہ کہتی کہ جب آپ زہریلے کھانے کے لقمے کا ذکر کر رہے تھے تو میرے دل میں جو پہلا خیال آیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس کھانے میں مَیں آپ کے ساتھ شریک کیوں نہیں تھی۔ لیکن میں اس وقت بہت کچھ نہیں صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ کہ آپ کے ساتھ جینے اور مرنے کے سوا میرے دل میں اور کوئی خواہش نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج رات سونے سے پہلے میں اللہ کی بارگاہ میں شکرانے کے سو نفل ادا کروں گی — اب آپ اپنے پیار کرنے والوں سے ملاقات کے لئے تیار ہو جائیں۔ وہ کافی دیر سے کوٹھی سے باہر آپ کا انتظار کر رہے ہونگے۔"

اور پانچ منٹ بعد یوسف، صفیہ، ظہیر اور نسرین کے سامنے کھڑا تھا۔

"خالہ جان السلام علیکم"۔ اور صفیہ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیئے۔

نسرین بولی۔ "امی جان اگر میں انہیں دُھند میں دیکھ نہ لیتی، تو ہمیں یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ یہ مسوری میں گھوم رہے ہیں۔ اور ان کو تو یہ بالکل ہی پتہ نہ چلتا کہ ہم یہاں آئے ہوئے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "نسرین تمہارے بھائی جان نے کئی بار راستے میں تمہارا شکریہ ادا کیا ہے۔ یوسف کہتے ہیں کہ میں نسرین کا یہ احسان کبھی نہیں بھُولوں گا کہ جب سارے راستے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ تو یہ میری نگاہوں کے سامنے روشنی بن کر آتی ہے۔"

"سچ بھائی جان!"

"ہاں نسرین میں واقعی تمہارا شکر گزار ہوں۔ ورنہ یہ ہو سکتا تھا۔ کہ ہم اس دھند کے اندر کھو جاتے اور پھر کبھی ایک دوسرے کو نہ دیکھتے۔"

نسرین نے کہا۔ "امی جان میں اندر جاتی ہوں شاید ٹیلی فون آجائے۔ آپ بھائی جان کو کہیں جانے تو نہیں دیں گی نا؟"

"چڑیل جاؤ اور چائے رکھواؤ۔ تمہارے بھائی جان کہیں نہیں جائیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کوٹھی کے ایک کمرے میں چائے پی رہے تھے۔ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اور نسرین نے بھاگ کر ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا ——

"جی ہاں —— چچی جان، امی جان سے بات کیجئے اور سب سے آخر میں میرے ساتھ بات کرنا نہ بھُولئے گا۔"

صفیہ نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے ریسیور پکڑ لیا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"بلقیس میں تمہیں ایک خوش خبری سنانا چاہتی ہُوں —— بہت بڑی خوش خبری یوُسف مِل گیا ہے —— ہاں یہیں مسوری میں۔ تم اس سے بات کرنا پسند کرو گی ——؟ بھئی وہ یہیں ہے —— وہ تم سے قطعاً ناراض نہیں —— بھائی جان ٹھیک کہتے تھے کہ وہ ان بیٹوں میں سے نہیں جو ماؤں سے ناراض ہو جاتے ہیں —— وہ ساتھ والے کمرے میں چائے پی رہا ہے —— مَیں بلاتی ہُوں۔"

"دیکھو صفیہ میں اطمینان سے چند باتیں کرنا چاہتی ہُوں۔ کسی کی موجودگی میں شاید یوسف کھل کر بات کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرے۔"

"بھئی تم اطمینان رکھو۔ اس کی آواز ٹیلی فون والے کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔ اور وہ ہمیں آپ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں بتائے گا —— بھئی میرا مطلب یہ ہے کہ تم کھل کر بات کرلو —— یوسف بیٹا ادھر آؤ۔ بلقیس تمہیں بُلا رہی ہے۔"

یوسف کمرے میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے نسرین بھی آگئی۔ صفیہ نے یوسف کے ہاتھ میں ریسیور تھما دیا۔ اور نسرین کو بازو سے پکڑتے ہوئے بولی:

"بلقیس نے تمہیں نہیں، یوسف کو بلایا تھا۔ اگر کوئی تمہارے مطلب کی بات ہُوئی تو تمہیں بتا دی جائے گی۔ اب اطمینان سے اپنے بھائی کو باتیں کرنے دو۔"

نسرین کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں فہمیدہ کے پاس بیٹھ گئی۔ اور یوسف نے اپنی گفتگو کی ابتدا، بھرائی ہُوئی آواز میں کی۔

"السلام علیکم! چچی جان! میں آپ کا بیٹا یوسف ہُوں —— میں کسی ناراضگی کے باعث غائب نہیں ہُوا تھا۔ مجھے ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آگیا تھا —— چچی جان میں نے آپ کو اس لیئے اطلاع نہیں دی تھی کہ آپ پریشان ہوں گی —— ہاں چچی جان پریشان تو آپ اطلاع کے بغیر بھی ہُوئی ہوں گی، لیکن یہ ایک ایسا واقعہ تھا۔

جس نے میرے ہونٹوں پر مہر لگادی تھی ـــــ چچی جان اس کے متعلق جس قدر میں فہمیدہ کو بتا چکا ہوں وہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ لیکن ٹیلی فون پر بتانے کی بجائے میں خود حاضر ہو کر آپ کو بتاؤں گا۔"

"بیٹا! یہ تمام باتیں مجھے امینہ نے بتا دی ہیں اور میں اس کی شکر گزار ہوں، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ تم کہاں ہو ورنہ اب تک ہم تمہیں تلاش کر چکے ہوتے۔"

"کیا واقعی چچی جان، آپ کل یہاں پہنچ رہی ہیں، میں بھاگ نہیں جاؤں گا۔ چچی جان، میں ڈیرہ دون کے اسٹیشن پر آپ کا استقبال کروں گا ـــــ بہت اچھا، چچی جان میں یہاں خالہ جان کے پاس ہی رہوں گا ـــــ نسرین خالہ جان کو بھیجو" اس نے ریسیور ایک طرف رکھتے ہوئے آواز دی۔

صفیہ نے اندر آکر ریسیور اٹھا لیا۔ چند ثانیے خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اس نے کہا "بہت اچھا ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ فہمیدہ کے ابا جان سے بھی ٹیلی فون پر بات کر لینا ممکن ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ ہی جالندھر سے آجائیں۔ ہم چند دن یہیں گزاریں گے۔ کوٹھی کا مالک ایک مہینہ بعد یہاں آئے گا۔ اس وقت تک ساری بلڈنگ ہمارے پاس رہے گی ـــــ فہمیدہ سے خود بات کر لو۔ آج نسرین اتنی خوش ہے کہ وہ فہمیدہ اور تمہاری گفتگو میں مداخلت نہیں کرے گی ـــــ فہمیدہ بیٹی لو، اپنی چچی سے بات کرو۔"

فہمیدہ نے ریسیور پکڑتے ہوئے کہا "السلام علیکم" چچی جان ـــــ چچی جان وہ کچھ کمزور نظر آتے ہیں ـــــ نہیں، انہیں ہمارا یا ہمیں ان کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ سڑک پر دھند چھائی ہوئی تھی اور نسرین نے انہیں اچانک دیکھ لیا تھا ـــــ ہاں چچی جان آپ سے بہت باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گی ـــــ نسرین لو چچی جان سے بات کر لو۔"

نسرین نے ریسیور کانوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ "چچی جان انعام کس بات کا؟

ـــــ نہیں چچی جان یوسف بھائی کے مل جانے کی خوشی سے اور بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے ـــــ چچی جان، بھائی جان مجھے ایسے ہی لگتے ہیں جیسے پہلے تھے۔ صرف ذرا کمزور ہو گئے ہیں۔ خدا حافظ چچی جان۔"

وہ دوبارہ دوسرے کمرے میں بیٹھ گئے۔ صفیہ نے کہا۔ "بیٹا میں باورچی کو کھانے کے متعلق کچھ کہہ آؤں۔ تم اطمینان سے باتیں کرو۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو دن ہمیں بہت مصروف رہنا پڑے گا۔ بیٹا یہ عجیب بات ہے کہ جو بات مجھے سب سے پہلے پوچھنی چاہیے تھی۔ وہ میں بھول ہی گئی۔ تمہارا سامان کہاں ہے؟"

"خالہ جان اچھا ہوا کہ آپ نے پوچھ لیا۔ میرے ساتھ میرے سندھی دوست احمد خان صاحب آئے ہوئے ہیں۔ اور ہم یہاں سے قریب ہی ایک مکان میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں کافی دیر سے غیر حاضر ہوں اور وہ بہت دیر سے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"دیکھو بیٹا، میں تمہارا ایک لمحہ بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونا پسند نہیں کرتی۔ تم تھوڑی دیر کے لئے جاؤ اور انہیں کھانے کے لئے ساتھ لے آؤ۔"

"خالہ جان، یہ بہت مشکل ہو گا۔ فی الحال میں ان کا مہمان ہوں اور وہ مہمان نوازی کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔ پہلے تو انہیں یہ گلہ ہو گا کہ دوپہر کے وقت جب میں سیر کے لئے نکلا تھا تو وہ سو رہے تھے۔ آئندہ جب آپ حکم دیا کریں گی تو میں انہیں لے آیا کروں گا۔"

"بہت اچھا بیٹا، تم ابھی جاؤ۔ اور ان سے اجازت لے کر واپس آجاؤ۔"

نسرین نے کہا۔ "امی جان جب بھائی جان، خان صاحب کو یہ بتائیں گے کہ ہم کون ہیں۔ تو وہ انہیں یہاں کھانا کھانے سے منع نہیں کریں گے۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اور نانی جان بھی انہیں جانتی ہیں۔ جب ہم نے بھائی جان کے ساتھ سفر

کیا تھا۔ تو وہ کوئٹہ کے ریلوے اسٹیشن پر ہمیں رخصت کرنے آتے تھے ——— بھائی جان آپ انہیں یہ کہہ کر آئیں کہ ہم بہت دیر تک باتیں کریں گے اور اگر بہت زیادہ دیر ہو گئی تو نسرین کے اصرار پر آپ رُک بھی سکتے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "نسرین ان سے اجازت لینے کے لئے مجھے کسی بہانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ اتنے اچھے ہیں کہ میں نے ایک خط میں صرف اپنی پریشانی کا ذکر کیا تھا۔ اور وہ اس سفر میں میرا ساتھ دینے کے لئے لاہور پہنچ گئے تھے۔"

نسرین نے کہا: "امی جان مجھے ڈر ہے کہ بھائی جان راستہ بھول جائیں گے اس لئے باورچی کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔" اس پر سب ہنس پڑے۔

———

دس منٹ بعد یوسف مکان میں داخل ہوا تو احمد خان اضطراب کی حالت میں اپنے کمرے سے باہر ٹہل رہا تھا۔ اس نے یوسف کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"بھائی یوسف آپ اپنے دوستوں کو اسی طرح پریشان کیا کرتے ہیں؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "خان صاحب اس کے لئے میری معذرت قبول فرمایئے لیکن بعض اوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ وقت گزرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ خان صاحب! آپ نے کہا تھا کہ اگر سوار راستہ بھول جائے تو گھوڑے کو اس کی مرضی کے مطابق چھوڑ دیتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اسے کسی اچھی جگہ پہنچا دیتا ہے خان صاحب میں نے اپنی عقل کے گھوڑے کی باگ بالکل چھوڑ دی تھی۔ اور وہ جن سے میں اپنے خیال کے مطابق بہت دور آ چکا تھا۔ ایک خواب کی طرح میرے راستے میں آ گئے تھے ——— سڑک پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ اور مجھے وہ آوازیں سنائی دیں۔ جن سے میرے کان مانوس تھے۔ پھر اُس لڑکی نے مجھے پہچان کر شور مچا دیا۔ جیسے آپ نے کوئٹہ میں دیکھا تھا۔"

احمد خاں نے پوچھا "اور اُس کی ہمشیرہ بھی اس کے ساتھ تھی؟"

"جی ہاں، وہ لوگ یہاں پاس ہی ایک بنگلہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے۔ کہ کل تک اُن کے کچھ رشتہ دار بھی یہاں جمع ہو جائیں گے ——— اب اگر آپ اجازت دیں تو مجھے کچھ دیر ان کے پاس جانا پڑے گا۔"

"بھئی عجیب بات ہے کہ تم اُن کے پاس جانے کے لئے بھی کسی کی اجازت کی ضرورت محسوس کرتے ہو۔"

"خاں صاحب وہ مجھے کہتے تھے کہ کھانا میں ان کے ساتھ ہی کھاؤں۔ ان کی خواہش تو یہ تھی کہ میں آپ کو بھی ساتھ ہی لیتا آؤں، لیکن میں نے کہا تھا۔ کہ اس وقت شاید آپ نہ آسکیں۔ اس لئے پھر کسی وقت دیکھا جائے گا۔"

"اچھا یوسف تم فوراً ان کے پاس جاؤ۔ اور ایک بات یاد رکھو۔ اگر تمہیں کسی مرحلہ پر اُن لوگوں سے بات کرنے کے لئے ایک بڑے بھائی کی خدمات کی ضرورت محسوس ہو تو میں موجود ہوں۔"

یوسف بولا: "شکریہ خاں صاحب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اچانک ایسا مرحلہ بھی آسکتا ہے۔"

"اچھا بھائی! اب تم فوراً اُن کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔"

———

چند منٹ بعد یوسف، صفیہ کی قیام گاہ میں داخل ہوا تو نسرین نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ "دیکھا امی جان! باجی فہمیدہ جو بات کہا کرتی ہیں۔ وہ ہمیشہ درست ثابت ہوتی ہے۔ باجی نے کہا تھا۔ کہ تمہارے بھائی جان نصف گھنٹے سے پہلے پہلے واپس آجائیں گے۔ اور آپ نہیں مانتی تھیں۔"

فہمیدہ نے کہا: "نسرین تم بالکل چڑیل ہو۔"

یوسف نے فہمیدہ کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ یوسف نے صفیہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "خالہ جان احمد خان صاحب نے مجھے کہا تھا۔ کہ اب تمہیں زیادہ سے زیادہ وقت اپنے عزیزوں کے ساتھ گزارنا چاہیئے"۔

صفیہ نے کہا۔ "فہمیدہ بیٹی کھانا لگوا دو۔ بیٹے کو بھوک لگی ہوگی"۔

فہمیدہ اٹھنے لگی تو نسرین نے جلدی سے کہا۔ "باجی آپ بیٹھی رہیں آج باقی کام میں کروں گی"۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے دوران یوسف کو ذرا تفصیل کے ساتھ صفیہ کو اپنی سرگزشت سنانی پڑی۔ نسرین نے اپنا کھانا چھوڑ دیا اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد صفیہ نے آواز دی۔

"نسرین! نسرین!" لیکن کوئی جواب نہ آیا۔

"کیا ہوا فہمیدہ، اس نے اپنا کھانا ختم نہیں کیا؟"

"امی جان"! فہمیدہ نے جواب دیا۔ "وہ کہیں چھپ کر رو رہی ہوگی"۔

یوسف جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف بڑھا تو نسرین دروازے کے ساتھ کھڑی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

"نسرین کیا ہوا؟" یوسف نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

نسرین بے اختیار ایک بچے کی طرح بلکتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"نسرین میں زندہ ہوں۔ خدا نے مجھے مصیبت سے بچا لیا تھا"۔

"بھائی جان مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ کوئی میرا گلا گھونٹ رہا ہے۔ جب آپ زہر کا ذکر کر رہے تھے تو میں زور سے چیخنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے حلق سے آواز نہیں نکلتی تھی ــــ بھائی جان ہم آپ کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ اور آپا کی باتوں سے کبھی کبھی مجھے خوف سا محسوس ہونے لگتا تھا۔ وہ آپ کے متعلق بہت پریشان رہا کرتی تھیں۔ بھائی جان! مجھے یقین ہے کہ آپ کے متعلق کوئی بری خبر سننے سے پہلے میں مر جاؤں گی"۔

"دیکھو نسرین ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تمہیں ہم سب کے لئے زندہ رہنا چاہیئے کیونکہ ہمیں تمہارے پیار کی ضرورت ہے"۔

"بھائی جان اگر آپ حکم دیتے ہیں۔ تو میں زندہ رہوں گی"۔

نسرین نے مسکراتے ہوئے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

یوسف اسے بازو سے پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے آیا اور کھانے کی میز پہ بٹھاتے ہوئے بولا:

"نسرین تمہیں معلوم ہے۔ کہ مجھے تم کھاتی، ہنستی اور باتیں کرتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔ تمہیں اس بات سے کوئی خوشی نہیں ہوئی کہ میں زہر آلود کھانا کھانے کے باوجود مسوری میں تمہیں مل گیا"۔

"بھائی جان خوشی تو اتنی ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن آپ کی بات سن کر اچانک میرا دل بھر آیا تھا۔ آپ اطمینان سے اپنی بات ختم کریں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب میری طرف سے کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہوگی"۔

نسرین اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف ہوگئی۔ اور یوسف نے اپنی باقی سرگزشت سنا دی۔

کھانے کے اختتام پر صفیہ نے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد بچوں کو اپنے کمرے میں جانے کا حکم دیا۔ اور یوسف سے کہا: "بیٹا میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔ اٹھ کر دروازہ بند کردو۔ اور میرے قریب بیٹھ جاؤ"۔

یوسف نے اٹھ کر دروازہ بند کرنے کے بعد ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا

"کوئی پریشانی کی بات ہے۔ خالہ جان؟"

"بیٹا پریشانی کی بات تو تھی ۔ لیکن اللہ نے فضل کیا ہے اور صرف ایک اُلجھن باقی رہ گئی ہے ۔ مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ بھی دور ہو جائے گی —— تمہیں معلوم ہے کہ نسرین کا سب سے چھوٹا چچا یہاں سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت چلا گیا تھا۔ وہاں سے چند ماہ قبل اس نے ایک نوجوان کے متعلق لکھا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ تعلیم حاصل کر چکا ہے اور ایک بڑے ہسپتال میں اسی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ وہ حیدرآباد دکن کے ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا نام کمال الدین ہے۔ فہمیدہ کا چچا اکثر اپنے خطوط میں اس کا ذکر کیا کرتا تھا کہ وہ بڑا ہونہار ہے اور بڑے اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی تین ماہ قبل اس نے فہمیدہ کے رشتہ کی تجویز لکھ بھیجی تھی۔ ہم نے اسے جواب دیا تھا کہ فہمیدہ کے بی۔ اے کر لینے سے پہلے کسی سے بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی پندرہ دن قبل ایک خط آیا تھا۔ جس سے میں چکرا گئی تھی۔ اور وہ یہ تھا کہ وہ دونوں اگلے مہینے کے پہلے ہفتہ بذریعہ بحری جہاز کراچی پہنچ جائیں گے۔ اگر ہم کراچی گئے۔ تو وہاں لڑکے کے والدین سے ملاقات ہو جائے گی۔ ورنہ وہ اور ان کا صاحبزادہ حیدرآباد جانے کے بجائے پہلے ہمارے گھر جالندھر میں آئیں گے۔ وہاں منگنی کا رسمی اعلان کر دیا جائے گا کمال الدین اور اس کے والدین قطعاً مُصر نہیں ہوں گے کہ فوراً شادی کر دی جائے ۔ فہمیدہ کے بی اے بلکہ ایم۔ اے کرنے کا بھی انتظار کر سکتے ہیں۔ اس نے کمال الدین کی چند تصویریں بھی بھیجی ہیں ۔ بیٹا! تم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کتنی پریشان تھی۔ میں نے وہ خط بلقیس کو بھیج دیا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی بہت پریشان ہے ۔ نسرین اس دن بہت روئی تھی اور اس نے غصہ میں آ کر اپنے چچا کو ایک خط لکھا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس کی ایک نقل اپنے پاس نہیں رکھی۔ ورنہ تم پڑھ کر بہت ہنستے۔ فہمیدہ بھی بہت مغموم تھی۔ لیکن وہ بھی یہ خط پڑھ کر ہنس پڑی تھی۔ لیکن بیٹا! ہم اب پریشان

نہیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے ہو۔ مجھے خطرہ تھا کہ دہرہ دون والے میجر صاحب ہم پر بہت دباؤ ڈالیں گے، لیکن اب میں مطمئن ہوں کہ میری جنگ بلقیس لڑے گی۔ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اس نے ٹیلی فون پر مجھ سے کیا باتیں کی تھیں —— بڑا غصہ تھا اسے فہمیدہ کے چچا پر۔ کہتی تھی کہ وہ بیوقوف چند سال ولایت میں رہ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ عقلمند بھی ہو گیا ہے"۔

یوسف نے کہا۔ "چچی جان میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اگر وہ بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا مستقبل بھی بہت روشن ہے تو فہمیدہ کو اپنے مستقبل کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے"۔

نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔ "بھائی جان میں بتاؤں آپ کو وہ کیسا ہے؟ اُس کی ایک آنکھ ذرا اوپر اور ایک ذرا نیچے ہے۔ ناک لمبوتری ہے۔ بالکل لنگور کی طرح۔ گردن لمبی اور صراحی دار ہے، ایسی جیسی اُونٹ کی ہوتی ہے"۔

یوسف نے کہا۔ "نسرین اپنے چچا کے دوست کے متعلق ایسی باتیں نہیں کہتے"۔

"بھائی جان میں جھوٹی بات نہیں کہوں گی۔ اگرچہ وہ بہت کالا ہے۔ تاہم میں سانولہ کہہ سکتی ہوں۔ یہ کیمرے سے تصویر اتارنے والے بڑے بے ایمان ہوتے ہیں۔ اور یورپ والے تو اس فن میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ وہ تو ضرورت پوری کرنے کے لئے حبشیوں کو بھی انگریز بنا لیتے ہوں گے۔ میں نے ایک بڑا مہذب سا خط لکھا تھا کہ چچا جان انگلستان میں بھی کوئی ایسے گرم علاقے ہیں۔ جہاں کے لوگ آپ کے دوست کی طرح کالے ہوتے ہیں۔ میرے سوال کا جواب بھی انہوں نے بڑے پیار سے دیا ہے وہ یہ ہے۔ "بھئی کمال الدین صاحب کا رنگ ذرا کھلتا ہوا سانولہ ہے"۔ ابّو امی کی طرف سے جو خطوط چچا جان کو گئے ہیں۔ اور جو خط چچا عبدالعزیز اور چچی بلقیس لکھیں گی۔ ان کے پیش نظر یہ اُمید کی جاتی ہے کہ چچا جان انہیں کراچی پہنچنے کے بعد جالندھر کا رخ کرنے کا

مشورہ نہیں دیں گے۔ لیکن اگر وہ آ ہی گیا۔ تو آپ دیکھیں گے کہ میں اسے حیدر آباد پہنچائے بغیر دم نہیں لوں گی ——— بھائی جان! میں نے اس کے اتنے کارٹون بنا رکھے ہوئے ہیں کہ ہر روز اگر میں ایک کارٹون دروازے کے ساتھ چسپاں کیا کروں تو بھی دو مہینے گزر جائیں گے۔"

ظہیر نے کہا۔ "آپا جان! وہ کارٹون چچی بلقیس کو دکھائیں گے۔ میں نے انہیں بتایا تھا تو وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔"

صفیہ نے کہا۔ "بھئی اب رات کافی ہو گئی ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ ہم نے صبح مہمانوں کے استقبال کی تیاری کرنی ہے۔ نسرین بیٹی! تم اپنے بھائی کو ان کے کمرے میں پہنچا دو۔"

یوسف بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا۔ صبح وہ تازہ دم ہو کر نماز کے لئے اٹھا۔ جب وہ صحن کے نل پر وضو کر رہا تھا تو فہمیدہ اس کے قریب سے گزرتی ہوئی رک گئی۔ اور قدرے توقف کے بعد بولی۔ "یوسف صاحب آپ نے یہ کیوں کہا تھا۔ کہ مجھے اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے وجہ بھی بیان کر دی۔" لیکن اگر یہ وجہ آپ کو اچھی نہیں لگی، تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"شکریہ۔ مجھے وہ بات قطعاً اچھی نہیں لگی تھی اور اب مجھے آپ کو یہ [illegible] کی ضرورت باقی نہیں رہنی چاہیئے۔ کہ مجھے وہ بات کیوں اچھی نہیں لگی تھی۔" فہمیدہ کچھ اور کہے بغیر آگے بڑھ گئی۔

یوسف نے نماز ادا کی۔ اور چھڑی ہاتھ میں لے کر سیر کے لئے نکل گیا۔ ایک طویل چکر لگانے کے بعد وہ احمد خان کی قیام گاہ پر پہنچا تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور احمد خان

اور اس کا بیٹا خان محمد اس کا انتظار کر رہے تھے۔ خان محمد نے اسے برآمدے سے چند قدم دور ہی دیکھ لیا اور یہ کہہ کر باہر نکل آیا۔

"آہا! یوسف صاحب آ گئے ہیں۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر احمد خان سے مصافحہ کیا۔ اور اس نے کہا۔

"بیٹا ناشتہ منگوا لو۔" اور پھر وہ باتوں میں مصروف ہو گئے

یوسف نے کہا۔ "مجھے تھوڑی دیر تک پھر واپس جانا پڑے گا۔ اور شاید میں دوپہر کے کھانے پر بھی نہ آ سکوں۔"

احمد خان نے کہا۔ "میرے بھائی ایسی باتیں کہتے ہوئے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں خود بھی یہ چاہتا ہوں۔ کہ جب تک وہ لوگ یہاں ہیں۔ تم زیادہ سے زیادہ وقت ان کے پاس گزارا کرو۔ مجھے اس سے خوشی ہو گی۔"

"شکریہ خان صاحب، مجھے افسوس ہے کہ دو دن میں اور خان محمد صاحب بھی سیر پر نہیں جا سکے۔"

"بھائی یوسف! وہ تمہارا بھتیجا ہے۔ تم اگر اسے صاحب کہو گے تو وہ بگڑ جائے گا۔ انشاء اللہ صبح کے وقت میں بھی تمہارے ساتھ سیر کے لئے جایا کروں گا۔"

یوسف دیر تک خان محمد کی تعلیم کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ اٹھنے سے پہلے اس کی کتابیں منگوا کر دیکھیں۔ پھر یہ کہا:

"سیر کے دوران میں تم سے انگریزی زبان اور تاریخ کے متعلق باتیں کیا کروں گا۔ پھر ناشتہ کے بعد دو گھنٹے دوسرے مضامین پڑھایا کروں گا۔"

احمد خان نے کہا۔ "یوسف صاحب ہمارا بیٹا ذرا کمزور آدمی ہے۔ اسے علم سے اتنا نہ ڈرا دینا کہ یہ بھاگ جائے۔ اس لئے اسے شروع شروع میں ایک گھنٹہ دیا کریں اور اس کے بعد جب یہ محسوس کریں کہ یہ علم کا بوجھ اٹھانے کا عادی ہوتا جا رہا ہے تو

پڑھانے کا وقت بھی بڑھانے جائیں۔"

پندرہ منٹ بعد یوسف واپس جا رہا تھا۔ جب وہ صفیہ کی قیام گاہ پر پہنچا تو وہ سب ناشتہ پر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

صفیہ نے کہا: "بیٹا بہت دیر لگائی تم نے؟"

"خالہ جان، میں معذرت چاہتا ہوں۔ میں یہاں سے نکلتے وقت یہ کہنا بھول گیا تھا کہ میں ذرا دیر سے آؤں گا۔ سیر کے بعد میں احمد خان صاحب کی طرف چلا گیا تھا"

"اچھا بیٹا کوئی بات نہیں، اب ناشتہ شروع کر دیں، نسرین! نوکر کو آواز دو کہ چائے لے آئے۔"

نسرین جلدی سے اٹھی اور نوکر کو چائے کا کہہ کر واپس اپنی جگہ آ بیٹھی۔

"بیٹا شروع کرو نا؟" صفیہ نے دوبارہ کہا۔

یوسف بولا: "خالہ جان اس کے لئے مجھے دوبارہ معذرت کرنی پڑے گی بات یہ ہے کہ خان صاحب نے مجھے دیکھتے ہی ناشتہ منگوا لیا تھا۔ اور میں وہاں معذرت نہ کر سکا۔"

نسرین بولی: "کوئی بات نہیں بھائی جان۔ خان صاحب کے پاس آپ نے ناشتہ کیا ہو گا نا، پراٹھا نہیں کھایا ہو گا۔ ایسا پراٹھا تو کبھی نہیں کھایا ہو گا۔ جیسا آپا فہمیدہ بناتی ہیں۔"

فہمیدہ نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے سر جھکا لیا اور نسرین نے ڈھکنا اٹھا کر پراٹھوں کی پلیٹ پیش کرتے ہوئے اسے کہا۔

"بھائی جان ذرا چکھ کر دیکھئے۔"

یوسف نے ایک پراٹھا اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا اور ایک لقمہ کھانے کے بعد کہا۔ "نسرین تم غلط نہیں کہتی تھیں۔"

"بھائی جان آپا جان کے متعلق میں کبھی غلط نہیں کہا کرتی۔ آپا جان کے پراٹھوں کی خوبی یہ ہے کہ ایک لقمہ منہ میں ڈالنے والا پورا پراٹھا کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

یوسف نے کہا: "نہیں بھئی تمہیں یہ کہنا چاہیئے کہ اگر ایک لقمہ کھانے والے کا پیٹ پہلے ہی بھرا ہو، تو بھی آدھا پراٹھا کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"چلئے بھائی جان یوں بھی ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آدھا کھانے کے بعد آپ کا باقی آدھا کھانے کو بھی جی چاہے تو آپ کو جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیئے۔"

یوسف نے چند منٹ بعد چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ "نسرین بھئی تم یہ بتانا بھول گئی ہو کہ تمہاری باجی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے پراٹھے کھانے سے فوراً نیند آ جاتی ہے۔"

صفیہ نے پوچھا۔ "بیٹا طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟ کچھ تھکے تھکے سے معلوم ہوتے ہو۔"

"خالہ جان میں نے بڑی لمبی سیر کی تھی۔ لیکن نیند آنے کی وجہ تھکاوٹ نہیں۔ بات یہ ہے کہ مجھے بہت عرصے سے نیند کم آتی ہے۔ رات مجھے بہت نیند آنی چاہیئے تھی، لیکن آپ سے ملنے کی خوشی اس قدر زیادہ تھی کہ میں سو نہ سکا ـــــ مجھے وہ باتیں یاد آتی رہیں جنہیں میں اپنے خیال کے مطابق بھول چکا تھا۔ اور اب میں لیٹتے ہی سو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ نسرین اس بات کا خیال رکھے گی۔ کہ کوئی تمہاری نیند میں مخل نہ ہو۔ امید ہے کہ دوپہر کے کھانے کے وقت بلقیس بھی یہاں پہنچ جائے گی۔"

"خالہ جان وہ جس وقت آئیں مجھے جگا دیجئے گا۔"

"بیٹا تم فکر نہ کرو۔ وہ تمہیں دیکھ کر اتنا شور مچائے گی کہ تم خود ہی جاگ جاؤ گے۔"

یوسف اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ اور چند منٹ بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ ایک دلکش خواب دیکھنے کے بعد کروٹ بدلتا۔ تو دوسرا خواب شروع ہو جاتا۔ بالآخر اسے نیم خوابی کی حالت میں چند آوازیں سنائی دیں۔ اور کسی نے "میرا بیٹا!" کہہ کر اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

"امی جان" اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور یکایک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

"میں بلقیس ہوں بیٹا" اس پر جھکی ہوئی خاتون نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر تم اپنے دل پر بوجھ محسوس نہ کرو۔ تو مجھے امی جان کہہ سکتے ہو۔"

"شکریہ امی جان۔ اگر آپ اجازت دیں، تو میں ہمیشہ آپ کو امی جان کہا کروں۔"

"یوسف تمہارا مطلب ہے کہ میں یہ سمجھ لوں کہ تمہاری ساری ناراضگی دور ہو چکی ہے، تم مجھ سے خفا نہیں ہو؟ میں نے تمہیں بے عزت کر کے گھر سے نکالا تھا۔"

"امی جان میں آپ سے قطعاً خفا نہیں تھا۔ آپ کو اس وقت بھی ایک ماں کے حقوق حاصل تھے۔"

بلقیس نے صفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھا بہن صفیہ میں بلاوجہ دیوانی نہیں ہو رہی تھی۔ اب جلدی سے کھانا رکھواؤ میرے بیٹے کو بھوک لگ رہی ہو گی۔"

نسرین بولی۔ "چچی جان آپ کے بیٹے کی بھوک کا ہم سب کو خیال ہے آپ دستر خوان بچھایئے۔ کھانا ابھی پہنچ جائے گا۔ بھائی جان نے شاید نہانا ہو۔"

"ہاں بیٹا جلدی سے نہا لو۔"

"امی جان میں دس منٹ میں آتا ہوں۔"

"بیٹا پندرہ منٹ سے پہلے آ جانا۔ میں تمہیں اچھی اچھی باتیں بتانے کو بے تاب ہوں۔"

"جی میں دس منٹ میں آ جاؤں گا۔"

یوسف اٹھ کر چلا گیا۔ اور بلقیس نے صفیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"صفیہ بہن، یہ بڑا مبارک دن ہے۔ تمہیں میں ایسی باتیں بتاؤں گی کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ کہتے ہیں کہ نیک لوگوں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ موت سے پہلے یوسف کی والدہ کیا دعائیں مانگا کرتی تھیں اور میں یہ بھی سمجھ سکتی ہوں کہ یوسف جس کو نیکی اور پاکیزگی اپنی ماں سے ملی ہے۔ کیا دعائیں کرتا ہو گا۔ اور اس کی دعاؤں میں کتنا اثر ہو گا۔ جب ایسے لوگوں کی دعائیں قبول ہونے کا وقت آتا ہے تو چاروں اطراف سے ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے ــــ صفیہ انشاء اللہ کل تک تمہاری تمام الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ شکر ہے کہ وہ ہر دو دن میں بھائی جان کسی مصروفیت کے باعث مجھے نہیں مل سکے۔ ورنہ ان کے ساتھ شاید کچھ تلخ باتیں ہوتیں۔ ان کی بیگم نے اس چوپنج کی کچھ طرف داری کی تھی۔ لیکن جب میں نے دو تین سنائیں۔ تو وہ خاموش ہو گئیں۔"

"ارے وہ چوپنج کون ہے؟ جس کی انہوں نے طرف داری کی تھی؟"

نسرین بولی۔ "امی جان میں سمجھ گئی ہوں۔ وہ چوپنج کمال الدین ہو گا۔ اور کون ہو سکتا ہے ــــ چلیئے اب دستر خوان پر بیٹھیئے، بھائی جان آ رہے ہیں۔"

چند منٹ بعد وہ اطمینان سے کھانا کھا رہے تھے۔ بلقیس کچھ دیر پیار سے یوسف کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے کہا ــــ:

"بیٹے یوسف ابھی تک مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ اگر تم فہمیدہ کی موجودگی میں یہ کہو۔ کہ میری طرف سے جو بدسلوکی ہوتی تھی۔ اس کا تمہارے دل میں واقعی کوئی رنج نہیں۔

اور فہمیدہ یہ کہے کہ اسے تمہاری بات پر یقین آ گیا ہے۔ تو مجھے اطمینان ہو جائے گا"۔

فہمیدہ بولی"چچی جان اِن کے جواب کے بغیر آپ کو یہ اطمینان دِلا سکتی ہوں کہ یوسف صاحب آپ سے قطعاً ناراض نہیں تھے۔ آپ نے اِن کی پریشانیوں میں کچھ اضافہ ضرور کیا تھا۔ اور اس کے لیئے بھی وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے ہیں"۔

یوسف نے کہا"چچی جان مائیں اپنے بچوں کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی ان کے دل کے حالات سمجھ لیا کرتی ہیں۔ اور میں آپ کے ساتھ اس اعتماد کے ساتھ بات کر رہا ہوں کہ آپ مجھے ایک سعادت مند بیٹا سمجھتی ہیں"۔

بلقیس کی آنکھوں میں اچانک آنسو اُمڈ آئے اور بولی"اللہ تمہیں بڑی عمر دے اللہ تمہیں بے شمار خوشیاں دے اور میں تمہاری بہت سی خوشیوں میں حصہ لوں"۔

نسرین بولی"ہم سب چچی جان"۔

بلقیس جلدی سے آنسو پونچھ کر ہنس پڑی۔ اور بولی:"ہاں بیٹی مجھے معلوم ہے ہم سب اس کے لیئے یہی دُعا کرتے ہیں"۔

"لیکن چچی جان آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے تھے؟"

"بیٹی وہ تشکر کے آنسو تھے۔ تمہیں یاد ہے کہ فہمیدہ نے یوسف کی طرف تمہارے ایک خط میں اپنی طرف سے لکھا تھا کہ"وہ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں جو دوسروں میں خوشیاں تقسیم کرتے ہیں"۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا یہ بیٹا اس دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے آیا ہے۔ اور میں بھی اسے خوش کرنے کے لیئے چند باتیں سنانا چاہتی ہوں پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اس کے قریب آتے ہیں ان کی دنیا بدل جاتی ہے۔ جن لوگوں نے امینہ کو دیکھا ہے۔ وہ کبھی یہ یقین نہیں کریں گے۔ کہ وہ اچانک کسی دن اتنی معاملہ فہم، ہمدرد اور مدبر بن جائے گی کہ مَیں اس کی باتیں سن کر سکتے میں آ جاؤں گی۔ جب یوسف لاپتہ ہو گیا تھا۔ تو مَیں تڑپا کرتی تھی۔ بہت رویا کرتی تھی۔ بہت دعائیں کرتی تھی۔ مجھے

رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ پھر جب ہماری ملاقات ہوئی تو اس نے کہا"چچی جان مَیں دو تین دِن سے ٹیلی فون کرنے کا سوچ رہی تھی۔ اب خدا کا شکر ہے کہ آپ میری بات سنتے ہی یہاں تشریف لے آئیں۔ یوسف صاحب کے متعلق آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے اور میرا اندازہ تھا۔ کہ اس بات کا ان پر بہت زیادہ اثر ہوا تھا"۔ مَیں نے فوراً پوچھا تھا کہ"بیٹی خدا کے لیئے مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟"وہ بولی۔ چچی جان میں نے یہ محسوس کیا تھا۔ کہ انہیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اچانک اپنی زندگی کے سارے پروگرام بدل دیئے ہیں اور اب فوج میں کمیشن لینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ میرے والدین کے طرزِ عمل اور شاید میرے طرزِ عمل سے بھی بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ وہ مجھ سے منگنی کرانے پر خوش ہیں۔ یا ان کے نزدیک میری کوئی اہمیت ہے — چچی جان وہ لاہور سے کہیں جانے سے پہلے مجھے مِلے تھے۔ اور صاف لفظوں میں کہہ گئے تھے کہ تمہیں میرے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون خوش قسمت ہے جسے وہ اپنے دل کی ملکہ بنا چکے ہیں۔ لیکن میں سمجھ گئی تھی کہ وہ کون ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ فوج میں شامل ہوتے ہی کہیں باہر چلے جائیں گے اور کافی عرصہ واپس نہیں آئیں گے۔ اس بات سے مجھے بڑا صدمہ ہوا تھا۔ امینہ جانے سے پہلے اپنے پرس سے وہ انگوٹھی نکال کر مجھے دے گئی تھی۔ جو یوسف کے والد نے اسے دعوت کے موقع پر پہنائی تھی، لیکن یوسف کی عدم موجودگی میں اس کے والدین نے وہ انگوٹھی یہ کہہ کر اپنے پاس رکھ لی تھی کہ جب یوسف بذاتِ خود موجود ہو گا۔ تو ہماری بیٹی خوشی سے یہ انگوٹھی پہن لے گی۔ اُتنی دیر یہ ہمارے پاس یوسف کی امانت رہے گی، میں نے پہلے تو وہ انگوٹھی اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب اس نے یہ کہا"چچی جان یہ انگوٹھی اس خوش نصیب کی ہے۔ جو یوسف بھائی کی دلہن بننے والی ہے۔ کیونکہ آپ اسے بہت پیار کرتی ہیں اس لیئے

آپ کو یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ یہ کہہ سکتی ہیں کہ یوسف بھائی کی طرف سے یہ انگوٹھی اس کی ایک بہن دے گئی تھی۔" مجھے کتنا افسوس تھا کہ میں نے اسے کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ لیکن یہ باتیں کرتے ہوئے وہ بہت بھولی اور بہت خوب صورت دکھائی دے رہی تھی اور میں نے اس کے لیئے یہ دُعا کی تھی۔ کہ اللہ اسے ایسا رفیقِ حیات عطا کرے جو یوسف جیسا ہو ــــــ بعض دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ صفیہ بہن جب آپ کا فون آیا تھا۔ تو میں نے سب سے پہلے امینہ کو اطلاع دی تھی اور وہ بہت خوش تھی۔ اگلی صبح جب میں گاڑی پر سوار ہو چکی تھی اور گاڑی چلنے میں صرف چند منٹ باقی تھے۔ تو یوسف کا دوست منظور بھاگتا ہوا میرے ڈبے میں داخل ہوا۔ وہ بھی بہت خوش تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔" چچی جان آپ مجھے مسوری میں اپنا ایڈریس اور ٹیلی فون نمبر لکھوا دیں۔ پھر انشاء اللہ امینہ بہت جلد آپ کو ایک خوش خبری سنائے گی۔ علی الصبح میں اور امینہ یوسف صاحب کے والد سے ملے تھے وہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکل ہی رہے تھے کہ ہم موٹر سے اُتر کر ان کے ساتھ ہو لیتے تھے اور انہیں یہ بتا کر بڑی دعائیں لیں کہ یوسف زندہ اور سلامت ہے۔ پھر یہ بات امینہ نے شروع کی۔" چچا جان آپ یوسف صاحب کی مرضی کے بغیر اُن کی شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

انہوں نے پہلے تو یہ جواب دیا۔ کہ" مجھے تمہاری اور تمہارے والدین کی عزت کا خیال تھا۔" امینہ فوراً بولی۔" آپ میرے بزرگ ہیں۔ لیکن یہ میں کبھی نہیں سمجھ سکوں گی۔ کہ آپ کو یوسف جیسے بیٹے کی خوشی سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز ہو سکتی ہے۔" میاں صاحب سناٹے میں آگئے اور کہنے لگے۔" بیٹی تمہارے خیال میں مجھے یوسف کی خوشی کی خاطر اس بات کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیئے کہ اس نے امینہ جیسی معصوم لڑکی کا دل دکھایا ہے۔"

امینہ نے جواب دیا۔" چچا جان معصوم لڑکی یہاں موجود ہے اور یہ کہتی ہے۔ یوسف بھائی

نے کسی کا دل نہیں دُکھایا۔"

عبدالرحیم کچھ کہنے کی بجائے حیرت سے امینہ کی طرف دیکھتا رہا ــــــ ہم نے ان سے اجازت لی اور فوراً اسٹیشن پہنچے۔ توبہ! اتنی لمبی گاڑی اور اسٹیشن پر اتنی بھیڑ تھی کہ ہم نے بڑی مشکل سے آپ کو تلاش کیا۔" اتنی دیر میں امینہ بھی ہانپتی ہوئی ڈبے میں داخل ہوئی۔ میں اُٹھ کر اسے گلے ملی اور بولی۔" بیٹی تم منظور صاحب کے ساتھ آئی ہو؟"

" جی چچی جان ہم وقت پر پہنچنا چاہتے تھے، لیکن یوسف صاحب کے والد صاحب ناشتہ کھلانے پر مُصر تھے۔ پھر اُن کی باتیں بہت لمبی ہو گئی تھیں۔ ہم بھاگم بھاگ اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ گاڑی چلنے والی ہے۔ میں نے منظور صاحب کو کار سے اُتار کر پلیٹ فارم کی طرف بھگا دیا اور مجھے کسی موزوں جگہ گاڑی کھڑی کرنے میں دیر لگ گئی۔"

میں نے کہا۔" شکر ہے بیٹی کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا۔ تم اُس وقت آئی ہو۔ جب منظور صاحب یوسف کے والد کی کسی بات کے جواب میں تمہارا کوئی دلچسپ جواب سنانے والے تھے۔"

منظور نے کہا۔" چچی جان اب گاڑی چلنے والی ہے۔ چلتے میں ہی فقرہ مکمل کر دیتا ہوں۔ انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ یوسف صاحب نے میرا دل قطعاً نہیں دُکھایا اور میں سمجھتی ہوں کہ وہ کسی کا دل بھی نہیں دُکھا سکتے۔ وہ بہت صاف گو ہیں اور میں ہمیشہ انہیں اپنا ایک بہت اچھا بھائی سمجھتی رہوں گی۔"

میں نے کہا۔" بیٹی امینہ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی، لیکن اب گاڑی چلنے والی ہے۔ میں یہاں سے روانہ ہوتے وقت ایک بہت بڑا فیصلہ کر چکی ہوں تمہیں اپنے بھائی کی خوشی کے لیئے میری کامیابی کی دُعا کرنی چاہیئے۔"

اس نے کہا۔" چچی جان وہاں پہنچ کر مجھ سے ٹیلی فون پر بات ضرور کریئے گا اور میں خود بھی آپ سے بات کرنے کی کوشش کروں گی۔ ممکن ہے۔ کہ اگر اچانک کوئی خوشی

کا موقع آیا تو میں آپ کو یہ خوش خبری دے سکوں کہ یوسف صاحب کے ابا جان میرے ابا جان
اور شاید میں بھی ان کے ساتھ اچانک مسوری پہنچ جاؤں ـــــ منظور صاحب آپ اِن کا
ٹیلی فون نمبر اور مکان کا پتہ نوٹ کر لیجئے۔ منظور نے اپنی نوٹ بک نکالی اور میں نے اپنا پتہ
اور ٹیلی فون نمبر نوٹ کروا دیا۔ اور پھر اتنی فرصت تھی کہ میں اس سے گلے ملی چوما رخصت کیا
اور گاڑی چل پڑی۔ مجھے یہ دونوں منظور اور امینہ اس وقت فرشتے نظر آئے تھے۔ وہ
فرشتے جن میں مجھے یوسف بیٹے کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔"

نسرین نے کہا۔ "چچی جان میں سمجھتی تھی کہ وہ دیہاتی لڑکی بڑی چالاک ہے۔ لیکن یہ
ساری ہوشیاری میرے بھائی کی ہے۔ جو اپنے بہترین دوست کو اُس کی تربیت کے
لئے چھوڑ آئے تھے۔"

یوسف نے کہا۔ "نہیں نسرین ایسا نہ کہو۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "صفیہ بہن جب میں گاڑی پر سوار ہو رہی تھی تو میرا فیصلہ یہ تھا
کہ ہم کسی معاملے میں تاخیر نہیں کریں گے۔ میں اُس چو پنچ کا انتظار نہیں کروں گی۔"

نسرین نے کہا۔ "امی دیکھا۔ چچی جان کو میرا دیا ہوا نام کتنا پسند آیا ہے؟"

ماں نے کہا۔ "بیٹی تم چپ رہو۔ ہم ایک سنجیدہ بات کر رہے ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بہن یہ خیال مجھے رہ رہ کر پریشان کرتا تھا کہ مسوری یا دہرہ دون
میں جب ہمارے خاندان کے لوگ جمع ہوں گے۔ تو یوسف کی طرف سے بات کون
کرے گا؟"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی تھیں۔ آپ یہ کہہ سکتی
تھیں کہ یوسف میرا بیٹا ہے اور میں اِس کی طرف سے بات کروں گی۔"

"ہاں بیٹا۔ آخری چارہ کار تو شاید یہی ہوتا۔ لیکن جب اللہ اپنے کمزور بندوں کی
مدد کر رہا ہو۔ تو انہیں شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اب میں امینہ کے ٹیلی فون کا انتظار کر رہی

ہوں۔ میں نے ٹیلی فون پر فہمیدہ کے چچا سے ان ناقابلِ یقین واقعات کا ذکر کیا تھا۔ تو
وہ کوئی تعجب ظاہر کرنے کی بجائے ہنس پڑے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یوسف کو سمجھنے
میں دنیا کو ذرا دیر لگے گی۔ اگر وہ امینہ جیسی لڑکی کے ذہن میں بھی انقلاب نہ لا سکتا۔ تو
مجھے تعجب ہوتا۔ میں نے ایک معمولی زمیندار گھرانے کا کوئی نوجوان ایسا نہیں دیکھا جس
کے لئے لوگ جان دینے کے لئے تیار ہوں۔ تم فوراً وہاں پہنچو۔ اگر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو میں
بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اس کی زندگی کے خواب
ادھورے نہ رہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان جن باتوں کو آپ ایک خواب سمجھتی ہیں وہ میرے نزدیک
حقیقت ہیں۔ میں جس قدر غروب آفتاب کے بعد نئی صبح پر یقین رکھتا ہوں۔ اسی قدر
اس بات پر یقین رکھتا ہوں۔ کہ میں جو کچھ لکھوں گا۔ وہ بہت پسند کیا جائے گا۔"

فہمیدہ بولی۔ "چچی جان انہوں نے فوج میں ملازمت کا ارادہ بدل دیا ہے۔"

"بیٹی۔ تمہیں آتے ہی مجھے یہ خوش خبری سنانی چاہیئے تھی۔"

یوسف بولا۔ "امی جان! میں محسوس کرتا ہوں کہ ملازمت کا فیصلہ بدلنے سے مجھے
کچھ عرصہ کانٹوں پر چلنا پڑے گا۔ لیکن اس کے باوجود میں بہت خوش ہوں۔ جس راستے
پر چلنا میرا مقدر بن چکا ہے۔ مجھے اس کے کانٹوں پر بھی پیار آئے گا۔"

بلقیس بولی۔ "نہیں بیٹا جو لوگ صرف اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا جانتے ہیں۔
انہیں صرف اپنے راستے کے پھولوں کے متعلق ہی سوچنا چاہیئے۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ اور یوسف نے بلقیس سے
کہا۔ "امی جان اگر آپ آرام کرنا چاہتی ہیں تو آپ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جائیں۔"

"نہیں بیٹا میں ٹیلی فون کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"امی جان آپ سو جائیں۔ جب ٹیلی فون آئے گا تو میں آپ کو جگا دوں گا۔"

"نہیں بیٹا جب تک مجھے ہر بات کا اطمینان نہیں ہو جاتا مجھے نیند نہیں آئے گی میں چاہتی ہوں کہ وہ سب ہمارے ڈیرہ دون والے بھائی جان کے میدان میں آنے سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ جمیل کی وجہ سے وہ اس حیدر آباد والی چوہنج کی حمایت میں ڈٹ جائیں گے اور بڑی بدمزگی پیدا ہو گی۔ ویسے یہ مجھے یقین ہے کہ میں انہیں چپ کرا سکوں گی۔ لیکن میرے میاں کی طرف سے بھی تو کوئی اطلاع نہیں آئی کہ وہ پہنچ رہے ہیں کہ نہیں۔"

"امی جان مجھے یقین ہے کہ امینہ کی ایک ہی ٹیلی فون کال سے آپ کو بہت سی اطلاعات مِل جائیں گی۔"

"بیٹی امینہ میں خلوص تو بہت ہے، لیکن وہ اتنی ہوشیار تو نہیں ہو سکتی۔"

یوسف نے ہنستے ہوئے کہا۔ "امی مجھے یقین ہے کہ وہ اب تک ایسے معاملات میں جو میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں منظور کے دماغ سے سوچنے لگ گئی ہو گی۔"

بلقیس کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اور اُس نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ "وعلیکم السلام بیٹی۔ میں بالکل بخیریت ہوں اور بڑی بے چینی سے تمہارے ٹیلی فون کا انتظار کر رہی تھی۔ —— واقعی بیٹی" —— بلقیس نے یہ کہتے ہوئے یوسف کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر ریسیور پر بولی "بیٹی ذرا بلند آواز میں بات کرو تاکہ یوسف بھی تمہاری باتیں سن لے —— ہاں بیٹی یہیں ہے۔ اور میرے ساتھ ریسیور سے کان لگائے کھڑا ہے"۔ امینہ کی آواز سنائی دی۔

"بھائی جان السلام علیکم! آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ نے فضل کیا ہے اور تمام باتیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔ آپ کے ابا جان ابھی کھانے سے اٹھ کر گئے ہیں۔ آپ سن رہے ہیں نا میری بات؟"

"ہاں میں سن رہا ہوں۔"

"تو پھر بھائی جان میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیے۔"

"امینہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم اسی طرح ایک دوسرے کو مبارکباد کے پیغام بھیجتے رہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اپنی چچی جان سے بات کر رہی تھیں۔"

"بھائی جان اس وقت میرے ذہن میں چچی جان اور آپ کے لئے علیحدہ علیحدہ باتیں نہیں ہیں۔ میں یہ دیکھ چکی ہوں کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے کتنے مغموم تھے اور میری خواہش یہ ہے کہ میں مسوری پہنچ کر آپ سب کے قہقہے سنوں۔ آپ کے ساتھ نسرین اور اُن کی امی کے اور سب سے زیادہ بہن فہمیدہ کے۔ آپ انہیں میرا سلام کہہ دیں گے ناں؟"

"بھئی آپ سے بات ختم کرنے کے بعد ہم انہیں ٹیلی فون پہ بلا دیں گے اور آپ ان سے جی بھر کر باتیں کر سکیں گی۔"

"تو چچی جان اور بھائی جان جو بات میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ انشاء اللہ میرے والد، یوسف صاحب کے والد اور فہمیدہ بہن کے چچا جان آج شام کی گاڑی سے ڈیرہ دون کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ نسرین کے ابا جان سے بھی ہماری بات ہو چکی ہے وہ ان کے ساتھ جالندھر سے شامل ہو جائیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ انہوں نے نسرین کی نانی کو بھی ٹیلی فون کر دیا ہے اور انشاء اللہ وہ بھی لدھیانہ سے ڈیرہ دون کی طرف چل پڑیں گی اور بھائی یوسف اگر آپ میرے ابا جی سے یہ کہہ دیں کہ آپ کی ایک بہن کا بھی آپ کی خوشیوں میں شریک ہونا ضروری ہے تو شاید میں بھی ان کے ساتھ پہنچ جاؤں۔"

"اچھا دو اپنے ابا جان کو ٹیلی فون۔"

"بھائی جان وہ دوسرے کمرے میں فہمیدہ کے چچا سے باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گی اور اگر چچی جان بھی اجازت دیں۔ تو میں ان کی طرف سے بھی کہہ دوں کہ وہ بھی میرا مسوری پہنچنا بہت ضروری سمجھتی ہیں۔"

بلقیس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہاں بیٹی تم بھاگ کران سے کہو کہ یہ میری دِلی خواہش ہے اور اگر انہیں یقین نہ آئے تو انہیں پکڑ کر ٹیلی فون پر لے آؤ۔"

"چچی جان انہیں یہاں لانے کی ضرورت نہیں۔ امی جان میری باتیں سُن رہی ہیں۔"

بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹی وہ مسوُری کیوں نہیں آرہیں؟"

"چچی جان اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ویسے وہ بہت خوش ہیں —— یوسف بھائی جان ایک اور مہمان بن بلائے آپ کے پاس پہنچ رہا ہے۔ وہ کھانا کھانے کے بعد آپ کے اباجان کے ساتھ چلے گئے تھے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "اگر وہ مہمان منظور ہے تو اس کو میری طرف سے تاکید کیجئے کہ اس کا آنا بے حد ضروری ہے اور اسے یہ بھی کہہ دیجئے گا کہ ہم سب اس کے شکر گزار ہیں۔ انشاء اللہ میں دہرہ دُون کے اسٹیشن پر موجود ہوں گا۔ اب آپ فہمیدہ سے بات کریں —— نسرین اپنی آپا کو بُلاؤ۔" فہمیدہ لجاتی شرماتی ٹیلی فون کے کمرے میں داخل ہوئی اور یوسف نے اس کے ہاتھ میں رسیور دیتے ہوئے کہا۔ "آپ اطمینان سے باتیں کریں میں باہر نکل جاتا ہوں۔"

فہمیدہ نے رسیور اٹھا کر اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں وعلیکم السلام! کے بعد کہا۔ "شکریہ میں بالکل ٹھیک ہوُں۔ آپ سے مِل کر مجھے بھی بڑی خوشی ہوگی۔ گھر میں سب آپ کا بے چینی سے انتظار کریں گے —— نہیں نہیں امینہ بہن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ آرہی ہیں —— میں بھی آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں —— اچھا خدا حافظ میں سب کو آپ کا سلام کہہ دُوں گی۔"

عصر کی نماز کے بعد یوسف، دیر تک سجدے میں پڑا رہا۔ فہمیدہ جھجکتی ہوُئی اُس کے کمرے میں داخل ہوُئی۔ اور کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔ یوسف نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اپنی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں آستیں سے پونچھتے ہوُئے بولا:

"فہمیدہ میں ایسا محسوس کر رہا تھا۔ کہ میں دوبارہ زندہ ہوُا ہوں۔"

فہمیدہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "جی ہم دونوں دوبارہ زندہ ہوئے ہیں۔ اور یہی حالت چچی جان کی ہے۔ وہ بھی نماز کے بعد سجدے میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو تی تھیں، لیکن آج کے بعد میں آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا پسند نہیں کروں گی۔ میرا خیال ہے کہ اب ہم سب کو سیر کرنی چاہیئے۔ چچی جان کا بھی یہی خیال ہے اور امی جان کا بھی۔ ظہیر اور نسرین تو آپ کو دو مرتبہ دیکھ بھی گئے ہیں۔ چچی جان کے رونے کا تو نسرین پر کوئی اثر نہیں ہوا لیکن آپ کو سجدے میں سسکیاں لیتے ہوئے دیکھ کر وہ پھوٹ پڑی تھی اور مجھ سے بار بار یہ کہہ رہی تھی کہ آپا جان آپ خدا کے لئے جا کر دیکھیئے۔ کہ آپ کو کیا ہوُا ہے۔ وہ کسی پر آپ کے سوا اپنی تکلیف ظاہر نہیں کریں گے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ میری بہن کوئی بات نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی اللہ کا کام دیکھ کر لوگ رونے بھی لگ جاتے ہیں۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی۔ "بھائی جان اب سب رونے دھونے سے فارغ ہو گئے ہیں اس لئے امی جان اور چچی جان کا خیال ہے کہ اب ہمیں تھوڑی دیر باہر گھوم آنا چاہیئے۔"

یوسف نے بیٹھے بیٹھے کہا۔ "نسرین آگے آؤ۔"

نسرین آگے بڑھی اور یوسف نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف جھکاتے ہوُئے کان میں آہستہ سے کہا۔

"میری ننھی بہن کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ آج سے میرے سارے اٹھنے بیٹھنے اور سیر کرنے کے پروگرام اس کی آپا کی خواہش کے مطابق بنا کریں گے۔"

"بھائی جان وہ یہی تو کہنے آئی تھیں کہ ہمیں سیر کے لئے جانا چاہیئے۔ پتہ نہیں یہاں کن باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ خدا کی قسم بھائی جان۔ میں تو اُن کے چہرے سے پڑھ لیا کرتی ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں —— کیوں آپا جان آپ سیر کے لئے جانا چاہتی ہیں نا؟"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور وہ چند منٹ بعد اسی سڑک پر سیر کر رہے تھے۔ جہاں دھند کے بادلوں میں نسرین نے اسے دیکھا تھا۔ عشاء کے قریب وہ سیر سے واپس آئے تو یوسف نے صفیہ سے کہا:

"خالہ جان اگر اجازت ہو تو میں چند منٹ کے لئے احمد خان صاحب سے مل آؤں"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا کھانا کھا کر چلے جانا"

"نہیں خالہ جان میرا خیال ہے کہ کھانا کھانے اور نماز پڑھنے کے بعد جاتے جاتے مجھے دیر ہو جائے گی اور خان صاحب اتنی دیر میں سو چکے ہوں گے۔ اب میرے پاس جلدی آنے کا معقول بہانہ ہو گا کہ کھانے پر میرا انتظار ہو رہا ہے"

صفیہ بولی۔ "اچھا بیٹا جاؤ۔ خان صاحب کو مناسب الفاظ میں یہ کہہ دینا کہ شاید کل یا پرسوں انہیں اور ان کے بیٹے کو ہماری کسی دعوت میں آنا پڑے گا۔ اس لئے وہ کہیں باہر نہ جائیں"

"بہت اچھا خالہ جان ——— چچی جان اب میں آپ سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں اگر خان صاحب کسی دعوت میں ہم سب کا میزبان بننے پر ضد کریں تو مجھے کیا کرنا چاہیئے"

"بیٹا تم انہیں کہہ سکتے ہو کہ انہیں ضد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم حاضر ہو جائیں گے۔ ویسے کل مہمان آ رہے ہیں۔ یہ بہتر ہو گا کہ تم خان صاحب اور ان کے بیٹے کو کل رات کے کھانے پر بلا لو۔ وہ سب انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے"

نصف گھنٹہ بعد یوسف، احمد خان سے باتیں کر رہا تھا۔ احمد خان نے اطمینان سے اس کی سرگزشت سننے کے بعد کہا:

"بھائی یوسف میں بہت خوش ہوں۔ میں شکرانے کے نفل بھی پڑھوں گا اور خیرات بھی کروں گا۔ مجھے جب کوئی بڑا مسئلہ پیش آتا ہے تو میں اپنی الجھن دور ہونے پر شکرانے کے نفل پڑھنے کا عہد کیا کرتا ہوں۔ کبھی دس، کبھی بیس، کبھی پچاس اور کبھی سو نفل بھی پڑھ

لیا کرتا ہوں۔ اب اگر تمہارے والد کی آمد پر تمہارا مسئلہ ٹھیک ہو گیا تو میں پچاس نفل پڑھوں گا"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا:

"خانصاحب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پرسوں تک آپ کو یہ نفل پڑھنے پڑیں گے میں نے اگرچہ کوئی عہد نہیں کیا تھا۔ لیکن میں نے پرسوں شام اللہ کے ابر کرم کا پہلا چھینٹا دیکھا تھا اور اس کے بعد مجھے ہر نماز کے بعد چند نفل پڑھنے شروع کر دینے چاہئیں تھے آج عشاء کی نماز کے ساتھ یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جب میں آپ کو پورے اطمینان کے ساتھ اپنی پوری سرگزشت سناؤں گا۔ تو اللہ کی رحمت پر آپ کا ایمان زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ کبھی کبھی اس کی رحمت سے ایسی باتیں ہو جاتی ہیں۔ جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ خان صاحب میں پرسوں سے خواب اور اس کی تعبیر ساتھ ساتھ دیکھ رہا ہوں ——— ایک اہم پیغام جو میں آپ کو اس وقت دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کل رات کا کھانا آپ اور خان محمد ان کے ہاں کھائیں گے۔ اس کے بعد شاید آپ کو بہت جلد ایک بڑی دعوت میں شریک ہونا پڑے گا"

"بیٹا خان محمد، تم بھاگ کر جاؤ اگر اس درزی کی دکان کھلی ہے تو اسے کہو کہ ناپ لینے کے لئے جلدی سے یہاں آ جائے"

خان محمد جلدی سے باہر نکل گیا تو یوسف نے پوچھا:

"خان صاحب اس وقت درزی کی ضرورت کیوں پڑ گئی"

احمد خان نے جواب دیا۔ "میرے بھائی خوشی کے موقعوں پر اچھے لباس کی ضرورت پڑا کرتی ہے نا؟ یہ ساری باتیں میرے لئے غیر متوقع نہیں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر وہ لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ تو وہ تمہیں سات سمندر پار سے بھی ڈھونڈ لائیں گے"

"خان صاحب، میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا۔ کہ اگر پرسوں اچانک ہماری ملاقات نہ ہو جاتی۔ تو اس بات کا خدشہ تھا۔ کہ چند ہفتے یا دو تین مہینے بعد ہمارے درمیان ناقابل

عبوُر دریا حائل ہو جاتے"۔

"ارے بھئی ساری بات سناؤ۔ میں پریشان ہو گیا ہوں"۔

"خان صاحب! بات یہ تھی کہ اُن کا چھوٹا بھائی جو ایم۔ بی۔ ایس کر کے اعلیٰ تعلیم کے لیئے ولایت گیا ہوا تھا۔ واپس آ رہا ہے"۔

"تو کیا وہ تمہارا مخالف ہے؟"

"نہیں خان صاحب وہ اپنے ساتھ ایک اور اُمیدوار کو جو وہاں اس کے ساتھ تعلیم پاتا تھا۔ لا رہا ہے۔ اور اس نے اپنے بھائیوں کو خطوط بھی لکھ دیتے تھے۔ میں اس سین سے ویسے ہی غائب ہو چکا تھا۔ اس لیئے میرا معاملہ الٹ پلٹ ہو سکتا تھا۔ ہمارے خاندانوں کے درمیان کوئی بات بھی تو نہیں ہوئی تھی نا۔ کچھ باتیں انہوں نے فرض کر رکھی تھیں۔ کچھ میں نے فرض کر رکھی تھیں"۔

"میرے بھائی یہ تو اتنی خوشی کی بات ہے کہ تمہیں سب سے پہلے یہ بات، مجھے بتانی چاہیئے تھی، لیکن اگر بُرا نہ مان جاؤ۔ تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں"۔

"نہیں خان صاحب آپ جیسے بھائی کی بات کو میں کیسے بُرا مان سکتا ہوں"۔

"بھئی میں یہ کہنا چاہتا تھا۔ کہ جس لڑکی نے آپ کو پسند کیا ہو۔ اس کے متعلق میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ کہ وہ کسی اور کو خاطر میں لا سکتی ہے"۔

"خانصاحب یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اور اُن کے والدین بھی شاید کسی اور پر خوش نہ ہوتے۔ لیکن معصوم سی جان پر تمام رشتہ داروں کا یہ حملہ اتنا بڑا ہوتا کہ وہ آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ کر سکتیں۔ اور میں بھی انہیں کسی آزمائش میں ڈالنا پسند نہ کرتا"۔

احمد خان نے ہنستے ہوئے کہا: "بھئی یہی تو تمہاری وہ بات ہے جو دوسروں کے دل موہ لیتی ہے"۔

خان محمد درزی کو لے کر آ گیا۔ اور احمد خان نے کہا:

"بھائی یوسف پہلے اٹھ کر آپ اپنا ناپ دیں۔ سوٹ کا بھی، اچکن کا بھی اور شلوار قمیص کا بھی۔ اور اس بات پر کوئی بحث نہیں ہونی چاہیئے۔ میں تمہارے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب تمہارے پاس فالتو پیسے ہوا کریں گے تو مجھے بھیج دیا کرنا میں آنکھیں بند کر کے لے لیا کروں گا اس وقت یہ سمجھو کہ یہ تمہاری ایڈوانس تنخواہ ہے لیکن حساب کتاب اس وقت ہو گا۔ جب تمہارے پاس کافی پیسے ہوں گے ٹیلر ماسٹر صاحب سے میں نے شام کو ہی بات کر لی تھی ——— اچھا ماسٹر صاحب آپ اپنا کام کریں"۔

ٹیلر نے خان محمد کے ہاتھ میں اپنی کاپی دیتے ہوئے کہا: "صاحب آپ لکھتے جائیں"۔ اور پانچ منٹ میں یوسف کو ناپ لے کر فارغ کر دیا۔

احمد خان نے کہا۔ "اگر تمہارا کھانا اس طرف ہے۔ تو تم فوراً جاؤ۔ اور انہیں انتظار نہ کرواؤ ——— ایک بات اور نئے لباس کے ساتھ تمہیں نئے جوتوں کی ضرورت ہو گی کل اگر وقت ملے تو آدھ گھنٹہ کے لیئے ادھر آ جانا۔ میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ کوئی نو بجے کے قریب ——— اور سُنو، دہرہ دُون سے انہیں یہاں لانے کے لیئے ضرورت ہو تو میں اپنے دوست کو فون کر کے دو ٹیکسیوں کا بندوبست کروا دوں"۔

یوسف نے جواب دیا۔ "جی آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں انہیں اسٹیشن سے یہاں پہنچانا منیجر صاحب کی ذمہ داری ہو گی"۔

———— ————

مسرتیں اور مسکراہٹیں

گاڑی اسٹیشن پر رکی۔ یوسف ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ اور اپنے باپ سے لپٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ پھر وہ نصیر، عبدالعزیز اور عبدالکریم کی طرف متوجہ ہوا اور مصافحہ کرنے کے بعد ان سے بغل گیر ہوا۔ آخر میں وہ منظور احمد کی طرف متوجہ ہوا۔ جو گاڑی سے سامان اتار رہا تھا۔ اور آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گیا۔

اتنی دیر میں میجر بشیر اور ان کا بیٹا اورزار دلی مہمانوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔

عبدالعزیز نے میجر صاحب سے میاں عبدالرحیم، یوسف، عبدالکریم اور منظور کا تعارف کروانے کے بعد یوسف سے کہا:

"بیٹا تمہاری دو مہمان خواتین کے ڈبے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ تم اطمینان سے انہیں اتار کر پلیٹ فارم سے باہر لے آؤ۔ ہم بھائی صاحب کے ساتھ چلتے ہیں۔ منظور صاحب! آپ سامان کے ساتھ آئیں۔"

یوسف تیز چلتا ہوا زنانہ ڈبے میں داخل ہوا۔ وہاں فریدہ احمد اور امینہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ امینہ نے جلدی سے اٹھ کر کہا:

"بھائی جان السلام علیکم!"

وہ "وعلیکم السلام" کہہ کر آگے بڑھا اور بیگم احمد کے سامنے سر جھکا دیا۔ بیگم احمد نے دونوں ہاتھ اس کے سر پہ رکھتے ہوئے کہا: "بیٹا میں نے نسرین کے چچا کو کہہ دیا تھا کہ اگر

یوسف کو میں نے پلیٹ فارم پر نہ دیکھا تو یہیں سے واپس چلی جاؤں گی۔ میں شاید تم سے بات نہ کرتی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ نیک بچی میرے ساتھ تھی اور اس کی باتیں سن کر میرے سارے گلے دور ہو گئے تھے۔ پھر بھی مجھے اس بات کا رنج تھا کہ جب تمہیں کوئی تکلیف پیش آئی تھی۔ تو مجھے کیوں نہ لکھا۔"

"ماں جی مجھ پہ جو چھوٹی سی آزمائش آئی تھی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے دعاؤں کی ضرورت تھی۔ اور اس بات کا مجھے یقین تھا کہ آپ میرے لئے دعائیں ضرور کرتی ہوں گی۔ اور بہن امینہ کا بھی میں بہت شکر گزار ہوں۔ انہوں نے جو کچھ میرے لئے کیا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے شاید موزوں الفاظ کبھی بھی نہ ملیں۔ اب آپ گاڑی سے اتریں۔ وہ سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں —— میں آپ کو سہارا دوں؟"

بیگم احمد نے اٹھ کر ہنستے ہوئے کہا: "بیٹا سہارے کی ضرورت بوڑھوں کو ہوتی ہے اور تم جیسے بیٹوں کی مائیں کبھی بوڑھی نہیں ہوتیں۔"

امینہ نے بیگم احمد کا چھوٹا سا بیگ اٹھا لیا۔ اور وہ گاڑی سے اتر پڑے۔ یوسف نے پوچھا: "باقی سامان کہاں ہے؟"

"وہ فضل دین پچھلے اسٹیشن سے ابا جی کے ڈبے میں رکھوا آیا تھا۔"

"فضل دین بھی آپ کے ساتھ آیا ہے؟"

"جی ہاں۔ اس کی خوشی کے مارے یہ حالت تھی کہ اگر ہم اسے ساتھ نہ لاتے تو وہ پیدل ہی چل پڑتا۔ اس نے منظور صاحب سے ابا جی کے پاس سفارش کروائی تھی۔"

"عجیب بات ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہی نہیں۔"

"جی آپ نے اسے دیکھا ہو گا۔ لیکن نئے لباس میں اسے پہچان نہیں سکے ہوں گے منظور صاحب نے اسے اپنی فالتو ترکی ٹوپی دے دی تھی۔ ابا جی کی ایک پرانی اچکن

بھی اسے فٹ آگئی تھی۔ جیسے وہ مسوری کی ٹھنڈی ہوائیں پہننا چاہتا ہے۔"

دوپہر کے وقت وہ مسوری میں عبدالعزیز، میجر بشیر کے بال بچوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ میجر بشیر شام کے وقت بال بچوں کے ساتھ آنے کا وعدہ کر کے دہرہ دُون جا چکے تھے۔ میاں عبدالرحیم، عبدالعزیز اور عبدالکریم کھانا کھاتے ہی لیٹ گئے بیگم احمد، صفیہ اور بلقیس کے ساتھ باتیں کرتے کرتے قالین پر لیٹ گئیں۔ صفیہ نے اٹھتے ہوئے بلقیس سے کہا۔

"بہن میں ذرا باہر جا کر شام کے انتظامات دیکھ آؤں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں ——— ارے وہ لڑکی کہاں غائب ہوگئی؟"

"کون، امینہ؟" صفیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے کھانا کھانے کے بعد نسرین کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے وہ اس وقت فہمیدہ کے پاس بیٹھی ہوئی ہوگی۔"

وہ کمرے سے باہر نکلیں۔ تو یوسف دکھائی دیا۔ بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹا! تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"جی میں مسجد میں نماز کے لئے گیا تھا۔"

"اچھا بیٹا! اب میں تمہیں دوبارہ مبارک باد دیتی ہوں۔ فہمیدہ کی نانی جان کا آنا ہمارے لئے بہت اچھا شگون تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میجر صاحب ایک مرتبہ شور مچانے کی کوشش کریں گے، لیکن فہمیدہ کی نانی جان نے آتے ہی کوئی ایسی بات کہہ دی کہ انہیں کچھ کہنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے اپنے بھائیوں کے تیور بھی دیکھ لئے تھے۔ اب تم فوراً خان صاحب کے پاس جاؤ۔ وہاں نہا دھو کر لباس تبدیل

کرو۔ اور انہیں ساتھ لے کر یہاں پہنچو۔ ہمیں آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ دعوتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

یوسف متعجب سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور بلقیس ہنستے ہوئے بولی:

"ارے میری طرف بیوقوفوں کی طرح کیا دیکھتے ہو۔ تمہارا نکاح ہونے والا ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ آئے۔

صفیہ مسکراتی ہوئی باورچی خانے کی طرف نکل گئی۔ اور یوسف نے کہا۔ "چچی جان! کیا اتنی اہم خبر سنانے کے بعد آپ مجھے بیوقوفوں کی طرح دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیں گی۔ کبھی کبھی بچے بہت بڑا انعام پا کر ماؤں کی طرف اس طرح بھی تو دیکھا کرتے ہیں نا"

یوسف مسکرا رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔

نسرین بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ اور اس نے ایک ہی نظر میں یوسف اور بلقیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"پھر کوئی بات ہوگئی بھائی جان؟"

"کچھ نہیں نسرین! کبھی خوشی کے موقع پر تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آئے؟"

نسرین بولی۔ "اُس دن جب آپ اچانک مل گئے تھے۔ تو مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں چیخ چیخ کر رونا شروع کر دوں گی، لیکن میں نے بڑی مشکل سے ضبط کیا تھا۔ اور جب آپ آپا فہمیدہ سے باتوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ تو میں منہ پھیر کر آنسو بہا رہی تھی۔"

"بس یہی سمجھ لو کہ میری بھی آج یہی حالت ہے۔"

"اُف بھائی جان! وہ کہتی ہوں گی کہ باتونی لڑکی کہیں باتوں میں مصروف ہوگئی ہوگی۔ میں آپا امینہ کے نوکر کو یہ کہنے آئی تھی کہ ان کا بکس اٹھا کر لے آئے۔ انہوں نے کچھ چیزیں نکالنی ہیں ———"

یوسف نے کہا۔"تم جاؤ میں اُسے ابھی بھیج دیتا ہوں"۔
"لیکن بھائی آپ بھول نہ جائیں"۔ نسرین یہ کہہ کر واپس چلی گئی اور یوسف بلقیس سے مخاطب ہوا۔

"چچی جان! میں کچھ دیر اور بیوقوفوں کی طرح آپ کی طرف دیکھ سکتا ہوں؟"

"بیٹا جب اس کام سے فرصت ہو گی۔ تو میری یہ خواہش ہو گی کہ تم ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہو"

"تو پھر میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ کیا وہ سچ ہے۔ یا میں نے کوئی خواب دیکھا ہے؟"

"بیٹا! مجھے بھی یہ خواب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے۔ اب تم جا کر آرام کرو۔ اور پھر نہا دھو کر کپڑے بدل کر وقت پر آجانا۔ کہیں یہ نہ ہو کہ تم سوئے رہو اور ہم انتظار ہی کرتے رہیں"۔

یوسف نے کہا۔"چچی جان! یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ مجھے اب نیند بھی آسکتی ہے مجھے تو یہ خدشہ رہے گا۔ کہ پروگرام میں کوئی خلل نہ آجائے۔ اگر حکم دیں تو میں مولوی صاحب کو بھی ساتھ لیتا آؤں"۔

بلقیس ہنس پڑی۔"بڑے شریر ہو تم۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم نے یہ بات نہیں سوچی ہو گی ــــ اچھا یوں کرو۔ پہلے تم نوکر کو امینہ کا بکس دے کر اندر بھیج دو۔ پھر میں تم سے ایک بات کروں گی"۔

"بہت سی باتیں کریں چچی جان! مجھے آرام کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ابھی نوکر کو بھیج کر آتا ہوں۔ وہ باہر چیڑ کے درخت کے نیچے ہمارے لئے کرسیاں بھی رکھ دے گا۔ آپ اتنی دیر میں خالہ صفیہ سے کہہ آئیں۔ کہ آپ اپنے بیٹے کے کان کھینچنا چاہتی ہیں"۔

"نہیں بیٹا ابھی تو میں صرف دو ایک منٹ ہی بات کروں گی۔ لمبی باتیں بعد میں ہوں گی"۔

ایک منٹ بعد فضل دین بکس اٹھا کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ اور یوسف اور بلقیس پھر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ بلقیس کہہ رہی تھی: "بیٹا! تمہاری ماں سے میری دوستی کا زمانہ بہت مختصر تھا، لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں برسوں سے انہیں جانتی تھی اور دل سے انہیں پیار کرتی تھی۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ جب وہ آخری سانس لے رہی تھیں۔ تو میں اُن کے ساتھ تھی اور موت سے پہلے انہوں نے مجھ سے اپنے دل کی باتیں کہی تھیں۔ اور اُن کی جو بات مجھے بے حد پسند آئی تھی وہ یہ تھی۔ کہ وہ جس قدر تم سے پیار کرتی تھیں۔ اسی قدر فہمیدہ کو چاہتی تھیں۔ میں اس بات کی گواہ ہوں۔ کہ فہمیدہ کو دیکھنے سے پہلے بھی اس لڑکی کا ایک تصور ان کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ اور وہ اسے اپنی بہو بنانے کے لئے سب کچھ قربان کر دیتیں۔ اور بیٹا یہی حال میرا ہے تم فہمیدہ کو صفیہ کی بیٹی نہیں بلکہ میرے جگر کا ٹکڑا سمجھو۔ اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمہارا ہی تصور تھا۔ جو مجھے فہمیدہ کے لئے بے چین رکھتا تھا۔ میں تمہیں اس کا رفیق حیات بنانے کے لئے ساری دُنیا کے ساتھ جنگ کرنے کو تیار تھی۔ بیٹا اب میں تم سے ایک سوال پوچھتی ہوں اور یہ سمجھ کر اس بات کا جواب دو۔ کہ ہمارا خالق ہماری باتیں سُن رہا ہے اور وہ سوال یہ ہے: کہ تم فہمیدہ کو کتنا چاہتے ہو؟"

"چچی جان! اس سوال کا جواب تو فہمیدہ بہتر دے سکیں گی۔ لیکن میں آپ کو اس وقت یہ بتا سکتا ہوں کہ اگر یہ معجزہ نہ ہوتا۔ تو میں کبھی شادی نہ کرتا"۔

"بیٹا میری بے چینی کی وجہ یہی تھی۔ اب تم بھاگو اور مولوی کی فکر نہ کرو۔ اسٹیشن سے نکلتے ہوئے جو ڈی۔ ایس۔ پی صاحب تمہارے چچا کو ملے تھے۔ وہ ٹھیک چار بجے مولوی صاحب کو لے کر پہنچ جائیں گے"۔

"اچھا چچی جان میں نے ابھی تک اپنے دوست سے کوئی بات نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ میں دبے پاؤں جا کر اسے جگاؤں اور اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اور سنو کسی اور بات کی فکر نہ کرنا۔ امینہ نے جو انگوٹھی مجھے واپس دی تھی وہ تمہارے ابا جان دلہن کو پہنائیں گے۔ وہ فہمیدہ کو دیکھنے کے لئے بہت بے چین تھے۔ ابھی اٹھیں گے تو میں انہیں اس کے پاس لے جاؤں گی۔ تمہاری بہن امینہ اتنے تحائف لائی ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے اور وہ ان تحائف میں عروسی جوڑا بھی لائی ہے جسے میں نے کھول کر دیکھا تو مجھے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ وہ فہمیدہ کے قد کے عین مطابق ہے۔ وہ کہتی تھی۔ کہ فہمیدہ کے ناپ کی چیزیں بنانے کے لئے اسے ایک نظر دیکھ لینا کافی تھا اور میں نے اسے اچھی طرح دیکھا تھا میں پڑھنے میں جس قدر نالائق تھی۔ اسی قدر زیادہ سینے پرونے میں دلچسپی لیا کرتی تھی۔ اور یوسف بھائی جان کی دلہن کے کپڑے سیتے ہوئے۔ مجھے ایک روحانی تسکین محسوس ہوتی تھی۔ بیٹا بہت اچھی لڑکی ہے وہ۔ شاید ہم سب اسے غلط سمجھتے تھے بیٹا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس پر کیا جادو کر دیا ہے۔"

"چچی جان میں نے اس پر کوئی جادو نہیں کیا۔ اسے اپنی اچھائی ظاہر کرنے کے لئے زندگی میں ایک بہت بڑا موقع ملا تھا۔ جو اُس نے ضائع نہیں کیا۔ بعض لوگ طغیانی میں تیرتے ہیں اور بعض کھڑے پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔"

"ارے اس قسم کی باتیں کوئی اور کرتا بھی تو نہیں سکتا تھا نا اس کے ساتھ۔ اب جاؤ مجھے کوئی کام کرنے دو۔"

"اچھا چچی جان خدا حافظ۔"

یوسف مہمانوں کے کمرے میں داخل ہوا منظور جاگ رہا تھا۔ یوسف نے آہستہ سے کہا:

"ذرا جوتے پہن کر باہر نکلو۔ میں تمہیں اپنی قیام گاہ دکھا دیتا ہوں۔ اس کے بعد تم واپس آکر لباس تبدیل کرنا اور وہاں پہنچ جانا۔ ہم احمد خان صاحب کے ساتھ یہاں چائے پر آئیں گے۔"

منظور نے جلدی سے جوتا پہنا اور اس کے ساتھ چل دیا۔ یوسف نے اسے سڑک پر پہنچتے ہی کہا:

"کہ دیکھو بھئی راستے کا خیال رکھنا اگر بھول جانے کا ڈر ہو تو میں وہاں سے نوکر تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔"

"بھئی تم میری فکر نہ کرو۔ مجھے تمہارا ڈر ہے کہ کہیں راستہ بھول کر خانصاحب کو کسی اور طرف نہ لے جاؤ۔ لیکن تم بڑی جلدی میں ہو خیر تو ہے؟"

"سب ٹھیک ہے بھئی۔ میں تمہیں اس لئے ساتھ لایا تھا کہ تم سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔"

منظور نے کہا: "یار جو باتیں کرنے والی تھیں۔ وہ تو تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے کہ تمہیں معلوم ہو چکی ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اطمینان سے نہا دھو کر تیاری کروں۔ اور تم بھی اطمینان سے خان صاحب کو ساتھ لے کر آؤ۔"

"اچھا تم جاؤ لیکن یہاں سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ خان صاحب کے پاس لے آؤں گا۔ اور پھر ہم خوب باتیں کریں گے۔"

"یار یہ بھی میری خوش قسمتی ہو گی کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد تم اس خاکسار سے باتیں کرنا پسند فرماؤ گے۔"

امینہ، فہمیدہ کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی:

"میری بہن آپ عام لباس میں بھی ایک شہزادی معلوم ہوتی ہیں۔ جب میں آپ

کے کپڑے سیا کرتی تھی۔ تو میں ایسا محسوس کرتی تھی کہ یہ میری زندگی کا اہم ترین کام ہے مجھے ان کپڑوں پر بھی پیار آتا تھا۔ اب میں یہ چاہتی ہوں۔ کہ جب تک میں یہاں رہوں صرف آپ کی طرف دیکھتی رہوں اور آپ سے باتیں کرتی رہوں۔"

فہمیدہ نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا:

"امینہ بہن تمہارے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔ شاید میں نے کبھی غور سے نہیں دیکھے تھے، اور تم پہلے سے خوب صورت بھی نظر آرہی ہو ——————"

—— فہمیدہ نے کہا:" امی جان نے مجھے کئی بار کہا تھا۔ کہ اگر تم چاہو تو میں دہرہ دون سے چند لڑکیوں کو بلا لوں۔ لیکن چچی جان نے بتایا کہ اس موقع پر امینہ کے سوا مجھے کسی اور سہیلی کی رفاقت کی ضرورت نہیں۔"

امینہ بولی "اور میں سارا راستہ اس خیال سے پریشان رہی۔ کہ وہاں نا معلوم کتنی شوخ و طرار لڑکیوں نے میری شہزادی بھابی کو اپنے جھرمٹ میں لے رکھا ہوگا۔ اور مجھے آپ سے باتیں کرنے کا موقع ملے گا بھی یا نہیں۔"

فہمیدہ نے مسکرا کر گردن جھکالی۔

بلقیس کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے امینہ سے پوچھا:

"بیٹی دکھا دیئے تم نے کپڑے اپنے بھائی کی دلہن کو؟"

فہمیدہ نے پھر گردن جھکالی۔ اور نسرین بولی:

"آپا جان اب تو لوگ آپ کو اسی طرح پکارا کریں گے۔ آپ کب تک شرماتی رہیں گی۔"

امینہ ہنستی ہوئی اٹھی اور اس نے بکس کھولتے ہوئے پہلے کمخواب کا عروسی جوڑا فہمیدہ کے سامنے رکھ دیا۔ پھر تین اور ریشمی جوڑے یکے بعد دیگرے نکالتے ہوئے کہا:

"یہ بھی میں نے اپنے خیال کے مطابق آپ ہی کے ناپ کے بنائے ہیں۔ احتیاطاً ان میں اتنی گنجائش رکھ دی ہے کہ انہیں کھلا کیا جا سکتا ہے۔" پھر اس نے تین سنہری جوتیوں

کے جوڑے سامنے رکھتے ہوئے کہا

"اِن کے متعلق میرا اندازہ غلط ہو سکتا ہے۔ لیکن انہیں دوکاندار سے تبدیل کروایا جا سکے گا۔" پھر اس نے نسرین کی طرف دیکھ کر کہا:

"نسرین اپنا جوڑا اِس سوٹ کیس میں سے تم نکالو۔"

نسرین نے جلدی سے کمخواب کا جوڑا نکالا اور ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپا جی یہ میرا ہے؟" نسرین نے پوچھا۔ "ایسے کپڑے تو دلہن کے ہوتے ہیں۔"

"دیکھو نسرین تم میرے شہزادے بھائی کی شہزادی دلہن کی شہزادی بہن ہو۔ اس لئے تمہارے متعلق میرا اور میری امی کا یہی فیصلہ تھا۔ کہ تمہارا جوڑا بھی اسی کپڑے کا ہونا چاہیئے، لیکن تم نے کھول کر نہیں دیکھا۔ اِس میں عروسی جوڑے والی کوئی بات نہیں۔ اور تمہارے لئے میں ایک عام جوڑا بھی لے آئی ہوں۔ لیکن آج تم نے اپنی شہزادی آپا کے ساتھ تصویر کھنچوانے کے لئے یہی جوڑا پہننا ہوگا۔ میں بہت اچھا کیمرہ لائی ہوں۔ تمہاری تصویریں اتارنے کے لئے۔" پھر اس نے بلقیس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"چچی جان، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مہمانوں کو باہر کھلی ہوا میں بٹھایا جاتے تاکہ میں روشنی میں تصویریں لے سکوں۔"

"بیٹی تصویروں کے لئے کئی اور انتظام ہو جائیں گے۔ اب فوری مسئلہ یہ ہے کہ یوسف کے اباجی اٹھتے ہی اپنی بہو سے ملنے آئیں گے۔ تم جلدی سے اس کا لباس تبدیل کرواؤ۔ اور اپنی تسلی کر لو۔ اس کام میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگنے چاہئیں جب دہرہ دون والے آنا شروع ہو جائیں گے تو ہمیں کچھ نہیں سوجھے گا۔"

نصف گھنٹہ بعد عبدالرحیم نے کروٹ بدلی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ بلقیس کمرے میں داخل ہوئی۔ اور اس نے کہا

"بھائی جان چائے بھیجوں؟"

"نہیں بہن اِس وقت میں سادہ پانی کا ایک گلاس پی کر سب سے پہلے اپنی بہو کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب ہے اگر بیٹی سو نہیں رہی تو۔"

"نہیں بھائی جان۔ میں ابھی پانی لاتی ہوں۔ آپ تیار ہو جائیں۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "میں صرف منہ پر ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں مارنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے وضو بھی کر لینا چاہیئے۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھائی جان غسل خانہ اُس طرف ہے۔ میں آپ کی بہو کو اطلاع دے کر ابھی آتی ہوں۔"

عبدالرحیم غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ جب وہ وضو کے بعد واپس آیا۔ تو بلقیس پانی کا گلاس لیئے کھڑی تھی۔ عبدالرحیم نے پانی پیا۔ اور سر پر پگڑی رکھ کر اس کے پیچھے ہولیا۔ اس نے فہمیدہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے "السلام علیکم" کہا اور صفیہ، امینہ اور نسرین ذرا بلند آواز میں اور فہمیدہ دبی ہوئی آواز میں "وعلیکم السلام" کہہ کر تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔ فہمیدہ خوب صورت عروسی جوڑا پہنے ہوئے تھی اور اس نے سنہری دوپٹہ کا پلو ناک سے نیچے کیا ہوا تھا۔ عبدالرحیم چند ثانیہ تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ فہمیدہ کے سر پر رکھ دیئے۔ امینہ جلدی سے فہمیدہ کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اور اس نے سامنے خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"چچا جان تشریف رکھیئے۔"

عبدالرحیم کرسی پر بیٹھ گئے اور امینہ نے فہمیدہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چچا جان اگر میں آپ کو چاند سے زیادہ خوب صورت بہو دکھا دوں تو اُس چھوٹی شہزادی کو کیا انعام ملے گا جس نے بھائی یوسف کو کوئٹہ سے جالندھر کا راستہ دکھایا تھا؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "بیٹی اس مسئلہ میں پرس میرا ہو گا اور اس میں سے نکال کر انعام دینے والے ہاتھ تمہارے ہوں گے۔"

امینہ نسرین سے مخاطب ہوئی۔

"نسرین ادھر آؤ۔"

نسرین قریب آئی، تو اس نے اُسے بازو سے پکڑ کر فہمیدہ کے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا۔ "نسرین اپنی آپا جان کے کان میں کہو کہ یوسف بھائی کے ابا جان اپنی چاند سے پیاری بہو کو دیکھنے آئے ہیں۔ اور وہ اس وقت سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔"

نسرین نے شرارت آمیز تبسم کے ساتھ فہمیدہ کے کان سے منہ لگا دیا۔ اور وہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکی اور اس کے ساتھ ہی امینہ نے اس کا دوپٹہ ذرا اوپر کر دیا۔ میاں عبدالرحیم چند ثانیئے تحیّر کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے بلقیس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بہن قدسیہ کے خوابوں کی کوئی تعبیر اس سے بہتر نہیں ہو سکتی تھی۔ کاش! میں چند منٹ کے لیئے اسے یوسف کی ماں کی آنکھوں سے دیکھ لیتا، بہن صفیہ! آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اب میری سب سے بڑی دعا یہ ہوا کرے گی۔ کہ یوسف اِس نیکی کا مستحق ثابت ہو۔"

"واہ بھئی یوسف کے ابا کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ یوسف اس دنیا میں کتنے انعامات کا مستحق ہے۔"

سب نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ بیگم احمد کمرے میں داخل ہوئیں۔ اور خواتین تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔ امینہ نے صوفے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

"آیئے آپ اس طرف بیٹھیں۔"

"نہیں بیٹی۔ میں اس شہزادی کے ساتھ اس کے شہزادے کو دیکھنا چاہتی ہوں

تم نے یوسف کو یہاں کیوں نہیں بٹھایا؟"

"یوسف ابھی آجائے گا۔ آپ تشریف رکھیئے۔" بلقیس نے کہا۔

پھر اُس نے اپنے پرس سے ایک ڈبیہ نکالی اور عبدالرحیم کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب یہ انگوٹھی آپ اپنی بہو کو اپنے ہاتھوں سے پہنا دیجئے۔"

عبدالرحیم نے ڈبیہ کھول کر اس میں سے انگوٹھی نکالنے کے بعد بیگم احمد کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر اسے پیش کرتے ہوئے کہا،

"بہن جی، یہ انتخاب آپ کا ہے۔ اور میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ ہی اپنی دعاؤں کے ساتھ فہمیدہ کو انگوٹھی پہنا دیجئے۔"

انہوں نے اٹھ کر فہمیدہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کا خوب صورت ہاتھ پکڑ کر پیار سے چوما اور انگلی میں انگوٹھی ڈالی اور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا لیئے۔ اس کے ساتھ ہی باقی سب نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیئے۔ دعا ختم کرنے کے بعد وہ باری باری عبدالرحیم، صفیہ اور فہمیدہ کو مبارک باد دے رہے تھے۔ عبدالرحیم نے اپنا پرس جیب سے نکال کر کھولا اور اس میں سے پانچ سو کے نوٹ نکال کر فہمیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"یہ لو بیٹی یہ ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔ کاش میں خزانوں کا مالک ہوتا۔ اور یہ خوبصورت ہاتھ جواہرات سے بھر دیتا۔"

فہمیدہ نے ایک نظر اپنی ماں اور چچی کی طرف دیکھا اور پھر عبدالرحیم کے ہاتھ سے نوٹ پکڑتے ہوئے کہا:

"شکریہ اباجان یہ میرے لئے خزانے سے کم نہیں۔"

پھر عبدالرحیم نے اپنی جیب سے سو سو کے دو اور نوٹ نکالے اور کہا:

"نسرین بیٹی یہ تمہارے لئے ہیں۔ یوسف کی ماں تمہیں رحمت کا فرشتہ کہا کرتی تھی۔"

یوسف کی ماں کے ذکر سے اس چھوٹی سی محفل پہ ایک ثانیہ کے لئے اُداسی چھا گئی۔ عبدالرحیم نے موضوع بدلنے کے لئے امینہ کی طرف دیکھا اور اپنا پرس اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"بیٹی جو کام میں تمہارے ہاتھ سے کروانا چاہتا تھا۔ وہ میں نے خود اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا ہے اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو یہ پرس سنبھالو اور اس کی تلافی کر دو۔"

امینہ بولی "نہیں چچا جان آپ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ اب آپ نماز پڑھ لیں اور مہمانوں کے استقبال کے لئے تیار ہو جائیں۔"

جب وہ کمرے سے باہر نکل گئے تو صفیہ نے کہا:

"بلقیس تمہیں اتنی جلدی کیا تھی؟ تم فہمیدہ کے اباجان اور چچا کے بیدار ہونے کا تو انتظار کر لیتیں۔"

"بھئی میری یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ میں یہاں پہنچتے ہی انگوٹھی پہنا دوں۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ ہم سب نے اس مبارک وقت کے انتظار میں کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں۔ اور بہن سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک نکاح نہیں پڑھا جاتا مجھے اطمینان نہیں ہو گا۔"

بیگم احمد نے کہا۔ "بلقیس بیٹی! یہ سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے، لیکن نکاح کا یہ نتیجہ تو نہیں ہو گا۔ کہ کل میاں صاحب اور ان کے صاحبزادے یہ مطالبہ کر دیں۔ کہ ہم کسی تاخیر کے بغیر بارات لانا چاہتے ہیں۔"

"نہیں خالہ جان، یہ معاملہ میں نے یہاں پہنچنے سے پہلے یوسف کے اباجان سے

طے کرلیا ہے اور یوسف کے متعلق میں جانتی ہوں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے سے پہلے فہمیدہ کو اپنے راستے کے کانٹوں پر گھسیٹنا پسند نہیں کرے گا۔ اس کے پروگرام میں شادی کی منزل ابھی بہت دُور ہے۔ اور فہمیدہ کے متعلق میں جانتی ہوں کہ یہ ہر معاملہ میں اس کی ہم خیال ہے ۔۔۔ کیوں فہمیدہ؟"

فہمیدہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی آنکھیں جھکالیں۔ اور بیگم احمد نے کہا:

"بیٹی تم اس طرح مُسکراتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔ اور میں اللہ سے دُعا کرتی ہوں کہ تم سے پیار کرنے والے ہمیشہ تمہاری مسکراہٹ دیکھتے رہیں!"

یوسف نے نہا کر کپڑے پہنے اور وضو کرکے عصر کی نماز کے لئے کھڑا ہوگیا۔ باہر صحن میں احمد خان نوکر سے کہہ رہا تھا۔

"میرو خان! درزی نے کتنے منٹ بعد اچکن لے کر آنے کے لئے کہا تھا؟"

"سائیں! وہ کہتا تھا کہ آدھے گھنٹے تک آجاؤں گا۔"

"اب کتنی دیر ہوگئی ہے؟"

"جی کوئی ڈیڑھ گھنٹہ ہوگیا ہے۔"

"خدا تمہیں غارت کرے۔ تمہارے دِل میں اس کے پاس دوبارہ جانے کا خیال نہیں آیا؟"

"سائیں میں جاتا ہوں۔"

"اُسے یہ بتایا تھا کہ ہمیں شادی کیلئے دیر ہو رہی ہے؟"

"جی وہ تو میں نے بتایا تھا اور میں نے یہ بھی بتایا تھا۔ کہ آپ ناراض ہو رہے ہیں"

"تو اب کیا سوچ رہے ہو۔ بھاگتے کیوں نہیں ہو۔ اسے پکڑ کر لاؤ۔"

"جاتا ہوں سائیں۔ اگر حکم ہو تو اسے دو چار گالیاں بھی دے دوں؟"

"بے وقوف بازار میں لوگ تمہیں پیٹ ڈالیں گے۔ تم اسے میرے پاس لے آؤ۔ ورنہ یہ کہو کہ مجھے پانچ منٹ بعد خود آنا پڑے گا۔"

"جاتا ہوں سائیں!"

دس منٹ بعد میرو بھاگتا ہوا واپس آیا۔ اور اُس نے کہا:

"سائیں وہ آرہا ہے۔"

"کب آرہا ہے؟"

"سائیں ابھی آرہا ہے۔"

"تم ساتھ لے کر کیوں نہیں آئے؟"

"جناب وہ اچکن کو استری کر رہا تھا۔ جب اُس نے استری کرکے اُچکن کو تہہ کرنا شروع کردیا۔ تو میں وعدہ لے کر چل پڑا کہ وہ سیدھا آپ کے پاس آئے گا۔"

احمد خان نے غصہ میں آکر کہا:

"بے وقوف میں نے یہ پوچھا ہے کہ تم اس کے ساتھ کیوں نہ آئے؟"

"سائیں مجھے اُچکن استری ہوتے دیکھنے میں دیر لگ گئی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ آپ کو غصہ آرہا ہوگا۔ اس لئے میں بھاگ آیا۔"

احمد خان کچھ کہنا چاہتا تھا کہ درزی نمودار ہوا۔ احمد خان نے کہا:

"یار تم لوگ ہمیشہ دوسروں کو خوار کرتے ہو۔ میں نے کل کہا تھا کہ سوٹ میں جتنی دیر چاہے لگا لینا لیکن اچکن سہ پہر تک مل جانی چاہیئے، اچھا اب ٹرائی کروا سے، بیٹا خان محمد اگر یوسف صاحب نے نماز پڑھ لی ہے تو انہیں باہر لے آؤ۔"

یوسف نے باہر نکلتے ہوتے کہا:

"جی میں نے نماز پڑھ لی ہے۔"

درزی نے اچکن کھول کر پیش کرتے ہوئے کہا" جناب یہ پہن کر دکھائیے۔"

یوسف نے اچکن پہن لی۔ اور درزی نے بٹن بند کرتے ہوئے کہا:

"جناب اچھی طرح دیکھ لیجئے۔ خدا کے فضل سے اس میں کوئی نقص نہیں۔"

"اچھا چھوڑو یار اگر کوئی نقص ہو گا بھی تو بعد میں دیکھا جائے گا۔"

درزی نے پوچھا" جناب چھوٹے صاحب اپنے سوٹ کے لئے کب کپڑا دینا پسند کریں گے؛ میرے پاس بہت اچھے نمونے آئے ہیں۔"

خان محمد نے کہا" بھئی ہم اس کام سے فارغ ہو کر تمہارے پاس آئیں گے۔ ذرا یوسف صاحب کا سوٹ خیال سے سینا۔ ایسا نہ ہو کہ لاہور تک تمہارا مذاق اڑایا جائے۔"

"جناب آپ فکر نہ کریں۔ اگر میرے کام میں کوئی نقص ہوا تو میں دوسرا بنا دوں گا۔"

اور یہ کہتے ہی درزی سلام کر کے چلا گیا۔

احمد خان نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"بھئی اب ہمیں چلنا چاہیئے۔ لیکن تمہارے سر پر کچھ نہ کچھ ضرور ہونا چاہیئے۔"

خان محمد نے کہا" ابا جان اس کی ضرورت نہیں۔ بھائی یوسف ننگے سر بھی بڑے اچھے لگتے ہیں۔"

یوسف نے کہا" خان صاحب سر کے لئے میرے پاس ایک بڑی قیمتی چیز ہے۔ میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں۔"

یوسف یہ کہہ کر کمرے میں گیا جب واپس آیا تو اس کے سر پر قراقلی ٹوپی تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"خان صاحب میں دوستوں کا تحفہ بہت سنبھال کر رکھا کرتا ہوں اور آپ کو شاید یاد ہو کہ نہ یاد ہو کہ آپ نے یہ تحفہ مجھے کب دیا تھا؟"

"یار مجھے یاد ہے۔ لیکن یہ کپڑے پہننے کے لئے ہیں۔ کہیں انہیں بھی سنبھال کر نہ رکھ لینا۔"

منظور احمد مکان سے چند قدم دور اضطراب کی حالت میں کھڑا تھا۔ جب یوسف، احمد خان اور خان محمد نظر آئے تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ اور اس نے شکایت کے لہجہ میں کہا:

"یار تم ہر جگہ لیٹ پہنچا کرتے ہو۔ مہمان آچکے ہیں اور ہمیں یہ پریشانی تھی کہ تم پھر کہیں فرار نہ ہو گئے ہو۔"

یوسف نے کہا" منظور بھائی۔ تم نالائق تھے نا میرے ساتھ نہیں گئے۔ میں نے تم سے ایک ضروری بات پوچھنی تھی۔"

"ضروری بات نکاح کے بعد پوچھ لینا۔"

"بے وقوف اگر میں ابھی پوچھ لیتا تو تمہارا اس میں فائدہ تھا۔"

"پوچھ لیجئے جناب۔ بندہ حاضر ہے۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرے نکاح کے بعد اگر میں ایسی صورت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ کہ میاں عبدالکریم اپنی صاحبزادی کی منگنی کا اعلان تمہارے ساتھ کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ تو کیا خوشی سے تم پاگل نہ ہو جاؤ گے۔"

منظور نے کہا:

بھائی جان' اگر کوئی خوشی سے پاگل ہو سکتا۔ تو خدا معلوم آپ اب تک کتنے آدمیوں کا سر پھوڑ چکے ہوتے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ جب موقع ملے تو تم کسی ڈھنگ سے میاں عبدالکریم کو میرے پاس بٹھا دینا۔"

منظور نے کہا "یار یہ محفل برخواست ہونے سے پہلے پہلے تمہیں کئی لوگوں سے بات کرنے کا موقع ملے گا۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ تم امینہ سے بھی پوچھ سکو گے"۔

وہ مکان کے صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ جہاں مہمان ایک دائرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور درمیان میں تین صوفہ سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ مہمانوں نے آگے بڑھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اور باری باری انہیں گلے لگایا۔ پھر عبدالرحیم نے آگے بڑھ کر احمد خان اور خان محمد کا استقبال کیا۔ عبدالعزیز نے مہمانوں سے احمد خاں کا تعارف کروانے کے بعد انہیں اور ان کے صاحبزادے کو دائیں ہاتھ صوفے پر بٹھا دیا۔ درمیانی صوفہ پر یوسف اور اس کے والد اور فہمیدہ کے والد کو بٹھا دیا گیا۔ اور ان کے بائیں طرف عبدالکریم، بشیر اور ڈیرہ دون سے آئے ہوئے ان کے چند فوجی دوست بیٹھ گئے۔ باقی کرسیوں پر چند مقامی معززین اور چند پولیس افسر بیٹھ گئے۔ عبدالعزیز نے پولیس افسروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا:

"مولانا ہمیں نیک کاموں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ آپ اپنا کام شروع کریں"۔

فضل دین نے جو مولوی صاحب کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ جلدی سے اٹھ کر انہیں بازو سے پکڑا اور یوسف کے ساتھ صوفے پر بٹھا دیا۔ چند منٹ میں یہ مقدس رسم ادا ہو چکی تھی اور جب یوسف کی زبان سے نکاح کے آخری الفاظ ادا ہو رہے تھے تو وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا، تو اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ کہ اس کا رنگ کبھی اتنا دلکش نہیں تھا۔ اور یہ درخت، یہ پہاڑ کبھی اتنے حسین نہ تھے۔ وہ اپنے دل میں یہ الفاظ دوہرا رہا تھا۔

"یا اللہ یہ تیرا کرم ہے۔ مجھے توفیق دے کہ میں ساری زندگی تیرے شکر گزار بندوں میں شامل رہوں"۔

ایک لڑکی بھاگتی ہوئی باہر آئی اور عبدالعزیز سے کچھ کہنے کے بعد اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دے کر اندر چلی گئی۔

عبدالعزیز مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کہا: "یوسف بیٹا! مجھ سے ایک فرض میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اپنا ہاتھ آگے کرو"۔ اور اس نے انگوٹھی یوسف کے ہاتھ میں پہنا دی پھر اس نے کہا:

"مہمانانِ گرامی! کوتاہی کی وجہ یہ ہوئی کہ یوسف صاحب کو اچانک کوئی خیال آیا اور انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے انکار کر دیا تھا۔ انکار اس لئے کر دیا تھا کہ مردوں کے لئے سونے کی اشیاء ممنوع ہیں۔ چنانچہ ہمیں آخری وقت میں ڈیرہ دون سنار کے پاس آدمی بھیجنا پڑا۔ اور وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ چاندی کی انگوٹھی بنوا کر لایا ہے"

خرمے بانٹے گئے۔ اور یوسف، اس کے والد، اس کے خسر اور اس کے عزیزوں کو مبارکباد دی گئی۔ مغرب کی نماز کے لئے وہیں صحن میں انتظام کر دیا گیا تھا۔ نماز کے بعد یوسف میاں عبدالکریم کو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ اور اس نے کہا:

"چچا جی یہ بات بڑی اہم ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے"۔

"بیٹا ایسے کاموں میں ہمیں مشکل پیش آتی ہے۔ تمہیں تو کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہیئے۔ تم ہمیشہ صاف اور دو ٹوک بات کر لیا کرتے ہو"۔

یوسف نے کہا: "آپ جانتے ہیں کہ امینہ مجھے بہنوں سے زیادہ عزیز ہے اور منظور کو بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں اگر آپ کی اجازت ہو تو میں امینہ کی رضامندی حاصل کر لوں؟"

"بیٹا خدا کا شکر ہے۔ کہ امینہ کا تمہیں اتنا خیال ہے۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ امینہ اسے ناپسند نہیں کرتی"۔

"تو پھر چچا جی میں ایک بھائی کی حیثیت سے رسماً اس سے پوچھ لینا چاہتا ہوں

اور پھر یہاں جمع ہونے والوں کو یہ خوش خبری سناؤں گا کہ آپ نے اپنی دخترِ نیک اختر کے لئے منظور احمد کا انتخاب کر لیا ہے۔"

"بیٹا میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں لیکن اس معاملہ میں اُس کے خاندان کے بزرگوں کو تو یہاں ہونا چاہیئے تھا نا؟"

"چچا جان میں اُن سے مل چکا ہوں۔ وہ صرف اس بات سے پریشان تھے کہ آپ ان کے ہاں رشتہ کرنا کسرِ شان سمجھیں گے۔"

مہمانوں میں سے ایک لڑکی اس طرف آئی تو یوسف نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا:

"دیکھئے اندر مہمانوں میں امینہ صاحبہ ہوں گی۔ انہیں پیغام دے دیجئے کہ آپ کے والد صاحب اس جگہ کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کوئی ضروری بات ہے۔ اگر آپ انہیں جلدی یہاں لے آئیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا: "دولہا بھائی میں ابھی لاتی ہوں۔"

چند منٹ بعد وہ امینہ کو ان کے سامنے چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ امینہ نے پوچھا:

"ابا جی خیر تو ہے۔ میں تو آپ کے پیغام سے ڈر گئی تھی۔"

عبدالکریم نے کہا: "بیٹی، یوسف تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ یوسف صاحب کی بات کبھی بری نہیں ہوتی۔ میں جاتا ہوں تم اطمینان سے سُنو۔"

یوسف نے کہا۔ "دیکھو بہن امینہ۔ ایک بھائی کی حیثیت سے جتنا میں سمجھ سکتا ہوں اس کے لئے اس گفتگو کی بھی ضرورت نہ تھی، لیکن چونکہ یہ ایک اچھی رسم ہے۔ میں نے تمہیں بلا لیا ہے۔ اگر آج ہی یہ اعلان کر دیا جاتے کہ عبدالکریم صاحب کی لاڈلی بیٹی اور میری بہت پیاری بہن کی منگنی مسٹر منظور احمد سے کر دی گئی ہے۔ تو تم اس بات کو

ناپسند تو نہیں کرو گی؟"

امینہ نے سر جھکاتے ہوئے کہا: "آپ نے اپنے دوست سے پوچھ لیا ہے؟"

"وہ کون ہوتا ہے میرے فیصلہ سے انحراف کرنے والا!"

امینہ مسکراتے ہوئے مڑی اور یہ کہہ کر واپس چل پڑی۔ "بھائی جان اگر اُن میں یہ جرأت نہیں تو مجھ میں کیسے ہو سکتی ہے۔"

جب مہمان رات کے کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھ گئے تو یوسف نے اٹھ کر کہا:

"معزز حضرات، میں میاں عبدالکریم صاحب کے حکم سے یہاں آپ کے سامنے یہ اعلان کر رہا ہوں۔ کہ ان کی دخترِ نیک اختر امینہ بی بی کی نسبت مسٹر منظور احمد ولد محمد جمال احمد سے قرار پائی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس جوڑے، ان کے والدین اور ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے بھی دُعا فرمائیں۔"

سب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے اور منظور احمد اور عبدالکریم کو مبارک باد دینے لگے۔

نسرین بھاگتی ہوئی خواتین کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے بڑی مشکل سے اپنا سانس قابو میں لانے کے بعد کہا: "آپا امینہ، آپا امینہ آپ کی منگنی ہو گئی۔ خدا کی قسم آپ کی منگنی بھی ہو گئی۔ ابھی ابھی۔ میں اپنے کانوں سے سن کر آئی ہوں — آپا جان ان کی منگنی بھائی جان کے دوست منظور صاحب سے ہوئی ہے۔ وہ مجھے بلا وجہ پسند نہیں تھے۔"

بلقیس نے کہا: "نسرین تمہیں اس خبر پر بھی انعام ملے گا۔ اب تم پہلے اپنے دولہا بھائی کو یہاں بلا لاؤ۔ اسے کہو کہ بہنیں اور چچیاں اسے دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"چچی جان، اب تو وہ کھانا کھانے لگے ہیں۔"

نانی نے کہا۔ "بے وقوف! لاؤ اسے۔ تمہاری آپا اسے بھوکا نہیں رکھے گی۔ جاؤ جلدی کرو۔"

نسرین بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ یوسف کے ساتھ آ رہی تھی یوسف "السلام علیکم" کہہ کر کمرے میں داخل ہوا۔ اور اس نے سب سے پہلے امینہ کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے تین سو روپے کے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ ابا جی نے تمہیں دعاؤں کے ساتھ بھیجے ہیں۔"

نسرین نے کہا: "بھائی جان انہیں بتا دیجئے کہ منگنی واقعی ہو گئی ہے۔"

"تم نے نہیں بتایا نسرین؟"

"بتایا ہے، لیکن میری کون سنتا ہے۔"

بیگم احمد نے جلدی سے اٹھ کر یوسف کو بازو سے پکڑتے ہوئے کہا: "احمقوں کی طرح بدحواس ہو کر کیا دیکھ رہے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہاری جگہ یہ ہے۔"

یوسف فہمیدہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ خواتین باری باری امینہ کو مبارک باد دے رہی تھیں۔ بیگم احمد نے اسے پیار کرنے کے بعد دو سو روپے دیئے۔ اور بلقیس نے اپنی ایک انگوٹھی انگلی سے اتار کر اسے پہنا دی۔ صفیہ نے ریشم کا ایک جوڑا اور سو روپیہ اس کے آگے رکھ دیا۔

باہر کھانے کے دوران عبدالکریم، یوسف کے متعلق کہہ رہا تھا:

"یہ لڑکا بڑا خوش نصیب ہے۔ یہ جس گھر میں قدم رکھتا ہے۔ وہاں اس کے پیچھے پیچھے خوش نصیبی آتی ہے۔ پہلی دفعہ یہ شکار سے واپسی پر ہمارے گھر آیا تھا۔ اور وہاں دو مرغابیاں چھوڑ گیا تھا۔ پھر جس رات ڈاکو ہمارے گھر پہ حملہ کرنے والے تھے۔ یہ اچانک

پہنچ گیا تھا۔ اور اس نے علاقے کے سب سے مشہور ڈاکو کو پکڑ لیا تھا۔ ہماری ایک بڑی رقم بھی بچ گئی تھی اور عزت بھی محفوظ رہی۔"

مہمانوں نے ڈاکو کے پکڑے جانے کی تفصیلات پوچھنا شروع کر دیں۔

"بھئی ان دنوں بھائی عبدالعزیز صاحب گورداس پور میں پولیس انسپکٹر تھے۔ اور میں یوسف کی جرأت اور بہادری کا چشم دید گواہ ہوں مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ ملک کا ایک بڑا افسر بن جائے گا تو کوئی اس بات پر یقین نہیں کرے گا کہ اس نے ایسے کارنامے بھی سرانجام دیتے ہیں۔ یہ ایک بہترین سوار، بہترین تیراک اور بہت اچھا کشتی ران بھی ہے۔ اور اسلامیہ کالج میں تحریک پاکستان کے ایک انتھک کارکن کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ سے میرے جیسے لوگ بھی جو سیاسی جلسوں سے دور رہتے ہیں۔ اب پاکستان کی تحریک میں حصہ لے رہے ہیں اور دوسرا نوجوان منظور احمد جس کے ساتھ میری بیٹی کی نسبت قرار پائی ہے۔ اس کا ہم مکتب اور دوست ہے۔ اور ہر بات میں یوسف کی تقلید کرتا ہے۔ منظور زمینداروں کے ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بعض عزیز کافی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور اچھے اچھے عہدوں پہ فائز ہیں۔"

عبدالعزیز نے کہا: "مہمانانِ گرامی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ دونوں بچیوں اور ان کے والدین اور ان سے نیک توقعات رکھنے والوں کے حق میں دعا فرمائیں۔"

دعا کے بعد چند ثانیے ایک سناٹا چھایا رہا اور اس کے بعد میجر صاحب نے کہا: "حضرات اب کھانا شروع کیجئے۔"

ایک نوکر نے دروازے سے باہر آواز دی:

"بی بی جی! دولہا میاں کا کھانے پہ انتظار ہو رہا ہے۔"

نسرین نے کہا۔ "نانی جان میرا خیال تھا کہ وہ بھول جائیں گے۔ لیکن وہ باتیں بھی انہی کے متعلق کر رہے تھے۔"

یوسف مسکراتا ہوا اٹھا۔ اور باہر نکل گیا۔ دسترخوان پر عبدالعزیز نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ کھانے کے دوران وہ کہہ رہا تھا:

"بیٹا! میں بار بار یہ سوچا کرتا ہوں۔ کہ جب میں نے نسرین سے کوئٹہ سے آگے کشتی اور پھر گاڑی پر سفر کے واقعات سنے تھے تو گورداسپور میں تمہیں دیکھتے ہی مجھے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ تم وہی ہو۔ جس نے ڈاکو پکڑنے سے کچھ دن پہلے نسرین اور اس کی نانی کے ساتھ سفر کیا تھا۔"

یوسف نے کہا۔ "جناب! میں آپ سے پہلی ملاقات میں ہی بہت متاثر ہوا تھا۔ لیکن، یہ معلوم ہونے پر کہ آپ جالندھر کے رہنے والے ہیں۔ میں نے اس خیال سے تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کی کہ کہیں آپ کا ان سے کوئی تعلق نہ نکل آئے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب آپ مجھے اچانک ایک صبح لاہور والے مکان پر بلانے آئے تھے۔ تو مجھے بہت زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اور میں کوئی سوال پوچھے بغیر امی جان کے ساتھ چل پڑا تھا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیٹا اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔ چونکہ وہ دلچسپ کہانی جو کوئٹہ سے شروع ہوئی تھی، مسوری تک پہنچی تھی۔ اس لئے نہ تم نے نسرین اور اس کی نانی جان کا ذکر کیا نہ میں نے پوچھا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جان، اس میں شاید قدرت کی ایک اور بھی مصلحت تھی۔ میں نے اچانک اپنی ماں کی موت کا زخم کھایا تھا۔ اور میرے زخموں پر پھاہا رکھنے کے لئے اللہ نے چچی بلقیس کو منتخب کر رکھا تھا۔ میں آپ کا اور ان کا آخری دم تک احسان مند رہوں گا۔"

"بیٹا یہ تمہاری سعادت مندی ہے۔ ورنہ بات یہ ہے۔ کہ فہمیدہ ہمیں بہت عزیز ہے اور ہم نے وہی کیا ہے۔ جو ہمیں اس کے لئے کرنا چاہیئے تھا۔ اور یہ تم نے بڑا اچھا کیا۔ کہ عبدالکریم کی سادہ دل بیٹی کو صحیح راستے پر لے آتے اور اسے ایک ایسا نوجوان تلاش کر دیا۔ جس کے ساتھ وہ خوش رہ سکتی ہے۔"

"چچا جان میں نے امینہ کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ بہت اچھی ہے۔ صرف اسے ایک صاف گو اور شفیق بھائی کی ضرورت تھی۔ اور وہ غیر شعوری طور پر یہ محسوس کرنے لگ گئی تھی۔ کہ میں ہی وہ بھائی ہوں۔ وہ میرا احترام بھی کرتی تھی اور مجھ سے ڈرتی بھی تھی۔ ہمارے درمیان جو فاصلے رہنے چاہئیں تھے وہ کبھی کم نہیں ہوئے تھے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری چچی کیا کہتی تھی؟"

"جی ہاں، انہوں نے کہا ہو گا کہ میں جادوگر ہوں۔ لیکن چچا جان میرا خیال ہے کہ خلوص میں ایک جادو ہوتا ہے۔"

کھانے کے اختتام پر رخصت ہونے سے پہلے احمد خان نے کہا۔ "بھائی یوسف، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے میرے گھر میں سامان کا ایک بکس پڑا ہوا ہے۔ اگر بھائی صاحب اجازت دیں تو ابھی نوکر، خان محمد کے ساتھ جا کر اٹھا لے آئے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "خان صاحب آپ کو کسی تکلف کی ضرورت نہ تھی۔"

"نہیں بھئی اگر آپ نے انکار کیا تو ہمیں بہت دکھ ہو گا۔ یوسف صاحب ہمارے بھائی ہیں۔"

"خان صاحب، مجھے معلوم ہے۔ میں بدشگونی نہیں کروں گا، لیکن یہ صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت آپ تکلیف کیوں کرتے ہیں۔"

"بھائی صاحب مجھے تکلیف نہیں ہوگی۔ اگر وہ سامان آج رات میرے گھر پڑا رہا تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔"

"بہت اچھا خان صاحب، میں آپ کے ساتھ اپنا نوکر بھیج دیتا ہوں۔"

"یہ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ ایک فرض پورا ہو جاتے تو انسان کو خوشی ہوتی ہے۔ یوسف صاحب کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کس کے لئے ہے۔ میں نے ان سے چٹیں لکھوا کر بھی لگوا لی تھیں۔"

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب، میں جلد آنے کی کوشش کروں گا اور منظور احمد صاحب میرے پاس ٹھہریں گے۔"

"بھائی ایسے کاموں میں جلدی نہیں کیا کرتے۔ تم اطمینان سے آؤ۔ جس وقت آؤ گے میرا نوکر تمہارا راستہ دیکھ رہا ہوگا۔ اور آتے ہی تمہیں کافی مل جائے گی۔"

یوسف کے والد، عبدالعزیز، اُن کے بھائیوں اور میاں عبدالکریم نے انہیں پھاٹک سے باہر آ کر رخصت کیا۔ اور عبدالعزیز کے اشارے پر ان کا ایک نوکر اور فضل دین ان کے ساتھ چل دیئے۔ فضل دین بہت خوش تھا کہ اسے کوئی بہت اہم کام سونپا جا رہا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ خوشی خوشی چمڑے کا ایک خوب صورت بکس اٹھائے واپس آیا تو اس نے براہ راست یوسف سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جناب، خان صاحب کہتے تھے کہ یہ سامان خاتونِ خانہ تک پہنچایا جائے اور انہیں یہ بتا دیا جائے کہ اس بکس کے اندر جس جس کا حصہ ہے وہ اسے اپنے ہاتھوں سے اسے دیں اور سب سے نیچے ریشمی رومال میں بندھے ہوئے دلہن کے الگ جوڑے ہیں۔ وہ اور یہ بکس اور گٹھڑی میں جو کچھ ہے۔ وہ سب ان کا ہے۔"

رات بارہ بجے کے قریب یوسف، منظور احمد کے ساتھ احمد خان کی قیام گاہ پر پہنچا۔ اور وہ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

صبح وہ ناشتے سے فارغ ہوتے ہو تھے کہ عبدالعزیز، عبدالرحیم اور میاں عبدالکریم وہاں پہنچ گئے۔ احمد خان، اُن کے بیٹے، منظور اور یوسف نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور نوکر نے ان کے لئے کرسیاں رکھتے ہوئے کہا۔

"صاحب، آپ کے لئے بھی ناشتہ لے آؤں؟"

"نہیں بھئی ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔" عبدالرحیم نے کہا۔

پھر وہ احمد خان سے مخاطب ہوا۔

"خان صاحب، میں اور عبدالکریم آج واپس جا رہے ہیں۔ مجھے تو چھٹی ہی اتنی ملی تھی اور عبدالکریم صاحب بہت سے ضروری کام چھوڑ کر آئے ہیں۔"

احمد خان نے قدرے پریشان سا ہو کر پوچھا: "بھئی کہیں ہمارے بھائی کو تو سے جانے کا پروگرام نہیں بن گیا؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا: "نہیں خان صاحب یوسف آپ کی اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں ہلے گا۔ رات اُس نے مجھے بتا دیا تھا۔ کہ آپ نے اسے ایک ذمہ داری سونپ دی ہے۔ جسے وہ بہر حال پورا کرے گا۔ ویسے بھی اسے پہاڑی علاقوں میں گھومنے کا شوق ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "ابھی میں منظور احمد صاحب سے کہہ رہا تھا کہ آپ بھی کچھ عرصہ ہمارے پاس ٹھہر جائیں۔ خان محمد کو اس عمر میں بہت اچھی سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ میاں صاحب، آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا، منظور صاحب کے کچھ دن یہاں رہنے پر؟"

"خان صاحب، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کالج میں آج کل چھٹیاں ہیں اور چھٹیوں میں یوسف صاحب سے زیادہ وہ اور کہیں سے نہیں سیکھ سکتا۔ کبھی کبھی

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں خود بھی طالب علم ہوتا۔ تو کسی اور کی بجائے یوسف صاحب کے پاس رہنا زیادہ پسند کرتا ـــــ منظور بیٹا۔ تم اپنے گھر آج ہی خط لکھ دو۔"

"جی میں لکھ دوں گا۔"

احمد خان نے کہا: "میاں صاحب آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ کہ اللہ نے آپ کو یوسف جیسا بیٹا دیا ہے۔ آپ کو اس کے مستقبل کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ دنیا میں جو کام یہ دل لگا کر کرے گا۔ وہی اس کے لئے بہتر ہوگا۔ اس کی مرضی کے خلاف آپ اسے بادشاہت بھی دے دیں تو اسے راس نہیں آئے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ فوج میں ایک افسر بنتے بنتے رہ گیا ہے۔ یہ فیصلہ اس نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ اسے اس بات کا کوئی افسوس نہیں ہے اور نہ ہی ہونا چاہیئے اسے کتابیں لکھنے کا شوق ہے تو اسے پورا کرنے دیجئے۔ اس کے دل میں یہ حسرت نہیں رہنی چاہیئے کہ میں کتابیں لکھ کر بڑا آدمی بن سکتا تھا۔ لیکن مجھے موقع نہیں ملا۔ اس کے روزگار کے متعلق آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنے شریفانہ گزارے کے لئے اس کو ایک اچھا کام مل گیا ہے اور اگر اس نے زیادہ پیسوں کی ضرورت محسوس کی تو میں ایک دو اور شاگرد اس کے حوالے کر دوں گا۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "خان صاحب میں نے اب ہار مان لی ہے۔ چند ماہ تک میں ریٹائر ہو کر گاؤں چلا جاؤں گا۔ اور اس کے بعد کوئی مجھے یوسف کا راستہ روکتے ہوئے نہیں دیکھے گا۔ میری یہ خواہش ضرور تھی کہ یوسف اچھے نمبروں سے ایم۔ اے کرلے اور انشاء اللہ میری یہ خواہش ضرور پوری ہو جائے گی ـــــ خاں صاحب! ہر باپ کی طرح میں بھی اپنے بیٹے کے لئے یہی دعا کرتا ہوں کہ اس کی ہر خواہش پوری ہو لیکن ایک بات مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں نے کتابوں سے کسی کو فراغت کی روزی حاصل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

احمد خان نے کہا۔ "سائیں یوسف ہم سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہے کہ فراغت سے روزی دینے والی کتابیں کیسی ہوتی ہیں۔ شاید اس نے ایسی کتابیں پڑھی بھی ہوں۔ جو ہم نے نہیں پڑھیں۔ اور پھر اگر خدانخواستہ کبھی خود اس نے یہ سمجھا کہ وہ غلطی پر تھا۔ تو پھر یہ بیوقوف تو نہیں ہے۔ کہ ایک غلط راستے پر بلاوجہ چلتا رہے۔ آپ اس کے والد ہیں۔ اس لئے آپ کو اس کے لئے دعا ہی کرنی چاہیئے۔"

عبدالرحیم اپنے دل میں ایک تلخ گھونٹ پی کر رہ گئے اور بولے: "ہاں خان صاحب آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ میں دعا کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔"

احمد خان نے پوچھا۔ "آپ کی گاڑی کتنے بجے جاتی ہے؟"

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ "جناب ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ یہ کھانا کھا کر آرام سے گاڑی پر سوار ہو جائیں گے۔"

احمد خان نے کہا۔ "میاں صاحب ہم سب آپ کو رخصت کرنے جائیں گے۔"

"نہیں جی بالکل نہیں۔ میں تو عبدالعزیز خاں صاحب کو بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ چونکہ میرے ساتھ لاہور تک جا رہے ہیں۔ اس لئے میں انہیں روک نہیں سکتا۔ میں اور عبدالکریم صاحب کھانا کھاتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔ عبدالعزیز صاحب نے کار کا انتظام کر رکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یوسف نے دو تین دن کی چھٹی لی ہے اس لئے میں اسے یہیں سے خدا حافظ کہوں گا۔ تاکہ یہ اپنا کام شروع کردے ـــــ بیٹا کبھی کبھی خط لکھ دیا کرنا۔ ورنہ مجھے یہ اطمینان ہے کہ عبدالکریم صاحب کبھی کبھی فون کرتے رہیں گے اور مجھے تمہاری خیریت کی اطلاع ملتی رہا کرے گی۔ میری بہو اور اس کے والدین کے اصرار پر امینہ چند دنوں کے لئے رک گئی ہے۔"

یہ کہہ کر عبدالرحیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے خان صاحب، ان کے بیٹے خان محمد اور منظور سے مصافحہ کیا۔ جب یوسف کی باری آئی تو وہ باپ سے لپٹ گیا اور بولا:

"اباجی میں نے جو گستاخیاں کی ہیں۔ اس کے لئے میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

باپ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "بیٹا مجھے کبھی کبھی اس بات پر بھی غصہ آتا ہے کہ تم نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ اور میں اس بات پر بھی پریشان ہو جاتا ہوں کہ میں تم سے کیوں ناراض ہوتا تھا۔ دیکھو اب میں بوڑھا بھی تو ہو چکا ہوں ناں۔"

"اباجی آپ ہی تو یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ اچھے بیٹوں کے والدین کبھی بوڑھے نہیں ہوتے میں نیک نیتی سے کوشش کروں گا۔ کہ آپ مجھے اچھا سمجھنے لگ جائیں۔"

وہ چلے گئے۔ اور یوسف کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ اسے اپنے دل کی کیفیت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔

احمد خان نے کہا: "یوسف بھائی اگر آپ اسی طرح سوچتے رہے تو یہ دن بہت لمبا ہو جائے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ کچھ دیر کے لئے اپنے عزیزوں سے مل آئیں آخر آپ کا نکاح بھی تو ہو چکا ہے نا؟"

"خان صاحب میں وہاں ہر وقت جا سکتا ہوں۔ اس وقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے فوراً اپنے کام میں مصروف ہو جانا چاہیئے اور منظور صاحب میری مدد کریں گے۔ خان محمد! آپ اپنی کتابیں نکال کر پانچ منٹ کے اندر اندر تیار ہو جائیں۔ میں اور منظور صاحب آپ کے کمرے میں آتے ہیں۔"

احمد خان نے کہا: "یوسف بھائی اگر اجازت ہو تو میں بھی وہاں خاموشی سے ایک طرف بیٹھ جاؤں؟"

یوسف نے کہا: "خان صاحب ضرور آئیے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے یوسف کی گفتگو سن رہے تھے وہ کہہ رہا تھا:

"دیکھو خان محمد! پچھلے دنوں آپ کا جو وقت ضائع ہوا ہے۔ اس کی تلافی کے

لئے ہمیں چند روز زیادہ کام کرنا پڑے گا۔ آج دو گھنٹے آپ کو حساب، ڈیڑھ گھنٹہ انگریزی ایک گھنٹہ تاریخ اور جغرافیہ پر صرف کرنا ہوگا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آپ کو چار گھنٹے آرام کرنے یا اپنی مرضی سے کچھ پڑھنے کے لئے دیئے جائیں گے۔ شام کو چائے پر میں تمہارے سوالات کا جواب دیا کروں گا۔ تمہارے ذہن میں جو سوال آئیں۔ وہ مجھ سے پوچھا کرو۔ خواہ وہ تاریخ کے متعلق ہوں یا جغرافیہ اور دین کے متعلق ہوں۔ جو الجھن تمہارے دماغ میں ہوا کرے۔ اسے بلاتکلف بیان کیا کرو۔ جو شخص شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے لئے علم کے دروازے نہیں کھلتے ہیں۔ یہ زمین۔ یہ فضا، یہ ہوائیں، یہ پہاڑ، یہ ندیاں، یہ موسموں کے انقلاب یہ سب ایسی چیزیں ہیں۔ جن کا علم کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اور حقیقی علم ہمیں اس خالق اکبر کی طرف لے جاتا ہے۔ جس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں اور بڑی سے بڑی چیزیں تمہارے لئے علوم کے خزانے رکھتی ہیں۔ تم جتنا پڑھو گے اسی قدر محسوس کرو گے کہ تم نے بہت پڑھنا ہے۔ اور علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم اٹھتے بیٹھتے بھی مجھ سے پوچھتے رہا کرو۔ اور پھر تمہاری ذہانت ان لوگوں کی طرف تمہاری راہنمائی کرے گی۔ جو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ تم عام لوگوں کے ساتھ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ بات کیا کرو گے۔ جس طرح آج میں تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ یہ قدرت کا ایک اتفاق تھا۔ کہ تمہارے اباجان سے میری ملاقات ہو گئی۔ اور انہیں میری کوئی بات پسند آ گئی تھی۔ اور پھر ہم ایک دوسرے سے قریب آ گئے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔"

احمد خان نے کہا: "بھئی اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں بھی آپ سے بہت کچھ سیکھوں گا۔ مجھے بھی ابھی بہت کچھ جاننے کی ضرورت ہے۔ اب آپ خان محمد کو کچھ پڑھا لیں اور اس کے بعد میری خواہش ہے کہ آپ کچھ وقت اطمینان سے اپنے سسرال

کے ہاں گزاریں۔ انہیں یہ احساس نہیں ہونا چاہیئے کہ صاحب زادہ کسی کام میں جُتا ہُوا ہے۔"

یوسف نے ہنستے ہُوئے کہا: "خان صاحب، وہ لوگ جس قدر مجھے جانتے ہیں۔ اسی قدر آپ کو جانتے ہیں اور آپ کو میرا بڑا بھائی سمجھتے ہیں۔"

احمد خان نے کہا: "اچھا تو بھائی آپ کچھ دیر خان محمد کو حساب اور انگریزی وغیرہ پڑھائیں اور کھانا کھاتے ہی وہاں سے ہو آئیں۔ آج آپ کو اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کرنا چاہیئے۔"

منظور احمد نے کہا: "خان صاحب میرا خیال ہے کہ یہ ابھی وہاں جائیں اور کھانا وہیں کھائیں۔ تو انہیں زیادہ خوشی ہوگی۔ خان محمد کو میں پڑھاؤں گا۔"

"یہ بالکل ٹھیک ہے۔ بھائی یوسف تم جاؤ۔ لیکن ٹھہرو۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ اور وہاں سے چند نوٹ لا کر یوسف کو پیش کرتے ہُوئے بولا:

"بھئی یہ بات مجھے بہت پہلے سوچنی چاہیئے تھی۔ یہ سات سو روپیہ تمہیں ادھار دے رہا ہوں۔ یہ تھوڑا تھوڑا کر کے تمہاری تنخواہ سے کٹتا رہے گا۔ ایسے موقعوں پر آپ کی جیب خالی نہیں رہنی چاہیئے۔"

یوسف نے جواب دیا: "خان صاحب شکریہ، لیکن میری جیب خالی نہیں ہے رات اباجی نے مجھے پانچ سو روپے دیئے تھے اور یہاں جو پیسے تقسیم ہونے تھے وہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کر دیئے تھے۔"

احمد خان نے کہا: "بھائی پھر بھی یہ اپنے پاس رکھو۔ اگر مجھے ضرورت پڑ گئی تو میں تم سے لے لوں گا۔ یہ روپے میرے پاس فالتو ہیں اور اسی مقصد کے لئے رکھے ہوئے تھے کہ جب تمہیں ضرورت پڑے گی تو کام آئیں گے۔"

یوسف نے نوٹ پکڑ کر اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لئے اور کچھ دیر تذبذب

کی حالت میں کھڑا رہا ——

"سائیں اب جاؤ ناں!"

یوسف نے ہنستے ہوئے "اچھا جی السلام علیکم" کہا اور وہاں سے چل دیا۔

سڑک پر اس کے قدموں کی رفتار اور دل کی دھڑکن ہر لحظہ تیز ہو رہی تھی۔ پھر گھر کے قریب اُس کی رفتار اچانک سست ہو گئی اور وہ آگے بڑھتے ہوئے ایک جھجک سی محسوس کر رہا تھا۔ برآمدے میں اسے نسرین دکھائی دی۔ اور اس نے ہنستے ہوتے کہا۔

"بھائی جان یہی گھر ہے۔" اور بھاگتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

یوسف نے کہا: "خدا کا شکر ہے کہ تم نظر آگئیں۔ ورنہ میں سمجھا تھا کہ میں کسی اور جگہ آگیا ہوں۔"

"واہ بھائی جان۔ اتنے بھولے بھی نہیں ہیں آپ۔ آپ یہ دیکھ کر پریشان ہوئے ہوں گے۔ کہ گھر میں رونق کیوں نہیں۔ بات یہ ہوئی کہ وہ سب چچا عبدالعزیز آپ کے اباجان اور امینہ باجی کے اباجان کے ساتھ چلے گئے ہیں۔ وہ انہیں اسٹیشن سے رخصت کر کے دہرہ دُون میں اپنے گھر چلے جائیں گے۔ امّی جان باورچی خانے میں ہیں چچی جان بھی وہیں تھیں۔ اب وہ نانی جان سے باتیں کر رہی ہیں۔ اور —؟"

یوسف اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ نسرین نے قدرے توقف کے بعد کہا: "آپا فہمیدہ اور آپا امینہ اسی کمرے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپ دبے پاؤں ان کے کمرے میں جائیں۔ اور پھر دیکھیں وہ کیا کرتی ہیں۔ ایسی خاموش ہو جائیں گی جیسے کبھی بولی ہی نہیں —— بھائی جان آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ کہ وہ دونوں گھنٹوں باتیں کرتی رہتی ہیں۔"

"نسرین یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں پہلے ماں جی، چچی اور تمہاری امّی کو سلام کر آؤں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے بھائی جان ۔ دیکھئے امی جان تو خود ہی آگئیں۔"

یوسف نے السلام علیکم کہا اور صفیہ دعائیں دیتی ہوئی اسے اپنے ساتھ نانی اماں اور بلقیس کے پاس لے گئی۔ نانی نے اٹھ کر پیار سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا:

"بیٹا تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"ہاں جی میں غائب تو نہیں ہوا تھا۔ چچی جان کو معلوم ہے کہ میں یہاں پاس ہی ایک جگہ رہتا ہوں۔ جب آپ کا حکم ملا کرے گا۔ میں بھاگ آیا کروں گا۔"

بیگم احمد نے کہا: "ارے بیٹا زندگی کی مجبوریوں کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ میں تمہیں پل بھر کے لئے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم فہمیدہ سے ملے ہو؟"

"جی میں سب سے پہلے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"بیٹا یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔ تمہیں گھر آکر سب سے پہلے فہمیدہ کے متعلق پوچھنا چاہیئے تھا۔ اسے شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ تم یہاں ہو، یا اپنے ابا جی کے ساتھ واپس چلے گئے ہو۔"

بلقیس نے جواب دیا۔ "خالہ جان، یوسف کے متعلق مجھے یہ اطمینان ہے کہ یہ کوئی کام کرنے سے پہلے کئی بار فہمیدہ سے پوچھا کرے گا۔"

"بیٹی ایسا آدمی تو بڑا اُلّو ہوتا ہے، اور میرا بیٹا یوسف قطعاً ایسا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں اہم معاملات میں ایک دوسرے کا مشورہ لیا کریں گے۔ حکم چلانے کی نہ میری بیٹی فہمیدہ کو عادت ہے۔ نہ یوسف کو۔"

یوسف نے کہا: "ہاں جی، ہمیں ہمیشہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت رہے گی۔"

"بیٹا میں جن کے ساتھ پیار کرتی ہوں ان کے لئے ہر سانس کے ساتھ دعا کرتی

ہوں۔ اور شاید تمہیں اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم اور فہمیدہ مجھے کتنے پیارے ہو۔"

"اور میں نانی جان!" نسرین نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ارے تم تو میری آنکھوں کا نور ہو۔"

صفیہ نے کہا: "بیٹا تمہاری منہ بولی بہن بہت اداس تھی۔ میں کھانا لگوا رہی ہوں تم ان دونوں کو لے کر کھانے کے کمرے میں آجاؤ۔"

بلقیس نے کہا۔ "ہاں بیٹا جاؤ۔"

نسرین دبے پاؤں یوسف کے آگے آگے چل دی۔ اس نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور کہا: "معزز خواتین! دیکھئے کون آیا ہے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئیں۔ فہمیدہ نے گردن جھکا لی اور امینہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

یوسف نے امینہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "امینہ بہن آپ اُداس تو نہیں ہوئیں؟"

اُس نے جواب دیا: "نہیں بھائی جان، فہمیدہ کے پاس بیٹھ کر کون اداس ہو سکتا ہے۔ میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں کہ مجھے اس کی طرف دیکھنے اور اس کی میٹھی میٹھی باتیں سننے کے سوا کوئی اور کام نہیں ہونا چاہیئے۔"

یوسف نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی بہن سے یہی توقع تھی۔ شاید چچی جان نے فہمیدہ کو بتا دیا ہوگا۔ کہ آپ میرا کتنا خیال رکھتی تھیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "جی انہوں نے بھی کچھ بتایا ہے۔ لیکن جو باتیں آپ سے متعلق ہیں وہ میں بار بار سننا چاہتی ہوں۔ ان سے بھی اور آپ سے بھی۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "فرصت کے وقت میں گذرے ہوئے ایام کے متعلق باتیں کرتے ہوئے تھکاوٹ محسوس نہیں کیا کروں گا۔ لیکن آج سے میں اپنے کام میں

مصروف ہو جاؤں گا۔ اور جو مسودے آپ کے پاس ہیں۔ وہ میں کبھی کبھی آ کر پڑھ لیا
کروں گا۔ میں انشاء اللہ آئندہ دو تین ماہ کے اندر اندر اپنی وہ تصنیف جو اس دنیا سے
مجھے متعارف کروائے گی۔ لکھ لوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسری کتاب لکھنا شروع
کر دوں گا۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں۔ کہ پہلی تصنیف کے اختتام پر جس قدر مجھے خوشی ہوگی
اسی قدر مجھے اس کی اشاعت کے لیئے دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو ناشر نئے
مصنفوں سے گھبراتے ہیں۔ وہ بہترین کتاب کے لیئے بھی یہ عذر پیش کریں گے۔ کہ
جنگ کی وجہ سے کاغذ نایاب ہو چکا ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ جنگ کے
اختتام کے بعد بھی کافی عرصہ یہی حالت رہے گی۔"

فہمیدہ بولی۔ "آپ اس بات پر کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ آپ اطمینان سے
لکھتے رہیں۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ جب آپ کی پہلی کتاب شائع ہوگی
تو اس کے بعد آپ کے لیئے کامیابی کے تمام راستے کھل جائیں گے۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ میں اس بات سے بہت ڈرتا ہوں کہ چند سال بعد بھی
صرف میری رفیقۂ حیات ہی مجھے کامیاب مصنف کی حیثیت سے جانتی ہو۔ اور
باقی دنیا میرا اس قدر مذاق اڑاتی ہو۔ کہ آپ بھی میری دماغی حالت پر شک کرنے لگیں۔"

فہمیدہ نے پہلی بار اس کی طرف غور سے دیکھا اور کہا۔ "آپ میری طرف دیکھ کر
یہ بات کہہ سکتے ہیں؟"

"نہیں۔ لیکن اس بات سے مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے کہ میری یہ پہلی منزل
کہیں اتنی دور نہ چلی جائے کہ میرے ساتھ چلتے ہوئے آپ کے پاؤں زخمی
ہو جائیں۔"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا: "میں ان زخموں کو بھی قدرت کا ایک عطیہ سمجھوں
گی۔ کیوں امینہ؟ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

"بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی۔ کہ آپ میں
سے کسی کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔ کاش! اللہ مجھے اتنی ہمت دیتا کہ میں آپ کے
اور بھائی جان کے راستے کا ہر کانٹا مسل سکتی۔"

صفیہ کی آواز سنائی دی۔

"یوسف بیٹے آؤ۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

چند ثانیئے بعد وہ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بیگم احمد کہہ رہی تھیں۔ "بیٹے
میں تم میں سے کسی کے چہرے پر خوشی نہیں دیکھ رہی۔ میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تم کسی
سنجیدہ موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "ہاں جی میں کل سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے اب
سنجیدہ ہو جانا چاہیئے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، لیکن جو مسکراہٹیں لوگوں کے چہرے خوب صورت بنا
دیتی ہیں۔ وہ بھی قدرت کا ایک عطیہ ہوتی ہیں۔ ہمیں اس کی بھی قدر کرنی چاہیئے۔"

"ہاں جی۔ آپ بالکل درست فرماتی ہیں۔ فہمیدہ تو چہرے کو جس طرح بھی بنائے
مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن میں اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کروں گا۔"

بیگم احمد نے خوش ہو کر کہا۔ "بیٹا خدا تمہیں خوش رکھے۔ اب اطمینان سے کھانا
کھاؤ۔ اور ہمیں کوئی دلچسپ بات سناؤ۔"

نسرین نے کہا۔ "نانی جان ہم نے تو آپا فہمیدہ کو اور بھائی جان کو بہت اطمینان
دلایا ہے کہ اب چوہنج کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اطمینان نہیں
ہوا۔ کبھی کبھی یہ مغموم ہو جاتے ہیں۔"

"ارے وہ چوہنج کون ہے؟" بیگم احمد نے پوچھا۔

نسرین بولی۔ "نانی جان وہ چھوٹے چچا کا دوست جس نے ہمیں اتنا پریشان کیا تھا

میں نے اس کی تصویر دیکھتے ہی اس کا نام چوپنج رکھ دیا تھا۔"

بیگم احمد نے صفیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹی تم نے ان کو یہ نہیں بتایا کہ فہمیدہ کے ابا اور چچا کیا پروگرام بنا کر دہرہ دون گئے ہیں ؟"

"امی جان مجھے موقع نہیں ملا۔ اور میں نہیں سمجھتی تھی کہ ان کو کوئی پریشانی ہے۔ جس کو دور کرنے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے۔"

نسرین نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "امی جان، پریشان تو ہیں یہ آپ نے ان کو تسلی دینے کے لئے کہا بھی تو کچھ نہیں۔"

صفیہ نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا: بیٹا! فہمیدہ کے اباجان اور چچا نے میجر صاحب کے ساتھ یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد ان کے گھر سے لندن میں اپنے چھوٹے بھائی کو فون کریں گے اور اسے یہ بتائیں گے۔ کہ کل ایک شریف خاندان کے لڑکے کے ساتھ فہمیدہ کا نکاح ہو چکا ہے۔ اور میجر صاحب اس بات پر خوشی کا اظہار کریں گے۔"

نسرین نے کہا: "امی جان چھوٹے چچا کو یہ نہیں بتایا جائے گا۔ کہ اب چوپنج صاحب کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ؟"

بلقیس نے کہا۔ "بیٹی اب اس کے ساتھ تمہاری عداوت ختم ہو جانی چاہیئے۔ اگر وہ کبھی تمہارے چھوٹے چچا کے دوست کی حیثیت سے یہاں آیا تو تمہیں اس کی عزت کرنی پڑے گی۔"

"چچی جان! اگر وہ نیک نیتی سے آیا۔ تو میرا دل بھی صاف ہو جائے گا، لیکن اگر میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ بھائی جان سے کینہ رکھتا ہے تو میں اسے قابلِ معافی نہیں سمجھوں گی۔ میں چچا جان کو بھی معاف نہیں کروں گی۔"

عشاء کی نماز کے فوراً بعد یوسف نے احمد خان، خان محمد اور منظور کے ساتھ کھانا کھایا اور اٹھتے ہوئے کہا: خان صاحب مجھے اجازت دیجئے آج سے میرا لکھنے کا کام پوری رفتار سے شروع ہو جائیگا۔ اور آئندہ دو تین ماہ کے لئے میں کبھی سویا ہوا بھی ہوں تو آپ مجھے وقت پر اٹھا دیا کریں۔ ورنہ جتنی دیر سے میں اٹھا کروں گا۔ اتنی دیر زیادہ مجھے جاگنا پڑیگا"

"بھئی یہ خان محمد کی ڈیوٹی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ دو گھنٹے کے بعد میں تمہیں کافی بھجوا دوں ؟"

"اچھا جی، نوکر سے کہہ دیں کہ سونے سے پہلے مجھے کافی دے جائے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف کے سامنے تپائی پر اس کا قلم اور لکھنے کے کاغذ پڑے ہوتے تھے۔ اور وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا تھا۔

"میرے اللہ جو کام میں شروع کر رہا ہوں۔ اس کے لئے تجھ سے ہمت اور برکت کا طلب گار ہوں۔"

اور پھر اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کر دیا۔ ایک ناول کا پورا پلاٹ اس کے ذہن میں تھا۔ اور سفید اور چکنے کاغذ پر جو اس نے تین ماہ قبل لاہور سے اپنی کتب کے مسودہ کے لئے خریدا تھا اس کا قلم نہایت روانی سے چل رہا تھا۔ جب اس نے کچھ تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا تو دو بج چکے تھے اور منظور اپنے بستر پر آرام سے سو رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ تپائی پر کافی کی پیالی پڑی تھی۔ جو ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ منظور کمرے میں کب آیا ہے۔ اور نوکر کافی کب رکھ گیا تھا۔ اس نے ٹھنڈی کافی کی بجائے میز پر رکھے ہوئے جگ میں سے پانی کا ایک گلاس بھر کر پیا۔ اور چند منٹ سوچنے کے بعد پھر لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ تو اس نے قلم رکھ دیا۔ اٹھ کر وضو کیا اور لان

میں جائے نماز بچھا کر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھا، تو احمد خان نے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"یوسف صاحب آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں"۔

"خان صاحب جب مجھ پر لکھنے کا موڈ طاری ہوتا ہے تو وقت گزرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ منظور صاحب کب آ کر سو گئے تھے اور نوکر کس وقت کافی رکھ گیا تھا"۔

احمد خان نے کہا۔ "بھائی یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ فوراً اپنے بستر پر لیٹ جائیں اور جی بھر کر سوئیں۔ آپ کے کمرے میں کوئی نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے کہ میں منظور صاحب کو یہ بتا دوں کہ وہ چپکے سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آجائیں۔ اور آپ کی نیند خراب نہ کریں"۔

"جی اسے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اسے میری تمام اچھی اور بُری عادات معلوم ہیں"۔

"اچھا بھئی اب جا کر سو جاؤ"۔

یوسف جا کر بستر پر لیٹ گیا اور چند منٹ بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

صبح ناشتہ پر احمد خاں، خان محمد سے کہہ رہا تھا۔ "بیٹا! جن لوگوں نے دنیا میں کچھ پایا ہوتا ہے۔ وہ اسی طرح کام کرتے ہیں، منظور صاحب آپ اپنے دوست کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا یہ اسی طرح ساری ساری رات کام کیا کرتے ہیں؟"

"خان صاحب یہ ان کے موڈ پر منحصر ہے۔ اگر موڈ ہو تو وہ کئی راتیں اسی طرح جاگ سکتے ہیں۔ اگر موڈ نہ ہو تو وہ کئی دن پہاڑوں میں گھومتے رہیں گے۔ یا اُن کی دلچسپیاں گھوڑے کی سواری تیرنے اور کشتی رانی تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ کبھی پڑھنے کا جنون طاری ہوتا ہے۔ تو یہ بڑی بڑی کتابیں اٹھاتے ہیں۔ اور دن رات پڑھنے میں گزار دیتے ہیں"۔

"خدا کا شکر ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود ان کی صحت بہت اچھی ہے"۔

"خاں صاحب صحت کا راز تو خوش رہنے میں ہے۔ اور یوسف صاحب ہمیشہ خوش

رہتے ہیں۔ ان کے اوپر سے پہاڑ گزر جائے تو بھی یہ کسی کو احساس نہیں ہونے دیتے کہ انہیں کوئی تکلیف ہو رہی ہے۔ خاں صاحب ایک اور عجیب چیز جو میں نے اِن میں دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے دِل میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جو خطرے سے بھاگنے کی بجائے۔ خطرہ کا سامنا کرنے کے لئے بھاگتے ہیں"۔

"ارے بھائی یہ تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ بیٹا خان محمد۔ تم نے اپنے استاد سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اگر تم میں یوسف کی ایک خوبی بھی پیدا ہو گئی۔ تو بھی میں تم پر فخر کروں گا"۔

منظور نے کہا۔ "خان صاحب، یوسف صاحب کی وجہ سے کئی جوانوں کی زندگی میں انقلاب آیا ہے۔ میں اس بات کا گواہ ہوں۔ کیونکہ میرے اندر اگر کوئی اچھائی پیدا ہوئی ہے تو وہ ان کی وجہ سے ہے۔ اور خان محمد تو ابھی بچہ ہے۔ انشاء اللہ یہ یوسف صاحب سے اِتنا ضرور سیکھے گا۔ جتنا کہ ایک چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی سے سیکھ سکتا ہے"۔

احمد خان نے کہا۔ "بھئی میں تو کوہِ مردار کے بھیڑیوں کا شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے یوسف صاحب میرے دل کے اتنا قریب آ گئے"۔

منظور کے استفسار پر احمد خان نے کوہِ مردار کی سیر کا واقعہ سنانا شروع کر دیا ——— اور اختتام پر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاید تم میں سے کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اپنے سسرال سے ان کے خاندان کا تعلق اسی واقعہ سے پیدا ہوا تھا"۔

"خاں صاحب یہ مجھے معلوم ہے۔ کہ اُن کے خاندان کی ایک بزرگ خاتون اور اس کی کمسن نواسی نے اِن کے ساتھ کوئٹہ سے سفر کیا تھا۔ یوسف صاحب نے ان کا ایڈریس لکھوا کر اپنے بیگ میں رکھا ہوا تھا۔ اَمرت سَر سے انہوں نے گاڑی، " کہ لیے سوٹ کیس اتارا اور بیگ بھول گئے۔ انہیں اس وقت یاد آیا۔ جب میں اسٹیشن پر اُن سے

بغل گیر ہو رہا تھا۔ اور گاڑی کے پہیے حرکت میں آ چکے تھے۔ اگر میری گرفت زیادہ مضبوط نہ ہوتی تو شاید بھاگ کر وہ اپنا بیگ پکڑ لیتے۔ لیکن میں نے انہیں موقع نہ دیا۔"

"پھر ناراض تو وہ بہت ہوئے ہوں گے تم سے؟"

"جی بس لعن طعن کر کے خاموش ہو گئے تھے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھ سے کوئی حماقت ہو رہی ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "یار مجھے افسوس ہے کہ میں یوسف کا کلاس فیلو نہیں ہوں اور اسے قریب سے نہیں دیکھ سکا۔"

"خان صاحب آپ کو انہیں قریب سے دیکھنے کا جو موقع ملے گا۔ وہ شاید اور کسی کو نہ ملے۔ ایک بات اور کہوں کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کو خوش کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وہ آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔"

"بھئی منظور، تم یقین نہیں کرو گے۔ لیکن میں نے اُسے پہلے دن دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اس کے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ اس کی رگوں میں شریف خون ہے اور جس آدمی کی رگوں میں شریف خون ہو۔ وہ ہمیشہ اُن لوگوں کی عزت کرتا ہے۔ جو اُس سے پیار کرتے ہوں۔"

احمد خاں نے باورچی کو بلا کر کہا۔ "بھئی اب کھانا ذرا پہلے تیار کر لیا کرو۔ یوسف صاحب کے لئے ہمیں اپنا کھانے کا وقت تبدیل کرنا پڑے گا ــــ کیوں منظور صاحب ٹھیک ہے ناں؟"

"جی ہاں، وہ اٹھتے ہی غسل کریں گے۔ اور اس کے بعد اگر کھانا تیار ہوا تو یہ اچھی بات ہو گی۔ جب وہ کام میں مصروف ہوتے ہیں تو دیر سے اٹھنے کی وجہ سے ناشتے کی بجائے کھانا کھا لیا کرتے ہیں۔ اور پھر ان کے ذہن میں کسی لمبی سیر کا پروگرام ہوا کرتا ہے ــــ بھائی خان محمد، آپ کو لمبی سیر کا بڑا شوق ہے اور آپ کو عملی تجربہ ہو جائے گا کہ سیر کیا ہوتی ہے۔"

احمد خاں نے کہا: "بھئی میں بھی جاؤں گا۔ صرف ایک خرابی ہے۔ کہ یہ زیادہ تیز چلنے والے لوگ راستے میں کسی سے بات نہیں کیا کرتے۔ اور اگر کوئی ہمارے ساتھ بات نہ کرے تو ہمیں بڑی اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے۔"

"خان صاحب یہ کمی میں پوری کر دیا کروں گا۔ ہم یوسف صاحب سے پوچھ لیا کریں گے۔ کہ ہم نے کس طرف جانا ہے اور میں ان کے پیچھے آپ کی رفتار کا ساتھ دیا کروں گا۔ اور اگر یوسف صاحب اور خان محمد بہت آگے نکل جایا کریں گے۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ وہ ہمیں واپسی پر مل جایا کریں گے۔"

"یار یہ ٹھیک رہے گا۔ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بہت ہی پیچھے رہ جایا کریں گے۔ چند دن مشق کے بعد میں لمبی سیر کا عادی ہو جاؤں گا۔ ہاں بھئی دہرہ دُون سے ایک دوست نے شکار کی دعوت دی ہے۔ اگر یوسف کو شیر کے شکار کا شوق ہو تو وہ سارا انتظام کروا دیں گے۔"

عزائم اور حوصلے

کتاب لکھنے میں یوسف کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ پانچ دن تک وہ فہمیدہ کے گھر بھی نہ جا سکا۔ چھٹے روز وہ حسبِ معمول دیر سے بیدار ہوا۔ تو امینہ کا نوکر فضل دین اور اس کے ساتھ فہمیدہ کا بھائی ظہیر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ خان محمد نے کہا۔ "یہ صبح سے آئے ہوئے ہیں۔ اور انہیں یہ پریشانی تھی کہ شائد آپ کی صحت خراب ہے۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر ظہیر سے مصافحہ کرتے ہوئے پیار سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بھئی، تم نے اندر آکر مجھے جگا لیا ہوتا۔"

ظہیر نے کہا۔ "مجھے آتے ہی معلوم ہوا تھا کہ آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں۔"

"گھر میں سب بخیریت ہیں ناں؟"

"جی ہاں، ابا جان آپ کا پتہ کرنے آ رہے تھے، لیکن نانی جان نے کہا۔ تم جاؤ اور ان کو ساتھ لے کر آؤ۔"

"بھئی، اگر نانی جان کا حکم تھا۔ پھر تو تمہیں ضرور جگا دینا چاہیئے تھا۔"

"نہیں جی، اگر نانی جان کو یہ پتہ چلتا کہ آپ ساری رات لکھتے رہے ہیں۔ اور میں نے آپ کو جگا دیا ہے تو میری شامت آجاتی۔"

"بھئی، مجھ سے وہ سب بہت ناراض ہوں گے۔ مجھے اب ہر ایک سے معافی مانگنی پڑے گی۔"

"نہیں بھائی جان! ناراض ہونے کی تو کوئی بات نہیں۔ دو دن آپ نہیں آئے تھے۔

تو ہم نے فضل دین کو بھیج دیا تھا۔ اور وہ آپ کے نوکر سے پتہ کر کے واپس آگیا تھا کہ آپ دیر تک کام کیا کرتے ہیں اور دیر سے اٹھا کرتے ہیں۔ فضل دین ہر روز کسی نہ کسی وقت آپ کے نوکر سے پوچھ جایا کرتا تھا۔ پھر بھی نانی جان کو یہ شک ہو گیا تھا کہ آپ کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔"

احمد خان نے کہا۔ "یوسف صاحب آپ نے بھی کمال کیا ہے۔ آپ کو دن میں ایک مرتبہ تو ضرور وہاں جانا چاہیئے تھا۔ اب آپ جلدی سے کھانا کھا لیجیئے اور ان کے ساتھ روانہ ہو جائیے۔ اور ان کی نانی جان سے کہیئے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

نوکر نے کھانا لا کر رکھ دیا اور یوسف نے کہا:

"آؤ ظہیر۔"

"جی میں اس وقت تو کچھ بھی نہیں کھاؤں گا۔" ——— اس نے جواب دیا۔ "اور شاید آپ نے تو ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔ آپ اس وقت کچھ کھا لیں اور دوپہر کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں۔ گھر میں ابا جان کے جانے سے پہلے سیر کا پروگرام بن رہا تھا۔"

یوسف نے چند نوالے کھانے کے بعد پانی پیا اور اٹھتے ہوئے کہا۔ "خان صاحب میں وہاں سے ہو آؤں۔ منظور صاحب اگر آپ کے لیئے کوئی پیغام ہوا تو میں فضل دین کو بھیج دوں گا۔"

وہ ان کے ساتھ کمرے سے نکلا، لیکن صحن میں پہنچ کر بولا "ظہیر! بھئی ایک منٹ ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ بھاگتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اخبار کے اندر لپٹے ہوئے کاغذات تھے۔ اس نے چلتے ہوئے فضل دین سے کہا: "فضل دین آج میں تمہیں پیسے دوں گا۔ مجھے ان کاغذوں کے لئے ایک ہینڈ بیگ کی ضرورت ہے۔ شاید یہاں کسی دکاندار سے مل جائے۔"

ظہیر نے کہا: "جی اگر یہاں سے نہ ملا تو دہرہ دون سے مل جائے گا۔ یا کسی دکاندار سے کہہ کر منگوا لیا جائے گا۔ ورنہ کوئی نہ کوئی وہاں جاتا رہتا ہے۔"

وہ مکان کے اندر داخل ہوئے تو فہمیدہ، امینہ اور نسرین برآمدے میں دکھائی دیں نسرین نے اٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان آپ نے بہت پریشان کیا۔ اور ظہیر کے متعلق تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں عقل کی تھوڑی کمی ہے لیکن فضل دین کو کیا ہو گیا تھا۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ آپ نے کوئی اور ڈاکو پکڑ لیا ہے۔ اور فضل دین نے اسے باندھنا شروع کر دیا ہے۔"

"دیکھو نسرین، ان میں سے کسی کا بھی کوئی قصور نہیں۔ بات یہ ہوئی تھی۔ کہ میں نے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ صبح ہونے کو آتی ہے تو میں سویا کرتا ہوں۔ اب یہ فیصلہ تمہاری آپا جان بہتر کر سکتی ہیں۔ کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس کے بعد مجھے سونا چاہیئے یا نہیں۔ تم ان لوگوں کو قصوروار کہہ سکتی ہو۔ جنہوں نے تمہارے ایلچیوں کو مجھے جگانے کی اجازت نہیں دی۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے فہمیدہ ان کاغذات پر ایک نظر ڈال لیں۔ تو ان کا فیصلہ زیادہ درست ہو گا۔"

یہ کہتے ہوتے یوسف نے کاغذات کا بنڈل فہمیدہ کو پیش کر دیا۔

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا "میں پڑھے بغیر یہ کہہ سکتی ہوں۔ کہ اگر آپ ساری ساری رات لکھتے رہے ہیں۔ تو یقیناً کوئی اچھی چیز لکھ رہے ہوں گے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "خیال تو میرا بھی یہی ہے۔ لیکن پورا اطمینان مجھے اس وقت ہو گا۔ جب آپ اسے اچھی طرح پڑھ کر کوئی رائے قائم کریں گی اور اپنی بہن امینہ سے بھی میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں ان کا حال پوچھنے نہیں آسکا۔"

نسرین بولی۔ "اور بھائی جان مجھے یہ شکایت ہے کہ مجھے آپ ہمیشہ بھول جاتے ہیں آپ کو یہ خیال بھی نہیں آیا ہو گا۔ کہ میں ہر روز فضل دین کو آپ کی خیریت معلوم کرنے کے

لئے بھیجا کرتی تھی۔ اور پھر ان سب کو تسلی دیا کرتی تھی۔"

"اچھا نسرین پہلے مجھے نانی جان کے پاس لے چلو۔ اور ان سے میری سفارش کرو۔"

"بھائی جان میں سفارش کروں یا نہ کروں۔ وہ سخت غصہ کی حالت میں سو گئی ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ نیند کی حالت میں بھی آپ کی آواز سنیں گی تو دعائیں دیتی ہوئی اٹھیں گی بھائی جان پہلے میں یہ سمجھتی تھی ہمارے گھر میں سب سے زیادہ آپا فہمیدہ کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ آپ کے لئے زیادہ دعائیں کی جاتی ہیں۔"

نانی نے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "باتونی لڑکی" بیٹے کو اندر بھی آنے دو گی۔ یا باہر ہی اس کا مغز کھاتی رہو گی۔"

"دیکھا بھائی جان" نسرین نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کسی کی تعریف کرو تو اس سے یہ انعام ملتا ہے۔ بھائی جان جلدی جائیے نا اندر۔ ورنہ نانی جان مجھے باتونی سے کچھ اور بنا دیں گی۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نانی جان، میری ننھی بہن کو کچھ نہ کہا کریں۔ یہ بہت معصوم ہے اور آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔"

"شکریہ بھائی جان۔" نسرین مسکرائی۔

بیگم احمد ہنستی ہوئی یوسف کو لے کر اندر چلی گئیں۔ چند منٹ بعد صفیہ اور بلقیس بھی بیگم فریدہ احمد کے کمرے میں آ گئیں۔ نسرین نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"بھائی جان میں نے امی جان اور چچی جان کو بتا دیا ہے کہ آپ کتاب لکھنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ ساری رات لکھتے رہتے تھے اور دن کے وقت سوتے تھے۔ اس لئے یہاں نہ آسکے۔"

"تمہیں یہ کیسے خیال ہے کہ ہم نے انہیں لکھنے سے منع کیا تھا۔" بلقیس نے تلخ ہو کر کہا۔

یوسف نے کہا۔ "چچی جان جو کوتاہی مجھ سے ہوتی ہے۔ مجھے اس کا پورا احساس ہے

میں کسی دکان سے فون بھی کر سکتا تھا، لیکن مجھ پر کبھی کبھی ایسا مُوڈ طاری ہوتا ہے۔ جب میں بہت کچھ بھول جاتا ہوں۔ لیکن آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

بلقیس نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو یوسف آئندہ کے لئے یہ یاد رکھو کہ ایسا موڈ مجھ پر بھی طاری ہو سکتا ہے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "چچی جان یہ عجیب بات ہے۔ کہ آج میں نے گھر سے نکلتے ہی یہ محسوس کیا تھا۔ کہ میں آپ کا موڈ خراب کرنے کی غلطی کر چکا ہوں۔"

بلقیس ہنس پڑی۔ "بڑے نالائق ہو تم۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "چچی جان مجھے نالائق کہہ لیا کریں، لیکن اسی طرح مسکراتی رہا کریں۔ ماں جی سے پوچھ لیجیے کہ آپ مسکراتی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہیں۔"

بیگم احمد نے ہنستے ہوئے کہا "ہے تو یہ بات دُرست، لیکن چالاک بہت ہو تم، ہمیشہ اپنی بات منوا لیتے ہو۔"

"اچھی مائیں ہمیشہ بچوں کی بات مان لیتی ہیں۔"

نسرین نے کہا۔ "بھائی جان امی اور نانی جان بھی تھوڑی بہت ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بعد میری بات مان لیا کرتی ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بیٹا! یہ عجیب بات ہے کہ منظور کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اور ہمیں مل کر بھی نہیں گیا۔"

"چچی جان وہ غائب نہیں ہوا۔ میرے ساتھ رہتا ہے۔ اور چند دن یہیں رہے گا۔"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا! ہم سب یہاں سے واپسی کی تیاری کر رہے ہیں اور پرسوں اتوار کے روز مسوری کے باہر کسی ندی کے کنارے پکنک کا پروگرام بنا ہے۔ دہرہ دُون والے سب یہاں آئیں گے۔ وہ اس جگہ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔"

"جی میں وہ جگہ دیکھ آیا ہوں، غالباً اسے کیمپٹی فالز کہتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ وہاں آبشاریں ہوں گی۔ ایک دن میں سیر کرتے کرتے وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ یہ ندی ہے۔ جس کا پانی صاف تھا۔ اور جگہ جگہ بے تحاشا موٹے لوگ نہا رہے تھے۔ اور بعض کناروں پر بال بچوں کے ساتھ آم اور لیچیاں کھا رہے تھے۔ اور جگہ جگہ چھلکوں اور گٹھلیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے مکھیاں بھی کافی تھیں وہاں۔"

بلقیس نے کہا۔ "واللہ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ میری توبہ۔"

یوسف بولا۔ "ہم ایک اور طرف اسی قدر فاصلہ طے کر کے ایک ایسے پہاڑ تک پہنچ سکتے ہیں۔ جو بہت خوب صورت ہے۔ یہ کسی راجا کی ملکیت ہے۔ جو آٹھ آنہ پہاڑ کی سیر کرنے والوں سے لیتا ہے۔ اور یہی اس کا ذریعۂ آمدنی ہے۔"

بیگم احمد نے پوچھا۔ "اس بچارے کو اپنے پہاڑ کے راستوں کی نگرانی کے لئے کافی پہرے دار رکھنے پڑتے ہوں گے۔"

"ماں جی میں نے معلوم کیا تھا راجے کی فوج کی تعداد تین آدمیوں پر مشتمل ہے ایک آدمی کے پاس توڑے دار بندوق ہے جسے آپ کمانڈر انچیف کہہ سکتی ہیں اور دو کے پاس نیزے ہیں۔ پہاڑ اتنا خوب صورت ہے کہ میں جب چوٹی تک گھوم کر واپس آیا تو میں نے انہیں ایک روپیہ اور دیتے ہوئے کہا کہ بھئی یہ تمہارا انعام ہے۔ یہ آپس میں تقسیم کر لینا بڑا پہریدار دُور تک مجھے رخصت کرنے آیا تھا اور اس نے مجھے کہا، صاحب! آپ اگر بُرا نہ مانیں تو میری ایک درخواست ہے اور وہ یہ ہے کہ مسوری میں آپ اچھے لوگوں سے ملتے ہوں گے۔ اس پہاڑی کا نام "ہاتھی پاؤں" ہے۔ اگر آپ سیر کا شوق رکھنے والوں کو اس طرف کا راستہ دکھا دیا کریں تو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔" میرا خیال ہے کہ آپ وہاں جا کر بہت خوش ہوں گی۔ پہاڑ کے نیچے اور دامن میں دو تین صاف ستھری جگہوں پر لکڑی کے بنچ رکھے ہوئے ہیں۔ قریب ہی ایک جگہ چھوٹے سے چشمے سے پانی بھی مل جاتا ہے۔"

صفیہ نے کہا۔ "امی جان میرا خیال ہے کہ یہاں "دھرم سالہ" سے بہتر کوئی جگہ نہیں

ہے۔ وہاں پانی کے چشمے ہیں۔ اتنا ٹھنڈا پانی کہ ہم صرف ایک ایک گھونٹ کرکے پی سکتے ہیں۔ وہاں آبشاریں اور ندیاں ہیں۔ وہاں ہم تھوڑا سا چلنے کے بعد جھیل کے کنارے پہنچ جاتے ہیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی یہاں تو تمہیں دہرہ دون والوں کی وجہ سے آنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہاتھی پاؤں بھی ایک مذاق ہی ہوگا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان اگر آپ اس طرح سوچیں تو میں آپ کو صرف "کیمل بیک روڈ" پر صبح و شام گھومنے کے سوا کہیں اور جانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ مسوری مجھے اس لئے خوب صورت لگتا ہے کہ یہاں اچانک نسرین نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اور پھر خالہ جان اور آپ سب مجھے مل گئے تھے۔ ورنہ معلوم نہیں کہ میں کچھ عرصہ بعد کہاں پہنچ گیا ہوتا۔"

بیگم فریدہ احمد نے کہا۔ "بھئی جو لوگ دہرہ دون سے آتے ہیں ان سب کو اسی سڑک پر دو تین چکر لگوا دینا۔ ہم نہیں جاتے کسی پہاڑی پر۔ شہر سے باہر پہاڑیوں پر درندے بھی ہوتے ہیں ورنہ سانپ تو ضرور ہی ہوتے ہیں۔ کیا نام تھا وہ دوسری جگہ کا جہاں ندی بہتی ہے۔ وہاں بھی ہم نہیں جاتے۔ یہ بڑی توند والے بنیئے جہاں کھانے پینے کے لئے جاتے ہیں۔ وہاں ہیضہ کے جراثیم ضرور ساتھ لے جاتے ہیں۔ تم نے سنا نہیں کہ ہیضہ اور جگہ ہو یا نہ ہو "ہردوار" میں ضرور ہوتا ہے۔ یوسف بیٹا، کیا اچھا ہوتا کہ تم کانگڑہ جاتے اور ہم سب کو خط لکھ کر بلوا لیتے۔"

"ہاں جی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سب میرے خط پر پہنچ جائیں گے تو میں یہ خط لکھ کر روانہ ہوتا کہ میں کانگڑہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں۔ اگر کسی کو میری تلاش ہو تو وہ وہاں پہنچ جائے لیکن اُن دِنوں حالات نے مجھے اس قدر رنجیدہ بنا دیا تھا کہ اس قسم کی باتیں میرے ذہن میں نہیں آسکتی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے آپ سے رُوٹھ گیا تھا۔"

"ارے بیٹے! تم میرے پاس کیوں نہ آ گئے؟" بیگم احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماں جی، میں آپ کو اپنی پریشانیوں میں حصہ دار بنانا نہیں چاہتا تھا۔"

بلقیس نے کہا۔ "تو بیٹا پھر فیصلہ یہی ہے کہ دہرہ دون والے مہمانوں کے ساتھ یہیں آس پاس چکر لگالیں گے۔ اب تک تمہیں وہ سارے راستے معلوم ہوگئے ہوں گے جن پر مہمانوں کو جلد از جلد تھکایا جاسکتا ہے۔"

"جی یہ بالکل ٹھیک ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اُن کو آتے ہی ناشتہ وغیرہ کھلا کر سیر کے لئے لے چلیں گے۔ اور پھر انشاء اللہ دو گھنٹے کی سیر کے بعد اُن میں سے کوئی شام تک بھی بستر سے اٹھنا پسند نہیں کرے گا۔"

دوسرے کمرے سے امینہ نے نسرین کو آواز دی۔ وہ بھاگ کر گئی اور پھر چند منٹ بعد واپس آکر اپنی ماں کے کان میں کچھ کہہ کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی۔

صفیہ نے کہا۔ "بیٹی، جاؤ یوسف کو ابھی بھیجتے ہیں اور وہ چائے پیئے بغیر نہیں جائیں گے۔ اور دیکھو نوکر سے کہنا کہ یوسف کے لئے اچھی سی چائے بنا کر فہمیدہ کے کمرے میں لے جائے۔ فضل دین سے کہنا وہ ان کے لئے کباب بھی تیار کردے گا۔ اگر یوسف کا نام لو گی تو وہ بڑے اچھے کباب بنائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف دوسرے کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچا تو امینہ جو سامنے بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑی ہوگئی، لیکن فہمیدہ جو چمڑے کی ایک خوب صورت فائیل میں نتھی کئے ہوئے کاغذات دیکھنے میں منہمک تھی۔ اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ امینہ نے کہا۔ "فہمیدہ بہن! اگر کتاب لکھنے والا اچانک سامنے آجاتے۔ تو کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوجاتی؟ خصوصاً اس وقت جب کہ آپ ایک دفعہ اسے پڑھ بھی چکی ہوں۔"

فہمیدہ نے اچانک سر اٹھایا، یوسف کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہوئی اٹھی اور کہنے لگی "معاف کیجئے! میں کاغذات فائل میں لگانے کے بعد چیک کر رہی تھی۔ کہ مجھ سے

کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو۔ اور چیک کرتے کرتے بعض صفحات دوبارہ پڑھنا شروع کر دیتی تھی"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو پھر مجھے یہ اطمینان رکھنا چاہیئے۔ کہ میں نصف سے زیادہ کامیابی حاصل کر چکا ہوں "۔

فہمیدہ نے جواب دیا۔ "میں آپ کی کامیابی کے ساتھ نصف کا لفظ کبھی پسند نہیں کروں گی۔ میرے خیال میں اگر کامیابی توقع کے مطابق ہو۔ تو وہ سو فیصد ہوتی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناول کی دنیا میں آپ کی کامیابی آپ کی توقع اور اس کے ساتھ میری توقع سے بھی بہت زیادہ ہوگی۔ آپ لکھتے وقت شائع ہونے والی مشکلات کے متعلق نہ سوچا کریں۔ ظہیر جس دکان سے یہ فائل تلاش کر کے لایا تھا۔ میں نے اسے یہ پیغام بھیج دیا ہے کہ ہمیں اس قسم کی نصف درجن فائلیں اور چاہیئں۔ اگر اس سے بہتر ہوں تو بھی ہم خرید لیں گے۔ آئندہ آپ کا ہر مسودہ محفوظ رہنا چاہیئے۔ اور مجھے اُس وقت کا انتظار رہے گا۔ جب آپ کے لکھے ہوئے کاغذ کے ہر پرزے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا"۔

یوسف بولا۔ "فہمیدہ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ کہ تم نے میری خود اعتمادی میں ہمیشہ اضافہ کیا ہے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہر بار یہ محسوس کیا کرتا ہوں۔ کہ میری دعائیں قبول ہو رہی ہیں اور اس لئے قبول ہو رہی ہیں کہ بہت سے پیار کرنے والوں کی خاموش آوازیں میری فریاد میں شامل ہیں"۔

فہمیدہ بولی، "آپ کو امینہ بہن کو بھی یقین دلانا چاہیئے کہ آپ بھی اس کے لئے دعا کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جتنی دعائیں آپ کے لئے یہ کرتی ہیں۔ اتنی کوئی سگی بہن بھی اپنے بھائی کے لئے نہیں کرتی "۔

یوسف نے مسکراتے ہوئے امینہ کی طرف دیکھا۔ "کیوں امینہ! تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ میں بھی تمہارے لئے دعا کیا کرتا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ تمہارا دل تمہیں کچھ نہیں بتاتا؟"

امینہ بولی "بھائی جان، جب بھی میرے دل میں کوئی خوشی کی لہر اٹھتی ہے تو میں یہی محسوس کرتی ہوں کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہوں گے۔ اور پھر مجھے بھی تو آپ نے ہی دُعا کرنا سکھایا ہے۔ کبھی کبھی میں سوچا کرتی ہوں کہ فہمیدہ بہن کا گھر جالندھر کی بجائے ہماری طرح کہیں آپ کے پڑوس میں ہوتا تو چند سال میں آپ انہیں کیا کچھ سکھا دیتے"۔

یوسف نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں کہ میں انہیں کیا سکھا سکتا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں غیر شعوری طور پر اِن سے بہت کچھ سیکھ جاتا"۔

فہمیدہ بولی: "امینہ یہ تمہارے سوال کا درست جواب نہیں دے رہے۔ یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھتے۔ اور یہ بات کسی کو معلوم نہ ہوتی کہ انہوں نے غیر شعوری طور پر مجھ سے کیا سیکھا ہے۔ لیکن جو کچھ میں سیکھتی وہ سب کو معلوم ہوتا مثلاً میں ان سے گھوڑے کی سواری سیکھتی، بندوق اور پستول چلانا سیکھتی۔ اور اگر یہ ممکن ہوتا تو کسی نہر، جھیل یا دریا میں تیرنا بھی سیکھتی۔ شاید میرے دل میں کشتی چلانے کا شوق بھی پیدا ہو جاتا۔ مجھے اب یہ سوچنا پڑے گا کہ مجھے یہ کیا کچھ نہیں سکھا سکتے تھے۔ لیکن تم تو گاؤں میں اِن سے بہت کچھ سیکھ سکتی تھیں"۔

امینہ بولی۔ "توبہ بہن! شہر میں بھی میرے متعلق یہ مشہور تھا کہ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ اور گاؤں میں تو میں یہ سمجھ کر گئی تھی کہ وہاں بہت آزادی ہوگی۔ لیکن وہاں بھائی یوسف کو دیکھ کر میری جان نکل جاتی تھی۔ آپ دیکھتے نا! انہوں نے اس مشہور ڈاکو کو پکڑا تھا۔ جس کا نام سن کر لوگ سہم جایا کرتے تھے۔ لیکن میرے دل میں ان کے خوف کے ساتھ ایک اور جذبہ بھی پیدا ہو چکا تھا جس کا مجھے دیر تک احساس نہیں ہوا۔ اور وہ اِن کی اطاعت کا جذبہ تھا۔ میں ان کی ہر بات پوری سنجیدگی سے سُنا کرتی تھی۔ اور ان کے گھر کی خواتین کی باتیں بھی میرے دل پر بہت اثر کیا کرتی تھیں۔ شاید شروع سے ہی میں نے انہیں انسانیت کا قابلِ فخر نمونہ سمجھ لیا تھا۔ اور میرے لئے ان کا معمولی اشارہ بھی حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میرا بھائی چھوٹا ہے۔ اور

ہیں یہ محسوس کیا کرتی تھی کہ اگر یوسف صاحب بھی میرے بھائی ہوتے تو میں کتنا فخر کیا کرتی اور پھر میری زندگی کا اہم ترین دن وہ تھا۔ جب یوسف بھائی نے کسی اور کی بجائے اپنے مستقبل کے بارے میں براہ راست میرے ساتھ بات کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اپنی منگنی کے متعلق اپنے والد اور میرے والدین کی خواہشات کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھے صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ مجھے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس وقت اچانک مجھے محسوس ہوا کہ یہ انسان اتنا بڑا ہے کہ دنیا میں کسی کو فریب نہیں دے سکتا۔ کسی کی دل آزاری برداشت نہیں کر سکتا۔ اس ایک لمحہ کے اندر مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ یوسف صاحب میرے بھائی ہیں اور ہمیشہ میرے بھائی تھے۔ اب مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ ایک ثانیہ کے لیئے میں یہ سوچتے ہوتے زمین کے اندر گڑی جارہی تھی کہ میں نے ان کے ساتھ منسوب ہو جانے کے تصور سے اپنے مستقبل کے متعلق کیوں سوچا تھا۔ اب میں اپنے بھائی اور بھابی کے سامنے یہ اعتراف کروں گی کہ ہمارے گھر میں جب منگنی کی رسومات کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو میں تصور میں یوسف صاحب کو غضبناک دیکھ کر ڈر جایا کرتی تھی۔ فہمیدہ بہن آپ یقین نہیں کریں گی، لیکن جس دن میں نے پہلی بار آپ کو غور سے دیکھا تھا۔ تو میرے دل میں یہ خیال آیا تھا۔ کہ اگر یوسف صاحب میرے بھائی ہوتے تو میں اپنے والدین سے کہتی کہ میں اپنی ہونے والی بھابی کو دیکھ چکی ہوں۔ یوسف صاحب کی والدہ کی وفات کے بعد مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ انہیں فہمیدہ بہن بہت پسند تھیں۔ پھر حالات ایسے ہو گئے کہ میں خود ایک بھنور کے اندر پھنس کر بے بس ہو گئی تھی۔ میں یہ جانتی تھی کہ مجھے اس بھنور سے نکالنے کے لیئے یوسف صاحب کے سوا کوئی میری مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ میرا بہادر بھائی خود ایک گرداب میں پھنس گیا تھا۔ اچانک یہ ایک دن ہمارے گھر میں آئے۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ قدرت نے مجھے اور میرے بھائی کو بھی گرداب سے باہر نکال لیا ہے۔ لیکن میرا یہ بھائی اب کہیں دور جا رہا ہے۔ مجھے اس وقت احساس ہوا کہ ہمارے بزرگوں کی غلطیوں کی وجہ سے یوسف صاحب کے لئے اتنی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے حسین ترین خواب بھول جانے کے لیئے تیار ہو گئے ہیں۔ اب وہ کتابیں نہیں لکھیں گے، بلکہ ملازمت کر کے کہیں دور چلے جائیں گے۔ یہ جاتے جاتے مجھے بہت سا حوصلہ دے گئے۔ لیکن اس کے بعد میں چھپ چھپ کر رویا کرتی تھی۔ کہ میرا بھائی زخم خوردہ ہو کر گیا ہے۔ منظور صاحب جن سے وہ مجھے متعارف کروا گئے تھے۔ میرے لیئے بہت بڑا سہارا ثابت ہوئے۔ لیکن اس مسئلے پر ان سے کوئی بات کرنے سے پہلے میں نے ایک رات اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ میں چچی بلقیس کے ہاں جاؤں گی خدا کا شکر ہے کہ میرا یہ فیصلہ درست تھا۔ اور چچی بلقیس میری باتیں سن کر جس قدر تڑپی تھیں وہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ پھر میرے دل میں وہی جنون تھا جو ایک بہن کے دل میں اپنے بھائی کے لیئے ہو سکتا ہے۔ میں اپنے ابا کو لے کر یوسف صاحب کے والد کے پاس پہنچی۔ کہتے ہیں کہ وہ سخت دل ہیں۔ لیکن کوئی باپ بھی سخت دل نہیں ہوتا اور یوسف صاحب کے والد کی تو یہ حالت تھی کہ وہ میری باتیں سننے کے بعد بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہے تھے۔"

یوسف نے کہا۔ "میری بہن مجھے تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ آپ کو کس نے چھیڑ دیا ہے۔ آپ نے اتنی باتیں کہہ دی ہیں کہ مجھے فہمیدہ بھی رونے کی تیاریاں کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔"

نسرین جو دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ اندر داخل ہوئی اور اس نے کہا۔ "خدا کے لیئے آپا جان اب تو رونا دھونا چھوڑ دیجئے۔ اب تو فضل دین نے بازار سے گوشت لاکر گرم گرم کباب بھی تیار کر لئے ہیں، اور چائے دم ہو رہی ہے۔ اگر اجازت ہو تو لے آؤں۔ ورنہ نانی جان، امی جان اور چچی جان آکر آپ کے مغموم ہونے کی وجہ پوچھیں گی، تو مجھے سب کچھ بتانا پڑے گا۔"

امینہ نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔ "بھائی جان، خدا کے لئے اسے منع کریں۔ جب یہ

اندر آرہی تھی تو میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا۔ اس طرح اسے باتیں سننے کا موقع مل گیا۔ اب یہ میری ساری باتیں دہرائے گی۔"

نسرین آگے بڑھ کر ہنستی ہوئی امینہ سے لپٹ گئی اور بولی۔ "آپا جان، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے مجھے باتیں سننے کا موقع دیا ہو اور میں آپ کا اعتماد مجروح کروں۔"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سبحان اللہ! ہمارے گھر میں ادبیت بڑے زوروں سے آرہی ہے۔"

فضل دین نے دروازے کے قریب آکر آواز دی۔ "جناب، چائے تیار ہوگئی ہے۔ اگر حکم ہو تو لے آؤں۔"

یوسف نے کہا۔ "نہیں بھئی! چائے میز پر رکھو، ہم سب وہاں آتے ہیں۔"

"جناب! جلدی آئیں ورنہ کباب ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

نسرین نے کہا۔ "فضل دین تم فکر نہ کرو۔ ایک منٹ کے اندر اندر سب وہاں جمع ہو جائیں گے۔ ٹھنڈا پانی بھی رکھوا دو وہاں۔"

"بی بی جی، میں لیموں بھی لے آیا تھا۔"

امینہ بولی۔ "دیکھا، فضل دین کتنی دور تک سوچتا ہے۔ پہلے لیموں کا شربت، پھر چائے اور کباب۔ اور اس کے بعد شاید سیر کے لئے بھی کچھ وقت نکل آئے۔ بھائی جان رات کا کھانا آپ کو ہمارے ساتھ کھانا پڑے گا۔ آپ نسرین سے پوچھ لیجئے، انہیں اپنی آپا کا چہرہ دیکھ کر معلوم ہو جایا کرتا ہے کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔"

نسرین بولی۔ "جی، سب باتیں بتائی تو نہیں جاسکتیں۔ ورنہ میں تو ایک گھنٹہ پہلے ہی یہ سمجھ گئی تھی کہ آپا جان رات کے کھانے کے بعد بھی کچھ دیر باتیں کرنا پسند کریں گی۔ آج شاید دسویں رات کا چاند ہے ناں؟ اس لئے وہ کچھ دیر صحن میں یا سڑک پر گھومنا بھی پسند فرمائیں گی۔ لیکن اس کا انحصار بھائی جان کے موڈ پر ہے۔ کیونکہ اگر بھائی جان لکھنے

کے موڈ میں آگئے۔ تو آپا جان یہ پسند نہیں کریں گی کہ وہ دس منٹ بھی ضائع کریں۔ اور میں خود بھی یہ پسند نہیں کروں گی۔ اُف خدایا! ہم نے پھر باتیں شروع کر دیں۔ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور جب تک بھائی جان میز پر نہیں جائیں گے۔ فضل دین کباب میز پر نہیں لائیگا۔"

وہ سب ہنستے ہوئے اٹھے اور دو منٹ بعد چائے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے سب سے پہلے بیگم احمد نے کباب چکھتے ہوئے فضل دین کی تعریف کی۔ اس کے بعد سب نے باری باری فضل دین سے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ "فضل دین وہ خاص چیز کیا ہے جو تم کباب میں ڈالا کرتے ہو؟" بلقیس بولی۔

"کوئی کامیاب باورچی اپنے راز ظاہر نہیں کیا کرتا۔ لیکن ہم امینہ بیٹی سے پوچھ لیں گے اس کی کوئی بات امینہ کے لئے راز نہیں ہو سکتی۔"

فضل دین نے پریشان ہو کر کہا۔ "بی بی جی! خدا کے لئے مجھ پر اعتبار کریں میں نے سب کچھ امینہ بی بی سے سیکھا ہے۔ اور امینہ بی بی نے سب کچھ اپنی امی سے سیکھا ہے میاں صاحب کہا کرتے ہیں کہ کئی سال پہلے ان کے ہاں ایک بہت ہوشیار باورچی ہوا کرتا تھا۔ وہ یو۔ پی کے ایک نواب کے باورچی کا بیٹا تھا۔ جب نواب صاحب کی حالت پتلی ہو گئی۔ ان کے تین بڑے بھائیوں نے بڑے بڑے ہوٹلوں میں ملازمتیں کر لیں۔ سب سے چھوٹا بھائی، میاں صاحب کے پاس آگیا۔ اس زمانے میں میاں صاحب کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور بیگم صاحبہ نے اسے اچھے اچھے کھانے سیکھنے کے لئے اپنا استاد بنا لیا۔ جب وہ کوئی اچھا کھانا پکانا سیکھ لیتی تھیں تو میاں صاحب دوستوں کی دعوت کیا کرتے تھے اور جب مہمان کھانے کی تعریف کیا کرتے تھے۔ تو میاں صاحب اس باورچی کو انعام دیا کرتے تھے۔ وہ دس سال تک میاں صاحب کے پاس رہا۔ لیکن پھر میاں صاحب کے گھر میں ایک بڑی دعوت ہوئی جس میں کوئی بڑا تاجر بھی مہمان تھا۔ اس دعوت میں اس باورچی نے خاص کھانے تیار کئے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تاجر نے دوگنی تنخواہ پر

اس باورچی کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ پھر دوسرے باورچی آتے رہے۔ جن سے مَیں کچھ سیکھتا رہا۔ لیکن وہ نواب صاحب والا باورچی بیگم صاحبہ کو جو کباب بنانا سِکھا گیا تھا۔ وہ امینہ بی بی نے مجھے بھی بنانا سِکھا دیئے۔"

امینہ نے کہا۔ "بھئی ایک تو ہمارا باورچی جب کوئی کہانی شروع کر دیتا ہے تو وہ ختم ہونے کو نہیں آتی۔ یہ بھی شکر ہے۔ کہ اس نے ڈاکو کو پلنگ کی نواڑ میں جکڑنے کا قصہ شروع نہیں کر دیا تھا۔ ورنہ ہم سب یہ محسوس کرتے کہ ہمیں بھی کسا جا رہا ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی وہ تو اس کا ایک کارنامہ تھا اور جتنا بڑا کسی کا کارنامہ ہوتا ہے اتنا زیادہ وہ اسے فخر کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ امینہ اور اس کے والدین کی خوش قسمتی تو یہی تھی کہ فضل دین پورا باورچی نہیں بن گیا تھا۔ کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو اس کے دل میں ایک خطرناک ڈاکو کو سیروں وزنی نواڑ میں جکڑنے کا خیال کیسے آ سکتا تھا۔ اگر وہ ایک کامیاب باورچی ہوتا تو وہ کہتا۔ "جناب مجھ سے پلاؤ تیار کروا لیجیے، بریانی بنوا لیجیے، شاہی ٹکڑے تیار کروا لیجیے۔ لیکن اس خطرناک ڈاکو کو باندھنے کا کام میرے بس کا روگ نہیں۔"

فضل دین نے فوراً کہا۔ "یوسف صاحب خدا کی قسم! آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں کباب تو میں اس لئے بنا لیتا ہوں کہ آپ پسند کرتے ہیں۔ ورنہ میرے اندر باورچیوں والی کوئی خوبی نہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی کباب امینہ بھی تو پسند کرتی ہے ناں؟"

"جی ہاں! وہ بھی میرا دل رکھنے کے لئے پسند کر لیتی ہیں۔"

فہمیدہ نے کباب کھاتے ہوئے کہا۔ "بھئی فضل دین! میں تمہارا دل رکھنے کے لئے نہیں کہتی۔ لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم بہت اچھے کباب بناتے ہو۔"

فضل دین نے کہا۔ "شکریہ بی بی جی! کباب تو وہ کھانے والے ہوں گے جو آپ بنائیں گی۔"

نسرین بولی۔ "میرے خیال میں ایک تعلیم یافتہ آدمی ہی آپا جان کی کسی چیز کی صحیح تعریف کر سکتا ہے۔ اگر کسی میں علم کی کمی ہو۔ تو وہ آپا جان کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کی صحیح تعریف بھی نہیں کر سکے گا۔"

ظہیر نے کہا۔ "آپا نسرین ٹھیک کہتی ہیں۔ ہمارا استاد کہا کرتا ہے کہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے دماغ کے کئی خانے بند رہتے ہیں۔"

فضل دین نے کہا۔ "صاحب جی! یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن کھانے کے ذائقے کا تعلق تو نمک اور مرچ مصالحے سے ہوتا ہے۔"

نسرین بولی۔ "یہی تو بات ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کھانے کے اندر خاص قسم کی مہک ہوتی ہے۔ جسے علم کے بغیر تم بیان ہی نہیں کر سکو گے۔"

فضل دین نے کہا۔ "جناب! اگر ڈالے پلاؤ کی مہک تو میں دور سے سونگھ لیا کرتا ہوں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھئی اس کے لئے علم کی نہیں تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ تو خدا نے تمہیں ڈھیروں دی ہے۔ نسرین بلا وجہ تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ تمہارا یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ میں ڈاکوؤں کو باندھنا جانتا ہوں۔ اور کچھ نہیں جانتا۔"

"بی بی جی! میں سب کے سامنے جھوٹ تو نہیں بول سکتا ناں! میں ابھی اپنی بیوقوفی سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ میں یوسف صاحب اور آپ سب کی پسند کے کباب بنا سکتا ہوں۔ اصل میں یہ میری بدقسمتی ہے کہ مَیں ایک غلط بحث میں پھنس گیا ہوں اور اِن باتوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آپ چائے بھی اطمینان سے نہیں پی رہے۔ یہ ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔ میں اور دم کر کے لاتا ہوں۔ کباب بھی اور تل لیتا ہوں۔"

صفیہ نے کہا۔ "نہیں فضل دین! اب تم اطمینان سے باورچی خانے میں بیٹھ کر چائے پیئو۔ اگر ہم آواز دیں تو ہمارے نوکر کو ادھر بھیج دینا۔"

"جی میں بھی تو نوکر ہوں۔"

"نہیں فضل دین تم ہمارے مہمان ہو۔"

نمازِ مغرب کے بعد یوسف نے صفیہ سے کہا:

"خالہ جان اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں شام کے کھانے کے لئے نہیں ٹھہر سکوں گا۔ مَیں تھوڑی دیر فہمیدہ سے چند ضروری باتیں کرنے کے بعد اُن سے معذرت کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ برا نہیں مانیں گی۔ چچی جان ابھی نفل پڑھ رہی ہیں۔ جب وہ فارغ ہو جائیں گی تو مَیں ان سے اجازت لے لوں گا۔"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا، اگر فہمیدہ تمہارے ساتھ سیر کے لئے جانا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں خالہ جان! ایسا کوئی پروگرام نہیں۔ ہم باہر کھلی ہوا میں چند منٹ کے لئے ٹہل لیں گے۔ اور پھر میں رخصت ہو جاؤں گا۔"

پھر اس نے ظہیر سے کہا۔ "ظہیر! فضل دین کو بلا کر کہو کہ وہ دو کرسیاں اٹھا کر لان میں ایک طرف رکھ دے اور جب میں فہمیدہ کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف ہو جاؤں تو تم اپنی امینہ آپا اور نسرین کے ساتھ تھوڑی سی سیر کر آؤ تاکہ وہ کہیں بور نہ ہو جائیں۔ لیکن زیادہ دور نہ جانا۔ فضل دین کو یہ بھی کہہ دو۔ کہ وہ خاں صاحب کے گھر جائے اور انہیں یہ کہہ دے کہ میں ایک گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا اور منظور صاحب کو یہ بتا آئے کہ میں آتے ہی لکھنا شروع کر دوں گا۔"

دس منٹ بعد یوسف کشادہ لان میں کھڑا چاند کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ فہمیدہ اُس کی طرف آ رہی تھی اور گرد و پیش کے تمام مناظر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہے تھے۔ سفید لباس کی طرح اس کا دوپٹہ بھی سفید تھا اور پاؤں میں اس کی سینڈل بھی سفید تھی۔ وہ پہلی بار اِس احساس کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا

تھا۔ کہ اس سے قبل اس نے پہلے کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ یا شاید اُس کی نگاہیں ایک لمحہ سے زیادہ اس کے چہرے پر نہیں رک سکیں۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے اچانک اجنبیت کے پردے حائل ہو جایا کرتے تھے، لیکن اب وہ نسوانی حسن و وقار کے اس پیکرِ مجسم کو اپنے دل کی دھڑکنیں محسوس کئے بغیر دیکھ رہا تھا۔ جب وہ قریب آ کر رُک گئی تو چند لمحوں کے لئے وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا کہنا چاہیئے پھر اس نے اچانک سنبھل کر کہا:

"عجیب بات ہے۔ کہ ہم خوشی کے لمحات میں "السلام علیکم" کہنا بھی بھول جاتے ہیں مَیں نے آپ کو اس جگہ بٹھا کر باتیں کرنے کی اجازت لے لی ہے۔ آپ کو اُس کرسی تک جانے کے لئے میرے سہارے کی ضرورت تو نہیں؟"

"جی بالکل نہیں!" فہمیدہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

اور یوسف نے ایسا محسوس کیا کہ کائنات مسرت کے قہقہوں سے لبریز ہو گئی ہے۔ وہ قریب ترین کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں جی! آپ کے لئے وہ کرسی زیادہ آرام دہ ہو گی۔"

فہمیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، اُن دو کرسیوں میں۔"

"جب آپ اس کرسی پر بیٹھ جائیں گی تو آپ کو فرق محسوس ہونے لگے گا۔"

فہمیدہ مسکراتی ہوئی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوسف نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا: "اب بتائیے کوئی فرق محسوس ہُوا؟"

"جی نہیں بالکل نہیں"۔ میں وہاں بیٹھی رہتی تو بھی آپ میرے سامنے ہوتے۔ اب یہاں بیٹھی ہوں تو بھی آپ میرے سامنے ہیں۔"

یوسف نے اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ! سر اٹھا کر اوپر دیکھئے۔"

اس نے ذرا گردن اٹھائی تو یوسف نے کہا۔

"میری خواہش یہ تھی کہ آسمان کا چاند زمین کی طرف دیکھ رہا ہو اور میں کبھی اُس طرف دیکھوں اور کبھی اِس طرف دیکھوں۔ میری امی جان کہا کرتی تھیں کہ فہمیدہ چاند سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اور اب میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ تمہارے سامنے چاند بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے میں یہاں گھنٹوں بیٹھا رہوں تو بھی مجھے چاند کی طرف مڑ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہو گی۔ تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوا۔ کہ مَیں تمہیں اتنے دِن دیکھ نہیں سکا؟"

"جی مجھے تو غصہ بھی آتا تھا۔ لیکن جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ اُسے پڑھ کر میرے سارے گلے دور ہو گئے ہیں۔ میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے جُدا نہیں تھی۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "فرض کیجئے کہ میں پوری کتاب ختم کر کے آپ کے پاس آتا۔ اور اس کتاب کا ہر صفحہ آپ کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہوتا۔ کہ یہ سارا وقت جب کہ میں کتاب لکھنے کے لئے غائب ہو گیا تھا۔ آپ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے تھیں اور میں جب تھک کر لیٹ جایا کرتا تھا تو سونے سے پہلے آپ سے باتیں کیا کرتا تھا اور میں بھی خواب میں آپ کو دیکھا کرتا تھا۔ تو بھی آپ کا موڈ ایسا ہی ہوتا جو اس وقت ہے؟"

"موڈ کا فیصلہ تو اس وقت ہوتا جب میں آپ کا لکھا ہُوا پڑھ لیتی۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا ناں کہ میں، اتنی غضب ناک ہوتی کہ آپ کا مسودہ پکڑتے ہی پھاڑنا شروع کر دیتی۔"

"نہیں فہمیدہ! میں بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کے دِل میں یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے مہینوں کا کام ہفتوں میں کیا ہے۔ میں اس وقت قلم رکھا کرتا تھا۔ جب کہ میرے ہاتھ لکھتے لکھتے شل ہو جاتے تھے اور آنکھیں پتھرا جاتی تھیں۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ میں کتنے گھنٹے لکھتا رہا ہوں اور کتنے بجے سویا ہوں۔ پھر جب خواب میں تمہاری آواز سنائی دیتی تھی تو میری ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی تھی۔"

"اگر آپ یہ باتیں اس لئے پوچھ رہے ہیں۔ کہ آپ کی جدائی برداشت کرنے کا میرے

اندر کتنا حوصلہ ہے، تو سن لیجئے۔ اگر آپ کے راستے کے پھول میرے لئے ہیں تو میں کانٹوں میں بھی حصہ دار ہوں۔ مجبوری اور بے بسی کی حالت میں مَیں آپ کے ساتھ زندگی کی ہر تلخی برداشت کر سکتی ہوں۔ لیکن اگر کوئی مجبوری نہ ہو۔ تو میرے لئے ایک دن کی جدائی بھی ناقابل برداشت ہو گی۔ موجودہ حالات میں جو فیصلہ آپ کریں گے وہ یقیناً صحیح ہو گا۔ آپ نے ایک ناول نگار کی حیثیت سے اس دنیا میں متعارف ہونا ہے اس کے لئے آپ کو رات کی تنہائیوں میں کئی کئی گھنٹے لکھنا پڑے گا۔ اور دل پر پتھر رکھ کر اپنی محنت کے پھل کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ کچھ تعلیم حاصل کر لوں لیکن آپ سے دور رہ کر بھی مجھے یہ اطمینان ضرور ہو گا۔ کہ ہم جن دشوار گزار راستوں پر سفر کر رہے ہیں وہ بالآخر ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔ لیکن ہمیں ایک دوسرے سے یہ عہد ضرور کرنا چاہیئے کہ اس دنیا میں ہماری کامیابی کی توقعات پوری ہوں یا نہ ہوں ہمارے پاس ایک دوسرے کے لئے خوشیوں کی کمی نہیں ہو گی۔ آپ کو کبھی اگر نا اُمیدی کے صحراؤں سے گذرنا پڑے تو آپ ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے فراموش نہیں کریں گے آپ اگر ہر روز نہیں تو ہر تیسرے دن یا زیادہ سے زیادہ ہر چوتھے روز مجھے خط ضرور لکھا کریں گے۔ اول تو آپ جس جگہ بھی ہوں وہاں کسی ٹیلی فون سے مجھ سے رابطہ قائم کر سکیں گے۔ ورنہ میں آپ کا حال پوچھ لیا کروں گی۔ اور انتہائی پریشانیوں کے دَور میں بھی ہمیں یہ احساس دلانے والے موجود ہوں گے کہ ہم تنہا نہیں ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ، اس بارے میں تمہیں مَیں کبھی پریشان نہیں ہونے دونگا میں تم سے ایک اور وعدہ کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی میں لوگوں کی باتیں سن کر اپنے مستقبل کے متعلق اگر نا اُمید نہیں تو پریشان ضرور ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اب میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا راستہ کتنا ہی ناہموار کیوں نہ ہو، منزل کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو انشا اللہ اپنی کامیابی کے متعلق میرا یقین کبھی متزلزل نہیں ہو گا۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ

نا امیدی کے طوفان میں تمہاری دعائیں میرے لئے بہت بڑا سہارا بن جایا کریں گی۔ اللہ نے تمہارے ہاتھ اتنے خوب صورت بنائے ہیں کہ جب بھی یہ اس کی بارگاہ میں اٹھا کریں گے تو تمہاری ہر دعا قبول ہوا کرے گی۔ فہمیدہ، تم سے پیار کرنے اور تم سے دور رہنے کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔ لیکن میں انشاء اللہ اس آزمائش میں پورا اتروں گا اب میں اس عزم کے ساتھ جا رہا ہوں کہ میں آج ساری رات لکھوں گا۔ اور میری تحریر میں پڑھنے والوں کو تمہاری وہ تصویریں نظر آئیں گی۔ جو اس سے پہلے میں نے بھی نہیں دیکھی تھیں۔

فہمیدہ، جب میرا یہ ناول شائع ہوگا تو میں اس کی پہلی کاپی دیکھ کر اللہ کا شکر کروں گا اور پھر تمہیں آواز دوں گا۔ فہمیدہ! تمہارا یوسف آج پیدا ہوا ہے۔ اب تمہیں کسی مجلس میں یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوا کرے گی۔ کہ تمہارا رفیقِ حیات ایک ناول نگار ہے، صرف ایک ناول نگار۔"

یوسف یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ فہمیدہ نے اٹھ کر کہا۔ "جی میرا ناول نگار یوسف اس وقت بھی میرے سامنے ہے۔ میں اپنی عمر اس دن سے گنا کروں گی جس دن آپ کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا۔ چلئے میں آپ کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔"

"شکریہ، ہم باتیں کرتے کرتے تھوڑی دور تک جائیں گے پھر میں آپ کو اچانک خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو جاؤں گا۔ اور مجھے یہ توقع ہے کہ باقی لوگوں سے معذرت کے لئے آپ موزوں الفاظ تلاش کر لیں گی۔"

فہمیدہ مسکرائی۔ "باقی لوگ کافی سمجھ رکھتے ہیں۔ لیکن آپ کا مسودہ کہاں؟"

"وہ فی الحال آپ کے پاس رہے گا۔ کل مجھ سے ایک کوتاہی ہوئی ہے۔ آپ کل فضل دین کو یہ پیغام دے کر منظور کی طرف بھیج دیں کہ نانی جان نے اسے یاد فرمایا ہے۔ اور امینہ کو بھی یہ کہہ دیں کہ وہ اپنی کتابیں نکال کر رکھ لے منظور کل سے پڑھانا شروع کر دے گا۔"

"ٹھیک ہے! منظور صاحب کو کسی نہ کسی بہانے ضرور آنا چاہیئے۔ ورنہ وہ بور ہو جائے گی۔"

"نہیں فہمیدہ، وہ لڑکی ان لوگوں میں سے ہے۔ جنہیں ایک مدت کے بعد سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلی بار اس کی ظاہری شکل وصورت دیکھنے کے بعد میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کے بعد مجھے اس قدر حیرت ہوگی۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "میرے خیال میں آپ کی پہلی بات جو آپ نے چچی بلقیس سے کہی تھی وہ زیادہ صحیح تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ امینہ کو اپنی اچھائیاں ظاہر کرنے کے لئے موقع ملنے کی ضرورت تھی اور یہ سنہری موقع اسے آپ کی وجہ سے ملا ہے۔"

"فہمیدہ! ذرا چاند کی طرف دیکھو۔"

فہمیدہ رک کر چاند کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر مسکراتی ہوئی بولی۔ "فرمایئے! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"فہمیدہ! میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ اور اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اگر تم میری زندگی میں نہ آتیں تو مجھے کبھی یہ احساس نہ ہوتا کہ میں کسی پر اپنی جان نثار بھی کر سکتا ہوں۔"

فہمیدہ نے جلدی سے اس کے ہونٹوں پر انگلیاں رکھتے ہوئے کہا۔ "خدا کے لئے، ایسی باتیں نہ کیجئے۔ ہمیں یہ دعا کرنی چاہیئے کہ ہم ایک دوسرے کی خوشیاں دیکھنے کے لئے زندہ رہیں۔ وہ جو دینے والا ہے۔ وہ ہمیں بہت کچھ دے سکتا ہے اور مجھ پر تو وہ بہت ہی مہربان ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر لڑکی اپنے خوابوں کے ساتھ اس دنیا میں آتی ہے۔ آپ نے غلطی سے ایک مسودہ گاڑی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور نسرین نے سنبھال کر مجھ تک پہنچا دیا تھا۔ پھر وہ خواب ایک حقیقت کا روپ دھارنے لگے۔ اور ایک دن میں نے آپ کو دیکھ لیا۔ مجھے ان ملاقاتوں کی ایک ایک بات یاد ہے۔ مجھے وہ دعائیں بھی یاد ہیں۔ جو میں ہر نماز کے بعد مانگا کرتی تھی۔ پھر میں نے وہ سپنے دیکھے جو اچانک

حقیقت بن گئے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ جب آپ مسوری کی سڑک پر ملے تھے۔ تو اپنی خوشیوں کے اظہار کے لئے میرے پاس آنسوؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔"

"اگر آپ اپنے آنسو چھپانے میں اتنی مصروف نہ ہوتیں۔ تو شاید میری آنکھوں میں بھی تشکر کے آنسو دیکھ لیتیں۔ یہ وہ ناقابلِ فراموش لمحات ہیں جن کی یاد ہمارے لئے سرمایۂ حیات ہوگی۔ لیکن ہم نے بات کہاں سے شروع کی تھی اور یہ ہم کس طرف نکل گئے ہیں۔"

فہمیدہ بولی۔ "جناب! بات یہ ہو رہی تھی۔ کہ اگر ہم ایک دوسرے سے نہ ملتے، تو ہمیں یہ سمجھنے کا موقع نہ ملتا۔ کہ ہم کتنا پیار کر سکتے ہیں۔ یا خدانخواستہ نہ ملنے کی صورت میں ہم قدرت کے اس انعام سے کتنے محروم رہتے۔"

یوسف نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب مجھے اجازت لینی چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح باتیں کرتے کرتے میں صرف ایک شاعر بن کر رہ جاؤں اور میری بجائے آپ کو ناول لکھنا پڑے۔"

"جی! آپ یہ اطمینان رکھیں۔ میں آپ کو شاعر نہیں بننے دوں گی۔"

یوسف نے کہا۔ "باتوں میں ہم اتنے دُور نکل آئے ہیں کہ ہمیں وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ اب واپس چلئے میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں۔"

"آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں تنہا واپس نہیں جا سکتی؟"

"خیال آئے یا نہ آئے۔ آپ یہ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں یہاں سے سیدھا گھر جاؤں گا اور اپنا کام شروع کرتے وقت یہ سوال میرے ذہن میں بار بار نہیں آئے گا کہ آپ خیریت سے گھر پہنچیں ہیں یا نہیں۔ اور میں اچانک یہ پوچھنے کے بہانے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ کہ فہمیدہ اس وقت کیا کر رہی ہیں؟"

"اچھا آئیے۔" فہمیدہ نے مڑتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ آپ کے

کام میں حرج ہوگا۔ تو میں آپ سے کوئی بہت طویل راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتی اور آپ یہ دیکھتے کہ گھنٹوں چلنے کے بعد بھی مجھے تھکاوٹ کا احساس نہ ہوتا۔"

یوسف بولا۔ "جب میں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں گا تو ہم بہت لمبی سیر کیا کریں گے۔"

تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک اور سڑک کے قریب پہنچے جو اُن کے راستے سے مل جاتی تھی۔ تو یوسف نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ امینہ، نسرین اور ظہیر دوسری طرف سے لمبا چکر لگا کر واپس آ رہے ہیں مجھے نسرین کی آواز بھی سنائی دے رہی ہے۔"

فہمیدہ بولی۔ "وہ تو میں بھی سُن رہی ہوں۔"

یوسف نے کہا۔ "اگر ہم آہستہ آہستہ چلتے رہیں تو مکان کے قریب وہ ہم سے آ ملیں گے۔ اور میں آپ کو گیٹ تک پہنچاتے ہی واپس چل پڑوں گا۔"

فہمیدہ بولی۔ "میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا ہے۔ اور رفتار تیز کر دی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم یہیں رک کر کچھ اور باتیں کر لیں۔ بشرطیکہ آپ کا لکھنے کا موڈ خراب نہ ہو جائے۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ! اگر تم مجھے آزمانا چاہتی ہو۔ تو چلو ہم لان میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر میں اس وقت اٹھوں گا۔ جب آپ کی آواز نیند سے بھاری ہو جائے گی۔ لیکن اس کے بعد بھی واپس جا کر میرا لکھنے کا موڈ خراب نہیں ہوگا۔"

"بھائی جان! بھائی جان!" نسرین نے ہانپتے ہوئے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔

"ہم نے آج اتنی لمبی سیر کی ہے کہ آپ نے بھی کبھی نہیں کی ہوگی۔ ظہیر نے شرط لگائی تھی کہ آپا امینہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکیں گی۔ پورے ڈیڑھ سیر آموں کی شرط۔ لیکن وہ تھک کر پیچھے رہ گیا۔"

یوسف نے کہا۔" نسرین، تم کو معلوم ہے کہ بڑی بہنیں چھوٹے بھائیوں سے شرط نہیں جیتا کرتیں۔"

اتنی دیر میں امینہ اور ظہیر قریب پہنچ چکے تھے۔

یوسف نے کہا۔" امینہ، میری وجہ سے آپ کی پڑھائی کے بہت دن ضائع ہوئے ہیں۔ منظور جلدی جانا چاہتا تھا، لیکن میں نے اسے روک لیا ہے۔ اس لئے روک لیا ہے کہ چند دن جب تک میں تمھیں وقت نہیں دے سکتا منظور آ جایا کرے۔"

امینہ نے کہا۔" بھائی جان میرا بھی یہاں زیادہ دن رہنے کا ارادہ نہیں اور میں نے فہمیدہ کے گھر والوں سے سنا ہے۔ کہ وہ بھی واپس جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔" اس بات کا مجھے بھی احساس ہے کہ یہاں میرے لئے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو جائے گا۔ لیکن کتاب کے اختتام تک مجھے یہ خلا زیادہ محسوس نہیں ہو گا۔ میں فہمیدہ اور آپ دونوں سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جب میجر دون سے یہاں آئیں گے تو احمد خان صاحب کھانے کی دعوت دینے کی کوشش کریں گے اگر یہ معاملہ صرف میری ذات تک محدود ہوتا تو میں انکار نہ کر سکتا، لیکن اس بارے میں گھر کے بزرگ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تاہم میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کا ووٹ میرے ساتھ ہونا چاہیئے۔"

نسرین بولی۔" بھائی جان' میرا ووٹ بھی آپ کے ساتھ ہو گا۔ اور ظہیر کا بھی۔ اور فضل دین کا بھی' مشورہ یہی ہو گا کہ ہمیں احمد خان صاحب کی دعوت رد نہیں کرنا چاہیئے اور جب میں نانی جان کو یہ یاد دلاؤں گی۔ کہ خان صاحب کوئٹہ میں بھی ہماری دعوت کر چکے ہیں تو وہ بھی دعوت قبول کرنے کے لئے آپ کی طرف داری کریں گی۔"

یوسف نے کہا۔" یہ میں نے سوچ لیا ہے کہ دعوت کسی ہوٹل میں ہو گی یا خان صاحب کے گھر میں اور انتظام کے لئے میجر صاحب کو بلانے اور کھلانے کے لئے دہرہ دون سے موزوں آدمی بھیجنے پڑیں گے۔ اگر خاں صاحب نے یہ مسئلہ چھیڑا تو میں ساری تفصیلات ان سے طے کر لوں گا۔ اور مجھے صرف اس بات کا افسوس ہو گا۔ کہ میں ایک دن نہیں لکھ سکوں گا۔"

امینہ نے کہا۔" بھائی جان آپ کے لئے ایک دن تفریح کا بھی تو ہونا چاہیئے ناں۔"

"مجھے تفریح کا احساس بھی اس وقت ہوتا ہے۔ جب میں کوئی تسلی بخش چیز لکھ لیتا ہوں۔"

دس دن بعد شام کے وقت یوسف اور فہمیدہ پھر ایک بار لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور یوسف کہہ رہا تھا:

"یہ دن کتنی جلدی گزر گئے ہیں۔ اگر بار بار کوئی پروگرام بنانا اور اسے منسوخ کر دینا میرے اختیار میں ہوتا۔ تو میں شاید یہی کوشش کرتا کہ میری کتاب کے اختتام تک آپ یہیں رہیں، لیکن ہماری چھوٹی چھوٹی خواہشات وقت کے دھارے نہیں بدل سکتیں!"

فہمیدہ نے کہا۔" میرا خیال ہے۔ کہ جب میں یہاں نہیں ہوں گی۔ تو آپ زیادہ سکون سے لکھ سکیں گے۔"

" زندگی یہی تو ہمیں سکھاتی ہے۔ کہ ہر مجبوری اور بے چارگی کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا جاتے۔ اور ہم مستقبل کی روشنی کی امید پر گرد و پیش کی تاریکیوں سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھتے جائیں۔ لیکن جب تک تمہارے تصور سے میری آنکھیں روشن رہیں گی۔ مجھے گرد و پیش کی تاریکیوں کا قطعاً کوئی احساس نہیں ہو گا۔"

فہمیدہ نے کہا۔" اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ آپ یہیں سے مجھے الوداع کہہ دیں اور اسٹیشن تک جانے کی تکلیف نہ کریں۔ ابا جان، امی جان، چچی بلقیس اور نانی جان سب اس بات میں میرے ہم خیال ہیں۔ کہ رات کام کرنے کے بعد

صبح آپ کو آرام کرنے کی ضرورت ہوگی ۔اسی لئے آپ صبح آکر ہمیں الوداع کہہ جائیں اور پھر آرام کریں۔آپ یہ تو یقیناً نہیں چاہیں گے۔کہ ریلوے سٹیشن پر آپ سے جدا ہوتے وقت لوگ مجھے آنسو بہاتے اور سسکیاں لیتے ہوئے دیکھیں ۔"

"میں تمہاری الوداعی مسکراہٹ کے سوا کسی اور چیز کی خواہش دل میں لے کر نہیں جاؤں گا ۔"

"الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ میں آپ کو صرف اس گھر سے رخصت کر سکتی ہوں لیکن جب میں مسوری سے موٹر پر بیٹھ کر نکلوں گی تو اپنے آنسو ضبط کرنا میرے بس کی بات نہیں ہوگی۔ میں سمجھتی تھی کہ میں بہت بہادر ہوں اور بہت کچھ برداشت کر سکتی ہوں ۔لیکن جب آپ سے جدائی کا مسئلہ آجاتا ہے تو میں کچھ بھی تو نہیں رہتی ۔"

"جدائی کا تصور میرے لئے بھی بہت تکلیف دہ ہے ۔اور میں بھی آپ سے یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔کہ میں سب کچھ بھول کر اسی گاڑی میں سوار نہیں ہو جاؤں گا۔فہمیدہ! مجھے تو یہ بھی بھول جانے کا ڈر ہے کہ میں ایک ناول نگار ہوں اور ابھی میں نے اپنا ناول ختم کرنا ہے ۔"

فضل دین آیا اور اس نے کہا۔"صاحب! منظور صاحب آئے ہیں ۔"

"انہیں یہیں لے آؤ۔اور ایک کرسی اور رکھ دو ۔" یہ کہہ کر یوسف فہمیدہ سے مخاطب ہوا:

"میں نے منظور اور امینہ سے خاص بات کرنی ہے ۔آپ اسے یہاں بھیج دیں ۔کیونکہ میری چھٹی حس بڑے عرصے سے یہ کہتی ہے کہ امینہ اس کے والدین اور اس کے چھوٹے بھائی کو کسی وقت بھی ایک خطرہ پیش آسکتا ہے ۔میں نے آپ کو شاید بتایا نہیں ۔کہ منظور کو میں وہاں ایک پہرے دار کی حیثیت سے چھوڑ آیا تھا۔اور اب جبکہ امینہ کے ساتھ اس کی منگنی ہو چکی ہے ۔اس کے لئے بھی بعض خطرات پیدا ہو گئے ہیں اب آپ امینہ کو بھی یہاں بھیج دیں ۔پھر اگر ضروری ہوا۔تو آپ کو بھی سب کچھ بتا دیا جائے گا۔لیکن میرا خیال ہے کہ فی الحال اس کی ضرورت نہیں ۔"

فہمیدہ اٹھ کر اندر چلی گئی ۔اور اس کے جاتے ہی منظور وہاں آبیٹھا اور تھوڑی دیر بعد امینہ سر پر سفید چادر لئے نسرین کا ہاتھ پکڑے شرماتی اور جھجکتی یوسف کے ساتھ والی کرسی پر آبیٹھی ۔

یوسف نے منظور سے کہا۔"بھئی مجھ سے ایک اور کوتاہی ہوئی ہے ——— اگر میں تمہارا معاملہ چند گھنٹے پہلے سوچتا اور چند منٹ اور امینہ کے ابا جی کے ساتھ بات کر لیتا۔تو وہ بوجھ جو اتنے دن تک میں اپنے دل پر محسوس کرتا رہا ہوں وہ ٹل جاتا۔میں اگر تھوڑی سے عقل سے کام لیتا تو اسی شام اس گھر میں ایک نکاح کے بعد ایک منگنی کی بجائے دوسرے نکاح کا اعلان بھی ہو سکتا تھا۔جس قدر زیادہ میں امینہ، اس کے والدین اور اس کے چھوٹے بھائی کے متعلق سوچتا ہوں اسی قدر زیادہ میں یہ محسوس کرتا ہوں۔کہ تمہاری شادی کسی تاخیر کے بغیر ہو جانی چاہیئے۔کیونکہ جو خدشات میں نے لاہور چھوڑتے ہوئے تم پر ظاہر کئے تھے۔وہ مجھے اب زیادہ پریشان کرتے ہیں۔میں نے اپنی سوتیلی والدہ کو معاف کر دیا ہے ۔لیکن جب فہمیدہ کا مسئلہ آئے گا تو میں یہ بھی گوارا نہیں کروں گا کہ یہ اس کے ہاتھ سے پانی کا ایک گلاس لے کر چند گھونٹ پی لے۔امینہ کے والد کافی دور اندیش ہیں ،لیکن سادہ دل بھی ہیں ان پر میں نے تمام صورت حال واضح نہیں کی اور نہ شاید امینہ یہ بتا سکے کہ مجھ پر کیا گزرنے والی تھی۔کسی کو صرف خطرناک کہہ دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ویسے عام حالات میں وہ بڑھیا جسے قدرت کی ستم ظریفی نے میری نانی بنا دیا ہے امینہ کی ماں کے تیور دیکھ کر آپ کے قریب آنے کی جرأت نہیں کرے گی۔اس کے خاوند کو میں ایک بے وقوف آدمی سمجھتا ہوں اور بعض حالات میں بے وقوف آدمی بھی کافی خطرناک ہوتا ہے ۔اس لئے خواہ کچھ ہو۔آپ کو ان لوگوں کے ہاتھ سے کوئی چیز لے

کر نہیں کھانی چاہیئے۔ فضل دین کو میں نے یہ سمجھا دیا ہے کہ آپ کا باورچی خانہ ان کی آمدورفت سے قطعاً محفوظ رہنا چاہیئے۔ اور جب وہ کبھی آجائیں تو آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ زیادہ دیر آپ کے پاس نہ ٹھہر سکیں۔ باہر زمین کی دیکھ بھال اور دوسرے کاروباری معاملات میں بھی قائم دین کی حیثیت ایک تنخواہ لینے والے آدمی کی ہونی چاہیئے۔ ویسے ایسی بیوی سے اسے بھی جان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ میں نے آپ سے یہ باتیں کہنے کی اس لیئے ضرورت محسوس کی ہے کہ یہ لوگ اگر اتنے خطرناک نہ ہوں تو بھی وہ پیر کو کے شاہ جو زہر فروشی کا کاروبار کرتا ہے اور جس کا حلقۂ اثر کافی وسیع معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ محسوس کرے گا کہ کچھ لوگ اس کے متعلق جانتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے وہ کسی وقت بھی قانون کی زد میں آسکتا ہے تو اس کا اور اس کے حلقۂ اثر کے لوگوں کا پہلا کام یہ ہو گا کہ وہ ایسے لوگوں کو جلدی ختم کرنے کی کوشش کرے۔ جو اُن کے جرائم کے خلاف گواہ بن سکتے ہوں یا ثبوت کے طور پر پیش کیئے جا سکتے ہوں۔"

منظور احمد بولا۔ "بھائی صاحب، یہ خطرہ تو ہم سب سے زیادہ آپ کو ہے۔"

"بھئی، میں نے کب اس سے انکار کیا ہے۔ مجھے موقع نہیں ملا۔ ورنہ میں لاہور چھوڑنے سے پہلے اس پیر کا پتہ کرتا۔ اور پہلی مُلاقات کے بعد ہی اسے میری طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ اسے صرف یہ بتانے کی ضرورت ہے۔ کہ ہم نے اپنا ایک خطرناک دشمن دیکھ لیا ہے اور صرف ہم نے نہیں۔ ہمیں جاننے والے بیسیوں لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ پیر کو کے شاہ کون ہے کیا کاروبار کرتا ہے اور کن لوگوں کو فوری طور پر گرفتار کر کے اس کے جرائم کے متعلق معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ پھر وہ کون ساز ہر ہے جو وہ اپنے خاص خاص مریدوں کو فروخت کرتا ہے۔ اور وہ کون ہیں جو اس زہر کے اثرات سے بچ گئے ہیں اور یہ زہر کس لیبارٹری میں تیار ہوتا ہے۔ اس کا نمونہ کہاں محفوظ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس وقت آپ کے سامنے یہ مسئلہ ہونا چاہیئے کہ جب تک ان کے زہریلے دانت نہیں نکالے جاتے

ان کو گھر سے دور رکھا جائے۔ امینہ! میں آپ سے کہتا ہوں۔ انہیں آپ کی منگنی کی مبارک باد دینے والے لوگوں کے ہجوم میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر آپ یہ محسوس کریں۔ کہ میری سوتیلی ماں تمہارے گھر بار بار آنے پر بضد ہیں اور ان کی وجہ سے اس کے والدین اور پیر صاحب کے مرید وغیرہ بھی وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ تو تمہیں لگی لپٹی رکھے بغیر اپنے ابا جان کو یہ بتا دینا چاہیئے کہ میرے ساتھ کیا پیش آیا تھا۔ پھر تمہارے ابا جان کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ قائم دین کی بیوی اگر اپنی بیٹی کے ذہن میں یہ ڈال سکتی ہے کہ مجھے راستے سے ہٹا کر وہ خاندان پر اپنی بادشاہت قائم کر لے گی۔ تو تمہارے خلاف، تمہارے بھائی کے خلاف اور تمہارے والدین کے خلاف وہ کیا نہیں کرنا چاہے گی۔"

امینہ نے کہا۔ "کوئی بھائی اپنی بہن کے لیئے اتنا بڑا معمہ نہیں ہو گا۔ جتنا آپ میرے لیئے ہیں۔ کاش مجھے یہ حق ہوتا کہ میں ایک بہن کی حیثیت سے اپنے غم و غصہ کا اظہار بھی کر سکتی۔"

"امینہ، یہ حق میں تم سے کبھی چھیننے کی کوشش نہیں کروں گا۔ تمہارے دل میں جو بات آئے وہ بے دھڑک کہہ دیا کرو۔"

"بھائی جان! میں اب بھی ڈرتے ڈرتے یہ بات کہہ رہی ہوں کہ مجھے کئی بار آپ پر غصہ آیا ہے۔ لیکن میں ظاہر نہیں کر سکی۔ آپ کو یاد ہے کہ ایک دن آپ سخت غصہ کی حالت میں اپنی والدہ مرحومہ کی قبر پر چلے گئے تھے۔ گھر والے سب پریشان تھے اور میں یہ سمجھ گئی تھی کہ آپ کہاں گئے ہیں۔ اور آپ کو کس بات پر غصہ آیا تھا۔ بھائی جان، آپ یقین کیجئے کہ میں اس وقت بھی چاہتی تھی کہ چراغ بی بی کا گلا گھونٹ دوں۔ لیکن میں ایسا نہ کر سکی۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ آپ کو کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔ تو مجھے آپ پر بہت غصہ آتا تھا۔ کہ جب آپ یہ محسوس کر رہے تھے کہ میں اس زہر کے اثر سے

مر رہا ہوں۔ اور چراغ بی بی آپ کا حال پوچھنے آئی تھی تو آپ نے اس کی گردن کیوں نہیں مروڑ دی تھی۔ خدا کی قسم اگر آپ کو کچھ ہو گیا ہوتا اور مجھے پتہ چل جاتا تو میں آپ کا انتقام ضرور لیتی۔ میں اپنے قاتل کو معاف کر سکتی تھی۔ آپ کے قاتل کو نہیں۔ بھائی جان میں اب بھی سوچا کرتی ہوں۔ کہ آپ کے بغیر یہ دنیا کتنی ویران ہو جاتی۔"

"ارے پگلی، یہی وجہ تھی کہ مجھے تمہارے مستقبل کے لئے ایک قابل اعتماد ساتھی کی تلاش تھی۔ میرے والد کو تمہارے اباجی کی دولت کا کچھ کچھ علم تھا، لیکن شاید پورا علم نہیں تھا۔ تاہم ایک دن انھوں نے کہا تھا کہ میاں صاحب دولت کمانے کے معاملے میں جس قدر ہوشیار ہیں! اس قدر شاید دولت سنبھالنے میں ہوشیار ثابت نہ ہوں۔ میں یہ خدشہ محسوس کروں گا کہ کئی دور اور نزدیک کے رشتے دار ان کی دولت ہتھیانے کی کوشش کریں گے۔ میں نے اس وقت اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ لیکن زہر آلود کھانا حلق میں اتارنے کے بعد مجھے محسوس ہوا۔ کہ لالچی لوگ کتنی آسانی سے اپنے راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کے سر پر کتنے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ میں نے لاہور چھوڑنے سے پہلے اشارۃً آپ کو چند باتیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن منظور بھائی کو میں نے پوری طرح چوکس کر دیا تھا۔"

امینہ نے کہا۔ "بھائی جان! میں اس بات پر فخر کیا کروں گی۔ کہ آپ میری سلامتی کے بارے میں اس قدر سوچتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اس بوڑھی چڑیل اور اس کالے پیر سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہوں۔"

یوسف نے کہا۔ "دیکھو امینہ، تمہارے لئے اس کالے پیر کے وہ جاہل مرید زیادہ خطرناک ہیں۔ جو سوچے سمجھے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان مریدوں میں کوئی ایسی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ جو کوئی تحائف لے کر آپ کے گھر آئے، مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے اور کھانے میں زہر ملا دے۔ یا کوئی ایسا جرائم پیشہ بھی ہو سکتا ہے جو پیچھے سے

چھرا مار کر بھاگ جائے۔ تمہاری آنکھیں اپنے گرد و پیش کے متعلق ہر وقت کھلی رہنی چاہئیں۔"

نوکر ٹرے میں شربت کے گلاس رکھ کر لایا۔ اور نسرین نے جو اس کے ساتھ آ رہی تھی۔ ٹرے سے ایک ایک گلاس اٹھا کر انہیں پیش کیا۔ یوسف نے لیموں کے شربت کے چند گھونٹ پیتے ہوئے کہا "نسرین! تمہاری آپا جان کیا کر رہی ہیں؟"

"بھائی جان، وہ اپنے کپڑے رکھنے میں مصروف ہیں۔"

یوسف نے کہا "کیوں بھئی تم نے یہ محسوس نہیں کیا کہ ایسے موقعوں پر چھوٹی بہنیں کام آیا کرتی ہیں۔ تم جاؤ اور انہیں بھیج دو اور فضل دین سے کہو کہ چند اور کرسیاں یہاں رکھ دے۔"

نسرین بولی۔ "بھائی جان، میں ایک اور کرسی یہاں بھجوا دیتی ہوں۔ امی جان کہتی ہیں کھانا تقریباً تیار ہو چکا ہے اور آپ کو کھانے کے لئے اٹھنا پڑے گا۔ ابا جان بھی آنے والے ہیں اور ان کے آتے ہی کھانا لگا دیا جائے گا۔ آپا جان بھی یہی کہتی ہیں کہ آج آپ کھانا کھا کر جائیں گے۔"

"اچھا، ٹھیک ہے، تم فہمیدہ کو یہاں بھیج دو۔"

نسرین بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد فہمیدہ نمودار ہوئی۔ امینہ نے اٹھ کر اسے قریب بٹھاتے ہوئے شکایت کے لہجہ میں کہا،

"بہن اگر کوئی کام تھا تو میں کر دیتی۔ مجھے چیزیں سنبھال کر رکھنے کا ویسے بھی شوق ہے، اور آپ کی چیزیں تو سنبھال کر رکھنے سے خوشی بھی ہوتی۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے۔ کہ آپ ہماری گفتگو نہیں سن سکیں۔"

"بھئی میں راستے میں ساری باتیں تم سے سن لوں گی۔"

امینہ، یوسف سے مخاطب ہوئی۔ "بھائی جان، مجھے یہ بات سن کر تعجب ہوا ہے کہ آپ دہرہ دون ریلوے سٹیشن تک ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔"

"نہیں بھئی، یہ میرا اور فہمیدہ دونوں کا فیصلہ ہے اور باقی لوگوں کی ذمہ داری فہمیدہ نے لے لی بھی منظور کو مجھ سے اتفاق ہے اور اب تم کہو کیا کہتی ہو۔"

"بھائی جان، میں یہ کہنا چاہتی ہوں۔ کہ جب گاڑی چلنے لگتی ہے اور چھوٹی بہن کھڑکی سے سر باہر نکالتی ہے۔ اور اسے خدا حافظ کہنے والا بھائی اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ رکھ دیتا ہے تو میں کسی قیمت پر اپنے بھائی کی اس شفقت سے محروم ہونا نہیں چاہتی کتابیں آپ بعد میں بھی لکھتے رہیں گے، لیکن بہن کو الوداع کہنے کے لئے تو بار بار نہیں آیا کریں گے۔"

یوسف چند ثانیے خاموش رہا پھر اس نے کہا ———

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب فہمیدہ صاحبہ کا کیا حکم ہے، میری اس چڑیل بہن نے ایک آسان مسئلہ مشکل بنا دیا ہے۔"

فہمیدہ نے امینہ کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"یہ چڑیل صرف آپ کی پیاری بہن نہیں میری بھی ہے۔ اور دہرہ دون سے رخصت ہوتے ہوئے میں شاید اپنے آنسو چھپانے میں کامیاب ہو جاؤں، لیکن امینہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا برداشت نہیں کر سکوں گی۔"

"بھئی، میں ہار مانتا ہوں اور مجھے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے قطعاً جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ مجھے خود بھی یہ یقین نہیں تھا کہ جب آپ لوگ یہاں سے رخصت ہونگے تو میں یہاں کھڑے کھڑے آپ کو خدا حافظ کہہ سکوں گا۔ آپ کو اس طرح رخصت کرنے کے تصور سے میرا موڈ اس قدر خراب ہو رہا تھا کہ لکھنا تو درکنار میں شاید سوچ بھی نہ سکوں۔"

امینہ بولی۔ "فہمیدہ بہن کو بھی تو اس خیال سے نیند نہیں آئی تھی۔ یہ آپ کو خوش کرنے کے لئے بہادر بننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ورنہ مجھے ان کے دل کا حال معلوم ہے ——— بھائی جان! اگر یقین نہیں آتا تو ان سے پوچھ لیجئے۔ کہ کیا یہ اس بات پر افسوس نہیں کر رہی تھیں کہ انہوں نے یہیں سے الوداع کہنے کی تجویز مان کیسے لی۔"

یوسف نے کہا۔ "میری بہن ہمیں یہ سبق سیکھنے کی ضرورت تھی۔ کہ آئندہ ہمیں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے فیصلے کرنے میں بھی بہت سوچنا چاہیئے۔ ہم چند سال بعد یقیناً یہ سوچتے کہ اس وقت ہم دونوں اچانک اتنے بیوقوف کیوں بن گئے تھے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "آپ تو شاید بھول جاتے، لیکن میں کبھی نہ بھولتی۔"

بلقیس، بیگم احمد کے ساتھ باہر نکلیں اور منظور نے جلدی سے اُٹھ کر دو کرسیاں لا کر وہاں رکھ دیں۔ اور پھر بیگم احمد کو اَدب سے سلام کرتے ہوئے بولا۔

"ماں جی، تشریف رکھیئے۔"

بیگم احمد نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"جیتے رہو بیٹا، تمہیں اور امینہ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔"

منظور نے کہا۔ "ماں جی، جب یوسف صاحب کوئٹہ کے سفر کے حالات سناتے ہوئے آپ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ تو یہ کہا کرتے تھے کہ ماں جی کی بہت سی باتیں میری امی جان سے ملتی ہیں۔ جب میں نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا۔ تو مجھے اچانک ایسے محسوس ہوا تھا۔ کہ امی جان اچانک کوئٹہ پہنچ گئی ہیں۔"

"بیٹا، یوسف نے یہ بات مجھے پہلے بھی کہی تھی۔ لیکن جب تک میں نے قدسیہ کو نہیں دیکھا تھا میں اپنے متعلق بہت سی خوش فہمیوں میں مبتلا تھی۔ لیکن ان کے چہرے پر پہلی نگاہ ڈالتے ہی میں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ "کاش! میں ایسی ہوتی"۔ بلقیس تو یہ کہتی تھی۔ کہ میں بھی دنیا میں بہت گھومی ہوں، لیکن ایسی عورت میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ خدا یوسف کو سلامت رکھے۔ مجھے کبھی کبھی اس کی ایک ہلکی سی جھلک دِکھائی دیتی ہے۔ کوئی ایسی چیز جس کی وجہ سے بعض لوگ دیکھنے والوں کو بہت پیارے لگتے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتی وہ کیا چیز تھی۔ ابھی قدسیہ میرے سامنے آجائے تو پھر میں کبھی اس کی پیشانی، کبھی اس کے چہرے کے نقوش

کبھی اس کی آنکھوں اور کبھی اس کے قد و قامت کی تعریف شروع کر دوں گی۔ اور تم سب یہ محسوس کرو گے کہ بعض لوگ سر سے پاؤں تک قدرت کی ان نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ جنہیں دیکھنے والوں کی زبان پر بے اختیار "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کے الفاظ آجاتے ہیں"۔

فہمیدہ نے کہا۔ "ابا جان آگئے۔ میں کھانے کا پتہ کرتی ہوں"۔

امینہ نے کہا۔ "میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں"۔

کھانے کی میز پر سب بہت اچھے موڈ میں تھے۔ خصوصاً فہمیدہ کے ابا جان جنہوں نے باہر سے آتے ہی یوسف سے بغلگیر ہو کر اس کی پیشانی اور دونوں گالوں پر بوسے دیئے تھے، بہت خوش نظر آتے تھے۔ وہ منظور احمد سے بھی بغلگیر ہو کر ملے تھے اور انہوں نے امینہ کے سر پر بھی شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔ کھانے کے دوران انہوں نے کہا،

"یوسف بیٹا! میں ضروری بات اکثر بھول جایا کرتا ہوں۔ صبح رخصت ہوتے وقت تو مجھے بالکل یاد نہیں رہے گا۔ اس لئے دل میں رکھنے کی بجائے ابھی کہہ دیتا ہوں۔ فہمیدہ بیٹی نے تمہاری اجازت کے بغیر مجھے وہ فائل دکھا دی تھی جس میں تمہارا تازہ مسودہ رکھا جا رہا ہے۔ اور مجھے پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ اس بات پر تمہارا یقین کبھی متزلزل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ تم ایک بڑا مصنف بننے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ فہمیدہ کہتی تھی کہ کاغذ کی نایابی کے باعث پبلشروں کے متعلق تم بہت پریشان ہو۔ بیٹا! تمہیں چاہیئے کہ تم اطمینان سے لکھتے جاؤ اور اس یقین کے ساتھ لکھتے جاؤ۔ کہ وہ کسی دن شائع بھی ہو گا اور پسند بھی کیا جائے گا اور اس میدان میں کامیابی کے راستے تمہارے لئے کھل جائیں گے۔ تمہیں اللہ کی اعانت پر بھروسہ کرنا چاہیئے"۔

یوسف نے جواب دیا۔ "جی، اللہ کی اعانت ہی تو میرا سب سے بڑا سہارا ہے اور اب بھی جس طرح کچھ دن بے نشان راستوں پر بھٹکنے کے بعد اپنے اصلی راستے اور منزل

کی طرف لوٹ آیا ہوں اور جس طرح انتہائی مایوسی کی حالت میں اس نے میری دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا ہے، میں بدترین آزمائشوں میں بھی اس کی طرف سے مایوس نہیں ہوں گا"۔

"بیٹا، میں تمہارے لئے ہر وقت دعا کیا کروں گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لئے بہت سے لوگ دعائیں کرتے ہیں، اگر تم نے رات بھر کام کرنا ہے۔ تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ تم صبح ہمیں رخصت کرنے کے لئے یہاں آؤ۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم صبح لکھنے کے بعد آرام کرو۔ اور ہم کھانا ختم کرنے کے بعد یہیں سے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ لیں"۔

فہمیدہ بولی۔ "ابا جان! وہ پروگرام منسوخ ہو چکا ہے۔ یوسف صاحب اب ہمیں ریلوے سٹیشن پر خدا حافظ کہیں گے"۔

"اور اس تبدیلی کے لئے میں کس کو مبارک باد دوں؟"

فہمیدہ بولی "ابا جان۔ اس کے لئے مبارک باد کی پہلی مستحق تو امینہ بہن ہیں۔ اور ہمیں یوسف صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ یہ اپنا پروگرام تبدیل کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں"۔

یوسف نے کہا۔ "خالو جان، اس نادانی میں ہم دونوں شریک تھے۔ اور دونوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہم بوقتِ ضرورت پتھر بن سکتے ہیں۔ لیکن پھر ہمیں اچانک احساس ہوا کہ ہم صرف انسان ہیں۔ اور انسان کو تھوڑی دیر کے لئے بھی پتھر بنتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی ہے"۔

"بیٹا، میں خوش ہوں۔ کہ میں کچھ دیر اور تم سے باتیں کر سکوں گا۔ بہت سی باتیں ہیں۔ جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ جب تم اس کتاب سے فارغ ہو جاؤ گے۔ تو مجھے لکھ دینا میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا ورنہ تم میرے پاس آجانا"۔

"خالو جی، کتاب ختم کرنے کے بعد مجھے کسی اچھے پبلشر کی تلاش میں لاہور جانا پڑے گا۔ اور راستے میں انشاء اللہ آپ کو بھی سلام کر لوں گا"۔

"بیٹا، صرف سلام نہیں تم وہاں ٹھہرو گے۔ اور ہماری اجازت کے بغیر آگے نہیں

جاؤ گے۔"

"خالو جان، آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا اشارہ بھی میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔"

بیگم احمد نے کہا۔ "بیٹا اب اس طرف آتے جاتے تمہیں لدھیانہ میں بھی رکنا پڑے گا۔"

"ہاں جی، میں لاہور سے فارغ ہو کر واپسی پر لدھیانہ آؤں گا۔"

"بیٹا، واپسی پر کیوں، جاتے ہوئے کیوں نہیں۔ اور پھر ہر مرتبہ کیوں نہیں؟"

"ہاں جی، اصل میں بات یہ ہے۔ کہ جاتے ہوئے میرے پاس کتاب کا مسودہ ہو گا اور مجھے ہر وقت یہ خیال رہے گا۔ کہ میں اسے کہیں گم نہ کر بیٹھوں۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ میں پورے اطمینان کے ساتھ آپ کے پاس آؤں۔"

"بیٹا! میں تو یہ دعا کیا کروں گی کہ خدا وہ دن جلد لائے۔ جب تم دونوں اطمینان سے میرے پاس آیا کرو۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد منظور کے ساتھ اپنی قیام گاہ کے راستے کی مسجد میں یوسف نے عشاء کی نماز پڑھی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھا تو بزرگ صورت مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"یوسف صاحب! ظہیر کہتا تھا، کہ کل وہ واپس جا رہے ہیں۔ شکر ہے کہ آپ سے بھی ملاقات ہو گئی۔"

"جی، میں شاید کافی عرصہ یہاں رہوں۔ اور آپ سے انشاء اللہ بہت سی ملاقاتیں ہوں گی۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ "مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ تحریکِ پاکستان کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ شہر کے سرکردہ لوگوں کو جمع کیا جائے اور آپ کو کچھ کہنے کی دعوت دی جائے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "جناب، اس کام کے لئے آپ جب چاہیں مجھے بلا سکتے

ہیں۔ لیکن میرے لئے صرف ظہر اور مغرب کے درمیانی اوقات موزوں ہوں گے۔"

"اگر ہم نماز جمعہ کے ساتھ ہی آپ کو تقریر کی دعوت دیں تو۔؟"

"جناب، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور منظور صاحب! آپ بھی تقریر کر سکیں گے؟"

"جناب، مجبوری کی حالت میں تو انسان ہر کام کر سکتا ہے، لیکن میں کل جا رہا ہوں"

یوسف نے کہا۔ "اچھا مولانا! اب ہمیں اجازت دیجئے۔"

اور مولوی صاحب مسجد کے دروازے تک پہنچا کر دونوں سے باری باری بغلگیر ہوئے۔ اور وہ دونوں خدا حافظ کہہ کر مسجد سے باہر نکل گئے۔

یوسف جاتے ہی لکھنے بیٹھ گیا اور پچھلے پہر تک لکھتا رہا۔ پھر وہ نصف گھنٹے کے لئے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ فجر کی اذان سنائی دی۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور نوکر کو آواز دے کر کہا۔

"بھئی، میرے لئے جلدی سے ناشتہ لے آؤ۔ اور جب منظور صاحب اٹھیں تو انہیں کہہ دینا کہ میں سیر کے بعد یہاں آنے کی بجائے خالو جی کے گھر پہنچ جاؤں گا۔ اور فضل دین کو تمہارا سامان اٹھانے کے لئے بھیج دوں گا۔"

احمد خاں اپنے کمرے سے نمودار ہوا اور اس نے پوچھا۔ "یوسف صاحب، کہاں کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟ اور آج تو آپ بالکل نہیں سوئے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "خاں صاحب! میں انہیں گاڑی پر بٹھا کر دہرہ دون سے آنے کے بعد آرام کروں گا۔ اگر میں نے زیادہ تھکاوٹ محسوس کی، تو ممکن ہے چند گھنٹے کے لئے میجر صاحب کے ہاں چلا جاؤں۔"

احمد خاں نے کہا۔ "بھائی آرام یہیں آکر کرو تو زیادہ ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے، خان صاحب، میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ دہرہ دون رکنے

کا پروگرام وہاں پہنچتے پہنچتے بدل جائے گا۔"

احمد خان نے کہا "میرا خیال ہے کہ ابھی نماز کا وقت ہے۔ آپ منظور صاحب کو بھی جگا دیں۔ میں بھی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس کے بعد ہم اکٹھے ناشتہ کریں گے۔"

یوسف نے کہا "خان صاحب، مجھے اس لئے جلدی تھی کہ میں میاں صاحب سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا۔"

"یوسف صاحب، ایک بات میں نے بھی آپ سے کہنی ہے مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ تمہارے سسرال والے یہ ضرور جاننا چاہیں گے۔ کہ اس وقت تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔ آپ انہیں یہ بتا سکتے ہیں۔ کہ آپ خان محمد کے اتالیق ہیں اور میرے سیکرٹری ہیں فی الحال آپ کی تنخواہ پانچسو روپے ماہوار ہے اور تمہارے طعام و قیام کے تمام اخراجات ہمارے ذمہ ہیں۔ بعد میں اس تنخواہ میں ایک معقول اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ مسوری میں رہتے ہوئے تمہیں لکھنے پڑھنے کی عام آزادی ہو گی۔"

نوکر نے چائے اور ناشتہ لا کر یوسف کے سامنے تپائی پر رکھ دیا اور احمد خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یوسف، آپ جلدی سے ناشتہ کر کے چلے جائیں۔ میں منظور اور خان محمد کو نماز کے لئے اٹھاتا ہوں۔"

فہمیدہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن کی تلاوت کر رہی تھی کہ نسرین بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے کہا۔ "آپا جان! بھلا بتائیے اس وقت کون آیا ہے؟"

فہمیدہ قدرے توقف کے بعد قرآن مجید بند کر کے جزدان لپیٹنے کے بعد اٹھی اور اسے چوم کر الماری میں رکھنے کے بعد نسرین کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "نسرین، تم مجھ سے یہ پوچھ رہی تھیں کہ کون آیا ہے؟"

"جی ہاں"

فہمیدہ بولی۔ "تمہارے سوال کا جواب تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم یوسف صاحب کو دیکھ کر آئی ہو۔"

"آپا جان، میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بھائی جان اس وقت آجائیں گے۔ یہ اُن کے کاغذات رکھ لیجئے۔" اس نے ایک چھوٹا سا پیکٹ دیتے ہوئے کہا۔

باہر سے آواز آئی "بھئی، میں بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں اس وقت یہاں پہنچ جاؤں گا۔ اب اگر اجازت ہو تو میں اندر آجاؤں؟"

فہمیدہ نے دبی زبان میں نسرین سے کچھ کہا۔ اور وہ باہر نکلتے ہوئے بلند آواز میں بولی۔ "بھائی جان، آئیے نا! آپا جان بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"کیا انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ انتظار کر رہی ہیں؟"

"جی ہاں، اُن سے پوچھ لیجئے۔"

"میں کیوں پوچھوں، اگر انہوں نے یہ کہا ہے تو صحیح ہو گا۔"

فہمیدہ نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔ "نسرین، تم کب تک ان کا راستہ روکے رہو گی؟ تم نے یہ محسوس نہیں کیا کہ انہوں نے رات بھر آرام نہیں کیا۔"

یوسف نے کہا۔ "یہ درست ہے کہ میں نے رات بھر لکھنے کے بعد سونے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور اگر میں غلطی پر نہیں تو شاید آپ بھی نہیں سو سکیں۔ اس کے باوجود کوئی ہمیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ہم تھکے ہوئے ہیں۔ میں اس سے گھنٹہ پہلے آسکتا تھا لیکن سوچا کہ آپ پریشان ہوں گی۔"

"اگر آپ ایک کی بجائے دو گھنٹے پہلے آجاتے تو بھی میں پریشان نہ ہوتی۔ اور آپ یہ محسوس کرتے کہ میں آپ کی منتظر ہوں ——— نسرین! جاؤ، نوکر سے کہو کہ جلدی سے ناشتہ تیار کرے۔ ابا جان، پندرہ بیس منٹ تک سیر سے واپس آجائیں گے۔"

صفیہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ یوسف نے سلام کیا۔ اس نے آگے

بڑھ کر پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا:

"بیٹا یہ عجیب بات ہے کہ میں نماز کے لئے اُٹھی تھی، تو فہیدہ باہر ٹہل رہی تھی۔ اور اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ بہت جلد آئیں گے؛ اور میں اسے کہتی تھی۔ کہ صبح تک لکھنے کے بعد وہ کم از کم دس بجے تک سوئے گا۔ جب ہم تیار ہو جائیں گے۔ تو فضل دین کو اسے بلانے کے لئے بھیج دیں گے۔ ورنہ اگر منظور پہلے آگیا تو روانگی سے پہلے اسے یوسف کو لانے کے لئے بھیج دیں گے۔"

بلقیس نے کمرے سے باہر نکل کر کہا: "دیکھا بہن! میں نہیں کہتی تھی۔ کہ یوسف اچانک پہنچ جائے گا۔"

یوسف نے کہا: "چچی جان! میں نے سوچا تھا۔ کہ تھکاوٹ دور کرنے کے لئے کچھ دیر سونے کی بجائے، آپ سے باتیں کرنا بہتر ہے۔"

بلقیس بولی۔ "دیکھو بیٹا! تم فہیدہ کی حق تلفی نہ کیا کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں صبح کے انتظار میں نہیں سوئے۔ اب تم اطمینان سے باتیں کرو۔ میں اور صفیہ تمہارا ناشتہ تیار کرواتی ہیں۔"

یوسف، فہیدہ اور نسرین کے ساتھ کمرے میں داخل ہُوا۔ امینہ، جو بستر پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "السلام علیکم! بھائی جان! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج میرے سوا کسی کو بھی نیند نہیں آئی۔ دو تین بار میری آنکھ کھُلی تھی۔ تو میں نے ایک بار دیکھا کہ فہیدہ بہن آپ کا پرانا مسودہ پڑھ رہی ہیں۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو کمرے سے باہر نکل رہی تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر میں پھر سونے کا ارادہ کر رہی تھی تو مجھے محسوس ہوا کہ بہن فہیدہ اضطراب کی حالت میں اندر اور باہر پھر رہی ہیں۔ شاید میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔ کہ آپ آنے والے ہیں پھر میں نے یہ کتاب اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی۔

یہ عجیب سی بات ہے بھائی جان۔ میرا دل بھی یہ گواہی دیتا تھا کہ آپ نماز کے بعد آرام کرنے کی بجائے سیدھے اس طرف آئیں گے۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا: "یہ تو خوش قسمتی کی بات ہے۔ کہ مجھ سے پیار کرنے والے لوگ مجھے اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ میرے ارادے بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔"

فہیدہ نے کہا: "اللہ کی اطاعت کرنے والوں کی کوئی بات اس کی مخلوق سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ نیکی اور پاکیزگی اُن کے چہرے کو ایسا آئینہ بنا دیتی ہے جس کے باعث ان کے دل کی کیفیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ مجھے یہ خطرہ تھا۔ کہ آپ میرے لئے ایک بہت بڑا معمہ بن جائیں گے۔ لیکن آج سے یہ خطرہ دور ہو چکا ہے۔"

"اور پھر مجھے خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ ہماری شب بیداری ضائع نہیں گئی۔ میں بھی آپ کو یہ بتا دوں تو شاید بُری بات نہ ہو۔ کہ رات لکھتے وقت جب میری توجہ اس طرف ہوتی تھی۔ تو میں یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ آپ بھی میری طرح صبح کے متعلق پریشان ضرور ہوں گی۔"

امینہ نے کہا۔ "فہیدہ بہن! میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر رات بھر جاگا جائے تو بھوک بہت لگتی ہے۔ میں ناشتے کا پتہ کرتی ہُوں۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی بات یہ ہے کہ میں نے نماز پڑھتے ہی اس طرف کا رُخ کرنے سے پہلے نوکر کو ناشتہ لانے کے لئے کہہ دیا تھا کہ اس طرح کچھ اور وقت گزر جائے گا۔ بہرحال جب ناشتے پر سب بیٹھیں گے تو میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔ جو بھوک مجھے محسوس ہونی چاہیئے تھی۔ وہ اس وقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔"

فہیدہ بولی۔ "اگر آپ نماز پڑھتے ہی آجاتے تو آپ دیکھتے کہ میں آپ کے انتظار میں گیٹ کے آس پاس ٹہل رہی تھی۔"

"بھئی! اپنی اس غلطی کا مجھے بڑی دیر تک افسوس رہے گا۔"

"افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آئندہ آپ اپنے دل سے پوچھ لیا کریں کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے معاملے میں آپ کا دل آپ کو غلط مشورے نہیں دیا کرے گا۔"

"رات میں نے جو صفحات لکھے تھے۔ وہ نسرین کو پکڑا دیئے تھے۔ آپ احتیاط سے انہیں اپنی فائل میں لگا لیں۔ میں ہر پندرہ دن کے بعد آپ کے لئے ایک پیکٹ بھیج دیا کروں گا۔ اور کتاب کے آخری صفحات لے کر جالندھر آؤں گا۔ اور وہاں سے پورا مسودہ لے کر لاہور چلا جاؤں گا۔ لاہور کے سفر کی کامیابی کے لئے آپ کو ابھی سے دُعا شروع کر دینی چاہیئے۔"

فہمیدہ بولی۔ "میں آپ کے لئے بہت سی دعائیں کیا کروں گی۔ اور پہلی دعا ہمیشہ آپ کی صحت کے لئے ہوگی۔"

یوسف نے کہا۔ "میرے لئے ایک اور دُعا بھی کیا کریں وہ یہ کہ مجھ سے زندگی میں کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے کہ میں آپ کو کھو بیٹھوں۔ کیونکہ میرے لئے اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"میں بہت دعائیں کیا کروں گی میرے اس یقین میں کوئی فرق نہیں آئے گا کہ ہم ہزار غلطیاں کرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہو سکتے۔"

صفیہ نے آواز دی۔ "بیٹی فہمیدہ، تمہارے ابا جان آ گئے ہیں۔ اب فوراً ناشتے کے لئے آ جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب کھانے کے کمرے میں بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔ نسرین کے والد کہہ رہے تھے "دس بجے سے پہلے میجر بشیر اور ان کے دوست جو اس کوٹھی کے مالک ہیں، یہاں پہنچ جائیں گے۔ اور اس کے بعد ہم اسٹیشن کی طرف روانہ ہوں گے۔ جن لوگوں نے ملنا ہے۔ وہ سب وہیں آ جائیں گے ____ بیٹا یوسف،

ابھی کافی وقت ہے۔ اس لئے تم کچھ دیر اندر جا کر لیٹ جاؤ۔ ہم تمہیں دس بجے جگا لیں گے۔ اور میرا خیال ہے کہ ہم سب کو بھی کچھ دیر آرام کر لینا چاہیئے۔ جب موٹریں پہنچیں گی تو ہم دس منٹ میں سوار ہو کر چل پڑیں گے۔ اور گاڑی چلنے میں کافی وقت ہو گا۔"

گیارہ بج کر دس منٹ پر کاریں دہرہ دون کے اسٹیشن سے باہر رکیں۔ اور وہ نیچے اترنے لگے۔ فضل دین اور منظور سامان اٹھوا رہے تھے۔

یوسف نے فہمیدہ سے کہا "میرا خیال ہے کہ بہت سے لوگ آپ کو رخصت کرنے آئے ہوں گے۔ اندر جا کر شاید مجھے آپ کو خدا حافظ کہنے کا موقع بھی نہ ملے۔ اس لئے آپ کے دل میں اگر کوئی بات ہو تو فوراً کہہ دیجیئے۔"

فہمیدہ بولی۔ "اس وقت تک اور اس کے بعد گھر پہنچنے تک اور پھر اس وقت جب تک میں آپ کو دوبارہ نہیں دیکھتی، میرے دل میں آپ کے لئے دعاؤں کے سوا کچھ نہیں۔"

یوسف امینہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "امینہ، شاید میں تم جیسی بہن کا کبھی شکریہ ادا نہیں کر سکوں گا۔ کتنا بوجھ ہے جو تم چپکے سے میرے سر پہ لاد چکی ہو۔ میں اس احسان کا شکریہ فہمیدہ کے سامنے ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اگر تم کل میری اعانت نہ کرتیں۔ تو میں شاید عمر بھر اس بات پر پشیمان رہتا کہ میں مسوری میں کڑھتا رہا اور آپ کو خدا حافظ کہنے کے لئے نہ آ سکا۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں، امینہ۔"

"بھائی جان، میری یہ خواہش بھی تو کوئی چھوٹی خواہش نہیں تھی کہ جب گاڑی چلنے لگے اور میں کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھوں تو میرا عظیم بھائی پیار سے میرے سر پہ ہاتھ رکھ دے۔ بھائی جان، جو حالات آپ نے بیان کئے ہیں۔ ان کے پیش نظر میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں۔ کہ جب آپ لاہور آئیں تو ہمارے ہاں ٹھہریں۔ میں منظور صاحب

سے یہ کہہ دوں گی کہ وہ آپ کے پروگرام سے باخبر رہیں ——— منظور صاحب! آپ سنتے ہیں؟"

"بھئی میں سن رہا ہوں۔ اور آپ کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے۔ کہ ان کے پروگرام کی سب سے پہلے مجھے خبر ہوگی۔"

یوسف نے کہا۔" احمد خان صاحب نے کرائے کے مکان میں ٹیلی فون لگوانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انہوں نے کل مالکِ مکان کو بلایا تھا اور مجھے اُمید ہے کہ چند دن تک میں آپ کو ٹیلی فون کی اطلاع دے سکوں گا۔"

امینہ بولی۔" بھائی جان' یہ تو بڑی خوشی کی بات ہوگی، لیکن آپ کا پہلا ٹیلی فون فہمیدہ بہن کو آنا چاہیئے۔"

"ارے پگلی' یہ تمہیں کیسے خیال آیا۔ کہ میں ٹیلی فون کا اس سے بہتر مصرف بھی سوچ سکتا ہوں، بہرصورت میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" پھر یوسف کو اچانک کوئی خیال آیا۔ اس نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔" فہمیدہ' یہ لو۔ مجھے خان صاحب نے تنخواہ میں سے کچھ رقم ایڈوانس دے دی تھی۔ یہ اپنے پاس رکھ لو۔"

"نہیں جی، بالکل نہیں، کبھی بھی نہیں۔ پردیس میں آپ کو بہت ضرورت ہوگی۔"

یوسف نے پریشان سا ہو کر کہا۔" میرا خیال تھا کہ آپ اس بات پر خوش ہوں گی۔"

"میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ میرے پاس جتنے پیسے جمع ہو گئے ہیں وہ آپ کو دے جاؤں۔ لیکن میں ڈرتی تھی کہ آپ کو غصہ نہ آجائے۔ دیکھئے جب تک آپ کی کتاب شائع نہیں ہوتی۔ اس وقت تک ہمیں ایک ایک پائی سنبھال کر رکھنی پڑے گی۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم اس دنیا میں سر اٹھا کر چل سکیں۔"

چند منٹ بعد وہ ویٹنگ روم کے اندر اور باہر دہرہ دون کے رشتہ داروں اور میجر صاحب کے دوستوں' ان کی بیگمات اور بچیوں کے جھرمٹ میں کھڑے تھے۔ یوسف'

منظور اور امینہ کا تعارف کروایا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ رخصت کرنے والوں سے مصافحہ کرنے اور بغلگیر ہونے کے بعد گاڑی پر سوار ہو گئے اور نسرین نے گاڑی پر سوار ہونے سے پہلے یوسف سے لپٹتے ہوئے کہا۔

"نانی جان کہتی تھیں کہ آپ کو اتنی محنت نہیں کرنی چاہیئے اور اپنی صحت کا خیال ضرور رکھا کریں۔ مجھے یہ اطلاع دیتے رہیں کہ آپ ٹھیک ہیں۔ ورنہ میں بیمار ہو جاؤں گی۔"

"میں اپنی ننھی بہن کو بیمار نہیں ہونے دوں گا۔ اب جلدی سے گاڑی پر سوار ہو جاؤ۔"

سب سے آخر میں نصیر الدین اور منظور' یوسف کے ساتھ گرمجوشی سے بغلگیر ہوتے۔ اور گاڑی پر جو حرکت میں آچکی تھی۔ سوار ہو گئے۔ یوسف چند ثانیئے پلیٹ فارم پر کھڑا رہا۔ جب گاڑی دُور نکل گئی۔ تو کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوتے کہا "چلیئے یوسف صاحب ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" یہ میجر بشیر تھے۔ وہ ان کے ساتھ اسٹیشن سے باہر نکلا۔ تو مرتضیٰ خان نے پوچھا۔

"یوسف صاحب آپ میرے ساتھ مسوری چلیں گے یا میجر صاحب کے ساتھ جانے کا پروگرام ہے۔"

میجر بشیر نے کہا۔" بھئی، تم دونوں ہمارے ہاں کھانا کھاؤ گے اور پھر جاؤ گے۔"

مرتضیٰ خان نے کہا۔" نہیں جناب' مجھے ابھی بھوک نہیں۔ میں کھانا مسوری پہنچ کر کھاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔" میجر صاحب' اگر آپ مجھے بھی اجازت دے دیں تو میں بھی سیدھا مسوری پہنچ جاؤں۔ وہاں احمد خان صاحب کھانے پر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں رات بھر لکھنے میں مصروف رہا ہوں اور اب یہ چاہتا ہوں کہ مسوری پہنچتے ہی کھانا کھا کر سو جاؤں۔" پھر اس نے بیگم بشیر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔" چچی جان، امید ہے کہ آپ برا نہیں مانیں گی۔ میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب بھی آپ کا حکم آئے گا۔ میں حاضر ہو

جایا کروں گا۔"

"نہیں بیٹا، اِس میں بُرا ماننے کی کون سی بات ہے۔ تم جا کر آرام کرو۔ ہم کسی دن ڈرائیور کو بھیج کر تمہیں، تمہارے خان صاحب اور ان کے لڑکے کو بلوا لیں گے۔ ہمارے دل پر خان صاحب کی مہمان نوازی کا بہت اثر ہے۔"

میجر بشیر نے کہا۔ "بھئی اُن کو تو میں نے ضرور بلانا ہے۔ بڑے اچھے آدمی ہیں وہ۔ اچھا بیٹا، السلام علیکم۔" میجر بشیر نے مصافحہ کیا اور وہ مرتضیٰ خان کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ مسوری تک پہنچتے پہنچتے وہ ایک دوسرے سے کافی بے تکلف ہو چکے تھے۔ مرتضیٰ خان، یوسف کو بڑے اصرار کے ساتھ شکار کی دعوت دے چکا تھا۔ لیکن یوسف نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔ "خان صاحب ابھی کچھ عرصہ کے لئے میں بہت مصروف ہوں۔ جب مجھے اپنے کام سے فرصت ملے گی۔ تو میں دن رات آپ کی رفاقت میں شکار کھیلتے ہوئے تھکاوٹ محسوس نہیں کروں گا۔"

مسوری پہنچ کر یوسف نے محسوس کیا کہ یہ شہر جو اس کے لئے ایک پُررونق دنیا تھی اچانک سمٹ کر بہت چھوٹا ہو گیا ہے۔ وہ جگہ جہاں خان صاحب نے اپنی کار کے لئے گیراج لیا ہوا تھا۔ مکان سے کوئی ایک میل دور تھی۔ وہاں سے اتر کر وہ مرتضیٰ خان صاحب کی قیام گاہ تک آیا تو اسے یہ محسوس ہوا کہ یہ گھر بھی بہت چھوٹا ہو چکا ہے۔

مرتضیٰ خان نے کہا۔ "بھئی اگر آپ کو مسوری ٹھہرنے میں کوئی دقت ہو تو آپ میرے پاس ٹھہر سکتے ہیں۔"

"جی شکریہ۔ احمد خان صاحب مجھے کہیں اور نہیں ٹھہرنے دیں گے۔ ویسے اس دعوت پر میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر آپ کھانا ہمارے ساتھ کھائیں تو خان صاحب بہت خوش ہوں گے۔"

"بھئی پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ آپ کو میری فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ یہاں میرے نوکر نے انتظام کر رکھا ہو گا۔"

یوسف مصافحہ کر کے وہاں سے چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ احمد خان اور خان محمد کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد احمد خان نے کہا۔ "دیکھو بھائی یوسف، اب تم سیدھے اپنے کمرے میں جاؤ۔ اور وہاں بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لو۔ اور جب تک تم خود نہیں اٹھو گے یہاں تمہیں کوئی نہیں جگائے گا۔ ہاں تمہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسی ہفتہ یہاں ٹیلی فون لگ جائے گا۔ میں نے مکان کے مالک کو ایک سال کا مزید ایڈوانس دے دیا ہے اور اگر تمہیں سردیوں تک یہاں ٹھہرنا پڑا تو اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ مزید کرایہ لئے بغیر دہرہ دون میں انتظام کر دے گا۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "خان صاحب میں کل سے دن کے وقت تین گھنٹے خان محمد کے لئے نکالا کروں گا اور رات کو اپنے کام میں مصروف رہوں گا۔ اور جس رفتار سے میں لکھ سکتا ہوں۔ اس سے مجھے امید ہے کہ میں ستمبر تک اپنا کام ختم کر لوں گا۔"

"بھئی اتنی جلدی کتاب ختم کر لو گے؟"

"خان صاحب اس کے بعض حصے میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس کتاب کو ترتیب دیتے وقت شاید ان میں کچھ کاٹ چھانٹ کرنی پڑے۔ اور اس کام کے لئے مجھے دسمبر تک یہیں ٹھہرنا پڑے مجھے برفباری دیکھنے کا بھی شوق ہے۔"

"اور وہ مسودہ، جسے تم گاڑی میں بھول گئے تھے؟"

"خان صاحب وہ ایک الگ چیز ہے۔ وہ کبھی بعد میں مکمل ہو گا۔"

"یار بڑا حوصلہ ہے تمہارا۔ میرے لئے تو ایک خط لکھنا بھی مصیبت ہوتا ہے۔ تم اب جا کر سو جاؤ۔"

مسوری سے واپسی

خان محمد کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اور احمد خان اور یوسف اسے دہرہ دون پہنچا کر واپس آگئے تھے۔ اس کے بعد یوسف نے احمد خان کو اس کی درخواست پر انگریزی اور تاریخ پڑھانی شروع کی تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اخبارات پڑھتے اور ملک کی سیاست پر تبصرے کیا کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے متعلق یوسف جو تڑپ اپنے گھر کے ماحول اور اس کے بعد اسلامیہ کالج لاہور سے لے کر آیا تھا۔ اس میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ ہندوؤں کی تنگ نظری اور مستقبل کے عزائم اور کانگرس کے مکر و فریب کے متعلق مضامین لکھ کر اخبارات کو بھیجا کرتا تھا اور اس کا ہر مضمون پڑھنے والے اس کی زبان میں پہلے سے زیادہ تلخی محسوس کرتے تھے۔ وہ یہ بات بار بار دہرایا کرتا تھا۔ کہ مسلمانوں کے لئے متحدہ قومیت کا نظریہ قبول کر لینے سے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا کہ وہ اس برہمنی سامراج کے نئے شودر بن جائیں۔

زمانہ قدیم میں برہمنی سماج کے بانی، یعنی آرین لوگ ہندوستان کی قدیم اقوام پر غالب آگئے تھے۔ اور پھر انہوں نے، انہیں دائمی طور پر مغلوب رکھنے کے لئے ایسے مذہبی ضابطے بنا لئے تھے کہ یہ سر نہیں اٹھا سکتے تھے یعنی، شودر ایک بار شودر بن جانے کے بعد ہمیشہ شودر رہتا تھا۔ اس لئے اگر مسلمان اپنے اندر انسانیت کا ذرہ بھر شعور رکھتے ہیں تو انہیں آنے والے معرکوں میں یہ ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور

ہندوستان کی متحدہ قومیت کے شودر بننے کی بجائے مرجانا بہتر سمجھتے ہیں۔"

ایک دن اس نے احمد خان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ "خانصاحب میرے ناول کے آخری صفحات اسی ہفتہ ختم ہو جائیں گے اور میں چاہتا ہوں کہ میں ان پر نظرِ ثانی کرنے کے بعد چند دنوں کے لئے لاہور سے گھوم آؤں"۔

احمد خان نے کہا۔ "دیکھو بھئی یوسف ـــــــ، میرے ساتھ تمہارا کام کبھی ختم نہیں ہو گا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم عمر بھر کے لئے میرے ساتھی ہو۔ اور جب تم ضرورت محسوس کیا کرو گے تو تم خود ہی میرے پاس پہنچ جایا کرو گے۔ ہمارا ایک گھر پنجاب میں ہے اور دوسرا سندھ میں"۔

"خان صاحب! یہ دونوں گھر مجھے یکساں عزیز ہوں گے۔ میں مستقبل کے افق پر آندھیوں کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کی جنگ کے لئے ہمیں اچانک میدان میں آنا پڑے گا۔ اور پھر معلوم نہیں، مجھے کتنے محاذوں پر لڑنا پڑے گا"۔

احمد خان نے کہا۔ "بھائی، میں کبھی کبھی یہ سوچا کرتا ہوں، کہ تمہاری صلاحیتوں سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے ہمیں ایک اخبار کی ضرورت ہے۔ میں کراچی سے اخبار نکالنے کے لئے سرمایہ فراہم کر سکتا ہوں اور میرا ایک دوست بلوچستان سے اخبار نکالنا چاہتا ہے اگر تم چاہو۔ تو دونوں اخباروں کی نگرانی تمہارے سپرد کی جا سکتی ہے"۔

یوسف نے کہا۔ "خان صاحب! اس کا جواب میں سوچ کر دوں گا کہ وہ کون سا محاذ ہے۔ جہاں میری زیادہ ضرورت ہے۔ لیکن اس وقت میں یہ کتاب چھپوانا اور دوسری کتاب لکھنا چاہتا ہوں"۔

احمد خان نے کہا۔ "بھئی وہ بھی ہو جائے گا، تمہاری کوئی خواہش ایسی نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو۔ جب تم تنہائی محسوس کرو۔ تو یہاں آجایا کرو۔ تمہاری خدمت کے لئے ایک نوکر مکان پر رہے گا۔ سردیوں میں تم دہرہ دون میں بھی رہ سکو گے۔ وہاں یہ فائدہ ہو گا۔ کہ

خان محمد چھٹیوں کے دن تمہارے ساتھ گزارا کرے گا۔ اور تم سے کچھ سیکھتا رہے گا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تم لاہور اور اپنے گاؤں میں اپنے کام اطمینان سے ختم کر کے واپس آؤ۔ اگر مجھے جلدی سندھ نہ جانا پڑا تو میں تمہیں رخصت کرنے جاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم جہاں ہو گے۔ جس حال میں ہو گے۔ مجھے خط لکھتے رہو گے۔ اور کتاب شائع ہونے کا انتظام اب نہیں تو کچھ عرصہ بعد ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تمہیں جس مقام تک پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ تم حاصل کر کے رہو گے۔ اور ہاں دیکھو، کبھی یہ بھی لکھ دینا۔ کہ ہماری دوستی کا رشتہ مضبوط کرنے کی وجہ وہ دو بھیڑیئے تھے۔ جو خدا جانے کہاں کہاں سے گھومتے ہوئے کوہ مردار میں پہنچ گئے تھے ورنہ مجھے کوئٹہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جس نے اس پہاڑ پر بھیڑیئے دیکھے ہوں۔"

اکتوبر کے آخری دن تھے۔ فہمیدہ بالاخانے کی چھت پہ دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نسرین نے بھاگتے ہوئے سیڑھی سے آواز دی۔ "آپا جان! آپا جان! جلدی نیچے آئیے۔ وہ آ گئے ہیں۔"

فہمیدہ کا دل دھڑکنے لگا۔ نسرین نے نچلی چھت پر نمودار ہو کر کہا۔ "آپا جان، خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بولتی۔ بھائی جان آ گئے ہیں اور نیچے امی جان سے باتیں کر رہے ہیں۔ ظہیر، اباجی کو بلانے گیا ہے۔ جلدی آئیں نا۔ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

فہمیدہ نے اطمینان سے نیچے اترتے ہوتے کہا: "بے وقوف، مجھے معلوم ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہے، آپا؟ آپ انہیں چھت سے کیسے دیکھ سکتی تھیں۔"

"بس کہہ جو دیا، مجھے معلوم ہے۔"

"آپا جان، عجیب بات ہے۔ آپ خوش ہونے کی بجائے مجھے ڈانٹ رہی ہیں۔"

"نہیں مُنی، تم مجھے بہت پیاری ہو۔ لیکن جو باتیں تمہیں معلوم نہیں ہوتیں۔ ان کے متعلق خاموش رہا کرو۔" فہمیدہ نے یہ کہہ کر پیار سے اُسے گلے لگا لیا۔

"آپا جان، مجھے بتائیں تو سہی کہ مجھے کیا معلوم نہیں ہے؟"

"بھئی، تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تمہارے بھائی جان نے کل رات گیارہ بجے فون کیا تھا کہ میں آ رہا ہوں۔ اب جتنی دیر وہ یہاں رہیں گے۔ بے حد مصروف رہیں گے۔ اس لئے تم نے ڈھنڈورا پیٹ کر لوگوں کو یہاں جمع نہیں کر لینا۔ تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ اوپر والے کمرے میں ان کا سامان رکھواؤ۔"

"آپا جان! سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ نیچے تو چلیں۔ بھائی جان پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

فہمیدہ نے ہنستے ہوتے کہا۔ "بڑی بے وقوف ہو تم۔ دیکھو اب نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ تم جا کر یہ کہو کہ میں نماز پڑھ کر آؤں گی، لیکن یہ بات یوسف صاحب سے نہیں، امی جان سے کہنا۔ وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔"

"آپا جان میں اُن سے کان میں بھی تو کہہ سکتی ہوں۔ اگر میں کان میں کہنے کی بجائے بلند آواز میں کہہ دوں تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔"

"چڑیل، مجھے معلوم ہے کہ تم اپنی مرضی کرو گی۔ اگر تم اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتیں تو تم یہ بھی کہہ سکتی ہو۔ کہ فہمیدہ آپ کو سلام کہتی ہے۔ اور وہ عصر کی نماز پڑھتے ہی نیچے آ کر آپ کا خیر مقدم کریں گی۔"

"آپا جان، وہ تو بہت خوش ہوں گے۔ لیکن میری پٹائی ہو جائے گی۔ اس لئے میں امی جان کے سامنے بات کرنے کی بجائے مناسب وقت کا انتظار کروں گی۔"

"اچھا جاؤ، میرا سر نہ کھاؤ۔"

نماز کے بعد فہمیدہ نیچے اتری۔ تو یوسف برآمدے میں بیٹھا صفیہ اور نسرین سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ "السلام علیکم" کہہ کر آگے بڑھی اور یوسف "وعلیکم السلام" کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ فہمیدہ بولی:

"جناب، آپ بیٹھے رہیں۔ اور مجھے شرمندہ نہ کریں۔"

یوسف نے فہمیدہ کو جواب دینے کی بجائے صفیہ سے مخاطب ہو کر کہا: "کیوں، خالہ جان، میں نے کوئی غلط بات کی ہے؟ کیا انسان جن لوگوں کا احترام کرتا ہے۔ ان کے لئے اُٹھتے ہوئے خوشی محسوس نہیں کرتا؟"

صفیہ بولی "بیٹا، میں سمجھتی ہوں۔ کہ لوگ اگر ایک دوسرے کے دل کا حال جانتے ہوں، تو انہیں ظاہرداری کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیئے۔"

"نہیں خالہ جان، فہمیدہ کے لئے میرا اُٹھنا ایک غیر شعوری حرکت تھی اور غیر شعوری طور پر مجھ سے اس قسم کی کئی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی یوں ہوتا ہے۔ کہ میری نگاہ کہیں مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور مجھے گردوپیش کا احساس نہیں رہتا۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جب میں اچانک فہمیدہ کے خیر مقدم کے لئے اٹھا تھا۔ تو میں یہ بھول گیا تھا۔ کہ یہاں مجھے دیکھنے والا کوئی اور بھی ہے۔"

صفیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بیٹا، میں تمہاری باتیں کچھ کچھ سمجھنے لگ گئی ہوں لیکن اس بات سے ڈر آتا ہے۔ کہ ہم میں سے کوئی اچانک تمہارے سامنے جائے اور تم اس سے یہ پوچھنے لگ جاؤ کہ آپ کون ہیں؟"

"نہیں خالہ جان، مجھے ڈر ہے۔ کہ میں کئی لوگوں کو بھول جایا کروں گا۔ کئی نقوش میرے ذہن سے مٹ جائیں گے۔ کیونکہ زیادہ سوچنے والوں کو بہت کچھ بھول جانے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ لیکن ان میں سے اس گھر کا کوئی فرد نہیں ہوگا۔"

"اچھا بیٹا! میں ذرا باورچی خانے سے ہو آؤں۔ تم اطمینان سے باتیں کرو۔" صفیہ اُٹھ کر چلی گئی تو یوسف نے صحن میں اپنے سوٹ کیس کے اوپر چمڑے کے ایک خوبصورت بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "فہمیدہ، کتاب کا باقی مسودہ اس بیگ میں ہے آپ اسے اطمینان سے پڑھ لیجئے۔ اور جو مسودے میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ وہ نکال کر

میرے کمرے میں رکھوا دیجئے۔ میرا مطلب وہ مسودہ نہیں جو میں گاڑی میں بھول گیا تھا بلکہ ان مسودوں سے ہے۔ جو اس ناول سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں ایک ہفتہ کے اندر اندر نظرِ ثانی کر کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اور تمہیں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی اصلاح کر دینا۔"

نسرین بولی "بھائی جان، مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ کہ میں آپ کے کام میں کوئی مدد نہیں کر سکتی —— شاید ابّا جان آگئے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں بیٹھک میں چلنا چاہیئے۔"

وہ بیٹھک کا رخ کر رہے تھے کہ نسرین کے والد اور ظہیر ڈیوڑھی سے نمودار ہوئے یوسف آگے بڑھا اور محمد نصیر الدین نے گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد اسے گلے لگا لیا اور پھر بیٹھک میں اپنے قریب بٹھا کر بجلی کی روشنی میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا: "بیٹا، خدا کا شکر ہے کہ تمہاری صحت پہلے سے بہت بہتر ہے۔"

"جی، میں نے کام بھی بہت کیا ہے۔ اور صحت کا بھی بہت خیال رکھا ہے۔ میں نے اپنا ایک اہم پروگرام پورا کر لیا ہے اور اب کتاب کا مسودہ لے کر لاہور جا رہا ہوں دوستوں نے جو خطوط مجھے بھیجے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نئی کتابوں کی اشاعت میں جو مشکلات حائل تھیں وہ کم نہیں ہوئیں اور میری مشکلات میں تو اس لئے بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ کہ اب نام نہاد نقادوں کے ایک گروہ نے ایسے ادب کے خلاف ایک محاذ بنا لیا ہے۔ جو کسی قومی مقصد کی تائید کرتا ہو۔ یا کسی اخلاقی نظریہ کا داعی ہو۔"

"بیٹا جب آپ کسی چیز میں حسن پیدا کر لیتے ہیں۔ تو کوئی نقاد لوگوں کو اس کی طرف دیکھنے سے منع نہیں کر سکتا۔ میں کوئی نقاد نہیں ہوں۔ لیکن تمہاری تحریر میں وہ حسن دیکھ سکتا ہوں جسے عوام کی طرف سے مقبولیت کی سند عطا ہوا کرتی ہے۔ بعض اوقات اس کے لئے دیر تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن حوصلہ قائم رکھنے اور صبر سے انتظار کرنے والوں کو اپنی محنت

کا صلہ ضرور ملتا ہے۔ بیٹا! میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ تمہیں زندگی میں کبھی حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔"

یوسف نے کہا۔ "مجھ پر اللہ کا یہ خاص کرم ہے کہ میں حوصلہ نہیں ہارتا۔ اگر میں آپ کے سامنے ان تمام مشکلات کا ذکر کروں جو میرے راستے میں حائل تھیں۔ تو آپ یہ محسوس کریں گے۔ کہ اس قدر حوصلہ شکنی کے باوجود اگر میں کوئی اچھی کتاب لکھ لوں۔ تو یہ ایک معجزہ ہوگا اور خالو جان اب تو میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ قدرت کے اس احسانِ عظیم کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ میں ناکام نہیں رہوں گا۔ مجھ پر بے یقینی کا ایک مختصر سا دور آیا تھا۔ لیکن یہ اتنا ہی تھا کہ اچانک میرے چاروں اطراف اندھیرے چھا گئے تھے پھر یکایک روشنی نمودار ہوئی۔ اور میری دنیا چکا چوند ہو گئی۔ خالو جان! اگر میں نے اس دنیا میں آپ کی خالہ جان اور چچی بلقیس کی شفقت نہ دیکھی ہوتی، تو بھی اللہ کی رحمت پر میرا یقین متزلزل نہ ہوتا۔"

"بیٹا! یہ ہر باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی کا رفیقِ حیات شریف، نیک اور بہادر ہو۔ فہمیدہ کا مستقبل میری زندگی کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ کیونکہ میں یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ یہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے۔ جب تمہیں دیکھا تو میں نے یہ محسوس کیا۔ کہ اللہ کی بارگاہ میں میری کوئی دعا قبول ہوئی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "خالو جان! میرے لیئے دعا کیا کریں۔ کہ میں آپ کی نیک توقعات پر پورا اتر سکوں۔"

نسرین نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "ابا جان! امی پوچھتی ہیں کہ کھانا لگا دیا جائے یا آپ عشاء کی نماز پڑھ کر کھائیں گے؟"

"بیٹی ساتھ والی مسجد میں نماز ہونے والی ہے۔ ہم پہلے نماز پڑھ لیں تو بہتر ہوگا ممکن ہے کہ تھوڑی دیر تک دوسرے مہمان بھی آجائیں۔ آؤ یوسف بیٹا!"

یوسف اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔

نسرین نے پوچھا۔ "امی جان، دوسرے مہمان کون ہیں؟"

صفیہ نے جواب دیا۔ "بیٹی مجھے چند دنوں سے خالدہ کی آمد کی اُمید ہے لیکن انہوں نے کوئی خط نہیں بھیجا۔"

فہمیدہ بولی۔ "امی جان، آپا خالدہ کو تو خط لکھنے کی عادت ہی نہیں۔ جب بھائی جان حسن علی کا کوئی پروگرام بنتا ہے تو وہی کبھی کبھی خط لکھ دیتے ہیں۔ ورنہ کسی کی معرفت پیغام بھیج دیا کرتے ہیں۔"

کھانا کھانے کے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد یوسف بالائی منزل کے کمرے میں پورے انہماک کے ساتھ مسودہ کے پہلے اجزاء پر نظرِ ثانی کر رہا تھا۔ لیکن اُسے خلافِ معمول جلد ہی نیند آگئی۔ علی الصباح اذان سنتے ہی وہ اٹھا۔ اور نماز کے لیئے باہر نکل گیا۔ جب وہ واپس آیا تو فہمیدہ اس کے بکھرے ہوئے کاغذات درست کر رہی تھی۔ یوسف نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں نے رات باقی مسودہ پڑھ لیا ہے اور اسے دوسری فائل میں لگا دیا ہے، لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ ایک بار پھر شروع سے لے کر آخر تک یہ کتاب پڑھ لوں۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ اس قابل ہے کہ آپ اسے دوبارہ پڑھنا پسند کریں۔ تو مجھے اپنی کوشش کے متعلق بہت پُرامید ہو جانا چاہیئے۔"

فہمیدہ بولی۔ "میرا دل چاہتا ہے۔ کہ میں اسے بار بار پڑھوں آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ گاؤں کے متعلق میں نے آپ کی کتاب کا مسودہ تین بار پڑھا تھا۔ اور چوتھی بار اس کی ایک مکمل نقل اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔ اس کے بعض حصے ایسے تھے۔ جن کو میں بار بار نسرین سے پڑھوا کر سنا کرتی تھی۔ اگر پڑھنے والوں نے آپ کی تصانیف سے میرے مقابلے میں نصف

یا ایک تہائی دلچسپی لی تو بھی آپ اپنے زمانے کے ایک کامیاب ترین مصنف ثابت ہوں گے۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرا پہلا مسودہ آپ نے پڑھا تھا۔ اور جب بھی میں آپ کے منہ سے ایسی بات سنتا ہوں تو میرے دل سے نسرین کے لئے اَن گنت دُعائیں نکلتی ہیں کہ اس نے ایک انتہائی گم نام مصنف کو اس ذہین خاتون سے متعارف کروا دیا تھا جس کی کوئی رائے غلط نہیں ہوسکتی۔"

"نسرین عجیب لڑکی ہے۔ اس نے آپ کا تعارف اس انداز سے کروایا تھا۔ کہ جب میں نے آپ کا مسودہ دیکھنا شروع کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ آپ میرے لئے اجنبی نہیں تھے۔"

یوسف بولا: "آپ کو یاد ہے کہ امی جان نے جب آپ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ تو ان کی کیا حالت تھی۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ آپ ہی ان کی بہو بن سکتی ہیں! اور وہ اس بات سے خوفزدہ تھیں کہ قدرت کی اتنی بڑی نعمت کہیں ان سے چھن نہ جائے۔"

فہمیدہ بولی "چچی بلقیس آخری وقت تک ان کے پاس تھیں۔ اور وہ مجھے ایک ایک بات بتا چکی ہیں۔ میں نیچے جا کر ناشتے کا پتہ کرتی ہوں۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے ہانپتے ہوتے کہا: "ناشتہ تیار ہے آپا جان! ابا جان بھی آ گئے ہیں اور آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

فہمیدہ بولی "آپ نسرین کے ساتھ چلیں، میں ابھی آتی ہوں۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور مسکراتے ہوئے بولی: "بھائی جان، آپ ایک امتحان کے لئے تیار ہو جائیں۔"

"دیکھو نسرین اگر تم باتیں کرنا چاہتی ہو تو کچھ دیر خاموش بیٹھی رہو، میں یہ کام ختم کر لوں

تو پھر تم سے باتیں کروں گا۔"

"بھائی جان، کچھ لوگ آپ کو دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔ اور ہم نے انہیں نیچے بٹھالیا تھا کہ وہ آپ کا وقت ضائع نہ کریں۔ ان کے طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چند گھنٹے آپ کا انتظار کر سکتے ہیں۔ بڑے ضدی معلوم ہوتے ہیں وہ۔"

ایک خوش وضع خاتون کمرے میں داخل ہوئی اور بولی: "دیکھو صاحبزادی! تم ہماری سفارش کرنے آئی ہو اور آتے ہی ہماری شکائتیں شروع کر دیں۔"

"جی، میں بھائی جان کا موڈ ٹھیک کر رہی تھی ــــــ بھائی جان! آپ کو معلوم ہے یہ کون ہیں؟"

یوسف اچانک اٹھ کر مؤدب کھڑا ہو گیا اور بولا: "آپا خالدہ، السلام علیکم۔"

ایک نوعمر لڑکا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا: "اچھا جی یہ بتائیے، میں کون ہوں؟"

"تم آپا خالدہ کے بیٹے، محمد عمر ہو۔"

عمر نے پیچھے مڑ کر آواز دی: "ابا جان! آپ آ ہی جائیں۔ بھائی یوسف سب کچھ جانتے ہیں۔"

خالدہ کا خاوند حسن علی ہنستا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور نسرین جلدی جلدی دوسرے کمرے سے کرسیاں لا کر وہاں رکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد فہمیدہ اور صفیہ بھی وہاں آ گئیں اور وہ سب کرسیوں پر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کرنے لگے۔

حسن علی نے کہا: "یوسف صاحب، میں دریا عبور کر کے کبھی کبھی گرم کپڑا لینے کے لئے دھاریوال جایا کرتا تھا۔ اور میں اس گاؤں سے گذرا کرتا تھا۔ جس کے باہر مسجد کے ساتھ ہی ایک نئی کوٹھی بن رہی تھی۔ وہ شاید ذرا بلندی پر تھی اس لئے بہت دور سے نظر آیا کرتی تھی۔"

"جی، وہ ہمارا مہمان خانہ ہے اور ذرا اونچی جگہ پہ ہے۔"

میں سنا کرتا تھا کہ اس گاؤں میں ایک بہت مشہور خاندان رہتا ہے۔ لیکن یہ بدقسمتی تھی کہ میں ان سے متعارف نہ ہوا اب میں سفر نہیں کیا کرتا، لیکن اگر کبھی موقع ملا تو سیدھا آپ کے گھر آؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "بھائی جان! جب آپ ہم سے متعارف ہوں گے تو آپ کو گاؤں میں ہمارے گھر اور خالہ نذر کے اس گھر میں کوئی بات مشترک نظر آئے گی۔"

عمر بولا "جی! میں ضرور آپ کے پاس آؤں گا۔ اور شکار کے لئے آپ کو اپنے گاؤں لے جاؤں گا۔ بہت شکار ہوتا ہے ہمارے علاقے میں۔"

"عمر صاحب، اگر آپ کا گاؤں پتن سے دریا عبور کرنے کے بعد دو تین میل دور ہے تو میں بھی وہاں سے چند بار گذر چکا ہوں۔"

"بھائی جان، شکار میں، میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دیا کروں گا۔ ابا جان تو اب شکار پر نہیں جاتے، لیکن اُن کی بہت سی یادگاروں میں سے ۔ ہمارے گھر میں دو چیتوں ایک ریچھ اور ایک شیر کی کھال اب تک موجود ہے۔"

خالدہ بولی۔ "بھائی یوسف، باپ بیٹے کو شکار کے سوا اور کوئی شوق نہیں۔ عمر نے اپنے باپ کے شوق میں کچھ اور اضافے کئے ہیں۔ شکار اور کھالوں تک تو معاملہ شاید ٹھیک ہی تھا، لیکن عمر جو جانور مار کر لاتا ہے۔ خواہ وہ نیل گائے ہو، ہرن ہو یا مور ہو اسے کسی کاریگر کو کافی معاوضہ ادا کرنے کے بعد بھرواتا ہے اور ایک کشادہ کمرے میں لا رکھتا ہے۔ ڈیرہ دون کے آس پاس شکار ہوتا ہے۔ عمر کو آپ کے شکار کے متعلق سننے کا بہت شوق ہے۔"

"بھئی! شکار کے لئے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں مسوری چھوڑنے سے صرف ایک ہفتہ پہلے، پہلی مرتبہ میجر صاحب کے شکاری دوست ناصر علی خان کے ساتھ گیا تھا میں نے وہاں ایک بارہ سنگا، دو ہرن اور ایک چیتا مارا تھا۔"

عمر بولا، "آپ نے مسوری میں بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا ہوگا۔"

"بھئی، دعوت کا انتظام میں کس کے لئے کرتا، میں نے ایک ہرن اور ایک بارہ سنگا میجر صاحب کو پیش کر دیا تھا اور باقی شکار خان صاحب لے گئے تھے۔ دعوت ان کے گھر ضرور ہوئی تھی اور میں وہاں موجود تھا۔"

"بھائی صاحب، میں نے سنا ہے کہ وہاں بڑے بڑے اژدھے ہوتے ہیں۔"

"ضرور ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک جو کوئی قریباً پندرہ فٹ لمبا تھا میں نے بھی مارا تھا۔ کافی بھاری تھا۔ خان صاحب کے ایک ساتھی نے اس کی کھال اتروانے کے لئے ڈیرہ دون کسی کاریگر کے پاس بھیج دیا تھا۔"

عمر نے پوچھا۔ "آپ نے وہاں کوئی شیر نہیں مارا، بھائی جان!"

"بھئی، میں صرف ایک ہی بار وہاں شکار کے لئے گیا تھا۔ اگر دوسری بار جاتا تو شاید شیر بھی مل جاتا۔"

محمد عمر نے کہا: "بھائی جان، جب آپ دوبارہ جائیں گے تو میں آپ کے ساتھ ضرور جاؤں گا۔"

خالدہ بولی۔ "لیکن یوسف صاحب! ہمارے گھر میں مزید کھالوں کے لئے جگہ نہیں ہوگی۔"

"آپا جی! میرا خیال ہے کہ مردہ جانوروں کی کھالوں کے اندر روئی وغیرہ بھر کر رکھنے کا شوق عارضی ہوتا ہے۔ عمر کا دل بہت جلدی ان سے بھر جائے گا۔ آپ نے شاید یہ پڑھا ہو کہ آسٹریلیا کے بعض قبائل اپنے دشمنوں کے سر اُتار کر انہیں کسی طریقے سے بہت چھوٹا کر لیتے تھے اور ایک رسی میں پرو کر ہار کی طرح گھروں میں رکھتے تھے۔ ہار جتنا لمبا ہوتا تھا۔ اسی قدر اس کے مالک کو بڑا سردار سمجھا جاتا تھا۔"

عمر نے پریشان ہو کر کہا۔ "بھائی جان، یہ تو آپ نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ میں اپنے حنوط شدہ جانوروں کو دیکھ کر بیزار ہو جایا کروں گا۔ لیکن ان کی کھالیں رکھنے پر تو

آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟"

"بھائی! جو بات بھی آپ شوق سے کریں گے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دن آپ اس سے زیادہ شوق کے ساتھ کتابیں پڑھنا شروع کر دیں اور گھر بیٹھے چند سال میں اتنی کتابیں پڑھ لیں کہ آپ کی گفتگو سے لوگ مرعوب ہو جایا کریں۔"

حسن علی نے کہا۔ "یوسف صاحب، میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ عمر آپ سے بہت میل جول رکھے گا۔ اگر آپ کسی ایسے آدمی کو تلاش کر سکیں جو اسے پڑھا سکے تو یہ آپ کی بہت مہربانی ہو گی۔ میں اُسے معقول تنخواہ دے سکوں گا۔"

"بھائی جان، انشاء اللہ! عمر کو ایک اچھا اُستاد مل جائے گا۔"

حسن علی نے کہا۔ "جو تنخواہ آپ مقرر کریں گے وہ ہم بخوشی دیں گے۔"

"بھائی جان، جسے میں بھیجوں گا وہ لالچی نہیں ہو گا، جو تنخواہ آپ دیں گے، خوشی سے لے لیا کرے گا۔"

خالدہ نے کہا۔ "بھائی یوسف، میں دوہری مبارک باد کی مستحق ہوں، ایک اس لئے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی، دوسرے اس لئے کہ میری زندگی کی ایک بہت بڑی الجھن دور ہو گئی: اگر آپ کبھی کبھی شکار کے بہانے ہمارے گاؤں میں آجایا کریں تو عمر آپ سے بہت کچھ سیکھ سکے گا۔"

"آپا جان، اگر مجھے شکار کا شوق نہ ہو تو بھی میں فرصت کے وقت وہاں ضرور آیا کروں گا۔"

فہمیدہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ نسرین نے اچانک کہا، "بھائی جان! آپ نے آپا جان کو بہت پریشان کیا ہے۔ میں نے انہیں آنکھیں پونچھتے ہوئے دیکھا ہے"

"میں نے انہیں پریشان کیا ہے؟"

فہمیدہ خاموش رہی تو یوسف نے مضطرب ہو کر کہا۔ "کیوں فہمیدہ! میں نے ایسی کون سی بات کہی؟"

فہمیدہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "آپ ایسے جنگل میں کیوں گئے تھے۔ جہاں چیتے بھی ہوتے ہیں اور اژدھے بھی۔"

نسرین بولی۔ "بھائی جان، آپا جان کو معلوم ہے کہ آپ بہت بہادر ہیں لیکن درندوں اور خوفناک اژدھوں کو بہادری دکھانے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ میں تو ابھی تک اس خوف سے کانپ رہی ہوں کہ اژدھا پندرہ فٹ لمبا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ ہو آپ نے ناپ کر تو نہیں دیکھا تھا" اس پر سب ہنس پڑے۔

یوسف کو رخصت ہوئے دس دن ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں لاہور سے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ ایک دن صفیہ نے لاہور میں بلقیس کو فون کر کے اس کے متعلق پوچھا: "بلقیس، آپ کو معلوم ہے کہ یوسف کہاں ہے؟"

اس نے جواب دیا: "بہن، جب میں لاہور میں تھی، تو یوسف اور کہاں ٹھہر سکتا تھا! امینہ اپنے والدین کے ساتھ آئی تھی۔ اور وہ اسے اپنے ہاں لے جانے پر مُصر تھے۔ لیکن اُس نے جواب دیا تھا کہ جب میں فارغ ہو جاؤں گا۔ تو چچی جان کے ساتھ آپ کے پاس آؤں گا۔ انہوں نے دو بار ہماری بڑی پُرتکلف دعوت کی ہے۔ یوسف کے والد پچھلے دنوں ریٹائر ہوتے ہی لاہور کا مکان چھوڑ کر گاؤں چلے گئے تھے۔ یوسف بھی چند دنوں تک گاؤں جانے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ نسرین کے چچا چھٹی پر آرہے ہیں۔ پروگرام یہ بنا ہے کہ ہم سب یوسف کے ساتھ ہی اس کے گاؤں روانہ ہو جائیں گے۔ میری بڑی خواہش ہے کہ وہ پردیسی درخت دیکھوں۔ جن کے متعلق اتنا کچھ سن چکی ہوں۔ یوسف اس وقت یہاں نہیں ہے۔ جب وہ رات کو آئے گا۔ تو میں اسی وقت فون کروا دوں گی۔ میرا خیال ہے۔ کہ یوسف نے کسی پریشانی کی وجہ سے آپ کو لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ابھی تک یہاں کسی ناشر سے اسے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا۔ لیکن آپ کو اس کے متعلق فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔ انشاء اللہ، اس کے سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے ٹیلی فون پر بات ہو تو اس کی حوصلہ افزائی کیجئے۔ ہاں وہ منظور احمد سائے

کی طرح اس کے ساتھ رہتا ہے۔ بڑا اچھا لڑکا ہے وہ۔ بہن، فہمیدہ، نسرین اور ظہیر کو میری طرف سے بہت پیار دینا۔ خدا حافظ۔"

گیارہ بجے کے قریب یوسف گھر پہنچا، تو بلقیس بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"چچی جان" اس نے کہا۔ "پروفیسر صاحب سے باتوں میں دیر ہو گئی۔ در اصل انہوں نے مجھے ایم۔ اے کی تیاری کے سلسلے میں مشورہ دینے کے لئے بلایا تھا۔"

"بیٹا، تم نماز پڑھ چکے ہو؟"

"چچی جان، میرا ارادہ تھا کہ میں گھر پہنچ کر نماز پڑھوں گا۔"

یوسف وضو کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اور بلقیس نے اٹھ کر ٹیلی فون کال بک کروا دی۔

جب یوسف نماز سے فارغ ہوا۔ تو وہ برآمدے میں ٹیلی فون کے پاس بیٹھی ہوئی تھی یوسف نے اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "چچی جان معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں ـــــ بہت سنجیدہ بات۔"

"ہاں بیٹا! میں یہ پوچھنا چاہتی تھی۔ کہ تم نے صفیہ کو خط کیوں نہیں لکھا؟"

"چچی جان، میں نے آج ہی خط لکھا ہے۔ لیکن انہوں نے آپ سے کوئی شکایت کی ہے؟"

"نہیں بیٹا، صفیہ اگر شکایت بھی کرتی تو میں پریشان نہ ہوتی۔ لیکن وہ جو شکایت نہیں کر سکتی۔ اس کے متعلق میں بڑی پریشان ہوں۔ اور ابھی اُس کا فون آتے گا۔"

یوسف مسکرایا۔ "چچی جان، جب آپ ٹیلی فون سنیں گی تو آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ میرے متعلق جو بات کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ وہ فہمیدہ کو معلوم ہو جاتی ہے۔ میں نے آتے ہی اس بات کا انتظام کیا تھا کہ اسے ہر تیسرے دن یہ اطلاع ملتی رہے۔ کہ میں بخیریت ہوں۔"

"بیٹا اگر تم خط لکھ رہے ہوتے تو وہ یقیناً ذکر کرتیں۔"

"چچی جان یہاں میری ایک بہن ہے وہ ہر تیسرے دن فون پر فہمیدہ کو یہ بتایا کرتی ہے۔ کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کس حال میں ہوں اور گھر والوں کو اس لئے نہیں معلوم ہوا ہو گا کہ میرا پیغام صرف فہمیدہ کے لئے ہوا کرتا ہے۔ ہمارے بعض معاملات ایسے ہیں۔ جن میں ہم کسی کو شریک نہیں کرتے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اور بلقیس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ بیٹی! میں بلقیس بول رہی ہوں۔ آج صفیہ نے مجھے ٹیلی فون پر یہ بتا کر بہت پریشان کیا تھا کہ انہیں یوسف کی کوئی خبر نہیں۔ بیٹی، یوسف کا یہ اولین فرض تھا کہ وہ تمہیں اپنے حالات سے باخبر رکھتا۔ اور اگر اس نے اپنا یہ فرض پورا کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنے والدین کو یوسف کے متعلق نہیں بتایا؟"

فہمیدہ نے جواب دیا۔ "چچی جان، یوسف صاحب کی پریشانی میں شریک ہونا میں صرف اپنا حق سمجھتی ہوں، اس لئے میں نے امی جان اور ابا جان کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور آپ کے متعلق تو میں یہ جانتی ہوں۔ کہ آپ ہر بات سے واقف ہوتی ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو میں آپ کو ضرور لکھتی یا ٹیلی فون کرتی ـــــ ہاں چچی جان کیوں نہیں۔ دیجئے انہیں ریسیور۔"

بلقیس نے ریسیور یوسف کو تھما دیا۔ وہ بولا "جی میں بخیریت ہوں۔ بہت پھرتا رہا ہوں۔ اس لئے صحت اچھی ہو گئی ہے۔ امینہ کی ڈیوٹی اس لئے لگائی تھی۔ کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ اور کبھی کبھی اپنے والدین کو بھی یہ تسلی دے دیا کریں کہ میں ٹھیک ہوں۔ کتاب کا مسئلہ وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔ آج ایک سنجیدہ پبلشر نے مسودہ پڑھنے کا وعدہ کیا ہے لیکن کاغذ کی کمیابی اور گرانی کے باعث تمام پبلشر پریشان ہیں۔ میں اسے مسودہ دے کر چند دنوں کے لئے اپنے گاؤں جاؤں گا۔ آج ایک پروفیسر صاحب کے مشورے

سے میں نے تاریخ میں ایم۔ اے کی تیاری شروع کر دی ہے۔ کچھ کتابیں میرے پاس پہلے
ہی موجود تھیں۔ اور کچھ میں نے خرید لی ہیں۔ گاؤں میں اگر کوئی خاص کام نہ پڑ گیا تو مجھے زیادہ
دن نہیں لگیں گے۔ میں ایم۔ اے کی تیاری کے ساتھ ساتھ دوسری کتاب شروع کر دینا چاہتا
ہوں۔ یہاں آکر میں نے محسوس کیا ہے۔ کہ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لینے کے لئے
مجھے لاہور، کراچی یا کوئٹہ میں سے کسی ایک جگہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنانا پڑے گا۔ میں
احمد خان صاحب سے مل کر کوئی پروگرام بناؤں گا۔ میں انہیں خط لکھ رہا ہوں۔ اور ان کا
جواب آنے پر مجھے کوئٹہ یا کراچی جانا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرا خط ملتے ہی مجھے تار
بھیج دیں گے ــــــ بھئی کوئی الجھن نہیں، میں نے احتیاطاً یہ بات کہہ دی تھی کہ گاؤں میں
ایسے معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ کہ کبھی ایک ہفتے کا پروگرام بنا کر جائیں تو ایک مہینہ
یا اس سے بھی زیادہ رکنا پڑتا ہے۔ ویسے اس وقت میرے سامنے کوئی ایسا مسئلہ نہیں،
زیادہ سے زیادہ دو تین دن گاؤں میں رہوں گا۔ اور واپس آ جاؤں گا۔ اگر چچی جان اور
چچا جان کا میرا ساتھ دینے کا پروگرام بن گیا تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ خالہ جان
کو میرا مؤدبانہ سلام کہہ دیجئے۔ میں گاؤں جانے سے پہلے کسی
وقت اُن سے بات کر لوں گا۔"

اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ "چچی جان شکریہ۔ اب تو آپ مجھ سے خفا نہیں
ہیں؟"

"بیٹا، میں پہلے بھی تم سے خفا نہیں تھی۔ اگر تم فہمیدہ کو خوش رکھ سکو، تو دنیا میں مجھے تم
سے زیادہ عزیز کوئی نہیں ہوگا۔"

"چچی جان، ہمارے لئے دعا کیا کریں۔"

"بیٹا، آج صبح تمہارے چچا جان کا فون آیا تھا کہ وہ دو دن کے اندر یہاں پہنچ رہے
ہیں اور وہ ہمارے ساتھ تمہارے گاؤں جائیں گے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے چچی جان!"

"ہم موٹر پر جائیں گے۔ اور موسم ایسا ہے کہ سیدھے تمہارے گاؤں پہنچ جائیں گے۔"

"چچی جان مجھے یقین ہے کہ گاؤں کی عورتیں آپ کو دیکھ کر یہ محسوس کریں گی۔ کہ میری
امی زندہ ہو کر واپس آ گئی ہیں۔"

"نہیں بیٹا، مجھے یہ خوش فہمی کبھی نہیں ہو سکتی، کہ میں کسی کو قدسیہ کی طرح نظر آ سکتی ہوں۔"

تیسرے دن اتوار کے روز یوسف میاں عبدالرحیم کے گھر پہنچا۔ منظور امینہ اور
اس کے بھائی علی اکبر کو برآمدے میں پڑھا رہا تھا۔ وہ سب اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑے
ہو گئے۔ یوسف نے کہا: "بھئی آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ امینہ، تمہارے ابا جی کہاں ہیں؟
میں ان سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی وہ ناشتہ کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ آیئے میں آپ کو ان
کے پاس لے جاتی ہوں۔"

یوسف نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "امینہ اگر میری گفتگو کا تعلق شروع سے لیکر
آخر تک تمہارے مستقبل کے ساتھ ہو تو تم بُرا تو نہیں مانو گی؟"

"بھائی جان، ابھی تک آپ کو اس بات پر شبہ ہے کہ میں آپ کی بہن ہوں؟"

"قطعاً نہیں۔ تم بہن سے بھی کچھ زیادہ ہو۔ لیکن کبھی کبھی میں یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ
میں کہیں اپنے فرائض سے تجاوز نہ کر جاؤں۔"

"بھائی جان، ایک بہن کی ذمہ داریاں اور بھائی کے فرائض کی حدود کہیں ختم نہیں ہوتی
ہیں۔"

"ارے تم تو ادیب بنتی جا رہی ہو۔"

"بھائی جان، میں ایک بہت بڑے ادیب کی بہن ہوں۔ اور اتنی کند ذہن نہیں

ہوں۔ کہ آپ سے کچھ نہ سیکھوں۔" اس نے آگے بڑھ کر ایک کشادہ کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ یہاں میاں عبدالکریم آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اٹھ کر یوسف سے مصافحہ کیا۔ اور یوسف کو اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا تمہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

یوسف نے اٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا: "جناب! میں چوتھے روز یہاں سے اپنے گاؤں جاؤں گا۔ چچا عبدالعزیز صاحب پرسوں تشریف لائیں گے۔ وہ اور چچی بلقیس بھی میرے ساتھ جائیں گے لیکن وہ جلد واپس آجائیں گے۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کتنے دن وہاں رہنا پڑے۔ آج ایک اہم ذمہ داری کا احساس مجھے آپ کے پاس لے آیا ہے۔ میں بہت سوچنے کے بعد یہ محسوس کر رہا ہوں کہ آپ جتنی جلدی امینہ کی شادی کر دیں گے۔ اسی قدر میرا ذہنی اضطراب کم ہو جائے گا۔ چچا جان! اگر امینہ میری سگی بہن ہوتی تو بھی میں منظور احمد سے بہتر لڑکا تلاش نہ کر سکتا۔ وہ ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور انتہائی شریف اور قابلِ اعتماد ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ اسے کسی تاخیر کے بغیر اِس گھر سے متعلق اپنی ذمہ داریاں سنبھال لینی چاہئیں۔"

"بیٹا ہم اُن پرانے لوگوں میں سے ہیں۔ جو کسی کو ایک بار اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھ لیتے ہیں۔ تو پھر اس کے متعلق اپنی رائے تبدیل نہیں کرتے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ تم امینہ کے نیک اور بہادر بھائی ہو۔ میں اپنی طرف سے اور اپنی بیوی کی طرف سے تمہیں تاریخ مقرر کرنے کا اختیار دیتا ہوں۔ اور اس مسئلہ میں تمہیں امینہ سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف ایک بات ہے۔ کہ ہمیں تاریخ کے اعلان کے بعد بیس دن کا وقفہ ضرور ملنا چاہیئے۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جان! میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ کیا آپ آج سے بیس یا پچیس دن بعد کی تاریخ مناسب سمجھیں گے؟"

"بیٹا، پچیس دن بعد کی تاریخ کا تم آج ہی اعلان کر سکتے ہو۔ اور منظور احمد سے بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ اسے اپنے گھر جا کر انتظامات کرنے کے لئے آج سے چھٹی ہے۔ دعوت نامے چھپوانے کے لئے میرا منشی بہت ہوشیار ہے، لیکن تم اپنے گاؤں سے آجاؤ گے نا اس دن تک؟"

"جی، اب تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے گاؤں میں میرا قیام اور مختصر ہو جائے گا۔ چچا جان! آپ نے اچھی طرح سوچ لیا ہے؟"

"بیٹا۔ جب سوچنے کے لئے تم جیسے جوان بیٹے موجود ہوں، تو ہم بوڑھوں کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب عبدالعزیز صاحب آئیں، تو مجھے فون کر دینا۔ جی تو میرا بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ تمہارے ساتھ جا کر اپنا گاؤں بھی دیکھ آؤں۔ لیکن جب سے تم لاہور آگئے ہو۔ میرا وہاں ٹھہرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مجھے قائم دین اور اپنے منشی پہ بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ کبھی میں وہاں جانے کا ارادہ کرتا ہوں تو امینہ اور اس کی ماں بڑی مزاحمت کرتی ہیں۔ انہیں قائم دین کی بیوی عالم بی بی سے کچھ چڑ سی ہو گئی ہے۔ امینہ کو کسی پر بلاوجہ غصہ نہیں آیا کرتا۔ لیکن ایک دن تو وہ میرے ساتھ جھگڑتے ہوئے اس قدر جذباتی ہو گئی تھی۔ کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اور اس نے صاف صاف یہ کہہ دیا تھا۔ "ابا جی! ہم میں سے کوئی اس جگہ نہیں جائے گا۔ جہاں عالم بی بی باورچی خانے تک پہنچ سکتی ہو۔ آپ اس کے کالے پیر کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ جو جرائم پیشہ لوگوں کو زہر فروخت کرتا ہے۔ میں نے بہت پوچھا کہ کالے پیر نے کس کے پاس زہر فروخت کیا ہے، لیکن امینہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ شاید اس نے سنی سنائی بات آگے چلا دی تھی۔"

یوسف نے پوچھا۔ "آپ نے پیر کوڑے شاہ کو دیکھا ہے؟"

"یار، میں نے اسے کئی بار دیکھا ہے۔ وہ جاہل لوگوں کو تعویذ دے کر پیسے بٹورا کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے تعویذوں کے اثرات دیکھ کر اس کے مرید بھی بن گئے ہیں۔"

"اور ان میں سے ایک عالم بی بی بھی ہے۔"

"وہ تو یقیناً ہے اور قائم دین کو اس کے پیچھے چلنا پڑتا ہے۔ شاید چراغ بی بی پر بھی اس کا کوئی اثر ہو، لیکن میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ وہ آدمی جو ساری رات عبادت کرتا ہے۔ زہر بھی فروخت کر سکتا ہے۔"

"چاچا جی! امینہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اس نے اگر کوئی بات محسوس کی ہے۔ تو وہ بلاوجہ نہیں ہوگی۔ وہ پیر کو کے شاہ کبھی آپ کے گاؤں میں آیا ہے؟"

"ہاں کبھی کبھی آیا کرتا تھا۔ لیکن چونکہ قائم دین کا گھر حویلی کے کونے میں ہے اور اس کا ایک دروازہ باہر کی طرف بھی کھلتا ہے۔ اس لیئے میری ملاقات اس سے بہت ہی کم ہوتی تھی۔ اور میں ہر ملاقات پر اسے کم از کم ایک روپیہ ضرور دیا کرتا تھا۔ اور وجہ اس کی یہ تھی۔ کہ عالم بی بی، قائم دین اور ان سے ملنے والے لوگ اس کی کرامات کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔"

"چاچا جی، میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا، لیکن میرا خیال ہے کہ جن ذرائع سے اس جرائم پیشہ پیر کے متعلق بعض معلومات امینہ کو حاصل ہوئی ہیں۔ ان سے مجھے بھی کئی معلومات حاصل ہوئی ہیں اور میرا پہلا ردعمل یہ ہے۔ کہ آپ کے گھر کی ہر ایسے انسان سے حفاظت کی جائے جس پر پیر کو کے شاہ کے زیر اثر ہونے کا شبہ کیا جا سکے۔ مجھے موقع نہیں ملا۔ ورنہ کو کے شاہ کے متعلق میری تحقیقات مکمل ہو چکی ہوتی۔ اور آپ کے سامنے ناقابلِ یقین باتیں آتیں۔"

عبدالکریم نے کہا۔ "یار یہ عجیب بات ہے۔ اس موضوع پر تم سے باتیں کرنے سے قبل میں اسے اگر اچھا آدمی نہیں تو کم از کم بے وقوف ضرور سمجھتا تھا۔ یہ بات میرے دماغ میں کبھی آئی ہی نہیں تھی کہ وہ بدمعاش بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اب میں اس کا تصور کرتا ہوں تو مجھے وہ انتہائی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ ارے یار، یہ بات میری سمجھ میں اب آئی ہے

جب تمہارے والد نے چراغ بی بی سے شادی کی تھی۔ تو میں اس بات پر خوش تھا کہ اسے ایک اچھا گھر مل گیا ہے۔ لیکن امینہ کہا کرتی تھی کہ یوسف صاحب پر ظلم ہوا ہے وہ ان کی سوتیلی ماں بننے کے قابل نہ تھی، لیکن بھئی میں تو آپ سے اپنی بیٹی کی شادی کی باتیں کر رہا تھا، ہم کو کے شاہ بدمعاش کا قصہ کسی اور وقت نہیں چھیڑ سکتے تھے؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "چاچا جی، اس بات پر میں بھی خوش نہیں ہوں، لیکن برے لوگوں پر اچھے وقتوں میں بھی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں سانپ سے کسی وقت بھی بے خبر نہیں رہنا چاہیئے۔"

"بیٹا میں تو اب یہ سوچ رہا ہوں۔ کہ علی اکبر بہت چھوٹا ہے۔ اس لئے مجھے جگہ جگہ پاؤں پھیلانے کی بجائے اپنی بیشتر جائیداد لاہور اور لائل پور میں سمیٹ لینی چاہیئے۔"

یوسف نے کہا۔ "چاچا جی، مجھے یقین ہے کہ ان مسائل پر منظور احمد آپ کو بہترین مشورہ دے سکے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں امینہ کے کان میں یہ کہہ جاؤں۔ کہ تمہارے متعلق ایک اہم فیصلہ ہو چکا ہے۔"

یوسف نے کمرے سے باہر نکل کر سیدھا امینہ اور منظور احمد کی طرف جانے کی بجائے لان کی طرف اتر کر گلاب کے دو خوبصورت پھول توڑے اور واپس آ گیا۔ امینہ نے مسکراتے ہوتے اپنے بھائی سے کہا۔ "علی اکبر بھاگ کر جاؤ اور مالی سے کہو کہ وہ بھائی جان کو گلاب کے بہترین پھولوں کا گلدستہ بنا دے۔"

"بھئی اس وقت مجھے صرف دو پھولوں کی ضرورت تھی۔ یہ لو اور ان کے ساتھ میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔ منظور بھائی، تمہیں تیاری کے لئے آج کے دن سمیت چوبیس دن ملے ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم سارے کام چھوڑ کر اپنے گھر پہنچ جاؤ۔ کیوں کہ پچیسویں دن تم نے اپنے عزیزوں کے ساتھ یہاں حاضری دینی ہے۔ میں چند دنوں کے لئے اپنے گاؤں جاؤں گا، لیکن میری کوشش یہ ہوگی۔ کہ

میں وقت سے چند دن پہلے یہاں پہنچ جاؤں۔"

منظور کچھ کہنے کی بجائے حیرت زدہ سا ہو کر یوسف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور امینہ نے اپنی گردن جھکا رکھی تھی۔ یوسف نے کچھ سوچ کر کہا۔ "دیکھو بھئی اس وقت وہ ساری گفتگو دہرانے کی ضرورت نہیں جو میں میاں صاحب سے کر چکا ہوں، لیکن یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے میں امینہ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں نے اتنی جلدی شادی کا فیصلہ کروانے میں زیادتی تو نہیں کی؟"

امینہ نے آبدیدہ آنکھیں اوپر اٹھائیں اور کہا: "بھائی جان! جب آپ ایک بھائی کے فرائض محسوس کرتے ہیں۔ تو آپ کی بہن آپ کو بھائی کا اختیار استعمال کرنے سے کیسے روک سکتی ہے؟"

"ارے چڑیل، میں تمہیں ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔"

امینہ بولی۔ "بھائی جان یہ کوئی ہنسنے والی بات تو نہیں تھی، لیکن آپ کو مجھ سے خفا نہیں ہونا چاہیئے۔ کبھی کبھی بہنوں کی آنکھوں میں آپ جیسے بھائیوں کے سامنے اظہارِ تشکر کے لئے بھی آنسو آجاتے ہیں۔"

یوسف کے گاؤں میں

چوتھے روز کار ریلوے لائن کے کراسنگ پر پہنچی جہاں سے ایک کچا راستہ یوسف کے گاؤں کی طرف جاتا تھا۔ وہاں شیشم کے درختوں کے نیچے سردار بیلا سنگھ اور چند اور آدمی کھڑے تھے۔ بھلو بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے یوسف اور عبدالعزیز کو جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا۔ "جی، آگے راستہ گھر تک ٹھیک ہے۔ کل صبح سے ہمارے گاؤں کے آدمی اس کام پر لگ گئے تھے۔ سردار بیلا سنگھ کو جب یہ خبر ملی کہ آپ اور انسپکٹر صاحب تشریف لا رہے ہیں، تو وہ بھی اپنے آدمی لے کر پہنچ گئے تھے۔"

بیلا سنگھ آگے بڑھا تو یوسف جو کار چلا رہا تھا اور عبدالعزیز جو اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، نیچے اُتر گئے۔ بیلا سنگھ نے دونوں کے ساتھ گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور یوسف سے پوچھا: "بھتیجے یہ بتاؤ کہ تمہارے مہمان بٹیر پسند کرتے ہیں نا؟"

"سردار جی! بٹیر کون پسند نہیں کرتا۔"

"بھئی میں یہ اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ بٹیر اس سال بہت آئے ہیں۔ میرے پاس کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ جب میں نے یہ سُنا کہ یوسف آ رہا ہے، تو میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ آئندہ ہمارا شکار کسی اور کے لئے نہیں ہو گا۔ آپ کے مہمان جتنے دِن یہاں ٹھہریں گے انہیں دونوں وقت بٹیر ملا کریں گے۔ اب تم جاؤ۔ گاؤں میں تمہارا انتظار ہو رہا ہو گا۔"

جب کار چلنے لگی تو اس نے کہا۔ "دیکھو یوسف، اجیت کہتی تھی کہ میرا بھائی اگر موٹر پر آ رہا ہے۔ تو اسے ہمارے گھر کے سامنے سے گذرنا چاہیئے۔ میں نے راستہ بنوا دیا ہے۔

اگر تم وہاں ایک منٹ کے لئے رُک گئے۔ تو وہ اور اس کی ماں انسپکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ کو سلام کرلیں گی۔ بات تو یہ کچھ نہیں۔ وہ تمہارے گھر بھی جا سکتی ہیں، لیکن اجیت اس بات پر فخر کیا کرے گی۔ کہ میرا شیر بھائی اس کار کو جس میں اتنے بڑے لوگ سوار تھے۔ سیدھا ہمارے گھر کے دروازے پر لے آیا تھا۔"

یوسف نے کچھ پریشانی ظاہر کی تو پچھلی سیٹ سے بلقیس بولی: "بھائی، ہم تمہاری بیٹی کو ضرور دیکھیں گے، چلو یوسف۔"

یوسف نے کار سٹارٹ کر دی۔ تھوڑی دور جا کر بلقیس نے کہا: "بیٹا، مجھے ایسا محسوس ہُوا تھا کہ یہ نام میں نے پہلے بھی سنا ہے — ہاں شاید وہ صفیہ اور بچیوں سے ملی تھی۔ تمہیں کسی نے بتایا؟"

"ہاں، چچی جان، یہ شاید ان دنوں کی بات ہے۔ جب وہ دھرمسالہ جا رہی تھیں۔ اور یہ لڑکی اپنے گاؤں کی چند عورتوں کے ساتھ راستے کے اسٹیشن سے ان کے ساتھ سوار ہوئی تھی۔"

بلقیس نے کہا: "بیٹا یوسف، تمہارے چچا شاید اس بات پر میرا مذاق اڑائیں۔ لیکن میں وہ پردیسی درخت ضرور دیکھوں گی۔"

"چچی جان، اگر آپ نے پہلے کہا ہوتا۔ تو میں نے خط لکھ کر اس طرف کا راستہ ٹھیک کروا دیا ہوتا۔ اور ہم پردیسی درختوں میں سے ہوتے ہوئے گاؤں پہنچتے۔ اب کسی دن بہت سویرے میں گھوڑوں کا انتظام کر دوں گا۔ آپ کی سیر بھی ہو جائے گی۔ صبح صبح آپ جنگلی مور بھی دیکھیں گی۔ اور پردیسی درختوں کو بھی جی بھر کر دیکھ سکیں گی۔"

کار بیلا سنگھ کی حویلی کے پھاٹک کے سامنے رُکی۔ اندر سے کتوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ اجیت اور اس کی ماں باہر نکلیں۔ اور آن کی آن میں گاؤں کی کئی عورتیں اور بچے وہاں جمع ہو گئے۔

یوسف نے کار سے اترتے ہوئے کہا: "چاچی آپ ٹھیک ہیں؟ اجیت بہن تم بھی ٹھیک ہو ناں؟"

اجیت نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا، "ویرجی، جب میں نے یہ سنا تھا۔ کہ چاچی جی مر گئی ہیں، تو میں باپو کی بہت منت کیا کرتی تھی۔ کہ مجھے لاہور لے چلو۔ تو وہ کہتے تھے۔ پگلی تم وہاں جا کر کیا کرو گی؟ ویرجی اگر بھگوان ایک کے بدلے دوسرے کی جان لے سکتا تو میں رو رو کر منتیں کرتی۔ کہ مجھے لے لو۔ اور میری چاچی کو چھوڑ دو۔ آپ آئے بھی تو اس بہن کو دلاسا نہ دے سکے۔ جسے مرنے والی بیٹی کہہ کر پکارا کرتی تھیں۔"

یوسف نے کہا: "اجیت، خدا کو یہی منظور تھا۔ تم حوصلہ سے کام لو۔"

"ویرجی، ایک منٹ ٹھہریں میں ابھی آتی ہوں۔ ماں! ان کو جانے نہ دینا۔ ورنہ جو بات آپ خود بھول گئی ہیں۔ اس کے لئے مجھے گالیاں سننا پڑیں گی۔"

یوسف نے پریشان ہو کر پوچھا: "چاچی جی، کیا بات ہے؟"

"بیٹا بات یہ ہے، کہ اجیت کے پتا انسپکٹر صاحب کو بہت یاد کرتے تھے۔ جب انہوں نے یہ سنا کہ تم انسپکٹر صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کے ساتھ آ رہے ہو۔ تو بہت خوش ہوئے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ انسپکٹر صاحب کی بیگم کو ہمارے گھر سے خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیئے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ یہاں رُک گئی ہیں — لیجئے اجیت آ گئی ہے۔ اگر بیگم صاحبہ ہمارا چھوٹا سا تحفہ قبول کرلیں تو ہمیں بڑی خوشی ہو گی۔"

اجیت نے آگے بڑھ کر ایک چھوٹی سی گٹھڑی بلقیس کو پیش کر دی۔ بلقیس نے عبدالعزیز اور یوسف کی طرف دیکھا تو یوسف بولا: "چچی جان یہ آپ کو لینی پڑے گی۔"

بلقیس نے گٹھڑی پکڑ کر ایک طرف رکھ دی۔ اور پھر دونوں ہاتھ بڑھا کر اجیت کے سر پر رکھ دیئے۔ "بیٹی! تم بہت اچھی بچی ہو۔ خدا تمہاری قسمت بھی اچھی کرے۔"

یوسف نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا: "چاچی جی، اگر میں جلد واپس نہ چلا گیا

تو چاچا چچی سے ملنے ضرور آؤں گا۔"

تھوڑی دُور جاکر بلقیس نے گٹھڑی کھول کر دیکھی تو اس میں سُرخ رنگ کے کپڑے کی دو پھلکاریاں تھیں۔ جن پر مختلف رنگوں کے ریشمی دھاگوں سے خوب صورت ڈیزائن اور بیل بوٹے بنائے گئے تھے۔ اس نے کہا: "یوسف اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ دو ہیں۔ تو ان میں سے ایک واپس کر دیتی۔ ان دونوں چادروں پر کئی کئی مہینے کام کیا گیا ہے۔ اور یہ کام اتنا نفیس ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ دیہات میں ایسی چیزیں بن سکتی ہیں۔"

"چچی جان، یہ کام ہمارے علاقے میں بہت ہوتا ہے۔ امی مرحومہ کی کاڑھی ہوئی چادریں بہت پسند کی جاتی تھیں۔ شاید ہمارے گھر میں کسی صندوق سے کوئی نکل آئے۔"

بلقیس نے کہا۔ "اپنی ماں کی ہر نشانی تمہیں سنبھال کر رکھنی چاہیئے۔ میں اب یہ سوچ رہی ہوں کہ میں اس لڑکی کو کیا دوں۔"

"چچی جان، وہ لڑکی آپ سے کچھ بھی نہیں لے گی۔"

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہیں میری سفارش کرنی پڑے گی۔"

"چچی جان! اگر آپ ضروری سمجھتی ہیں۔ تو اس کے لئے ہم کل شہر سے گرم کپڑے کا جوڑا اور ایک گرم چادر منگوالیں گے اور جب اس کی شادی ہوگی تو بھی اسے آپ کی طرف سے کوئی تحفہ بھیج دیا جائے گا۔"

چند منٹ بعد وہ گھر میں کھانا کھا رہے تھے۔ عبدالرحیم، عبدالعزیز اور بلقیس کے آنے پر بہت خوش تھے۔ کھانے میں ایک بڑی ڈش بھنے ہوئے بٹیروں سے بھری ہوئی تھی۔ عبدالرحیم کہہ رہا تھا۔ "یہ بٹیرے اس آدمی کا تحفہ ہیں جو دل سے آپ کی عزت کرتا ہے۔ اس نے آپ کی آمد کا سنتے ہی یہ کہا تھا۔ کہ جب تک انسپکٹر صاحب آپ کے مہمان ہیں انہیں دونوں وقت کے کھانوں پر بٹیر ملا کریں گے۔ وہ کہتا تھا کہ اس

سال جتنا بٹیر آیا ہے، پہلے کبھی نہیں آیا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میاں جی! وہ ریلوے لائن کے پار ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اور جب ہم اس کے گاؤں سے گزر رہے تھے۔ تو اس کی بیٹی نے بلقیس کو ایک ایسا خوب صورت تحفہ دیا تھا کہ یہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھیں۔ یہ ریشم کے رنگا رنگ دھاگوں سے کاڑھی ہوئی چادریں ہیں جنہیں ہم پھلکاری کہتے ہیں۔"

یوسف دن بھر گاؤں کے لوگوں سے ملاقاتوں میں مصروف رہا۔ اور گاؤں کی عورتوں نے بلقیس کو گھیرے میں لئے رکھا، کسی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بلقیس کو ذرا دور سے دیکھا جائے تو وہ قدسیہ معلوم ہوتی ہے اور سادہ دل عورتوں کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ بلقیس انہیں قریب سے بھی قدسیہ نظر آنے لگی۔ میاں عبدالرحیم، عبدالعزیز کو مہمان خانے میں لے گئے اور مغرب کی طرف وہ جگہ دکھائی جہاں نیا مکان تعمیر ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا: "عبدالعزیز صاحب میں آپ کو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارا نیا مہمان خانہ ہوگا۔ پہلے مہمان خانے میں فی الحال ایک کمرہ اور تعمیر کرا دیا جائے گا۔ اور یہ میرے بیٹے اور بہو کا گھر ہوگا۔ میں نے آتے ہی یہ کام شروع کروا دیا تھا۔ اور انشاءاللہ دو ماہ تک یہ مکمل ہو جائے گا۔ مغرب کی طرف ہمارے اپنے کھیت ہیں۔ اور یوسف جب چاہے گا۔ وہ نئے مہمان خانے سمیت جتنی زمین کی ضرورت ہوگی۔ اپنے مکان میں شامل کر سکے گا۔ میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ خواہ کچھ بنے یا نہ بنے لوگ اسے ملنے ضرور آیا کریں گے۔ اس لئے میں نے یہ سوچ لیا ہے کہ اگر وہ بڑے سے بڑا مکان بھی بنوانا چاہے تو اسے دقت نہ ہو۔ مغرب کی طرف تین ایکڑ کھیت ہمارے ہیں اور اگر وہ چاہے تو وہاں باغ لگا کر ساری زمین مکان کے احاطے میں لا سکتا ہے۔ بھائی صاحب، میری زندگی کی ایک خواہش ہے جو آپ پوری کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ میں صبح اٹھ کر جب نماز کے لئے مسجد میں جایا کروں تو وہاں

سے فارغ ہو کر اپنی بہو اور اس کے بچوں کو دیکھا کروں۔ میں نوکری سے ریٹائر ہونے کے بعد یہ محسوس کرتا ہوں کہ ملازمت کے دنوں کی طرح کسی دن زندگی کے یہ دن بھی پورے ہو جائیں گے۔ اگر میں فہمیدہ بیٹی کو نہ دیکھتا تو شاید یہ خواہش اتنی شدت سے پیدا نہ ہوتی۔ کہ اسے اس گھر کی ذمہ داریاں میری زندگی میں ہی سنبھال لینی چاہئیں۔ مسوری سے آتے ہی میں نے یہ پروگرام بنانا شروع کر دیا تھا۔ نصیر صاحب یا صفیہ بہن سے یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتا لیکن آپ یوسف کے چچا بن چکے ہیں اور اپنی ماں کے بعد بہن بلقیس کی وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ عزت کرتا ہے۔ میں اپنا یہ مسئلہ آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس نے زندگی میں جو کچھ بننا ہے۔ یہ تو اس کی قسمت کی بات ہو گی۔ لیکن اب میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے۔ کہ میں ان پیارے پیارے بچوں کے ساتھ دل بہلایا کروں۔ جو مجھے فہمیدہ اور یوسف نظر آیا کریں گے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میاں صاحب یہ تو میری اور مجھ سے کہیں زیادہ بلقیس کی خواہش بھی ہے۔ اور ہم اس کے لئے پوری کوشش کریں گے۔ لیکن ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ ابھی سے ہو جانا چاہیئے۔ جب ہم اداس ہو جایا کریں گے۔ تو ہم بن بلائے آپ کے پوتے اور پوتیوں کو دیکھنے آجایا کریں گے اور ہمارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہو گا۔ جو بن بلائے مہمانوں کے ساتھ ہُوا کرتا ہے۔"

"بھائی جان آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ کے لئے ساری عمر یہ گھر بلقیس کے بھائی کا گھر ہو گا۔ اور جب آپ نہیں آیا کریں گے تو میں یوسف کو بھیج کر آپ کو بلا لیا کروں گا۔ اور جب فہمیدہ لاہور میں ہوا کرے گی۔ تو میں وقت بے وقت بھی وہاں پہنچ جایا کروں گا۔ پھر میں ان بچوں کو چڑیا گھر کی سیر کرایا کروں گا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میاں صاحب یہ سب کچھ ہو جائے گا، لیکن اگر یوسف اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے کچھ وقت مانگے تو آپ جلد بازی نہ کریں۔"

"عزیز صاحب! یوسف میرا بیٹا ہے اور میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ جب وہ گھر بسانے کا فیصلہ کرے گا تو یہ نہیں دیکھے گا کہ اُسے اس دنیا میں کھڑا ہونے کی جگہ ملی ہے یا نہیں۔"

"میاں صاحب، ہم سب اسی طرح کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ ابھی آپ یہ بات بلقیس سے نہ کریں۔ ورنہ اگر اس کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ یہ کام جلد ہو جانا چاہیئے تو وہ مجھے کچھ اور سوچنے بھی نہیں دے گی۔"

"عزیز صاحب، میں اللہ کا شکر کرتا ہوں۔ کہ قدسیہ کی موت کے بعد بلقیس اور آپ کی شفقت اس کے لئے اتنا بڑا سہارا بن گئی ہے۔ جب میں فہمیدہ کے والدین اور آپ کے خاندان کے دوسرے لوگوں کے متعلق سوچتا ہوں تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ قدرت نے ایک زخمی بچے کو ہاتھ سے پکڑ کر اس گھر تک پہنچا دیا تھا۔ جہاں بہت شفقت اور پیار کرنے والے لوگ موجود تھے۔"

"میاں صاحب، وہ بچہ بھی تو ایسا ہے۔ جسے دیکھ کر سب کو پیار آتا ہے۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوا کرتی تھی۔ کہ اس کا باپ اس سے کیسے ناراض ہو گیا تھا۔"

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "عزیز صاحب! انسان خطاؤں کا پتلا ہے۔ اگر ہر بات وقت پر سمجھ میں آجایا کرتی۔ تو زندگی بڑی آرام دہ ہوتی۔ میں کبھی کبھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ یوسف میری الجھنوں کے متعلق جس قدر زیادہ جانتا ہے۔ اُسی قدر مجھے بتانے سے گریز کرتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میاں جی، ہمیں ایسی باتوں کا کھوج لگانے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ جنہیں سمجھ لینے کے نتائج ہمارے لئے بہتر نہ ہوں اور دنیا میں ہر بات جاننا ضروری بھی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی بات آپ کو بتانا ضروری ہوتی تو یوسف نے بتا دی ہوتی آپ کے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ آپ ماضی کے معمے حل کرنے کی بجائے مستقبل کے سُنہری خواب دیکھا کریں۔"

"عزیز صاحب! فہمیدہ کو دیکھنے سے پہلے یہ بات میرے ذہن میں کبھی نہیں آئی تھی کہ ایک باپ کے اپنے بیٹے کے متعلق سنہری خواب بھی ہو سکتے ہیں۔"

اگلے روز علی الصباح یوسف اور اس کے مہمان گھوڑوں پر سوار ہو کر سیر کے لئے نکلے۔ بیلا سنگھ نے عبدالعزیز کی سواری کے لئے اپنی خوب صورت گھوڑی بھیج دی تھی روانہ ہونے سے پہلے بلقیس نے کیمرہ نکال کر عبدالعزیز کو دیتے ہوئے کہا: "جناب آپ مجھ سے اچھے فوٹوگرافر ہیں۔ اور میں چاہتی ہوں۔ کہ یہاں سے پردیسی درختوں کی تصویریں ساتھ لے جاؤں۔"

عبدالعزیز نے کیمرہ پکڑتے ہوئے کہا۔ "تصویروں کے لئے سورج کی مناسب روشنی کا ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔"

بلقیس نے کہا: "جی کوئی بات نہیں۔ ہم اتنی دیر آس پاس گھوم لیں گے۔"

طلوعِ آفتاب سے کچھ دیر بعد وہ پردیسی درختوں کے گرد چکر لگانے اور تصویریں لینے کے بعد واپس آتے ہوئے عبدالکریم کے نئے گاؤں سے گزر رہے تھے۔ کہ یوسف کو دیکھ کر چند آدمی وہاں جمع ہو گئے۔ ہردیال سنگھ نے جھک کر پہلے عبدالعزیز کو سلام کیا اور دوسرے آدمی سے کہا: "یار تم جلدی سے جاؤ اور قائم دین سے کہو کہ مکان کھول دے مہمان آتے ہیں۔"

یوسف نے کہا: "بھئی ان کے پاس یہاں ٹھہرنے کا کوئی وقت نہیں۔ حویلی کے اندر قائم دین کے ساتھ اور کون رہتا ہے؟"

"جی اس کی بیوی، اس کا بیٹا اور وہ پیر جی بھی آئے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ کچھ دنوں سے دو اور آدمی بھی رہتے ہیں۔ جنہیں میں نہیں جانتا۔"

یوسف نے کہا: "چچا جان، آپ موقع ملتے ہی ان کی تصویریں لے لیں۔ یہ بہت

ضروری ہے ——— یوسف نے ہردیال سنگھ سے پوچھا۔ "اس کے پاس کوئی اور بھی ایسے لوگ آیا کرتے ہیں۔ جن کو تم نہیں جانتے؟"

"بہت آتے ہیں، جی!"

"بھئی ایسے لوگوں کا خیال رکھا کرو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ کوئی جرائم پیشہ واردات کر جائے۔"

"بہت اچھا جناب! ویسے اس کے پاس جو لوگ آ کر بیٹھا کرتے ہیں یا کبھی کبھی رات کو بھی رہتے ہیں۔ وہ اکثر چرس پینے والے ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کالا پیر جسے لوگ کوکے شاہ کہتے ہیں۔ خود بھی چرس پیتا ہے یا نہیں، لیکن اس کی آنکھیں بڑی خوف ناک ہیں۔"

حویلی سے تین آدمی باہر آئے یوسف نے ان کے درمیان ایک لمبے تڑنگے آدمی کو دیکھتے ہوئے کہا، "کیوں جی! پیر کوکے شاہ آپ ہیں؟"

وہ ذرا جھجک کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔ اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا: "جناب! مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ مجھے جانتے ہیں۔ کچھ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ یاد نہیں کب ملاقات ہوئی تھی۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "اصل میں ہم قائم دین کے لئے رکے تھے۔ اور اس کا حال پوچھنا چاہتے تھے۔"

کوکے شاہ بولا: "وہ کہیں باہر گیا ہے۔"

یوسف نے مڑ کر عبدالعزیز کی طرف دیکھتے ہوئے انگریزی زبان میں کہا۔ "یہ آدمی ایک وسیع علاقے میں زہر کا کاروبار کرتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کوکے شاہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے انگریزی زبان میں کہا: "اس سے یہ بھی بعید نہیں کہ یہ انگریزی سمجھتا ہو۔ میں اس عرصہ میں ان کی تین تصویریں لے چکا ہوں۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ ہوشیار ہو گئے ہیں۔"

یوسف نے کوکے شاہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "پیر جی آپ سے ایک چھوٹا سا کام تھا

جب قائم دین آئے گا۔ تو میں کسی کو آپ کے پاس بھیج دوں گا۔"

"جناب چھوٹا بڑا کام قائم دین کو بیچ میں لائے بغیر بھی ہو سکتا ہے، فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

یوسف نے گھوڑی سے کود کر کوکے شاہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "پیر جی ایک خدمت تو آپ ابھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے مہمانوں کو دیہاتی عجائبات کی تصویریں لینے کا بہت شوق ہے۔ آپ ایک قدم آگے ہو جائیں اور اپنے ساتھیوں کے بازو پکڑ کر کھڑے رہیں اور جب وہ ریڈی کہیں تو آنکھیں کھول دیں۔ جب وہ شکریہ کہیں تو آپ آنکھ جھپک سکتے ہیں۔"

کوکے شاہ نے کہا۔ "یہ معزز لوگ ہم غریبوں کی تصویریں لے کر کیا کریں گے۔"

"سائیں جی! تصویر امیر یا غریب نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی ایک غریب آدمی کی تصویر دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی بادشاہ ہے۔ اور آپ تو جی ہیں ہی بادشاہ لوگ۔"

عبدالعزیز نے "ریڈی" کہا، تو یوسف جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اور وہ آنکھیں کھول کر کیمرے کی طرف دیکھنے لگے۔ "شکریہ" عبدالعزیز نے کہا، اور پھر ذرا آگے بڑھ کر تینوں کے کلوز اَپ لے لئے۔

یوسف گھوڑے کی باگ موڑنے لگا، تو عالم بی بی کونے کے مکان سے باہر نکلی۔ وہ دُور سے پکار رہی تھی: "بھئی مہمانوں کو روکو۔ قائم دین ابھی آجائے گا۔ میں آپ کے لیئے ٹھیکیدار صاحب کا مکان کھلوا دیتی ہوں۔" پھر اس نے قریب آکر کہا۔ "ارے بیٹا یوسف، تم نے مجھے نہیں پہچانا، میں چراغ بی بی کی ماں ہوں۔"

"جی، میں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ لیکن میں جلدی میں ہوں۔ وقت ملے گا۔ تو پھر آجاؤں گا۔"

بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹا یوسف، وہ چڑیل کون تھی؟"

"چچی جان، اس چڑیل کا نام عالم بی بی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ آپ نے اسے ایک بار پہلے بھی دیکھا ہو گا۔"

"بیٹا یہ ان چڑیلوں میں سے ایک ہے۔ جو ہر منٹ کے بعد اپنی شکلیں بدلتی ہیں۔ میں اَب امینہ کی اس بات کا مطلب سمجھی ہوں۔ کہ چراغ بی بی کو یوسف صاحب کی سوتیلی ماں بنانے والوں نے اس پر کتنا ظلم کیا ہے۔"

عبدالعزیز نے یوسف کی طرف رخ کیا: "کیا تم نے اس پیر کو پہلی مرتبہ دیکھتے ہی پہچان لیا تھا؟"

"جی ہاں! اُس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کے متعلق کئی لوگوں سے پوچھنے کے بعد میرے ذہن میں اس کی تصویر پہلے سے موجود تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ دو اجنبی آدمیوں کے درمیان وہ جس لیڈرانہ شان سے آرہا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا۔ کہ یہ پیر کوکے شاہ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، مجھے اس سے شدید نفرت محسوس ہوتی تھی۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "میں ان دو لمبے تڑنگے آدمیوں کی طرف دیکھ رہا تھا جو اُس کے ساتھ آرہے تھے۔ اور پولیس میں میرا تجربہ مجھے یہ بتا رہا تھا کہ وہ چور، ڈاکو اور قاتل بھی ہو سکتے ہیں۔ تمہیں گاؤں کے ذمہ دار لوگوں کو ایسے لوگوں پر نظر رکھنے کے لئے کہہ دینا چاہیئے۔ مجھے ان دو آدمیوں کے متعلق شبہ ہُوا تھا۔ کہ وہ چرس وغیرہ کا نشہ بھی کرتے ہیں۔ میں نے اچانک اِس گاؤں کے آس پاس کسی واردات کا خدشہ محسوس کیا تھا۔ اس جرائم پیشہ فقیر پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔"

وہ کماد کے کھیتوں میں سے گزرنے والی پگڈنڈی پر جا رہے تھے۔ کہ اچانک ایک طرف سے سرپٹ گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور جگجیت سنگھ نے جو ٹٹو کی ننگی پیٹھ پر سوار تھا۔ ان کا راستہ روک لیا اور یوسف سے مخاطب ہو کر کہا۔ "صاحب جی! آپ نے مجھے کوئی حکم نہیں دیا؟"

یوسف نے عبدالعزیز سے کہا: "چچا جی یہ وہی لڑکا ہے۔ جس نے جامن کے درخت کے اوپر چھپ کر ارجن سنگھ ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کی باتیں سنی تھیں"۔

عبدالعزیز نے پوچھا: "کیوں بھئی، پڑھنا شروع کیا ہے تم نے یا نہیں؟"

"جی میں باقاعدہ سکول جاتا ہوں"۔

یوسف نے پوچھا: "جگجیت، تم اس پیر کو جانتے ہو۔ جو قائم دین کے پاس رہتا ہے"

"جی ہاں، اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور میں ان دو آدمیوں کو بھی جانتا ہوں جن سے شراب کی بُو آتی ہے۔ پیر جی کو میں نے ایک دن پنڈت دینا ناتھ کی بیٹھک سے نکلتے دیکھا تھا اور تین آدمی اس کے ساتھ تھے دو تو یہ تھے جو آج آپ نے دیکھے ہیں۔ تیسرا سکھ تھا جس نے منہ پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔ ایک دن میں نے سردار بیلا سنگھ کے گاؤں کے آدمی بھگوان سنگھ اور اس کے بھائی لچھمن سنگھ کو پیر کے ایک ساتھی کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ جس کی ایک آنکھ ذرا بھینگی ہے"۔

یوسف نے کہا: "میں بھی حیران تھا کہ تم اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔ بہت اچھا ہوا کہ تم ملاقات کے لئے یہاں پہنچ گئے۔ اب تم واپس جاؤ۔ اور اس پیر کے ساتھیوں کے متعلق جو کچھ سنو اور جو کچھ دیکھو مجھے بتاتے رہو۔ کوئی خاص بات ہو۔ تو خود میرے پاس آنے کی بجائے اپنے باپ کو بھیج دیا کرنا"۔

وہ اپنے گاؤں کے قریب امرود کے باغ میں پہنچے تو انہیں قائم دین آتا ہوا دکھائی دیا یوسف نے اسے دیکھتے ہی عبدالعزیز کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "چچا جان، جب میں اس سے بات کروں تو آپ بے پرواہی سے آگے نکل جائیے گا۔ وہ عام لباس میں آپ کو پہچان نہیں سکے گا اور چچی جان کے ساتھ ہوتے ہوئے تو اس کا دماغ اس طرف جا ہی نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے گاؤں میں وہ میری آمد کی اطلاع ملنے کی وجہ سے ہی گیا ہو گا"۔

عبدالعزیز نے کہا: "دیکھو بیٹا، تم جس آدمی کے کسی بڑے جرم کے گواہ ہو۔ اس کے متعلق تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیئے"۔

"چچا جان، آپ میری فکر نہ کریں"۔

جب وہ قائم دین کے قریب پہنچے تو اس نے اپنا گھوڑا روک لیا اور عبدالعزیز اور بلقیس نے اپنے گھوڑے ذرا تیز کر دیئے۔ قائم دین پریشانی کے عالم میں کبھی سامنے اور کبھی پیچھے دیکھ رہا تھا۔ یوسف نے "السلام علیکم" کہہ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور بولا: "میں آپ کا حال پوچھنے گیا تھا"۔

قائم دین بولا۔ "جی میں آپ کا پتہ کرنے گیا تھا۔ مجھے کل شام کو کسی نے بتایا تھا کہ آپ آئے ہوئے ہیں —— آپ ہمارے گھر گئے تھے؟"

"جی ہاں، ہم نے آپ کے مشہور پیر کو کے شاہ اور اس کے ساتھ دو خوفناک آدمیوں کو بھی دیکھا تھا —— کہاں سے آتے ہیں وہ لوگ؟"

"جی، پیر جی کے پاس حاجت مند لوگ بڑی دور دور سے آتے ہیں"۔

"بھئی میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تم اپنے پیر جی سے لوگوں کی حاجت پوری کرواتے کرواتے کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔ آج کل زمانہ بہت خطرناک ہے"۔

"آپ عالم بی بی سے نہیں ملے"۔

"وہ بھی باہر نکلی تھیں اور ہمیں روکنے کی کوشش کی تھی، لیکن مہمانوں کو جلدی تھی اس لئے ہم رُک نہ سکے"۔

قائم دین نے کہا۔ "اگر آپ اس سے پوچھ لیتے تو وہ آپ کی تسلی کر دیتی کہ حویلی میں صرف ایسے آدمی کو ٹھہرنے کی اجازت ملتی ہے۔ جن کے متعلق عالم بی بی کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اچھے لوگ ہیں —— آپ کے مہمان کون ہیں؟"

"یہ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ اور ایک بہت باثر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

میں گھر آ رہا تھا۔ تو سیر کے بہانے یہ بھی میرے ساتھ تیار ہو گئے۔ بیگم صاحبہ کو پردیسی درخت دیکھنے کا شوق تھا۔"

قائم دین نے کہا "جی، دولت مندوں کے شوق بھی نرالے ہوتے ہیں۔ ہم پردیسی درختوں سے اتنا قریب رہتے ہیں، لیکن عالم بی بی نے کبھی مجھے نہیں کہا کہ میں پردیسی درختوں کو قریب جا کر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ چاہے تو صبح شام وہاں جا سکتی ہے۔ چراغ بی بی ایک مرتبہ میرے ساتھ وہاں سے گزری تھی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اُس نے بھی ان درختوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا ہو گا۔"

یوسف نے کہا "بات یہ ہے کہ جو چیز گھر میں ہوتی ہے۔ اس کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ جس قسم کے آدمی آج ہم نے دیکھے ہیں۔ ویسے اور کتنے تمہارے پیر کے پاس آیا کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اگر کوئی چوری، ڈاکے یا قتل کی واردات میں پھنس گیا۔ تو تم اسے کیسے چھڑاؤ گے؟ اور تمہارے پیر صاحب کا کیا حال ہو گا؟"

"دیکھو یوسف، درویش لوگوں کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ لیکن آج سے میں اس بات کا خیال ضرور رکھوں گا۔ کہ ہماری حویلی کے اندر پیر صاحب کے جو مرید ٹھہریں ان کے متعلق ہمیں پورا یقین ہو کہ وہ خطرناک نہیں ہیں۔"

"اچھا اب میں جاتا ہوں۔ میرے ساتھی گاؤں پہنچ کر پریشان ہوں گے۔"

یوسف گھوڑا بھگاتا ہُوا گاؤں پہنچا تو عبدالعزیز اور بلقیس گھوڑوں سے اتر کر اس کا انتظار کر رہے تھے۔

پیراں دتہ چوکیدار نے یوسف کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوُئے کہا "صاحب جی، سردار بیلا سنگھ آپ کے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد بٹیروں کا ایک ٹوکرا پہنچا گیا تھا اور یہ کہہ گیا تھا کہ جب انسپکٹر صاحب کی واپسی ہو تو وہ صرف دو دن پہلے مجھے بتا دیں، تاکہ میں ایک بڑا ٹوکرہ ان کی کار پر لدوانے کا انتظام کر چھوڑوں۔ بہادر سنگھ بھی

آیا تھا۔ اور وہ یہ کہہ کر واپس چلا گیا تھا۔ کہ میں دو بجے کے بعد پھر آؤں گا۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ انسپکٹر صاحب بھی آپ کے ساتھ آئے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا۔ کہ پرسوں آپ کو اور آپ کے مہمانوں کو میرے گھر جانا پڑے گا۔ چونکہ اس کی بہن کی شادی ہے۔"

"اچھا، اس کے آتے ہی مجھے اطلاع دینا۔"

دوپہر کے کھانے پر بٹیروں کا سالن تھا اور پلاؤ میں بھی بٹیر تھے۔ عبدالعزیز نے کہا "کیوں یوسف، اب سردار بیلا سنگھ سے معذرت نہ کر لی جائے۔ مجھے یہ کچھ زیادتی سی محسوس ہوتی ہے۔"

"چچا جان، معذرت تو میں کر لوں گا۔ لیکن ایک زیادتی آپ کو برداشت کرنی پڑے گی اس نے بٹیروں کا ایک ٹوکرا آپ کی موٹر پر لدوا کر لاہور بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس معاملے میں میں ان کی دل شکنی نہیں کر سکوں گا۔ ایک اور بات جو مجھے یہاں پہنچنے پر معلوم ہوئی ہے کہ، بہادر سنگھ یہاں سے ہو کر گیا ہے۔ وہ دوبارہ آئے گا۔ اور آپ کے سامنے مسئلہ پیش کرے گا، کہ پرسوں اس کی بہن کی شادی ہے۔ جس پر آپ کو اس کے گھر جانا پڑے گا خواہ آپ ایک گھنٹہ کے لئے ہی جائیں۔ وہ اور اس کے رشتہ دار بہت ضد کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ بہادر سنگھ کو دیکھ کر آپ اس کی دل شکنی نہیں کر سکیں گے ان کے گاؤں کا راستہ بہت اچھا ہے۔ آپ یہاں سے نہر تک پہنچیں گے اور نہر کی پٹڑی پر چار، پانچ میل کا سفر طے کرنے کے بعد ان کے گاؤں پہنچ جائیں گے۔ اگر آپا جی بھی آپ کا ساتھ دے سکیں، تو ان کو بڑی خوشی ہو گی۔"

غلام نبی کی بیوی نے کہا۔ "یوسف، تمہارے چچا سے تو وہ بیس دن پہلے ہی وعدہ لے گیا تھا۔ کہ ہم دونوں وہاں آئیں گے۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "بھئی تمہیں ضرور جانا چاہیئے۔ عبدالعزیز صاحب کی بیگم صاحبہ

کے ساتھ ہمارے گھر سے کسی عورت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یوسف کی دادی سفر کے قابل ہوتیں تو میں ان سے بھی کہتا۔"

چراغ بی بی کا خیال تھا کہ اس معاملے میں اسے بھی کوئی اہمیت دی جائے گی۔ لیکن جب عبدالرحیم نے بھی اس کے متعلق کچھ نہ کہا تو اسے بڑی شدت سے محسوس ہوا۔ کہ وہ ابھی تک اس خاندان میں ایک اجنبی ہے۔ اور اسے عالم بی بی کی نصیحتیں یاد آنے لگیں۔ عبدالرحیم اور عبدالعزیز کھانا کھانے کے بعد نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے۔ عبدالرحیم نماز پڑھنے کے بعد گھر چلا گیا۔ یوسف اور عبدالعزیز مہمان خانے میں بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد بہادر سنگھ اپنی سائیکل پکڑے اندر داخل ہوا اور اسے ایک درخت کے ساتھ کھڑا کر کے برآمدے کی طرف بڑھا۔ یوسف کمرے سے باہر نکلا اور بہادر سنگھ اس کے ساتھ بغلگیر ہو گیا۔ پھر اس نے عبدالعزیز کو سیلوٹ کرنے کے بعد کہا: "چاچا جی! آپ کے آنے کی بہت خوشی ہوئی۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا تھا۔ کہ آپ یوسف کے ساتھ آئے ہیں۔ تو میری حالت یہ تھی کہ اگر پوری تنخواہ میری جیب میں ہوتی تو میں خبر دینے والے کو انعام دیتا لیکن اس وقت میری جیب میں صرف ایک روپیہ تھا۔"

یوسف نے کہا۔" اور وہ تم نے پیراں دتہ کو دے دیا ہو گا۔"

"جی، پیراں دتہ نے آپ کو بتا دیا ہو گا کہ میری خوشی کی خاص وجہ کیا تھی۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بھئی ہمیں تمہاری بہن کی شادی کی اطلاع مل گئی ہے اور پرسوں ہم ضرور آئیں گے۔ لیکن زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

"چاچا جی، مجھے معلوم ہے کہ آپ کا وقت کتنا قیمتی ہے۔ ہماری کوشش یہ ہو گی کہ آپ کا وقت بچانے کے لئے بارات کو ذرا جلد رخصت کر دیا جائے۔"

"نہیں بھئی، اتنی جلدی بھی نہیں ہو گی ہمیں۔ ہم یوسف کے دوست کی خوشی میں پورا

حصہ لینے کی کوشش کریں گے۔ بہر حال ہمیں شام سے پہلے پہلے واپس آجانا چاہیئے۔"

"جناب، یہ تو آپ کی بہت زیادہ عنایت ہو گی۔ ہمیں اطمینان سے باتیں کرنے کا وقت بھی مل جائے گا۔ کیونکہ بارات تین بجے تک واپس جا چکی ہو گی۔ ہم یہ سمجھیں گے کہ میری بہن بہت خوش قسمت ہے۔ جس کی شادی پر ایسے دیوتا لوگ آئے۔"

یوسف نے کہا۔ "اچھا بہادر سنگھ یہ بتاؤ۔ کہ ہم وہاں پہنچ کر تمہارے متعلق بھی کوئی خوشی کی خبر سنیں گے یا نہیں۔"

"یار، بھگوان کے لئے چاچا جی کے سامنے تو ایسی باتیں نہ کرو۔"

"تو اس کا مطلب ہے۔ کہ وہ خبر صحیح ہے۔"

"یار مجھے کچھ معلوم نہیں" بہادر سنگھ یہ کہہ کر چل پڑا۔

یوسف نے دروازے تک اس کا پیچھا کرتے ہوئے کہا۔ "بہادر سنگھ، میری طرف منہ کرو۔"

بہادر سنگھ نے مڑ کر یوسف کی طرف دیکھا۔ اور اپنا اوپر کا ہونٹ ہاتھ سے دبا کر دانتوں سے نیچے کر لیا۔

"یار، تمہیں واقعی کچھ معلوم نہیں؟"

بہادر سنگھ کی کوشش کے باوجود اس کے بالائی دانت باہر نکل آئے۔ یوسف نے کہا: "یار تم مجھے مسکراتے ہوئے بڑے اچھے لگتے ہو۔ مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ کہ جب راستے میں سردار بیلا سنگھ ملے تھے۔ تو میں نے ان سے پوچھ نہ لیا۔ ورنہ میں تمہارے قہقہے سنتا۔"

"بھائی صاحب، اگر یہ بات ہے تو آپ کو کچھ نہ کچھ معلوم ہو گا اور اگر آپ نہیں پوچھیں گے تو اور کون پوچھے گا۔"

یوسف نے کہا: "بہادر سنگھ، میں صر   ں لئے نہیں پوچھوں گا کہ تم میرے دوست ہو۔ بلکہ اس لئے بھی پوچھوں گا۔ کہ اجیت کو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔"

"یار اس کا مطلب ہے کہ میری طرح وہ بھی بہت خوش قسمت ہے۔"

"اچھا ہم پرسوں گیارہ بجے کے بعد کسی وقت پہنچ جائیں گے اور ہمارے لئے وہاں کسی تردد کی ضرورت نہیں۔"

آم کے باغ میں بارات کھاٹوں اور دریوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک طرف کوئی بیس کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ جن پر دولھا اور اس کے خاندان کے چند معززین بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ پولیس کے چند افسر بھی بیٹھے ہوتے تھے۔ نہر کی پٹڑی سے ایک کار نمودار ہوئی اور تین چار کھیت جن میں راستہ بنا دیا گیا تھا۔ عبور کرنے کے بعد پہلے بہادر سنگھ کی حویلی کے سامنے رُکی۔ وہاں گاؤں کی عورتیں کھڑی تھیں اور انہوں نے بلقیس اور یوسف کی چچی کو کار سے اترتے ہی اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔ یوسف کی چچی نے کہا: "بھئی ایک چیز موٹر میں رہ گئی ہے۔ وہ مجھے نکال لینے دو۔"

یوسف نے ڈگی کھولی اور ایک گٹھڑی نکال کر چچی کو تھماتے ہوئے کہا "چچی جان، انہیں یہ کہہ دیں۔ کہ ایک جوڑا ہماری طرف سے ہے۔ اور دوسرا جوڑا جو زیادہ قیمتی ہے۔ وہ انسپکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ لائی ہیں۔"

یوسف، عبدالعزیز اور اس کا چچا غلام نبی باغ میں پہنچے تو حاضرین نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ بہادر سنگھ نے دولھا کے ساتھ بیٹھتے ہوئے سفید ریش سکھ سے عبدالعزیز کا تعارف کرواتے ہوئے کہا: "جناب یہ ہمارے انسپکٹر عبدالعزیز صاحب ہیں — اور انسپکٹر صاحب، یہ سردار جگت سنگھ جی ہیں — دولہا کے والد۔"

عبدالعزیز نے جگت سنگھ سے مصافحہ کیا۔ اور اس کے بعد باری باری چند

اور لوگوں سے مصافحہ کرنے کے بعد دوسری صف میں کچھ دیر سردار بیلا سنگھ سے باتیں کرتے رہے، بہادر سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا، "چاچا جی، وہ آپ تینوں کو آگے بُلا رہے ہیں۔ آپ دولہا کے بائیں ہاتھ خالی کرسیوں پر آجائیں۔"

سردار جگت سنگھ چند ثانیے غور سے یوسف کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے اٹھ کر یوسف کے دونوں بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "کاکا جی! آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟"

یوسف نے اس سے بغلگیر ہو کر کہا۔ "سردار جی، میں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

بہادر سنگھ نے پوچھا "سردار جی، آپ یوسف صاحب کو جانتے ہیں؟"

"بیٹا، میں انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کی وجہ سے میں مرتے مرتے بچا تھا ہم ایک لمبے سفر میں اکٹھے تھے۔ اور میرا تجربہ یہ ہے۔ کہ ہم سفر کی سینکڑوں باتیں بھول سکتے ہیں۔ لیکن ایک بہادر ساتھی کو کبھی نہیں بھول سکتے — بیٹا، سناؤ، اُس ننھی شہزادی اور اس کی نانی جی کا کیا حال ہے؟"

"سردار جی، وہ بہت خوش ہیں اور آپ کو نہیں بھولیں۔"

جگت سنگھ، عبدالعزیز سے مخاطب ہوا "انسپکٹر صاحب! یہ وہ شیر ہے۔ جس کے ساتھ ہم نے ایک خوفناک طوفان میں دریائے سندھ عبور کیا تھا۔ جب بھی میں بیس میل چوڑے علاقے میں کشتی پر سفر کے لئے سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گرمی سے ہمارا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اور بدتمیز ملاح سواریوں کو چھپّر کے اندر گھس کر بیٹھنے پر مجبور کر رہے تھے۔ پھر ایک ملاح سے کوئی گستاخی ہو گئی اور اِس شیر نے اس کو ایک تھپڑ مار کے کشتی سے نیچے پھینک دیا۔"

عبدالعزیز مسکرایا۔ "سردار جی، جس شہزادی کے متعلق آپ پوچھ رہے تھے۔ وہ میری بھتیجی ہے اور جس کے ساتھ ملاح گستاخی سے پیش آیا تھا وہ اس کی نانی تھی، لیکن جب آپ بہادر سنگھ

سے یہ سنیں گے کہ اس شیر نے یہاں پہنچ کر کیا کیا تھا، تو آپ بہت خوش ہوں گے۔"

"جی میں بہت کچھ سُن چکا ہوں اور آپ حیران ہوں گے کہ جب یوسف نے یہ کہا تھا کہ ہمارا گاؤں فلاں ریلوے سٹیشن کے قریب ہے تو میں نے فوراً یہ کہہ دیا تھا کہ تم عبدالرحیم کے بیٹے ہو۔"

یوسف نے کہا۔"سردار جی، یہ دولہا بھائی وہی تو نہیں جو آپ کو کشتی پر چھوڑنے آئے تھے؟"

"نہیں بیٹا! یہ اس کا چھوٹا بھائی بچن سنگھ ہے اور میرے پاس دریا کے کنارے رہتا ہے۔ بھگت سنگھ نے بھی دو ماہ کی چھٹی لی ہے۔ اور وہ واپس جانے تک گاؤں میں ہی رہے گا۔ ہمارا گاؤں یہاں سے زیادہ دور نہیں اور تمہارے گھر میں تو ہمیشہ اچھے گھوڑے ہوتے ہیں۔ کسی دن تم سیر کے بہانے آجانا ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔"

"سردار جی، آپ بھی آئیں ناں! کبھی ہمارے گاؤں میں۔"

"بیٹا، شاید میں بھی کسی دن آجاؤں۔ لیکن اب ذرا بوڑھا ہوں ناں۔ اس لئے چلنے پھرنے سے گھبراتا ہوں۔ اپنے پتاجی کو میرا سلام کہنا۔ میں جب کبھی اس طرف اپنے رشتہ داروں کے پاس آتا تھا تو تمہارے دادا چودھری نور محمد کو سلام کرنے ضرور جایا کرتا تھا — کیسے کیسے لوگ چلے گئے اس دنیا سے۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ بہادر سنگھ اور اس کے باپ کو یہ سمجھ آگئی ہے کہ اس علاقے میں دوستی کے قابل کون ہے۔"

بہادر سنگھ بولا۔"اس خاندان کے ساتھ سردار بیلا سنگھ کی بھی بڑی دوستی ہے۔"

"بیٹا مجھے معلوم ہے۔ تمہارے باپو سے جب بھی ملاقات ہوتی ہے۔ تو وہ سب سے زیادہ سردار بیلا سنگھ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ سردار بیلا سنگھ جی! اگر کسی دن شکار کے بہانے ہمارے گاؤں کی طرف آجاؤ تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔ بھگت سنگھ بیٹا! بہادر سنگھ تو ضرور آیا کرے گا، لیکن تمہیں اس کے دوست سے بھی یہ وعدہ لینا چاہیئے۔ کہ وہ اگر ہمارے پیار کی خاطر نہیں تو اپنی بہن سے ملنے کے لئے کبھی وہاں آجایا کرے۔"

بہادر سنگھ نے کہا۔"جی جب یوسف صاحب کو یہ خط ملے گا کہ ایک بہن اس کے لئے اداس ہے۔ تو یہ ضرور آئیں گے۔"

جب بارات کھانے کے لئے اٹھنے لگی۔ تو بہادر سنگھ نے آکر یوسف سے کہا:

"جناب آپ کے کھانے کا انتظام ایک مسلمان میراں بخش کے ہاں کروا رکھا ہے۔ اس لئے آپ یہیں تشریف رکھیں۔ ان کے گھر کے آدمی کھانا لے کر یہیں پہنچ جائیں گے"

یوسف نے فوراً کہا۔"بہادر سنگھ ہم نے یہاں پہنچتے ہی تمہیں بتا دیا تھا۔ کہ ہم کھانا کھا کر گھر سے نکلے ہیں۔ یہ موٹی سی بات تمہارے دماغ میں کیوں نہیں آئی۔"

"بھائی صاحب، دماغ میں تو یہ بات آگئی تھی۔ میں نے باپو کو بھی بتا دیا تھا، لیکن بات یہ ہوئی ہے کہ ہم نے مسلمان مہمانوں کے کھانے کا انتظام گاؤں کے ایک بڑے مسلمان زمیندار چودھری میراں بخش کے ہاں کروا رکھا ہے۔ اب خیال تھا کہ آپ دو لقمے کھا لیتے تو ہماری عزت رہ جاتی۔ ورنہ چائے یا دودھ کے ساتھ کچھ مٹھائی آپ کو ضرور کھانی پڑے گی۔"

عبدالعزیز نے کہا۔"بھئی ہم نے چائے یا دودھ سے کب انکار کیا ہے۔ لیکن چائے کی بجائے ٹھنڈا دودھ بہتر رہے گا۔ مٹھائی کی ضرورت تو نہیں، لیکن شاید کوئی کھالے۔"

"پھر آپ یہیں تشریف رکھیں۔ اور ٹھنڈا دودھ جی بھر کر پئیں۔ اس کے کچھ دیر بعد آپ کے لئے چائے آجائے گی۔"

یوسف نے کہا۔"بھئی چائے ہم گھر جا کر پئیں گے۔ تم یہاں دودھ پہنچانے کا کام کسی کے سپرد کردو اور مہمانوں کا خیال رکھو۔"

ساڑھے تین بجے بارات رخصت ہو چکی تھی اور یوسف، اس کا چچا غلام نبی، گاؤں کے معززین کے ساتھ باغ میں بیٹھ گئے۔ یوسف بہادر کو اٹھا کر ایک طرف لے گیا۔ اور اس کے کان میں کہنے لگا۔ "بہادر سنگھ، ابھی تک تمہارے باپ اور بیلا سنگھ

کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے کہ نہیں؟"

بہادر سنگھ نے کہا: "یار مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میری قسمت کچھ اچھی نہیں۔"

"بھئی وہ کیسے؟"

"یار وہ یہاں آئی ہوئی ہے۔"

"کون ——؟"

"جی وہی۔ اجیت کور۔ ہم نے ان سب کو بلایا تھا۔ سردار بیلا سنگھ اور اجیت کور صبح صبح پہنچ گئے تھے، لیکن ماں کسی وجہ سے نہیں آسکی۔ انہوں نے بہن کے لئے تحفے بھیج دیئے تھے۔"

"بھئی میں یہ پوچھتا ہوں کہ اس میں بدقسمتی کی بات کیا ہے؟"

"بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اجیت کور کی یہاں موجودگی میں منگنی کی بات تو نہیں ہوسکتی۔"

"ارے کیوں نہیں ہوسکتی۔ اس سے بہتر موقع اور کون سا ہوسکتا ہے۔"

"یار تم کو معلوم نہیں۔ سردار بیلا سنگھ سے بات کرتے ہوئے سب ڈرتے ہیں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ جو اس سے بات کرے گا وہ اس کا شکرگزار ہوگا۔ اب وہ خود تو یہ نہیں کہے گا۔ کہ مجھے اجیت کے لئے بہادر سنگھ پسند آگیا ہے۔"

بہادر سنگھ نے کہا۔ "یوسف جی! آپ کی بات اور ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں، لیکن اور کوئی کہنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

"دیکھو بہادر سنگھ! میں پہلے تمہارے باپ سے یہ بات کروں گا۔"

"یوسف جی! ابھی بات کرلیں۔ میں ابھی جاکر ان کے کان میں کہتا ہوں کہ آپ ان سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔"

ایک منٹ بعد بہادر سنگھ کا باپ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا یوسف کے قریب

پہنچا۔ یوسف نے اسے بات کرنے کا موقع دیئے بغیر کہا:

"سردار جی، جب کوئی کام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ تو آپ لوگ سوچ میں پڑجاتے ہیں۔ سردار بیلا سنگھ کو لڑکی کے رشتے کے متعلق کہنے کا اس سے بہتر موقع کیا تھا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ آپ سوچ میں پڑے رہے؟"

"یار، میں اس لئے سوچ میں پڑا رہا کہ میری طرح وہ بھی تو ایک اکھڑ آدمی ہے نا؟"

یوسف بولا۔ "چاچا جی۔ وہ دل کا بڑا صاف ہے۔ آئیے، میرے ساتھ آئیے، ابھی بات ہوجاتی ہے۔" یوسف نے یہ کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا۔ سردار بیلا سنگھ کے قریب لے گیا۔ اور پھر اسے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولا "چچا بیلا سنگھ! سردار صاحب آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔"

بیلا سنگھ جلدی سے اٹھ کر ان کے قریب پہنچا اور یوسف نے ذرا ایک طرف ہٹ کر کہا۔ "سردار جی، آپ کو معلوم ہے۔ کہ بہادر سنگھ میرا دوست ہے اور اجیت کور کو میں اپنی بہنوں کی طرح سمجھتا ہوں۔ آپ کے درمیان ایک ضروری بات جو آپ کی اولاد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے نہیں ہوسکی کہ دونوں کو خوف ہے کہ اگر میں نے پہل کردی۔ تو شاید دوسرا میرا سر پھوڑنے پر آمادہ ہوجائے۔ میں بیچ میں آگیا ہوں اور آپ دونوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ دو منٹ کے لئے اطمینان سے بات کرلیں تاکہ میں معزز مہمانوں سے یہ کہوں کہ وہ جانے سے پہلے بہادر سنگھ اور اجیت کے والدین کو ان کے نئے رشتے کی مبارک باد دیں۔ بس میرا کام اتنا تھا۔ اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے۔ تو آپ دونوں سے معافی مانگتا ہوں۔ اور اگر میں نے غلطی نہیں کی، تو آپ ان سب کے سامنے ایک دوسرے کے گلے لگ جائیں۔"

بیلا سنگھ نے بہادر سنگھ کے باپ کی طرف دیکھا، مسکرایا اور پھر ہنستا ہوا اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ اور بولا۔ "سردار جی، میں تو لڑکی والا ہوں، لیکن آپ کے لئے تو بات کرنا

کوئی مشکل نہ تھا۔"

"بھائی صاحب، میں جس قدر آپ سے پیار کرتا تھا، اسی قدر ڈرتا بھی تھا۔ اب ہم کوئی اور بات کرنے کی بجائے یہ کیوں نہ مان لیں کہ عبدالرحیم کا بیٹا ہم سے زیادہ سمجھدار ہے ہم بہت جلد تمہارے گھر آئیں گے۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جی۔ اگر یہ کام پرسوں ہو جائے تو میرے لئے خوشی کی بات یہ ہوگی کہ میرے مہمان بھی منگنی کی رسم میں حصہ لے سکیں گے۔"

بہادر سنگھ کے باپ نے کہا۔ "بیٹا ٹھیک ہے۔ انسپکٹر صاحب کی وجہ سے ہم پولیس کے بعض اور افسروں کو بھی بُلا سکیں گے۔"

بیلا سنگھ نے کہا۔ "یوسف بیٹا، تمہارے لئے اجیت کور کو اپنی چچی اور انسپکٹر صاحب کی بیگم کے ساتھ کار پر بٹھا کر اس کے گھر تک پہنچا دینا مشکل تو نہیں ہوگا۔ وہ جس گھوڑی پر آئی تھی۔ اس پر تمہارا چچا چلا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جی۔ ہم بہن اجیت کور کو گھر پہنچا دیں گے۔"

یوسف نے ہاتھ کے اشارے سے بہادر سنگھ کو بلایا اور کہا۔ "یار بھاگ کر جاؤ اور کسی لڑکی سے کہو کہ وہ انسپکٹر صاحب کی بیگم اور میری چچی سے کہے کہ موٹر جانے کے لئے تیار ہے اور سردار بیلا سنگھ نے کہا ہے کہ اجیت کور بھی گھوڑے کی بجائے ہمارے ساتھ موٹر پر جائے گی۔"

بہادر سنگھ خوشی اور حیرت کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ کبھی یوسف اور کبھی بیلا سنگھ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بیلا سنگھ نے کہا۔ "جاؤ بیٹا، دیر نہ کرو۔"

بیلا سنگھ کے منہ سے 'بیٹا' کا لفظ سن کر بہادر سنگھ یہ محسوس کر رہا تھا۔ کہ اس کی زندگی میں کوئی بہت بڑا انقلاب آچکا ہے۔ وہ اپنی مسکراہٹ چھپاتا ہُوا گھر کے صحن میں داخل ہُوا اور سامنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھی ہوئی خواتین میں سے ایک

معمر عورت کو دیکھ کر بولا، "ماسی جی! ذرا میری بات سنیئے۔"

معمر عورت اٹھ کر آگے بڑھی تو اس نے کہا "ماسی جی، آپ انسپکٹر صاحب کی بیگم یا یوسف کی چچی میں سے کسی ایک کو بُلا لائیں۔"

"بیٹا ابھی بلاتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف کی چچی دروازے کے قریب پہنچی، بہادر سنگھ نے سر جھکاتے ہوئے کہا، "چاچی جی، انسپکٹر صاحب تیار ہیں۔ آپ جلدی آئیں اور سردار بیلا سنگھ کی بیٹی کو بھی ساتھ لیتی آئیں۔ کیونکہ وہ گاؤں تک آپ کے ساتھ جائے گی۔ اور چاچا غلام نبی موٹر کی بجائے گھوڑے پر جائیں گے، لیکن چاچی جی آپ جلدی کریں۔ وہ کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد خواتین موٹر پر سوار ہو رہی تھیں۔ بیلا سنگھ کہہ رہا تھا۔ "اجیت بیٹی! میں تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ اپنی ماں سے کہنا کہ جو کام انہوں نے کہا تھا وہ ہو گیا ہے۔"

جب موٹر چل پڑی تو یوسف نے مڑ کر دیکھے بغیر کام کی نوعیت سمجھاتے ہوئے بلقیس سے انگریزی میں کہا۔ "آپ میرا نام لئے بغیر اس نوجوان لڑکی کو مبارک باد دے سکتی ہیں۔ کہ اس کی منگنی کی بات پکی ہو گئی ہے اور یہ لوگ پرسوں وہاں آئیں گے۔" بلقیس اجیت کور کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔ "بیٹی تمہیں معلوم ہے تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو کیا کام کہا تھا؟"

"جی، یہ میں آپ کو ماں سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ شاید انہوں نے یہ کہا ہوگا کہ شہر سے کوئی چیز لیتے آئیں۔"

یوسف بولا۔ "اجیت کو اگر کوئی بات معلوم ہوتی تو یہ یہاں نہ آتی۔ آپ اسے اپنی بیٹی سمجھیں اور اس سے کھل کر بات کریں۔"

اجیت بولی۔ "بھابی جی اگر کوئی اچھی بات ہے تو آپ کیوں نہیں بتا دیتے۔"

یوسف نے کہا۔"بھئی بات تو کوئی بُری نہیں، لیکن بھائی ہر بات بتا بھی تو نہیں سکتے ناں"۔

"اجیت کور کا چہرہ اچانک حیا سے سرخ ہو گیا۔ اور اس نے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے کہا۔"میں کچھ نہیں پوچھتی کسی سے"۔

بلقیس بولی۔"ارے! بیٹی کوئی اچھی بات ہو۔ تو کم از کم میں تمہیں مبارک باد تو دے سکتی ہوں"۔

"چاچی جی، جب آپ بات کرتی ہیں۔ تو آپ کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ تو میں کیسے آپ کو منع کر سکتی ہوں۔ آپ جو کہیں گی اس سے مجھے خوشی ہوگی"۔

بلقیس نے کہا۔"بیٹا شہر میں پہنچ کر موٹر کپڑے کی کسی اچھی دکان پر روک لینا"۔

یوسف نے کچھ دیر بعد ایک دکان پر پہنچ کر موٹر روکی۔ اور وہ اتر پڑے۔ بلقیس نے کہا۔"بیٹی! میں یہاں سے کچھ کپڑے لینا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں۔ کہ ان کے رنگ تم پسند کرو"۔

"چاچی جی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میری پسند کی کوئی چیز آپ کو پسند آجائے"۔

"ارے بیٹی، تم عام لڑکی نہیں ہو۔ جو چادریں تم نے دی تھیں۔ انہیں میں بار بار کھول کر دیکھا کرتی ہوں۔ اور بیل بوٹوں کے لئے جو رنگ تم نے پسند کئے ہیں مجھے انہیں دیکھ کر تعجب ہوتا تھا"۔

یوسف نے دکان دار سے جو انہیں دیکھتے ہی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کہا"سیٹھ صاحب! بیگم صاحبہ ہماری مہمان ہیں انہیں ایسے کپڑے نکال کر دکھاؤ۔ جو لاہور میں جا کر بھی یہ کسی کو فخر سے دکھا سکیں"۔

بلقیس نے کہا۔"ہمیں دو جوڑے ریشمی اور ایک گرم چاہیئے اور جو تمہارے پاس بہترین کپڑا ہو وہی نکال کے دکھاؤ۔ اس کے ساتھ دوپٹے اور ایک گرم چادر بھی دے

دیجئے۔۔۔ یوسف! یہاں کوئی جوتوں کی اچھی دکان ہے؟"

دکاندار بولا:"جناب یہاں سے تھوڑی دور آگے آپ کو جوتوں کی دکان مل جائیگی"۔

تھوڑی دیر بعد وہ کپڑوں کی گٹھڑی کار پر رکھوا کر جوتوں کی دکان پر پہنچ چکے تھے بلقیس نے کہا۔"بیٹی اجیت! تم اٹھو اور یہاں سے اچھا جوتا پہن کر دیکھو۔ آؤ میں تمہارے لئے خود پسند کرتی ہوں"۔

وہ دکان پر گئیں اور دس منٹ بعد اجیت کور جو ہاتھ میں ایک سنہری جوتی تھامے ہوئے تھی۔ واپس آکر کار میں بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔"چاچی جی، میرا پاؤں ذرا بڑا ہے۔ آپ پہن کر دیکھ لیں۔ یہ جوتا کہیں آپ کو کھلا نہ ہو"۔

بلقیس بولی"بیٹی اگر تم نے پہن کر دیکھ لیا ہے۔ تو ٹھیک ہے۔ ہم نے جو کچھ یہاں سے لیا ہے۔ وہ سب تمہارے لئے ہے۔ صرف ایک جوڑا تمہاری ماں کے لئے ہے"۔

"چاچی جی، میرے لئے اتنی چیزیں؟"

"بیٹی، وہ کام کی چیز تو ہمیں ملی نہیں۔ لیکن ہمیں جانے کی جلدی ہے نا۔ اس لئے جو کچھ یہاں سے ملا ہے وہ لے لیا ہے"۔

اجیت نے کچھ سوچ کر ذرا بلند آواز میں کہا۔"بھائی جی، اگر آپ کو معلوم تھا۔ کہ مہمان یہ سب کچھ میرے لئے لے رہے ہیں۔ تو مجھے سب کچھ پہلے بتا دینا چاہیئے تھا"۔

یوسف کچھ دیر خاموش رہا اور جب گاڑی ریلوے لائن عبور کر کے کچے راستے پر مڑی۔ تو وہ بولا۔"اجیت چڑیل کیا شور مچا رکھا ہے تم نے۔ یہ مہمان میرے چچا اور چچی ہیں اگر تمہاری منگنی کے دن میری ماں زندہ ہوتی اور وہ تمہارے لئے تحفے لاتی تو کیا تم انکار کر دیتیں"۔

"ویرجی، وہ اگر میری جھولی مٹی سے بھی بھر دیتیں تو بھی میں یہی سمجھتی کہ یہ سونا ہے"۔

"اچھا تو پھر خاموش رہو اور یہ سمجھو کہ ایسے تمام معاملات میں چچی بلقیس میری ماں کی

جگہ ہیں۔"

اجیت کور نے کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائی اور چوم کر اپنی آنکھوں سے لگالی۔ پھر اس نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "چاچی جی! پتہ نہیں کیوں آپ کو پہلی بار دیکھ کر ہی مجھے یہ محسوس ہوا تھا۔ کہ بھائی یوسف کی ماں پھر اس دنیا میں آگئی ہیں۔"

"بیٹی حوصلہ سے کام لو۔ اب میں تمہیں ہنستے ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ پرسوں ہم نے تمہاری منگنی کی رسم میں حصّہ لینے کے لئے آنا ہے۔"

"اتنی جلدی چچی جان؟"

"ہاں بیٹی ہم زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے ناں۔ اس لئے تمہارے بھائی نے یہ سوچا ہے کہ ہماری موجودگی میں ہی یہ نیک کام ہو جاتے۔"

اجیت کور نے جھک کر اپنا سر بلقیس کی گود میں رکھ دیا۔ اور وہ پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

رات کھانے کے بعد عبدالرحیم، ان کے بھائی، چچا اور مہمان باتیں کر رہے تھے۔ کہ عبدالرحیم نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا: "بیٹا! غلام نبی کا پتہ کرو۔ وہ گھر آکر سو تو نہیں گیا"

"ابا جان، اگر چچا جی آگئے ہوتے تو سیدھے یہاں آتے۔ بہرصورت میں جا کر پتہ کرتا ہوں۔"

یوسف اٹھ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولا: "ابا جی! وہ ابھی تک نہیں آئے شاید راستے میں کہیں رُک گئے ہوں۔ میں نے باہر کہہ دیا ہے کہ جب وہ آئیں۔ تو انہیں سیدھا یہاں بھیج دیں۔"

عبدالرحیم کے ایک عمر رسیدہ چچا نثار محمد نے کہا۔ "بھئی عبدالرحیم، تم اپنے بھائی کو ابھی تک بچّہ ہی سمجھتے ہو۔"

"چاچا جی! چھوٹا بھائی بچّہ ہی تو ہوتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بھئی، اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ اتنے پریشان ہوں گے تو ہم انہیں موٹر پر ہی بٹھا لاتے۔"

باہر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور یوسف نے کہا۔ "ابا جان، وہ آ رہے ہیں۔"

پانچ منٹ بعد غلام نبی ان کے سامنے کھڑا عبدالرحیم کو بتا رہا تھا:

"بھائی جان، مجھے واپسی پر ببلا سنگھ کے ساتھ کچھ دیر شہر میں رکنا پڑا۔ وہاں اس نے حلوائی کو مٹھائی تیار کرنے کے لئے کہنا تھا۔"

"مٹھائی اس نے شام کے وقت کیوں تیار کروالی تھی؟"

"جی، یہ مٹھائی اس نے پرسوں لڑکی کی منگنی کے لئے تیار کرنے کے لئے کہا تھا۔ کل وہ خود آپ کو دعوت دینے کیلئے آئے گا۔ اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ اپنے بھائی جان کو پرسوں کہیں اور نہ جانے دینا۔ انسپکٹر صاحب اور بیگم صاحبہ کو تو اس نے خود کہہ دیا تھا۔ اور وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ وہ اس کے گھر تحفے بھی چھوڑ آئے ہیں۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "یوسف بیٹا، تمہیں ہماری طرف سے کوئی اچھا تحفہ خریدنے کے لئے شہر جانا پڑے گا۔"

"بہت اچھا، ابا جی، اگر ہمارے شہر سے کوئی کام کی چیز نہ ملی تو میں چچی جان کے ساتھ بٹالہ سے ہو آؤں گا۔"

بیلا سنگھ کی موت

رات کے گیارہ بجے بیلا سنگھ کے گاؤں کی طرف سے لوگوں کی چیخ پکار کے ساتھ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ کبھی کبھی اس شور میں عورتوں کی آہ و بکا کے ساتھ شراب سے بدمست آدمیوں کی بڑکیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ چوکیدار نے آواز دی۔ "لوگو! جاگو! بیلا سنگھ کے گاؤں میں ڈاکو گھس گئے ہیں۔" یوسف اپنا گھوڑا لے کر گلی سے باہر نکلا۔ تو گاؤں کے چند آدمی وہاں کھڑے تھے۔ اس نے ٹارچ کی روشنی ان پر ڈالتے ہوئے کہا: "اپنی بندوقیں اٹھالو۔ جن کے پاس بندوقیں نہیں ہیں وہ دوسرے ہتھیار اٹھالیں۔ اور اندھیرے میں تمہاری ٹارچیں بھی کام آئیں گی۔ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر سردار بیلا سنگھ کے گھر کی طرف سے اُن کے گاؤں میں داخل ہونا چاہیئے۔ کسی کو راستے میں دیکھو تو اسے للکارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارا پہلا فرض یہ ہے۔ کہ ٹارچ کی روشنی ڈال کر اسے پہچان لیا جائے۔ اگر کسی کے چہرے پر نقاب ہو۔ تو تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ اسے گھیر کر پکڑ لیا جائے یا ایسی ضرب لگائی جائے کہ وہ بھاگ نہ سکے ——— بھلو، تم سیدھا تھانے کا رخ کرو۔ وہاں چھوٹے بڑے افسروں کو معلوم ہے کہ انسپکٹر عبدالعزیز صاحب ہمارے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس لئے تمہیں تھانے دار کے کانوں تک یہ بات پہنچانے میں دقت پیش نہیں آئے گی۔ کہ بیلا سنگھ کے گاؤں میں بڑے پیمانے پر کوئی واردات ہو رہی ہے۔"

یوسف کے پیچھے بارہ آدمی چل دیئے۔ وہ جھیل سے کچھ فاصلے پر گھنے درختوں کے

جھنڈ کے قریب پہنچے تو یوسف نے کہا۔ "یہاں سے گھوڑا آگے نہیں جا سکتا۔ اس لئے میں ان درختوں سے باہر باہر آگے چلوں گا۔ تم درختوں میں چھپتے ہوئے آگے بڑھو۔"

اچانک ایک درخت کی اوٹ سے ٹارچ کی روشنی دکھائی دی اور ساتھ ہی ایک دردناک آواز سنائی دی۔

"ویر جی! میں اجیت کور ہوں۔ آگے جا کر آپ ہمارے گھر میں لاشوں کے سوا کچھ نہیں دیکھیں گے۔ باپو نے لیٹے لیٹے مجھے آواز دی تھی۔ 'بیٹی، مجھے بہت پیاس لگی ہے۔ ایک بالٹی اپنے کنوئیں کا تازہ پانی لے آؤ'، میں باہر کی حویلی میں کنوئیں کی منڈیر پر کھڑی پانی نکال رہی تھی۔ کہ میں نے انہیں اس چھت سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا، جو بھگوان سنگھ کے مکان کی چھت سے ملتی ہے۔ پھر میں نے یہ دیکھا کہ چند آدمی دیوار پھاند کر اندر کود رہے ہیں۔ باہر کی حویلی میں بڈھا سنگھ اور گنگا سنگھ سو رہے تھے۔ میں نے پہلے باہر کی حویلی اور گھر کے درمیان دروازے کو کنڈی لگائی۔ اور پھر بڈھا سنگھ اور گنگا سنگھ کو جگا دیا۔ گنگا سنگھ بولا، تم نے جن لوگوں کو پچھلے مکان کی چھت سے ہماری چھت پر اترتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ بھگوان سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ اگر باہر سے بھی کچھ آدمی دیوار پھاند کر مکان کے صحن میں داخل ہو چکے ہیں۔ تو میں اپنے تمام کتے کھول دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ کتنا ظلم ہے۔ کہ یہاں جو کتے ہوتے تھے۔ وہ بھی سردار جی نے باہر کی حویلی میں بھجوا دیئے ہیں۔" میں چاہتی تھی کہ دہائی دے کر باپو کو خبردار کر دوں، لیکن مجھے اندر سے ماتا جی کی چیخ سنائی دی اور ساتھ ہی مجھے یہ محسوس ہوا کہ باپو کو انہوں نے مار ڈالا ہے۔ وہ چیخیں مارتے ہوئے اس کی لاش پر لاٹھیاں برسا رہے تھے۔ بڈھا سنگھ ڈیوڑھی کی چھت پر چڑھ کر دہائی دینے لگا۔ تو گنگا سنگھ نے مجھے پکڑ کر باہر نکالتے ہوئے کہا۔ "اجیت، تم اب حویلی سے باہر پرالی کے ڈھیر کے نیچے چھپ کر اپنی جان بچا سکتی ہو۔ میں کتے کھولنے اور اپنے باقی آدمیوں کو جگانے جا رہا ہوں"،

میں پرالی کے ڈھیر میں چھپ گئی۔ تھوڑی دیر بعد بھونکتے ہوئے کتے مکان کے گرد آ پہنچے۔ وہ چند آدمی چھت پر چڑھ کر بڈھا سنگھ کی لاش پر لاٹھیاں برسا رہے تھے اور شراب کے نشے میں بھگوان سنگھ کی چیخیں سب سے بلند تھیں۔ وہ چلا رہا تھا۔ بیلا سنگھ کی لڑکی کو تلاش کرو۔ اسے زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ لیکن آن کی آن میں کتے حملہ کر چکے تھے۔ اور ہمارا گھر تباہ کرنے والے چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ گاؤں کے کچھ لوگ گھروں سے باہر نکلے تو بھگوان سنگھ کا چھوٹا بھائی کہر سنگھ ابھی تک میرے باپو کی لاش پر لاٹھیاں برسا رہا تھا۔ دو کتے اندر داخل ہوئے اور انھوں نے اسے پکڑ لیا۔ وہ گرا اور اس کے ساتھ ہی ایک کتے نے اس کا گلا دبوچ لیا۔ گاؤں کے آدمیوں نے جن میں سے چھ، سات عیسائی تھے۔ کسی نے اسے چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ ہمارے چار کتے پرالی کے اس ڈھیر کے پاس آکر بھونک رہے تھے۔ جہاں میں چھپی ہوئی تھی۔ بھگوان سنگھ اپنے ساتھیوں کو گالیاں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ "بدمعاشو! ادھر آکر دیکھو یہاں کوئی چھپا ہوا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر پرالی کے ڈھیر پر ایک جگہ برچھی کی نوک ماری اور کتے بیک وقت اس پر ٹوٹ پڑے۔ بھگوان سنگھ چیختا ہوا بھاگا۔ اور اس نے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ کتوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا، لیکن زیادہ گہرے پانی میں پہنچ کر وہ واپس آگئے۔ اور بھگوان سنگھ تیرتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف غائب ہو گیا —— ویر جی! میں نے سب کچھ دیکھا ہے اور اس کے باوجود میں زندہ ہوں۔ شاید اس لئے زندہ ہوں۔ کہ یتیم بہن کے سر پر ہاتھ رکھنے والا بھائی موجود ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ میں آپ کے پاس جا رہی ہوں تو یہ عیسائی میرے ساتھ چل پڑے۔"

ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "میاں جی! سردار بیلا سنگھ کے ہم پر بڑے احسان ہیں۔ وہ غریب لوگوں کے باپ تھے۔"

یوسف نے پوچھا۔ "جو لوگ باہر سے آئے تھے۔ تم میں سے کوئی انہیں پہچانتا ہے؟"

"جی نہیں۔ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سردار بیلا سنگھ کا بھی کوئی دشمن ہو سکتا ہے بھگوان سنگھ کے ساتھ ان کی نہیں بنتی تھی۔ اس لئے نہیں بنتی تھی کہ سردار بیلا سنگھ کی زمین اس گاؤں میں سب سے زیادہ تھی اور بھگوان سنگھ بڑی مدت سے یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ بڑی قیمت دے کر بھی اس سے زمین نہیں خرید سکتا۔ بھگوان سنگھ کو زیادہ آگ اس دن لگی تھی جب بیلا سنگھ نے اپنے دادا کے پرانے نوکر کو اپنا ایک کھیت مفت دے دیا تھا۔ اس دشمنی میں سیٹھ دینا ناتھ کا بھی ہاتھ تھا۔ کہر سنگھ مرتے مرتے بچا ہے۔ شاید اسے یہ سمجھ آگئی ہو کہ برائی کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ جب یہ دونوں بھائی پکڑے جائیں گے تو ان کے ساتھیوں کا بھی پتہ چل جائے گا۔"

یوسف نے اجیت کور کے سر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میری بہن! کسی انسان کے پاس تمہارے زخموں کا علاج نہیں۔ ہم صرف یہ دعا مانگ سکتے ہیں کہ خدا تمہیں یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دے۔ میں تمہیں یہ اطمینان بھی دلا سکتا ہوں کہ تمہارے والدین کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی کہ ان ظالموں کے لئے خدا کی زمین تنگ ہو چکی ہے۔ اب تم اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور سیدھی ہمارے گھر جاؤ۔ دو آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے۔ مجھے یہاں پولیس کے انتظار کے علاوہ ایک اور کام بھی کرنا ہے۔ گھر آکر اگر میں یہ سنوں کہ میری بہن بہادر ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

اجیت کور سسکیاں لیتی ہوئی گھوڑے پر سوار ہو گئی اور دو آدمی اس کے ساتھ چل پڑے۔ چند قدم چلنے کے بعد اجیت کور نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "ویر جی! ہماری دونوں گھوڑیاں گھر میں موجود ہیں۔ آپ کو ضرورت پڑے تو آپ ان سے کام لے سکتے ہیں۔ آپ کا یہ گھوڑا بھی جلدی واپس آجائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اجیت تم جاؤ۔"

پھر وہ پیراں دتہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ "پیراں دتہ! تم اس گاؤں کے آدمیوں

کے ساتھ جاؤ اور سردار بیلا سنگھ کی حویلی سے چھوٹی گھوڑی لے کر فوراً میاں عبدالکریم کے گاؤں پہنچو اور وہاں ہر دیال سنگھ کے بیٹے جگجیت سنگھ کو اپنے پیچھے بٹھا کر یہاں لے آؤ۔ تم نے سیدھا ہر دیال سنگھ کے گھر جانا ہے اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ تم کس کام سے آئے ہو۔ ہر دیال سنگھ کو یہ تاکید کرنا کہ پیر کوکے شاہ اور اس کے دو مریدوں کا خیال رکھے اور یہ بھی بتاتے کہ گذشتہ آٹھ پہر میں وہ کتنا عرصہ حویلی کے اندر اور کتنا عرصہ حویلی کے باہر رہے ہیں۔ اگر ہر دیال سنگھ حویلی میں نہ ہو، تو اس کے گھر جا کر اسے وہاں بلا لینا۔ گنگا سنگھ کہاں ہے؟"

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جی! میں یہیں پہ ہوں۔"

یوسف نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "پولیس تھوڑی دیر تک پہنچ جائے گی، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس سے پہلے بھگوان سنگھ اور اس کے ساتھی پکڑ لئے جائیں۔ تم کتے لے کر نکل پڑو۔ میرے تمام آدمی تمہارے ساتھ ہوں گے۔ یہاں سے لوگ تمہارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہیں۔ ان کو بھی بلا لو۔ وہ قاتل جو شراب سے مدہوش تھے۔ زیادہ دور نہیں بھاگ سکیں گے۔"

"جناب، وہ جھیل کے پار کسی کھیت میں پڑا ہوا ہو گا اور کتے اسے بہت جلد تلاش کر لیں گے۔ کتوں نے دوسرے آدمیوں کا بھی پیچھا کیا تھا۔ اگر ان میں سے کسی کے کپڑے کا کوئی ٹکڑا مل گیا۔ تو اسے تلاش کرنا بھی مشکل نہیں ہو گا۔"

"یہ مجھے معلوم تھا۔ کہ بیلا سنگھ کے ساتھ بھگوان سنگھ کی نہیں بنتی، لیکن یہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ بھگوان سنگھ اس قدر درندہ بن جائے گا۔ اجیت کور کہتی تھی۔ کہ انہوں نے گھر سے کوئی چیز بھی نہیں اٹھائی۔"

گنگا سنگھ نے جواب دیا۔ "جی، یہ تو ظاہر ہے کہ بھگوان سنگھ اور اس کا بھائی قتل کے ارادے سے آئے تھے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کے ساتھ چور بھی تھے۔ جب ہم اندر گئے تھے

تو بی بی اجیت کور اپنی ماں اور باپ کا خون دیکھ کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ جس کتے نے کہر سنگھ کا گلا دبوچ رکھا تھا۔ اسے میں نے بڑی مشکل سے پیچھے ہٹایا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں میں صرف اتنا دیکھ سکا تھا کہ کسی نے قیمتی سامان والے بڑے صندوق کا تالا توڑنے کی کوشش کی تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ اجیت کور کی ماں کی ڈنڈیاں اور کڑے غائب تھے، لیکن ہم جلدی باہر نکل آئے تھے۔ اس لئے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

یوسف نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم لوگ یوں ہی ادھر ادھر بھاگنے کی بجائے سونگھنے والے کتوں کے پیچھے پیچھے چلو۔ تو چوروں کا سراغ مل جائے گا۔ لیکن پہلی بات یہ ہے۔ کہ آس پاس کے کھیتوں میں بھگوان سنگھ کو اچھی طرح تلاش کر لینا۔ تم میں سے جو سردار بیلا سنگھ کے اجڑے ہوئے گھر پہ پہرہ دینا چاہتے ہیں۔ وہ میرے ساتھ آ جائیں۔"

نصف گھنٹے بعد کار کا ہارن سنائی دیا اور یوسف باہر نکل آیا۔ انسپکٹر عبدالعزیز کار چلا رہے تھے اور یوسف کے گھر کے پانچ آدمی بندوقوں سے مسلح ان کے ساتھ تھے یوسف نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور کہا:

"چچا جی، میں نے گاؤں سے نکلتے ہی بھلو کو تھانے کی طرف بھگا دیا تھا۔ اور اسے یہ بھی بتا دیا تھا۔ کہ وہ آپ کا ذکر کر دے۔ عام حالات میں پولیس کو اب تک آ جانا چاہیئے تھا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیٹا عام حالات میں پولیس وقت پر نہیں آیا کرتی۔ اگر تمہیں یہاں کوئی خاص کام نہیں تو پولیس اسٹیشن تک میرے ساتھ چلو۔"

"چچا جان مجھے امید ہے کہ ہم پولیس کی آمد تک قاتلوں کے سرغنہ کو پکڑ لیں گے اور شاید تھوڑی دیر تک ہمیں ان کے چند اور بیرونی مددگاروں کا بھی پتہ لگ جائے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "ہم نے اس لڑکی سے بڑی دردناک باتیں سنی ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ تھانے دار سے ملنے کے بعد میں پولیس کے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر سے بھی ہو آؤں گا پیرزادہ

بہار سے پیچھے تمہارا گھوڑا واپس لا رہا ہے۔ لیکن تمہیں روشنی سے پہلے ادھر ادھر نہیں جانا چاہیئے۔ میں تمہارے آدمیوں کو یہاں چھوڑ جاتا ہوں۔"

یوسف نے بلند آواز میں کہا۔ "پیراں دتہ! تم میری گھوڑی لے کر تھانے پہنچ جاؤ۔ میں انسپکٹر صاحب کے ساتھ آرہا ہوں۔"

"بیٹا، وہ کس لیئے؟"

"چچا جان، وہ اس لئے کہ میں اس وقت آپ کا وہاں تنہا جانا پسند نہیں کرتا۔ میں موٹر چلاتا ہوں۔ آپ اپنا ریوالور سنبھال کر بیٹھ جائیں۔"

ایک منٹ بعد کار خاصی رفتار سے شہر کا رخ کر رہی تھی۔ یوسف کہہ رہا تھا "چچا جان یہ کیس جس قدر دردناک ہے۔ اسی قدر اس کی تحقیقات دلچسپ ہوگی۔"

عبدالعزیز نے پوچھا۔ "بیٹا تمہارے ذہن میں کوئی بات آئی ہے؟"

"جی ہاں، چند باتیں میرے ذہن میں آرہی ہیں۔ صبح تک میں آپ کو بتا سکوں گا۔ کہ میرے بعض خدشات کس حد تک درست اور کس حد تک غلط تھے۔"

عبدالعزیز نے کچھ سوچ کر کہا۔ "بیٹا میرا خیال ہے کہ مجھے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر نہیں جانا پڑے گا۔ میں تھانے کے ٹیلی فون سے ہی کسی ذمہ دار افسر سے بات کرلوں گا اور پھر تمہارے ساتھ ہی واپس آجاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "چچا جی، تھانے پہنچ کر ہم نے ایک اہم کام کرنا ہے۔ بہادر سنگھ اور اس کے رشتہ داروں کو اس واقعہ کی اطلاع دینا ضروری ہے کہ اجیت کور ہمارے گھر میں محفوظ ہے۔ لیکن بیلا سنگھ کا گھر غیر آباد نہیں رہنا چاہیئے۔ تھانے دار سے کہہ کر آپ بہادر سنگھ کے پاس کوئی آدمی بھجوا دیں۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "مجھے ایک بات کا خدشہ ہے کہ یہ ہندو تھانے دار نیا نیا آیا ہے۔ اور اگر دینا ناتھ کی قماش کے لوگ اس قتل میں ملوث ثابت ہوئے تو وہ انصاف

کے تقاضے پورے نہیں کر سکے گا۔ اس علاقے میں متعصب ہندوؤں کے دباؤ کے باوجود ثابت قدم رہنے کے لئے بڑے اچھے کردار کی ضرورت ہے ——— میں تھانے جا کر پتہ کروں گا۔ ممکن ہے کہ کسی جان پہچان والے ڈی ایس پی یا ایس پی سے میری بات ہو جائے۔ تمہیں مطمئن رہنا چاہیئے۔ یہ نیا تھانیدار شکل سے کسی اچھے گھر کا معلوم ہوتا ہے۔ اور مجھے یہ بھی امید ہے۔ کہ وہ اتنا ضرور جانتا ہوگا۔ کہ اگر اس نے کوئی زیادتی کی۔ تو اس کے اثرات تھانے کی حدود تک نہیں رہیں گے۔"

جب ان کی کار تھانے کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔ تو پریم سنگھ اور چند سپاہی وردیاں پہنے اور رائفلیں اٹھائے گھوڑوں کے قریب کھڑے تھے۔ انسپکٹر عبدالعزیز کار سے اُترے، تو پریم سنگھ نے آگے بڑھ کر سیلوٹ کیا۔

انسپکٹر نے کہا۔ "بھئی آپ نے بہت دیر لگائی۔ فون پر ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر میں کسی بڑے افسر کو بیلا سنگھ کے قتل کی اطلاع دی گئی ہے؟"

پریم سنگھ نے جواب دیا "جی ہم تو بھلّا کے یہاں پہنچتے ہی تیار ہو گئے تھے۔ اب تھانے دار صاحب کا انتظار ہے۔ وہ آکر پہلے انسپکٹر یا ڈی ایس پی صاحب کو فون کریں گے اور پھر اُن کی ہدایت کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔"

"ڈی ایس پی کون ہے؟"

"جی وہ سردار بچن سنگھ ہے۔ اور آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "وہ ایک اچھا افسر ہے۔ اور میرے ساتھ کام کر چکا ہے۔"

پریم سنگھ نے کہا۔ "مہاراج، میں تھانے دار صاحب کو یہ بتا دوں کہ آپ تشریف لائے ہیں؟"

عبدالعزیز نے کہا: "تم دو کام کرو۔ ایک تو یہ کہ بہادر سنگھ کے گاؤں میں کسی سائیکل سوار کو بھیج دو۔ جو اسے یا اس کے باپ کو یہ خبر پہنچا دے کہ بیلا سنگھ قتل ہو گیا ہے اور

میری اور یوسف کی رائے یہ ہے کہ وہ سیدھا وہاں جانے کی بجائے پہلے ہمارے گاؤں آئے ہم نے بیلا سنگھ کی لڑکی کو خطرے سے بچانے کے لئے وہاں پہنچا دیا ہے۔ اور اگر تھانے دار صاحب بہت گہری نیند نہ سوتے ہوں تو انہیں میرے متعلق اطلاع پہنچا دیں۔"

پریم سنگھ نے کہا۔"مہاراج یہاں دو آدمیوں کے پاس سائیکل ہے۔ میں ان دونوں کو وہاں بھیج دیتا ہوں۔"

"بھئی ایک کی بجائے دو کا جانا بہتر ہوگا آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ وہ سردار صاحب کی بیوی اور نوکر بڈھا سنگھ کے قتل کا بھی بتا دیں۔ تاکہ انہیں یہ احساس ہو جائے کہ سردار بیلا سنگھ کے گھر کو دوبارہ آباد کرنے کے لئے یہاں ان کے کئی رشتہ داروں کو جمع ہونا پڑے گا۔"

تھانے دار انسپکٹر عبدالعزیز کی آمد کی اطلاع ملتے ہی آ گیا اور اس نے کہا۔"جناب آپ نے بڑی تکلیف کی۔ ارادہ میرا بھی یہی تھا کہ میں یہاں سے بیلا سنگھ کے گاؤں جانے کی بجائے پہلے آپ کو سلام کروں گا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔"بھئی ارادہ تو میرا یہ تھا کہ سیدھا ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر جاؤں۔ لیکن پھر سوچا کہ یہیں سے ہیڈ کوارٹر فون کر لیتا ہوں۔ شاید کوئی افسر میرا واقف نکل آتے۔"

بنسی داس نے کہا۔"جناب جب آپ کا آدمی آیا تھا۔ اور مجھے یہ اطلاع ملی تھی۔ کہ آپ بیلا سنگھ کے گاؤں کے پاس ہی دوسرے گاؤں میں ٹھہرے ہوتے ہیں۔ تو میں نے اسی وقت ڈی ایس پی بچن سنگھ صاحب سے فون پر بات کی تھی۔ اور جب آپ کا ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ اور انہوں نے مجھے کہا تھا کہ جو وہاں تم سے پہلے جائے وہ انہیں میرا سلام کہے۔ میں صبح ایس پی صاحب سے ملنے کے بعد سیدھا تمہارے پاس آؤں گا۔ اور تمہیں تھانے میں میرا انتظار کرنا چاہیئے۔ اے ایس آئی پریم سنگھ صبح ہوتے ہی جائے واردات پر پہنچ جائے گا۔ اور اگر آپ ضروری سمجھیں تو اسے اس وقت بھی بھیجا جا سکتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔"بھئی وہ چند کانسٹیبل لے کر تھوڑی دیر تک پہنچ جائے تو اچھا ہوگا۔ کیونکہ لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجنا ضروری ہے۔ آپ کو اس مقصد کے لئے ایک ٹرک کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔ ٹرک بیلا سنگھ کے گھر تک جا سکتا ہے۔ یہاں لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ جو قاتل شراب کے نشے میں مدہوش ہیں۔ انہیں گاؤں کے لوگ صبح تک پکڑ لیں گے۔ یوسف صاحب چند مشکوک آدمیوں کی دیکھ بھال کے لئے فوراً جانا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اجازت دیجئے۔"

یوسف نے پیراں دتہ کو آواز دی اور وہ گھوڑی کی لگام پکڑ کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ یوسف نے کہا۔"پیراں دتہ! تم گھوڑی کو سیدھا گاؤں لے جاؤ اور پھر اپنے گھر جا کر آرام کرو۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔"

نصف گھنٹہ بعد جب انسپکٹر عبدالعزیز اور یوسف کار پر بیلا سنگھ کے مکان کے پاس پہنچے تو وہاں عورتوں اور مردوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ اور اس ہجوم کے درمیان خالی جگہ پر بھگوان سنگھ اور اس کا ماموں زاد ہردیپ سنگھ جس کا گھر وہاں سے تین میل دور تھا لیٹے ہوئے تھے اور کتے ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔

کار کی روشنی میں لوگ اِدھر اُدھر ہٹ گئے اور گنگا سنگھ نے آگے بڑھ کر اطلاع دی کہ آپ کے جاتے ہی کتوں نے انہیں یہاں سے تھوڑی دور کماد کے کھیت میں تلاش کر لیا تھا۔ یہ دونوں شراب سے مدہوش ہیں۔ کہر سنگھ اسی جگہ اندر پڑا ہوا ہے۔ شہر کے راستے پر کھائی کے کنارے ایک آدمی کا ایک جوتا ملا ہے۔ اُمید ہے کہ صبح ہوتے ہی ہم اسے بھی تلاش کر لیں گے۔"

یوسف نے کہا۔"اگر تم اسے تلاش نہ کر سکے تو ان آدمیوں میں سے جس کو پہلے ہوش آئے گا پولیس اس سے اُگلوا لے گی۔ کہ وہ جوتا چھوڑ کر بھاگنے والا کون ہے۔ اب میں گاؤں جا رہا ہوں۔ تمہیں بہت چوکس رہنا چاہیئے اور مجرموں کی تلاش جاری رکھنی چاہیئے

ہیں گاؤں سے کچھ اور آدمی یہاں بھیج دوں گا۔"

اگلی صبح قتل ہونے والوں کی لاشیں ایک ٹرک پر ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر روانہ کی جا چکی تھیں۔ بیلا سنگھ کے مکان سے باہر شیشم کے درختوں کی چھاؤں میں علاقے کے سرکردہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ شیشم کے یہ درخت بیلا سنگھ کے گھر کی شمالی سمت سے لے کر جھیل کے جنوب مشرق کے کنارے تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہیں گھنی چھاؤں میں پولیس نے ڈیرہ ڈالا ہوا تھا۔ یوسف، اس کے والد، غلام نبی اور خاندان کے چند اور آدمی ——— بہادر سنگھ، اس کا والد اور ان کے چند رشتہ دار نمودار ہوئے۔ عبدالعزیز ان کے پیچھے پیچھے ہردیال سنگھ اور جگجیت سنگھ سے باتیں کرتا آ رہا تھا۔ اے ایس آئی نے بہادر سنگھ سے بغلگیر ہو کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی، لیکن وہ بُری طرح سسکیاں لے رہا تھا۔ جب عبدالعزیز قریب پہنچا تو پریم سنگھ اور سپاہیوں نے اسے سیلوٹ کیا۔ اور اسے کشادہ چارپائی پر بٹھا دیا۔ عبدالعزیز نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا:

"بیٹا، اس پیر کوکے شاہ کے متعلق تمہاری ہر بات درست ثابت ہوئی ہے۔ جگجیت نے مجھے بتایا ہے کہ وہ تینوں کل صبح اُٹھتے ہی حویلی سے باہر نکل گئے تھے۔ جگجیت نے دینا ناتھ کے گھر تک ان کا پیچھا کیا تھا۔ کوئی نصف گھنٹہ وہ دینا ناتھ کی حویلی میں رہے تھے۔ حویلی سے نکل کر کوکے شاہ گاؤں کی گلیوں میں سے جنوب کی طرف نکل گیا تھا۔ دوسرے دو آدمی کچھ دیر کرپا رام حلوائی کی دکان پر بیٹھے رہے۔ وہاں سے انہوں نے مٹھائی بھی خریدی تھی۔ اور پھر اٹھ کر شہر کی طرف چل پڑے تھے۔ چونکہ جگجیت کے خیال کے مطابق اس کا علاقہ یہاں سے ختم ہو جاتا تھا۔ اس لئے وہ واپس مڑا اور پردیسی درختوں کے قریب ایک جوہڑ میں گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ مچھلیاں پکڑنے میں مشغول ہو گیا۔ ایک گھنٹہ بعد اس نے دیکھا کہ کوکے شاہ کے دونوں چیلے جنہیں اس وقت تک شہر میں ہونا

چاہیئے تھا۔ پردیسی درختوں کی طرف جانے والے راستے پر کھڑے سائیں کوکے شاہ سے باتیں کر رہے تھے۔ اس لئے وہ قریب سے ان کی باتیں سننے کے لئے جوہڑ سے نکلا اور کھیتوں کے اوپر سے ہوتا ہوا اس جگہ کے قریب پہنچا۔ جہاں اس نے انہیں باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن وہ وہاں سے ذرا دور ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جہاں سے وہ کسی جگہ چھپ کر ان کی باتیں نہیں سُن سکتا تھا۔ وہ اب آہستہ آہستہ بیلا سنگھ کے گاؤں کی طرف جا رہے تھے اور جگجیت یہ بھی کہتا ہے کہ تین اور آدمی جو ان کے ساتھ مل گئے تھے ان میں سے ایک بھگوان سنگھ تھا۔ جسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں ——— یوسف میں سوچتا ہوں کہ تم کل اگر اپنے گاؤں میں ہوتے تو شاید اتنا بڑا حادثہ پیش نہ آتا۔ اس لڑکے کی بھاگ دوڑ سے تم بہت سارے نتائج اخذ کر لیتے۔ ہردیال سنگھ بھی اس کی اکثر باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ایک ہی بات رہ گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک پولیس کانسٹیبل کو بھیج کر تائم دین کو یہاں بلوا لیا جائے۔ وہ یہاں کا ماحول دیکھتے ہی بہت سی باتیں اُگلنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

دو منٹ بعد پولیس کا ایک کانسٹیبل یوسف کے گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ عبدالکریم کے گاؤں کی طرف بھاگ رہا تھا اور یوسف عبدالعزیز سے کہہ رہا تھا "چچا جان مجھے پرسوں جگجیت سنگھ کی باتیں سن کر یہ احساس ہوا تھا۔ کہ دینا ناتھ پھر کسی اہم واردات کا مرکزی کردار بننے والا ہے۔"

عبدالعزیز نے پریم سنگھ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "بھئی ڈی۔ ایس۔ پی بچن سنگھ کب آئیں گے؟"

"جناب، وہ آ ہی رہے ہوں گے۔ ابھی دس منٹ پہلے تھانے سے یہ اطلاع آئی تھی کہ وہ پہنچ گئے ہیں۔ اور چند منٹ کے اندر اندر چل پڑیں گے۔"

سردار بچن سنگھ تھانے دار کی راہنمائی میں موٹر سائیکل سے اترتے ہی سیدھا عبدالعزیز

کی طرف بڑھا اور اس سے بغلگیر ہو گیا اور بولا: "جناب یہ بھگوان کی خاص کرپا ہے کہ جب بھی اس تھانے کو کوئی الجھن پیش آتی ہے تو آپ اور مسٹر یوسف موجود ہوتے ہیں۔"

"بھئی یوسف کا تو گاؤں یہاں ہے۔ میں اتفاق سے یہاں آگیا تھا۔ اور بہادر سنگھ کی بہن کی شادی کی وجہ سے یہاں رکنا پڑا۔ اب یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ کل کا دن ہم نے ہنسی خوشی گزارا۔ رات بھی ہم یوسف کے گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کہ اچانک ایسا محسوس ہوا کہ بیلا سنگھ کے گاؤں میں طوفان آگیا ہے۔ وہ شریف، اور بہادر آدمی تھا کل ہی جب ہم بہادر سنگھ کے گاؤں سے روانہ ہو رہے تھے۔ تو اس کی اکلوتی بیٹی کی سگائی کا فیصلہ ہوا تھا۔ اور جو لڑکا اس نے پسند کیا تھا۔ وہ یہی بہادر سنگھ ہے۔ جسے میرے زمانے میں ڈاکوؤں کی گرفتاری پر ترقی ملی تھی۔"

"جی اس کے متعلق میں سن چکا ہوں۔ میں نے سابقہ ریکارڈ سے مسٹر یوسف کی رپورٹ دیکھی ہے اور میں نے رپورٹ پڑھ کر یہ محسوس کیا تھا۔ کہ اس نوجوان کو پولیس کا کوئی بہت بڑا افسر ہونا چاہیئے۔"

عبدالعزیز نے کہا: "یہ نوجوان ہم میں سے تو کسی کی سنتا نہیں آپ بات کر کے دیکھ لیجیئے۔"

بچن سنگھ نے یوسف سے مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بھئی معاف کرنا، میرا خیال تھا کہ آپ فوجی لباس میں ہوں گے۔"

یوسف مسکرایا۔ "گرمی ہے سردار جی۔"

"یار گرمی تو مجھے بھی بہت تنگ کرتی ہے۔ لیکن وردی بھی تو ضروری ہوتی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "سردار جی میں ابھی پڑھتا ہوں اور طالب علم کی کوئی وردی نہیں ہوتی۔ میں صرف اپنی سہولت دیکھا کرتا ہوں۔"

قائم دین ذرا ہٹ کر بیری کے درخت کی چھاؤں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور ایک کانسٹیبل اس کے سر پہ کھڑا یہ پوچھ رہا تھا۔ "تمہیں معلوم ہے تھانے دار صاحب نے تمہیں کیوں

"جی ان کا حکم ملا میں آگیا۔"

"تمہیں یہ معلوم ہے کہ انہوں نے حکم کیوں بھیجا تھا؟"

"جی یہ مجھے معلوم نہیں۔"

"دیکھو، میری بات سنو جب ایک آدمی قتل کے مقدمہ میں پھنس رہا ہو تو اسے بڑے ہوش سے بات کرنا چاہیئے۔"

قائم دین کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ کانسٹیبل نے پوچھا:

"تم نے کسی کو پھانسی پر لٹکتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"بالکل نہیں جناب۔ میں نے تو جیل خانہ بھی نہیں دیکھا"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اب سب کچھ دیکھو گے۔ تمہارے گاؤں کے کچھ لوگ شاید یہاں آئے ہوئے ہوں۔ اگر تم اپنے گھر کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہو۔ تو ابھی موقع ہے۔"

قائم دین نے اٹھ کر ادھر ادھر نظر دوڑائی اور پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "جی ہمارے گاؤں کا ایک آدمی اور اس کا لڑکا اس طرف بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا نام ہردیال سنگھ اور اس کے لڑکے کا نام جگجیت سنگھ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے بات کر آؤں۔"

"تم بیٹھے رہو۔ وہ یہیں پہنچ جائیں گے۔"

کانسٹیبل لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور دوسرے کانسٹیبل کو اشارے سے بلا کر کچھ سمجھانے کے بعد واپس آگیا۔ تھوڑی دیر بعد ہردیال سنگھ اور جگجیت سنگھ بھاگتے ہوئے قائم دین کی طرف آرہے تھے۔

قائم دین نے کہا۔ "سردار ہردیال سنگھ میرے لیئے آپ کو تکلیف کرنی پڑے گی۔ آپ بھاگ کر جائیں اور میری بیوی کو اطلاع دے دیں کہ مجھے قتل کے الزام میں پکڑا جا رہا ہے۔"

کانسٹیبل نے کہا۔"بھئی ہر الزام کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ تمہاری بیوی یہ کیسے سمجھے گی۔ کہ تم پر شبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟"

"جی میں یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ مجھ پر شبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا کوئی ساتھی قاتلوں کا دوست ہو۔ یا تمہارے پاس کوئی ایسے آدمی دیکھے گئے ہوں۔ جن پر شبہ کیا جا سکتا ہو۔"

"جناب، جو آدمی میرے پاس رہتے تھے۔ ان میں سے تو ایک بہت ہی بزرگ ہے۔ دور دور تک لوگ اس کے مرید ہیں اور کچھ عرصہ سے اُس کے دو مرید وہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیکن کل صبح ہوتے ہی وہ کہیں چلے گئے تھے۔"

کانسٹیبل نے کہا۔"بھئی ہماری اطلاعات کچھ اور ہیں۔ کل کافی دن چڑھے تک انہیں دوسرے گاؤں اور پردیسی درختوں کے آس پاس دیکھا گیا ہے۔ وہ قاتلوں کے سرغنہ بھگوان سنگھ کے ساتھ پھرتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ اب تم نے یہ سوچنا ہے۔ کہ تمہارے حق میں وہ باتیں کیا ہیں جو تمہیں قاتلوں کے ساتھ پھنسانے سے بچا سکتی ہیں۔ یا وہ کون سی باتیں ہیں جن کی وجہ سے تم پھنس سکتے ہو۔ تم سے زیادہ ان لوگوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ جو تمہارے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ پیر کوکے شاہ اور اس کے دو ساتھی جو تمہارے پاس رہتے تھے۔ ان کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔ اور تمہارے تعلقات ان سے کیا تھے؟"

"جناب میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ عالم بی بی، سائیں کوکے شاہ جیسے لوگ کالا پیر بھی کہتے ہیں، کی مریدنی ہے اور اگر بیوی کا پیر گھر میں آ جائے تو خاوند کو بھی اس کا ادب کرنا پڑتا ہے۔"

"اچھا قائم دین تم اس کے متعلق یہ جانتے ہو کہ وہ دوائیاں بھی بنایا کرتا تھا؟"

"جی ہاں! دوائیاں لینے تو لوگ اس کے پاس دور دور سے آتے ہیں۔"

"تم بھی کبھی گئے ہو اس کے پاس دوائی لینے کے لئے؟"

"جی، میں کبھی دوائی لینے نہیں گیا، لیکن جب کبھی ان کے گاؤں سے گزر ہوتا تھا، تو میں انہیں سلام ضرور کیا کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے پھل یا مٹھائی بھی لے جاتا تھا۔"

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری بیوی بڑی دیر سے بیمار ہے۔"

"نہیں، جی یہ بات تو نہیں۔ ویسے عورتوں کو کوئی نہ کوئی تکلیف ہو جاتی ہے اور وہ علاج کے لئے ایسے لوگوں کی طرف جاتی ہیں۔ جن پر اُن کا اعتقاد ہو۔ عالم بی بی کا کوکے شاہ پر اتنا اعتقاد ہے۔ کہ اگر وہ بخار یا کسی اور تکلیف میں ہو اور سائیں جی جاتے جاتے اسے پھونک مار جائیں تو وہ اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ کبھی کبھی وہ ایک چھوٹی سی پڑیا بھیج دیتے ہیں۔ اس سے بھی اس کی صحت بالکل ٹھیک ہو جاتی ہے۔"

"اچھا ٹھہرو میں ابھی واپس آکر تم سے اور باتیں کروں گا۔ ہر دیال سنگھ تم اب اپنے بیٹے کے ساتھ چھٹی کر دو۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اب خود جانا پڑے گا۔"

کانسٹیبل تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا شیشم کے درختوں کی طرف بڑھا اور وہاں کچھ دیر پریم سنگھ کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ پریم سنگھ نے ہاتھ کے اشارے سے یوسف کو بلایا۔ اور یوسف نے کھاٹ سے اٹھ کر بیری کے درخت کی طرف دیکھنے کے بعد سامنے کیکر کے درخت کا رخ کرتے ہوئے پریم سنگھ اور کانسٹیبل کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ دونوں کیکر کی چھاؤں میں اس کے پاس پہنچ گئے۔ یوسف نے کہا۔"سردار پریم سنگھ آپ نے یہ خیال نہیں کیا کہ ہمارا قائم دین کے سامنے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔"

پریم سنگھ نے کہا۔"جی مجھے وہ کوئی ہوشیار آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن میں بے احتیاطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ جو سوالات آپ نے قائم دین سے پوچھنے کے لئے کہا تھا۔ وہ اس سے پوچھ لئے گئے ہیں۔ یہ بہتر ہو گا کہ آپ خود ہی کانسٹیبل سے مفصل رپورٹ سن لیں۔"

یوسف نے کہا۔"میں رپورٹ سننے کی بجائے سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ جواب دیتے جائیں۔"

کوئی دس منٹ کی گفتگو کے بعد یوسف نے کانسٹیبل سے کہا۔"بھئی تم کافی سمجھ دار معلوم ہوتے ہو۔ اب اس سے چند اور سوال پوچھنے ہیں۔ نمبر ایک، باہر سے آنے والے مریضوں کو جو دوائیاں وہ یہاں سے دیا کرتا ہے۔ اُن میں سے کوئی یہاں بھی تیار ہوتی ہے۔ نمبر دو، جو دوائیاں تیار ہوتی ہیں۔ ان میں کون سا زہر استعمال کیا جاتا ہے۔ نمبر تین، جو زہر خطرناک ہوتے ہیں۔ انہیں صحت کے لئے مفید بنانے کا کیا طریقہ ہے۔ نمبر چار، کیا کبھی قائم دین یا اس کی بیوی بھی سائیں کوکے شاہ کے حکم پر زہر خریدنے گئی ہے اور اگر گئی ہے۔ تو وہ کس جگہ اور کس دکاندار کے پاس گئی ہے ـــــ اب تم جاؤ اور قائم دین کے ساتھ اس کے گھر کا رُخ کرو۔ اور راستے میں اس سے یہ سوالات پوچھتے جاؤ۔ گھر پہنچ کر قائم دین کو اپنی بیوی کے ساتھ اطمینان سے باتیں کرنے کا موقع دو۔ اور جب وہ چیختی چلاتی تمہارے پاس آئے تو تم اسے یہ مشورہ دو کہ وہ کوکے شاہ اور اس کے ساتھیوں کا پتہ دے کر اپنے خاوند کو بچا سکتی ہے اور شاید خود بھی ایک بڑی تکلیف سے بچ سکتی ہے۔ وہ یہاں پہنچنے کی ضد کرے تو اسے ڈانٹ دینا اور یہ سمجھا دینا کہ وہاں پولیس کے بڑے بڑے افسر آئے ہوئے ہیں اور تم جاتے ہی گرفتار ہو جاؤ گی ـــــ دیکھو! اگر وہ ہمارے متعلق کچھ پوچھے تو یہ کہہ دینا کہ ہم اسے بچانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اگر پولیس پر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ قاتلوں کو گرفتاری سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے تو ہم اس کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اور اگر پولیس کو اطمینان ہو گیا۔ کہ تم مجرموں کی پردہ پوشی نہیں کر رہی ہو تو ہو سکتا ہے کہ قائم دین کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ ایک بات جو تمہیں خاص طور پر دیکھنی چاہیئے۔ وہ کوکے شاہ کی لیبارٹری ہے۔ جہاں وہ ادویات تیار کرتا ہے۔ اگر کوئی ادویات یا ان کا خام مال مل جائے تو اسے اپنے قبضے میں لے لو اور قائم دین کی بیوی کے اُس

بکس کی تلاشی بھی لو۔ جہاں وہ اپنے پیر کے تبرکات رکھا کرتی ہے۔ وہاں اگر کوئی دوائی مل جائے تو وہ بھی ضبط کر لینا۔ کیونکہ یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ جرائم پیشہ پیر زہر کا کاروبار کرتا ہے۔ اگر ضرورت محسوس کرو۔ تو یہاں سے ایک اور آدمی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔"

اے۔ ایس آئی پریم سنگھ نے کہا۔"یوسف صاحب جس مسئلے پر اس قدر سنجیدگی سے بات کریں وہ بہت اہم ہوتا ہے۔ لیکن اگر تمہیں کوئی دوائی ملے تو بھگوان کے لئے اسے چکھ کر نہ دیکھ لینا کہ یہ زہر ہے کہ نہیں۔"

"جی آپ فکر نہ کریں۔ اگر ضرورت پڑ جائے تو یہ چھوٹا سا کام گاؤں کے آوارہ کتوں سے لیا جا سکتا ہے۔"

پریم سنگھ نے کہا۔"تم یوسف صاحب کو اچھی طرح جانتے ہو؟"

"جی، انہوں نے ارجن سنگھ ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کو پکڑا تھا۔"

"واہ، تم نے صرف یہی سنا ہے اِن کے متعلق۔ کسی نے یہ نہیں بتایا کہ ان کے مشورے پر عمل کرنے سے مجھے اور بہادر سنگھ کو فوری ترقی ملی تھی۔"

"جی ہاں، میں نے یہ بھی سُنا ہے۔"

"تو پھر وقت ضائع نہ کرو۔ یہاں سے بھاگو اور اگر تم نے یوسف صاحب کے حکم کے مطابق کوئی تسلی بخش کام کیا تو تمہیں بہت فائدہ پہنچے گا۔ میں تمہارے ساتھ ایک اور ہوشیار کانسٹیبل بھیج دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر پریم سنگھ کانسٹیبل کی طرف متوجہ ہوا۔"تم بھاگ کر جاؤ اور معراج دین کو بلا لاؤ۔" سکھ کانسٹیبل نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اور اپنے مسلمان ساتھی کو بُلا لایا۔ پریم سنگھ نے کہا۔"معراج دین تم گیان سنگھ کے ساتھ ایک اہم مہم پر جا رہے ہو۔ گیان سنگھ کو تمام باتیں سمجھا دی گئی ہیں اور وہ تمہیں سمجھا دے گا۔ ملزم قائم دین سے کام لینے کے لئے تمہیں سمجھ داری کا ثبوت دینا پڑے گا۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ ٹرک جو پوسٹ مارٹم کے لئے لاشیں لے کر گیا تھا۔ واپس آ گیا

اور بیلا سنگھ کے رشتہ دار لاشوں کو کھاٹوں پر ڈال کر مرگھٹ کی طرف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد وہاں بیلا سنگھ، اس کی بیوی اور بوڑھے نوکر کی چتاؤں کے شعلے نظر آرہے تھے اور وہ ٹرک جو لاشوں کو لے کر واپس آیا تھا۔ اب بھگوان سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو طبی معائنہ کے لئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر لے جا رہا تھا۔ دو مسلح کانسٹیبل زخمیوں کی نگرانی کر رہے تھے اور ایک زخمی ہردیپ سنگھ کو کسی حد تک ہوش آچکا تھا۔

پانچ منٹ بعد یوسف اور پریم سنگھ، بیلا سنگھ کی بیرونی حویلی کے کشادہ برآمدے میں بھگوان سنگھ اور ہردیپ سنگھ کو لیٹا ہوا دیکھ رہے تھے۔ یوسف نے ایک آدمی سے پوچھا: "کہر سنگھ کا کیا حال ہے؟"

ایک کانسٹیبل نے جواب دیا "جی وہ اندر کی حویلی کے برآمدے میں پڑا ہوا ہے اور کبھی کبھی اسے ہوش آتا ہے۔ لیکن وہ بھگوان سنگھ، ہردیپ سنگھ اور کالے پیر کو آوازیں دے کر پھر بیہوش ہو جاتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ شور مچا رہا تھا 'میرے سب ساتھی مارے گئے ہیں۔ بھگوان سنگھ بھی مارا گیا ہے۔ اور میں بھی مر رہا ہوں'۔"

یوسف اور پریم سنگھ وہاں سے اس طرف چل پڑے جہاں پولیس کے افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ راستے میں یوسف نے کہا: "میرا خیال ہے۔ کہ اب انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے۔"

پریم سنگھ نے کہا: "جی میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ آس پاس کے لوگ جو یہاں آئے تھے۔ ہردیپ سنگھ کے متعلق خاص طور پر یہ کہتے تھے کہ وہ شراب کے نشے میں دھت ہوئے بغیر ایسی واردات میں حصہ نہیں لے سکتا۔ گاؤں کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے بیلا سنگھ کو چند لاٹھیاں ماری تھیں۔ لیکن زیادہ لوگ یہ گواہی دیتے ہیں کہ جب بھگوان سنگھ اور کہر سنگھ بڑکیں مار رہے تھے تو وہ یہ دہائی دے رہا تھا۔" او کہر سنگھا! عورت کو مارتے

ہو شرم کرو، میں اس پاپ میں حصہ نہیں لے سکتا، میں جا رہا ہوں"۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے چھت کے اوپر سے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بھگوان سنگھ کو بھی گالیاں دے رہا تھا۔ چند عیسائیوں نے اسے بیلا سنگھ کی حویلی سے نکل کر کھیتوں کا رخ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔"

یوسف نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ اگر یہی وہ آدمی ہے۔ جو اپنا ایک جوتا بطور نشانی چھوڑ کر بھاگا تھا تو اس سے بہت کچھ اگلوایا جا سکتا ہے۔ میں ان دو آدمیوں کے متعلق معلوم کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں۔ جو سائیں کو کے شاہ کے پاس آئے ہوئے تھے۔"

"جناب! ذرا بہادر سنگھ سنبھل جائے۔ تو ہم سچ اگلوانے کا کام اس کے سپرد کر دیں گے۔"

تھانیدار بنسی داس تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور بولا "یوسف صاحب آپ ہماری طرف آرہے تھے اور ڈی ایس پی صاحب آپ کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے تھے، لیکن آپ چلتے چلتے رک کر باتیں کرنے لگ گئے۔ اب ڈی ایس پی صاحب نے مجھے آپ کو بلانے کے لئے بھیجا ہے۔ اور آپ سے علیحدگی میں کوئی بات کرنے کے لئے ایک چارپائی ذرا دور رکھوا دی ہے۔"

یوسف نے پریم سنگھ سے کہا: "سردار جی آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یوسف وہاں سے چل دیا۔ ایک منٹ بعد وہ بچن سنگھ اور عبدالعزیز کے سامنے کھڑا تھا۔ بچن سنگھ نے کہا: "ہم تو آپ کے درشن کو ترس گئے تھے۔"

یوسف نے کہا: "سردار جی آپ چچا جی سے باتیں کر رہے تھے۔ اس لئے میں نے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف رہنا زیادہ مناسب سمجھا۔"

بچن سنگھ نے عبدالعزیز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جناب آپ کی طرح یوسف صاحب کے چھوٹے چھوٹے کام بھی بہت اہم ہوتے ہیں۔ جب مجھے فون پر یہ اطلاع ملی تھی۔ کہ آپ ان کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تو میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ یہ اس تھانے کی خوش قسمتی ہے۔ اور جب میں نے یہ سنا کہ۔ یہاں پولیس کی آمد سے پہلے ہی قاتلوں کا سرغنہ اور اس کے دو ساتھی پکڑے جا چکے ہیں۔ تو مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی۔ اور اب اگر یوسف صاحب کوئی اور اچھی خبر سنا سکیں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

یوسف نے جواب دیا "سردار جی، اچھی خبر یہ ہے۔ کہ گرفتار ہونے والوں میں سے ایک ایسا بھی ہے جس سے آپ کو حیرت انگیز باتیں معلوم ہوں گی۔ اگر آپ نے ارجن سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق پوری فائل دیکھی ہے۔ تو اس کیس کی بھی ایک دلچسپ بات یہ ہے۔ کہ ایک معتبر آدمی جو پچھلی مرتبہ گرفتار ہونے سے بچ گیا تھا۔ شاید اس کیس میں نہ بچ سکے۔ میں ایک ایسی صورتِ حال اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔ جب ہر مجرم اس کے خلاف گواہی دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اور ان پناہ گاہوں کی طرف اشارہ کرے گا۔ جہاں دوسرے قاتل چھپے ہوئے ہیں۔"

تین گھنٹے بعد قائم دین کو ساتھ لے جانے والے کانسٹیبل واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ گاؤں کے دو آدمی گٹھڑیاں اٹھائے ہوئے تھے اور قائم دین کے سر پر ٹین کا بکس تھا۔ پریم سنگھ اور بنسی داس نے ان کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد اسے ڈی ایس پی کے سامنے پیش کر دیا۔

"بھئی ان گٹھڑیوں اور اس صندوق میں کیا ہے؟"

کانسٹیبل نے جواب دیا "جناب یہ وہی سامان ہے جسے ضبط کرنے کے متعلق ہمیں حکم دیا گیا تھا۔"

پریم سنگھ نے جواب دیا "سر یہ کچھ تیار کی ہوئی دوائیاں ہیں۔ جو کو کے شاہ لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ اور باقی وہ خام مال ہے۔ جس سے دوائیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اس جرائم پیشہ پیر پر یہ شک کیا جاتا ہے کہ وہ دوائیوں میں زہر ملا کر بھی فروخت کرتا ہے۔"

بچن سنگھ نے پوچھا "اس کا کچھ سراغ ملا ہے؟"

"جی وہ کل صبح سے غائب ہے اور اس کے ساتھ دو اور آدمی بھی تھے جو چند دنوں سے اس کے پاس رہتے تھے۔"

عبدالعزیز نے کہا "سردار جی میں نے ان تینوں کو دیکھا ہے اور تینوں جرائم پیشہ معلوم ہوتے تھے۔"

پریم سنگھ نے کہا "جناب اس جرائم پیشہ حکیم سائیں کو کے شاہ کا گاؤں تو ضلع امرتسر میں ہے۔ باقی دو آدمی جو چند دن سے اس کے پاس آتے ہوتے تھے وہ اجنبی تھے۔ اور کو کے شاہ کی گرفتاری سے پہلے شاید ان کا سراغ نہ مل سکے۔"

عبدالعزیز نے کہا "میں نے اپنے کیمرے سے ان کی تصویریں لینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جب تک نیگیٹو (Negative) کسی تجربہ کار فوٹو گرافر سے صاف ہو کر نہیں آتے یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔ اگر گورداس پور میں کوئی اچھا فوٹو گرافر موجود ہو تو یہ کام وہاں سے کروایا جا سکتا ہے۔ ورنہ میں لاہور سے کسی قابلِ اعتماد فوٹو گرافر سے یہ کام کروا لوں گا۔"

بچن سنگھ نے کہا "جناب یہ کام آپ لاہور سے ہی کروائیں۔ جن لوگوں کی صورتیں دیکھ کر ہی آپ ان کی تصویریں لینے پر آمادہ ہو گئے تھے وہ یقیناً جرائم پیشہ ہوں گے ——— تھانیدار صاحب! یہ سامان ہیڈ کوارٹر بھیج دیجئے۔ تاکہ وہاں سے لیبارٹری کو بھیجا جا سکے۔ اب آپ لوگ اپنا کام کریں، میں یوسف صاحب سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

بنسی داس نے کہا "جناب فی الحال یہاں ہمارا کام تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اگر آپ

پسند فرمائیں۔ تو تھانے میں آپ کے قیام کا انتظام کر دیا جائے۔"

یوسف نے کہا۔ "جناب ان کے آرام کا انتظام ہمارے مہمان خانے میں بھی ہو سکتا ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "ہاں، سردار جی۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوگا۔ کہ آپ کل تک میرے ساتھ رہیں۔ میں صبح ہوتے ہی آپ کو اپنی موٹر پر گورداسپور چھوڑ آؤں گا۔"

بچن سنگھ نے کہا۔ "نہیں جناب میرا تھانے میں ٹھہرنے کا بھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں بنسی داس کے ساتھ موٹر سائیکل پر شہر تک جاؤں گا اور وہاں سے گاڑی یا بس پر گورداسپور پہنچ جاؤں گا۔ وہاں بہت سا کام میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ آپ اگر یہاں چند دن ٹھہریں تو بنسی داس اور اس کا سٹاف آپ کی موجودگی سے بہت فائدہ اٹھا سکے گا۔"

عبدالعزیز نے جواب دیا۔ "نہیں بھائی، میں پرسوں ہر صورت میں چلا جاؤں گا۔ اور یہاں سے روانہ ہونے تک میں پوری توجہ سے اس کیس پر کام کروں گا۔"

"اور یوسف صاحب تو یہیں رہیں گے نا؟"

"نہیں وہ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔ میں آپ سے بہادر سنگھ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک قابل اعتماد افسر ہے۔ اور جب تک وہ اے۔ ایس۔ آئی نہیں بن جاتا۔ اسے اسی تھانے میں رہنا چاہیئے۔ حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ بیلا سنگھ کی لڑکی کے لئے فوری طور پر ایک محافظ کی ضرورت ہے۔ میں کوشش کروں گا۔ کہ اس کی شادی میں تاخیر نہ ہو اور مجھے امید ہے کہ جب میں بہادر سنگھ کے باپ سے بات کروں گا۔ تو وہ اور بیلا سنگھ کے باقی رشتہ دار میری اس تجویز کی حمایت کریں گے۔ سردار صاحب آپ ایک بات کا ذمہ لیں، کہ اس مسئلہ میں آپ پوری دلچسپی لیں گے۔ جن زخمیوں کو علاج اور معائنہ کے لئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر بھیجا گیا ہے۔ ان کی تحقیقات کا کام کسی تجربہ کار افسر کے سپرد کر دیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ انہیں ہوش میں آتے ہی ایک دوسرے سے

الگ کر دیا جائے۔ اور ہردیپ سنگھ پر خاص توجہ دی جائے۔ کیونکہ وہ ان تینوں سے زیادہ ڈرپوک معلوم ہوتا ہے۔ اور اس سے سچ اگلوانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی پولیس کے جال میں ایک بڑی مچھلی کے پھنس جانے کی توقع ہے اور اس کے متعلق پریم سنگھ کی معلومات کافی ہیں۔ اگر قاتلوں کے گروہ کے تمام آدمی پکڑے گئے تو ایک لڑکے کی کارگزاری پولیس سے بڑے انعام کی حقدار ہو گی۔ جو افسر ارجن سنگھ ڈاکو اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری میں حصہ لے چکے ہیں۔ وہ آپ کو یہ بتا سکیں گے۔ کہ وہ لڑکا کون ہے۔ میں اس وقت اس کا نام لے کر اس کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ مناسب وقت پر بہادر سنگھ یا پریم سنگھ اس ہونہار لڑکے کو آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس کی تعلیم کا انتظام ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر میں کروا دیں۔"

بچن سنگھ نے کہا۔ "عبدالعزیز صاحب شاید آپ کو اس بات پر یقین نہ آئے، کہ ن صاحب نے ڈاکوؤں کے متعلق جو دلچسپ رپورٹ لکھی تھی۔ وہ میں نے اتنی بار پڑھی ہے کہ اب زبانی یاد ہو گئی ہے۔ اس لئے میں اس لڑکے اور اس کے بہادر باپ کو جانتا ہوں۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "یار یہ عجیب بات ہے۔ اگر آپ اتنا کچھ جانتے تھے۔ تو اتنی دیر انجان بن کر مجھے کیوں کھپاتے رہے۔"

"یار بات یہ ہے کہ آپ کی باتیں سن کر میں خوش ہو رہا تھا۔ میں چند دن بعد پھر یہاں آؤں گا۔ اور ان تمام لوگوں سے ملوں گا۔ جنہوں نے ڈاکوؤں کی گرفتاری میں حصہ لیا تھا۔ میں پردیسی درخت بھی دیکھوں گا۔ اور پھر جامن کے اس درخت کو جا کر سلام کروں گا جس کی وجہ سے ارجن سنگھ جیسا خطرناک ڈاکو اور قاتل گرفتار ہوا تھا۔"

پریم سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "سر ایک مسئلہ باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قائم دین کا کیا کیا جائے؟"

کرتا ہے۔ اگر کوکے شاہ اور اس کے ساتھیوں نے غائب ہونے سے پہلے اپنے جرم کی قیمت وصول نہیں کرلی تھی۔ تو وہ ضرور اس کے پاس آئیں گے۔ میں لاہور پہنچتے ہی ان کی تصویریں تھانے میں بھجوادوں گا۔ اگر دینا ناتھ جیسے لوگوں کو اچانک ان کی تصویریں دکھا کر اس کا ردِ عمل دیکھا جاتے تو یہ معلوم ہو جاتے گا کہ وہ کس حد تک ان کے موجودہ ٹھکانے سے واقف ہیں۔ دینا ناتھ کے نوکروں کو بھی وہ تصویریں دکھا کر بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ بہادر سنگھ! اگر تم شادی کے بعد سردار بیلا سنگھ کے گھر کو آباد رکھو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ اجیت کور کے لئے ایک پستول کے لائسنس کے متعلق ڈی ایس پی سے بات ہو چکی ہے۔ پریم سنگھ کو یہ یاد دلا دینا کہ اجیت کور کی طرف سے لائسنس کی درخواست لکھ کر اور اس کے دستخط کروا کر فوری طور پر آگے بھیجنا اس کی ذمہ داری ہے۔ پھر پستول خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آتے گی اس کا انتظام ہو چکا ہے۔ میں سردار بیلا سنگھ کے رشتہ داروں کو یہ مشورہ دے چکا ہوں کہ آپ اگر پسند کریں، تو یہیں بیلا سنگھ کی حویلی میں رہ سکتے ہو اس قتل سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ قاتل بیلا سنگھ کی جائیداد سے بہت جلتے تھے اور انہیں شہہ دینے والا کوئی ایسا آدمی تھا جسے اس قتل سے کسی فائدہ کی امید تھی۔ وہ دینا ناتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اور کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب دینا ناتھ پر ہاتھ ڈالا جائے گا تو بہت سی باتیں صاف ہو جائیں گی۔ اب میں تمہیں وہ کاغذ دے جاتا ہوں۔ اس کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اور یہ تو شاید تمہیں معلوم ہی ہوگا۔ کہ تمہاری ماں جی اور اجیت کور ہمارے ساتھ جائیں گی۔ ہم ان کو گاؤں اتار دیں گے۔"

"تو بھائی صاحب آپ جلدی سے وہ کاغذ لا کر دے دیں۔ میرا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ خیال کریں گے۔"

"کیا خیال کریں گے لوگ؟" کوشش کے باوجود بہادر سنگھ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"یار لوگ یہی خیال کریں گے۔ کہ میں اجیت کور کے لئے آتا ہوں۔"

"تو اس میں غلط بات کون سی ہے؟ بھئی بہادر سنگھ لوگوں کی پرواہ نہ کیا کرو۔ تمہیں اس بات کی خوشی ہونی چاہیئے کہ اجیتو بے وقوف نہیں ہے —— اچھا میں دو منٹ میں تمہارے کاغذ لے کر آتا ہوں۔"

یوسف تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چل دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ بہادر سنگھ کو کاغذات دے رہا تھا۔ بہادر سنگھ نے کاغذ لیتے ہوتے کہا۔ "یوسف جی! میں یہ اتنا پڑھوں گا، کہ زبانی یاد ہو جاتے۔ آپ چچا عبدالعزیز صاحب اور چچی کو میرا سلام کہہ دیں۔ اب میں سیدھا تھانے جاؤں گا اور پریم سنگھ کو علیحدہ بٹھا کر آپ کی ہدایات سناؤں گا۔"

"اچھا بھئی تم جاؤ ہم نے جلدی یہاں سے روانہ ہونا ہے۔" یوسف نے اس سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد یوسف موٹر چلا رہا تھا اور عبدالعزیز اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بلقیس، اجیت کور، بہادر سنگھ کی ماں اور بہن بیٹھی ہوئی تھی۔ بلقیس نے ایک بار پھر اجیت کور کے مستقبل کا قصہ چھیڑ دیا اور بہادر سنگھ کی ماں سے کہا۔ "بہن مجھے معلوم نہیں کہ دنیا کو یہ بات کیسی لگے گی۔ لیکن آپ کو، وہ سب لوگ جو تھوڑی بہت عقل رکھتے ہیں، یہی کہیں گے کہ اس بات میں کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔"

بہادر سنگھ کی ماں بولی۔ "بی بی جی، یوسف، اجیتو کا منہ بولا بھائی ہے اور بہادر سنگھ اسے اپنا بہترین دوست سمجھتا ہے۔ اس لئے یوسف جو فیصلہ کرے گا۔ وہ غلط نہیں ہوگا جب وہ اجیتو کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے رخصت کرے گا۔ تو کسی کو اس کی چیخیں سنائی نہیں دیں گی۔ اور بہن! میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ مجھے اس کی ماں کی موت کے بعد ایک دوہری ذمہ داری ادا کرنی پڑے گی۔ ماں کی بھی اور پھر ساس کی بھی۔ اور بہادر سنگھ کے باپ کے لئے یہ بہو سے زیادہ ایک بیٹی ہوگی۔"

بچن سنگھ نے کہا۔"اس سوال کا جواب تمہیں یوسف صاحب سے پوچھنا چاہیئے"۔

یوسف آگے بڑھ کر بولا۔"سردار صاحب اس کیس میں قائم دین بڑے مجرموں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ایک اہم گواہ ہے۔ اس لئے پولیس کی حفاظت میں ہے۔ آپ چاہیں تو اسے تھانے میں رکھیں۔ یا یہ بہتر ہوگا کہ اسے گھر بھیج دیا جائے اور ایک کانسٹیبل اس کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا جائے"۔

غروبِ آفتاب کے وقت پولیس کی پارٹی گاؤں سے روانہ ہو چکی تھی اور تھوڑی دیر بعد بہادر سنگھ اور اس کے تمام رشتہ دار میاں عبدالرحیم کے گاؤں کی طرف جا چکے تھے جہاں مہمان خانے میں اُن کے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد اجیت کور، بہادر سنگھ کی ماں اور بہن وہیں مکان کے ایک کشادہ کمرے میں بلقیس کے ساتھ ٹھہر گئی تھیں اور باقی لوگ بیلا سنگھ کے گھر آ گئے تھے۔ بلقیس کے اصرار پر یہ خواتین ایک دن اور یوسف کے گھر مہمان رہیں۔

تیسرے روز گاؤں کے لوگ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلے۔ تو یوسف کو اچانک بہادر سنگھ بائیں طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔ اور عبدالرحیم اور عبدالعزیز باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ بہادر سنگھ نے سائیکل سے اترتے ہوئے یوسف سے کہا۔"یار میں آج بہت سویا ہوں۔ بھگوان کا شکر ہے کہ آپ چلے نہیں گئے"۔

"بھئی میں تمہیں ملے بغیر کیسے جا سکتا تھا۔ رات کچھ کام کرنے کا موقع ملا تھا اور میں نے چند صفحات لکھ لئے تھے ان میں تمہارے لئے اور پریم سنگھ کے لئے چند تجاویز ہیں۔ وہ اچھی طرح پڑھ لینا۔ پہلی تجویز تو یہ ہے کہ جب ہردیپ سنگھ وعدہ معاف گواہ بن کر اس جرم کے ساتھ دینا ناتھ کا تعلق ثابت کر دے تو اسے فوراً گرفتار کر لینا چاہیئے۔ لیکن اس سے پہلے تم کو اس کے گھر کی سختی سے نگرانی کرنی چاہیئے۔ وہ لوگوں کو روپیہ دے کر جرم کروایا

بلقیس نے اجیت کور کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔"بیٹی سچ سچ بتاؤ۔ تم میری باتوں سے ناراض تو نہیں ہو"۔

اجیت کور نے جواب دینے کی بجائے اپنا سر اس کے کندھے سے لگا دیا۔

بلقیس نے کہا۔"مجھے معلوم تھا کہ تم ایک سمجھدار بیٹی ہو۔ اب اگر تم غصہ میں نہ آجاؤ تو میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں۔ کہ کیا میں تمہاری شادی پر آؤں؟"

اجیت کور نے اس کا بازو پکڑ کر دبایا۔ بلقیس نے ایک ثانیئے کے توقف کے بعد پھر پوچھا۔"بیٹی میں نے پوچھا ہے۔ کہ میں آؤں تمہاری شادی پر؟"

اجیت کور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

"بیٹی میں ضرور آؤں گی۔ اور تمہارے چچا بھی آئیں گے اور تمہارا یوسف بھائی بھی آئے گا۔ میں یہ چاہوں گی۔ کہ یوسف کے خاندان کے سب اچھے لوگ اس پیاری سی بیٹی کو ڈولی میں بٹھانے آئیں اور تمام بزرگ تمہیں اپنی نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں"۔

اجیت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

"بیٹی! ہم اس بات کا انتظام کر کے جا رہے ہیں کہ ہمیں وقت پر اطلاع مل جاتے۔

یوسف کہتا تھا کہ اجیت کور بہت بہادر ہے۔ لیکن اب حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ تمہارے پاس پستول ہونا چاہیئے۔ ڈی۔ ایس۔ پی بچن سنگھ کو تمہارے چچا نے کہہ دیا ہے اور وہ پستول دلوانے میں پوری مدد کریں گے"۔

عبدالعزیز نے کہا۔"بیٹی مجھے اس بات کا بڑا دکھ ہے۔ کہ میں نے اسلحہ کے لائسنس کے لئے تمہارے باپ کی سفارش کی تھی۔ لیکن وہ اپنی لاٹھی اور کتوں کو کافی سمجھتے تھے۔ اور جس رات یہ مصیبت آئی تھی۔ ان کے کتے بھی ان سے دور تھے۔ اب بیٹی میں اس بات کا پورا انتظام کر کے جا رہا ہوں کہ اے ایس آئی پریم سنگھ خود تمہارے پاس آتے۔ اور

اسلحہ کے لئے درخواست پر تمہارے دستخط یا انگوٹھا لگوا کر آگے بھیج دے ۔۔ تم دستخط کر لیتی ہو نا بیٹی ؟"

"جی ، جب میں چھوٹی تھی تو پہلے ایک گیانی جی اور اس کے بعد کارخانے کے ایک بابو کی بیوی سے پڑھا کرتی تھی۔"

بلقیس نے کہا: "تو بیٹی اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اردو میں ہمارا خط پڑھ سکو گی اور اس کا جواب بھی دے سکو گی۔"

اجیت کور نے اسے اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا: "چاچی جی یہ تو میری خوش قسمتی ہے۔"

بلقیس نے کہا۔ "اچھا بیٹی جب تمہیں لائسنس مل جائے گا۔ تو ایک چھوٹا سا خوبصورت پستول میری طرف سے شادی کا تحفہ ہو گا ۔۔ بیٹی تم ایک بہادر باپ کی بیٹی ہو۔ اور اس دنیا میں بہادر بن کر ہی زندہ رہ سکتی ہو۔ ہم جاتے جاتے تھانے میں بھی کہتے جائیں گے۔ کہ تمہیں فوری طور پر لائسنس دلانے کی کوشش کی جائے۔"

موٹر اجیت کور کے گھر کے سامنے رکی۔ پہلے بہادر سنگھ کی ماں اتر کر بلقیس سے گلے ملی اور اسے بہت سی دعائیں دیں اور پھر اجیت اس کے ساتھ چمٹ کر کہہ رہی تھی۔ "چاچی جی، مجھے بھول نہ جائیں۔ اور چاچا جی کو بھی یاد دلاتی رہیں۔ کہ ان کی بیٹی ان کی راہ دیکھا کرتی ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیٹی ہم تمہارے لئے دعائیں کیا کریں گے۔"

اجیت اپنے آنسو پونچھتی ہوئی یوسف کی طرف متوجہ ہوئی: "ویر جی ! میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں لینا چاہتی۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ آپ کا ہاتھ کبھی اپنی یتیم بہن کے سر سے دور نہیں ہو گا۔"

یوسف نے اس کے سر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اجیت کور، بہن ! اگر

میں لاہور پہنچ کر یہ سنوں کہ ہمیں رخصت کرنے کے بعد کسی نے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تو ہمیں بہت اطمینان ہو گا۔"

"ویر جی ، مَیں وعدہ کرتی ہوں کہ اب مجھے روتا ہوا کوئی نہیں دیکھے گا۔"

یوسف نے کہا: "اجیت ! تم اب ہمارے سامنے اپنے گھر کے اندر چلی جاؤ ۔۔ چاچی جی آپ بھی اس کے ساتھ جائیں۔"

بہادر سنگھ کی ماں اجیت کور کا ہاتھ پکڑ کر حویلی کے دروازے کی طرف لے گئی۔ یہاں چند خواتین ان کے استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ ایک عمر رسیدہ آدمی جو کار سے چند قدم دور مردوں کے درمیان کھڑا تھا۔ آگے بڑھا اور اس نے یوسف سے بغلگیر ہونے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا: "کاکا جی میں ان لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ کہ اچھے لوگوں کے تمام کام اچھے ہوتے ہیں۔ جب سردار بیلا سنگھ کی موت کی خبر ہمارے گاؤں میں پہنچی تھی تو میں راوی کے کنارے اپنے پرانے گاؤں گیا ہوا تھا۔ اب عام طور پر وہیں رہتا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے یہاں آ کر حالات سنے تو میں یہ سوچ رہا تھا۔ کہ بھگوان نے کتنی نیکیاں تمہاری قسمت میں رکھ چھوڑی ہیں۔ اگر مجھے کوئی تمہارا ذکر کئے بغیر یہ واقعات بتاتا تو بھی مجھے یقین ہو جاتا کہ یہ ہمارے کاکا جی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

یہ سردار جگت سنگھ تھا۔

یوسف نے کہا۔ "سردار جی میں نے پہلی دفعہ یہ نام آپ کے منہ سے سنا تھا۔ اور آپ کے منہ سے یہ نام مجھے اچھا لگتا ہے۔ بھگت سنگھ نہیں آیا ؟"

جگت سنگھ نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا: "آؤ بھگت سنگھ آگے آ جاؤ۔ اس دنیا میں دیوتاؤں کے درشن بار بار نہیں ہوتے۔"

بھگت سنگھ آگے بڑھا اور اس نے یوسف کو ہاتھ باندھ کر پرنام کیا۔ جگت سنگھ نے آگے بڑھ کر عبدالعزیز کو سلام کرتے ہوئے کہا: "جناب مجھے افسوس ہے کہ میں نے

آپ کی کار روک رکھی ہے۔"

عبدالعزیز نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔"سردار جی، کوئی بات نہیں۔ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ مجھے اچھے لوگوں سے مل کر خوشی نہیں ہوتی۔"

"جناب، یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں۔"

یوسف نے کار کے قریب آکر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔"چچی جان، یہ وہی سردار جی ہیں جن کے ساتھ نسرین اور ماں جی نے سفر کیا تھا۔"

اور جگت سنگھ وہیں سے بولا۔"کاکا جی! بی بی جی کو میرا سلام کہہ دیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ میں چھوٹی شہزادی کو بہت یاد کرتا ہوں ——

—— آپ کے یہاں آنے سے لوگوں کو بڑا حوصلہ ہوا ہے۔ اور میں یوسف صاحب کی اس سوچ پر بہت خوش ہوں کہ وہ بیلا سنگھ کے گھر کو آباد دیکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جب آپ دوبارہ یہاں آئیں گے۔ تو آپ بہت خوش ہوں گے۔ بہادر سنگھ کا باپ اپنے گاؤں سے چند اچھے کسان یہاں لانے کے لئے گیا ہے۔ سردار بیلا سنگھ جی، اپنی کھیتی باڑی کی طرف ذرا کم توجہ دیا کرتے تھے۔ اب ہم سب اس کی زمین پر توجہ دیا کریں گے، لیکن میری درخواست ہے کہ کبھی کبھی آپ بھی اس گاؤں سے ہو جایا کریں۔ جہاں اچھے لوگوں کا سایہ پڑتا ہے وہاں سے بدی ختم ہو جاتی ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔"سردار جی جب تک حالات تسلی بخش نہیں ہو جاتے آپ کو زیادہ وقت یہاں گزارنا چاہیئے۔ کیونکہ مجھے آپ، اجیت بیٹی اور بہادر سنگھ کے خاندانوں میں سب سے زیادہ بزرگ دکھائی دیتے ہیں۔"

"مہاراج آپ کو یہ شکایت نہیں ملے گی کہ میں نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔"

عبدالعزیز اس کے ساتھ مصافحہ کرکے کار میں بیٹھ گیا اور یوسف نے ہاتھ کے اشارے سے آس پاس کھڑے لوگوں کو سلام کرکے کار اسٹارٹ کر دی۔ اس پر بیلا سنگھ کی موت اور اجیت کی بے چار اتنا گہرا اثر تھا کہ اس نے راستے میں کسی سے بات نہ کی۔ امرتسر سے آگے عبدالعزیز نے کہا۔"یوسف بیٹا، میرا خیال ہے کہ بلقیس اپنی زندگی میں اتنی دیر خاموش نہیں رہی ہوگی یہ تھک گئی ہوگی۔ مجھے بھی تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے، تم اگر گھر پہنچ کر آرام کی ضرورت محسوس کرو تو سیدھے عبدالکریم صاحب کے گھر جاؤ۔ ہم شام کو وہاں آجائیں گے۔ لیکن یہ بہتر ہوگا کہ تم اس سے پہلے تمام حالات سے انہیں خبردار کرو۔"

"بہت اچھا، چچا جان، میں منظور کو ملنے کے بعد فوراً وہاں جاؤں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ عبدالکریم صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ چچی جان کو ضرور لاتیے، غم دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ ایسے واقعات جو انہوں نے دیکھے ہیں اور جن سے انہیں تکلیف پہنچ دوسروں کو سنا دیں۔"

امینہ کی شادی

سات بجے کے قریب یوسف عبدالکریم کی کوٹھی میں داخل ہوا۔ تو امینہ نے برآمدے سے نکل کر اس کا خیر مقدم کیا اور اس کے ساتھ ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہوتے کہا:

"بھائی جان! آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی پبلشر نے آپ کو تسلی بخش جواب نہیں دیا۔"

"ہاں! بات تو کچھ اسی قسم کی ہے، لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔"

میاں عبدالکریم اور رشیدہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اور میاں عبدالکریم نے یوسف سے مصافحہ کرنے کے بعد اسے گلے لگا لیا۔

دو منٹ بعد وہ ساتھ والے کمرے میں چائے کی میز پر بیٹھ گئے تو علی اکبر آنکھیں ملتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا کہ بھائی جان آ گئے ہیں۔"

یوسف نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوتے کہا۔ "بھئی غلطی میری ہے کہ میں نے آتے ہی تمہیں آواز نہیں دی۔"

علی اکبر مسکرایا۔ "بھائی جان! میں بہت غصے میں تھا، لیکن آپ کو دیکھ کر ہمیشہ میرا غصہ دور ہو جاتا ہے۔"

"بھائی! اس کے لئے تو میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ اب تم یہاں بیٹھ کر دودھ کا ایک گلاس پیو۔ کچھ کھاؤ اور پھر اپنے کمرے میں کتاب لے کر بیٹھ جاؤ۔ تمہارے ابو اور امی سے ضروری باتیں کرنے کے بعد اگر مجھے وقت ملا تو تمہیں کوئی نئی کہانی سناؤں گا۔ لیکن تھوڑی دیر تک شاید دوسرے مہمان آ جائیں اس لئے کہانی کی بات کل پر چھوڑ دیں۔"

علی اکبر نے جواب دیا۔ "لیکن کل والی کہانی بہت لمبی ہونی چاہیئے اور میں آپ کو کوئی اور کام نہیں کرنے دوں گا۔"

"بھائی، میں یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ میں تمہیں ناراض نہیں کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد علی اکبر ٹھنڈے دودھ کا ایک گلاس پینے اور دو تین بسکٹ کھانے کے بعد "السلام علیکم" کہہ کر چلا گیا۔ اور وہ چائے سے فارغ ہو کر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

یوسف نے سفر کے واقعات سنانے شروع کئے۔ اور کچھ دیر وہ ہنستے اور مسکراتے رہے۔ پھر اس نے عبدالعزیز اور بلقیس کے ساتھ صبح کی سیر اور پردیسی درختوں کا ذکر کیا۔ تو بھی وہ مسکرا رہے تھے، لیکن جب اس نے عبدالکریم کے گاؤں اور اس کے گھر کا ذکر کیا تو ان کے چہروں سے مسکراہٹیں غائب ہو گئیں۔

یوسف کہہ رہا تھا: چراغ بی بی کی ماں وہاں تھی اور پیر کوکے شاہ بھی حویلی کے ایک کمرے میں ڈیرہ ڈالے ہوتے تھا۔ دو خوفناک آدمی جن کے متعلق ہمیں یہ ثبوت مل چکا ہے کہ وہ سیٹھ دینا ناتھ سے ملا کرتے ہیں۔ نہ معلوم کب سے آپ کی حویلی میں رہتے ہیں۔ یہ حالات دیکھتے ہی مجھے شک ہوا تھا کہ علاقے میں کوئی بڑی واردات ہونے والی ہے۔ اور میں نے گاؤں کے کافی آدمیوں کو خبردار کر دیا تھا۔

سردار بیلا سنگھ، انسپکٹر صاحب کے وہاں جانے پر اتنا خوش تھا کہ سڑک سے آگے وہ علاقے کے آدمی جمع کر کے ہمارے گاؤں تک کا راستہ ٹھیک کروانے میں مدد دے چکا تھا۔ پہلے دن ہی اس نے ہماری دعوت کے لئے بٹیروں کا ایک ٹوکرا بھر کر ہمارے گھر بھیج دیا تھا۔ اور وہ کہتا تھا کہ "میری زندگی میں اتنا بٹیر اس علاقے میں کبھی نہیں آیا۔ جب تک آپ یوسف کے گھر مہمان ہیں۔ آپ کو دونوں وقت بٹیر ملتے رہیں گے۔"

چچا جی نے کہا۔"سردار جی! ہم نے آپ کی ایک معافی قبول کی ہے۔ دوسری قبول نہیں کریں گے۔"

وہ بولا۔"آپ کی مرضی، لیکن میں ایک درخواست ضرور کروں گا اور وہ یہ ہے کہ واپسی پر آپ کے عزیزوں اور دوستوں کے لئے ایک ٹوکرا آپ کی کار میں رکھوا دیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ کم از کم بھابھی جی یہ سوغات لے جانے سے انکار نہیں کریں گی۔"

چچا جی نے کہا بھائی! میں تمہاری دل شکنی نہیں کروں گا۔ وہ ٹوکرا ہم اپنی کار پہ لے جانے کی بجائے، میاں صاحب کے کسی نوکر کے ہاتھ لاہور بھیج دیں گے۔"

یوسف نے کچھ سوچ کر دوبارہ گفتگو شروع کی۔"چچا جی! آپ بہادر سنگھ کو بھول تو نہیں گئے؟" وہ مسکرانے کے بعد اپنا ہونٹ اپنے ہاتھ سے اپنے دانتوں کے نیچے کیا کرتا تھا۔"

"یار، میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔"

"تو پھر آپ بیلا سنگھ کی لڑکی اجیت کور کو بھی جانتے ہوں گے۔"

امینہ بولی۔"بھائی جان! میں نے اسے آپ کے گھر دیکھا تھا۔ ڈاکے کے بعد جب ہم آپ کے گھر آئے تو وہ اکثر وہاں آیا کرتی تھی۔ اور آپ کے گھر کی تمام عورتیں اسے پیار کرتی تھیں۔ وہ خوب صورت بھی تھی اور بارعب بھی۔ آپ اس کے متعلق کوئی بری خبر تو نہیں لائے، بھائی جان!"

"امینہ! میں ایک خبر لے کر نہیں آیا۔ بہادر سنگھ اور اجیت کور کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ یہ رشتہ دونوں کے باپ پسند کرتے تھے، لیکن ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ جب ہم گاؤں پہنچے تو تیسرے دن چند میل دور بہادر سنگھ کے گاؤں میں اس کی بہن کی شادی تھی۔ وہ آیا اور اصرار کر کے چچا، چچی اور مجھ سے وعدہ لے لیا۔ چچا عبدالعزیز سے وہ پہلے وعدہ لے چکا تھا۔ ہم کار پر بہادر سنگھ کے گاؤں پہنچ گئے۔ کیوں کہ وہ نہر کے کنارے تھا۔ سردار بیلا سنگھ اور اس کی بیٹی بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔ میں نے موقع دیکھ

کر سردار بیلا سنگھ اور بہادر سنگھ کے باپ دونوں سے بات کی اور بہادر سنگھ کی بہن کی ڈولی روانہ ہونے کے چند منٹ بعد بہادر سنگھ اور اجیت کور کے رشتے کا فیصلہ ہو گیا۔ اجیت کور، اپنے باپ کی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر شادی پر آئی تھی، اس لئے ہم نے اسے اپنے ساتھ کار میں بٹھا لیا اور چچا سے کہا کہ آپ اس کی سواری پر سردار بیلا سنگھ کے ساتھ آ جائیں۔

راستے میں شہر سے چچی جان نے ایک دوکان سے اس کے لئے شادی کے کپڑے، جوتے اور کچھ اور تحائف خریدے اور ہم راستے میں اسے اس کے گھر چھوڑ کر گاؤں آ گئے۔ کافی رات گزرنے کے بعد ہم سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ بیلا سنگھ کے گاؤں سے شور سنائی دیا۔ میں چند آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ بیلا سنگھ، اس کی بیوی اور اس کا ایک نوکر قتل ہو چکے ہیں۔ اجیت کور نے ہماری آوازیں سنیں تو وہ پرالی کے ڈھیر سے نکل کر باہر آ گئی۔"

وہ دم بخود ہو کر یہ واقعہ سن رہے تھے۔ رشیدہ آنسو بہا رہی تھی اور امینہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

جب یوسف نے تمام واقعات سنا دیئے تو عبدالکریم نے بڑی مشکل سے اپنا غم و غصہ ضبط کرتے ہوئے رشیدہ سے کہا۔"میری سمجھ میں نہیں آتا اب تم کیوں رو رہی ہو؟——

——عالم بی بی مجھے شروع سے ہی قابل نفرت نظر آتی تھی۔ اس کا باپ بھی جرائم پیشہ معلوم ہوتا تھا۔ تم کہتی تھیں کہ قائم دین ایک سادہ دل آدمی ہے، لیکن میں اسے ہمیشہ ایک بے وقوف سمجھتا رہا۔ خدا جانے اس میں اللہ کا کیا بھید ہے کہ جو مصیبت ہم پر ان کی وجہ سے آئی تھی وہ بیچارے بیلا سنگھ کے گھر پر آئی ہے۔"

رشیدہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔"بیلا سنگھ کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے مجھے اس کا بڑا دکھ ہے۔ مجھے اجیت سے بہت ہمدردی ہے۔ اتنی بھولی بھالی اور اتنی خوب صورت لڑکی اور اس کے ساتھ یہ ہوا ہے۔ لیکن چراغ بی بی کی ماں کا اس واقعہ سے کیا تعلق ہے؟"

میاں عبدالکریم نے کہا۔"یہ تو پولیس کی تفتیش کے بعد ثابت ہوگا۔ پھر جو میری بدنامی ہوگی۔
اس سے تم سب کو خوف آنا چاہیئے۔ میں تو اس وقت کو پچھتا رہا ہوں۔ جب میرے دل
میں وہاں زمین خریدنے کا خیال آیا تھا۔ غضب خدا کا کہ وہ جرائم پیشہ بھی اور اس کے ساتھی بھی
میرے مکان میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ یوسف صاحب
اس کے جن دو ساتھیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جب ان پر قتل میں حصہ لینے کا جرم ثابت ہو جائے گا
تو میں اس علاقے میں کسی کو منہ نہیں دکھا سکوں گا۔ اس وقت اگر چراغ بی بی کی ماں یہاں ہوتی
تو میں اسے باہر کے بڑے کنویں میں الٹا لٹکا دیتا۔

—— بیٹا یوسف! تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں بے گناہ پھنس
جاؤں گا۔"

"چاچاجی! آپ کی طرف سے ہم جو بات کریں گے۔ وہ زیادہ صحیح سمجھی جائے گی۔ اس
لئے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔"

"لیکن، میں جو وہاں زمین لے بیٹھا ہوں اس کا کیا کروں؟"

یوسف نے اطمینان سے جواب دیا۔"آپ کچھ بھی نہ کریں۔ صرف قائم دین کو یہ حکم دیں
کہ وہ اپنی بیوی کو فوراً گاؤں میں چھوڑ آئے یا اسے امرتسر کے قریب کسی بھٹے پر بھیج دے
ورنہ لاہور میں اسے مصروف رکھنے کے لئے ایک نئے بھٹے کے لئے کام شروع کروا
دیں۔ اور فضل دین کو گاؤں بھیج دیں۔"

"بیٹا، یہ ٹھیک ہے، لیکن فضل دین کی مجھے ہر وقت اپنے پاس ضرورت ہے۔"

یوسف نے جواب دیا۔"چاچاجی! فضل دین کو مستقل طور پر وہاں رہنے کی ضرورت
نہیں۔ وہ سکھ جو ہم نے آپ کے پاس رکھوایا تھا، کافی قابلِ اعتماد ہے۔ اس کے بیٹے
کی ہوشیاری آپ کو معلوم ہی ہے۔ ایک اور ملازم اس سے مشورہ کر کے رکھ لیا جائیگا
اور تھوڑی سی تنخواہ بڑھانے پر وہ بہت خوش ہو جائے گا۔"

رشیدہ نے پوچھا۔"بیٹا! جب تم ہمارے گھر گئے تھے، تو تم نے قائم دین کو وہاں نہیں
دیکھا تھا؟"

"جی نہیں۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو وہ ہمیں راستے میں ملا تھا۔ کہتا تھا کہ گاؤں
میں ہمارا پتہ کرنے گیا تھا۔ لیکن وہ واقعی اتنا بے وقوف ہے کہ چچا عبدالعزیز اور چچی صاحبہ
کو نہیں پہچان سکا۔"

عبدالکریم نے کہا۔"بیٹا! میں کس زبان سے اللہ کا شکر ادا کروں کہ جب بھی مجھ پر
کوئی مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو تم وقت پر پہنچ جاتے ہو۔"

"چچاجی! شکر تو مجھے کرنا چاہیئے کہ مجھے کسی نیکی کا موقع مل جاتا ہے۔"

رشیدہ بولی۔"بیٹا! اس دفعہ عجیب بات ہوئی ہے کہ امینہ دو تین بار اسی خوف سے
کانپتی ہوئی اٹھی ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت آ رہی ہے۔ ایک دن تو اس نے ہوش میں
آتے ہی اصرار کیا کہ کسی کو بھائی جان کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجو کہ وہ فوراً پہنچ جائیں
میں سمجھا کرتی تھی کہ میری بیٹی کسی بات سے نہیں ڈرتی۔"

امینہ نے کہا۔"بھائی جان! جب قائم دین کو پولیس نے بلایا تھا تو اس کی بیوی نے
گاؤں میں دہائی دی ہوگی، لیکن پولیس کے سامنے ایسی عورتیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ گھر میں
اس نے بہت تماشا کیا ہوگا۔ بھائی جان! مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں وہاں نہیں
تھی۔ اگر گُرکے شاہ کے سامان سے کوئی زہر نکل آیا تو قائم دین اور اس کی بیوی پر بھی مصیبت
آئے گی۔"

"ضرور آئے گی۔" عبدالکریم بولا۔"اور قائم دین کے ساتھ اگر وہ بھی پھنس گئے تو چراغ بی بی
کی بھی خیر نہ سمجھو۔ یوسف کے چند الفاظ، اس پر اقدامِ قتل کا جرم ثابت کرنے کے لئے کافی
ہوں گے۔"

یوسف نے امینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"دیکھو امینہ، جو تھوڑی بہت بات میں

نے کہی تھی وہ صرف تمہارے کانوں کے لئے تھی اور آپ کے اباجی نے وعدہ کیا تھا کہ کسی دوسرے پر یہ بات ظاہر نہیں ہوگی۔"

"بیٹا! ایسے حالات میں کوئی بات کسی کو کیسے یاد رہ سکتی ہے؟ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھے یاد آگیا۔ بیٹے اور بیٹیاں والدین سے کوئی بات نہیں چھپاتے۔ منظور احمد بھی ہمارا بیٹا ہے اور جو باتیں اسے معلوم تھیں وہ ہمیں بھی معلوم ہو چکی ہیں۔ امینہ نے اگر تم سے کوئی وعدہ کیا ہے تو اس نے پورا کیا ہے۔ اگرچہ ایسا وعدہ پورا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن منظور نے ایک اچھے بیٹے کی طرح ہمیں سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"چچا جان! اگر یہ بات ہے تو منظور نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ میں نے چراغ بی بی کو دل سے معاف کر دیا تھا۔ اور میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔"

"ہاں بیٹا! اس نے یہ بھی کہا تھا۔"

امینہ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "بھائی جان! آپ اجیت کور کی شادی پر جائیں گے نا۔"

"میں ضرور جاؤں گا اور چچا عبدالعزیز اور چچی بلقیس بھی جائیں گے وہ اپنے تحائف تو پہلے ہی دے آتے ہیں۔"

"کب ہوگی اس کی شادی؟"

"بھئی، میں انہیں یہ کہہ آیا ہوں کہ وہ میری بہن امینہ کی شادی سے دس دن پہلے یا دس دن بعد کی کوئی تاریخ رکھ لیں۔ چچا عبدالعزیز اور آپ کے ڈاک و تار کے ایڈریس دے آیا ہوں۔ عبدالعزیز صاحب کو مقامی تھانے دار بھی ٹیلی فون کر دے گا۔"

"اگر امی اور ابو گئے تو میں بھی جاؤں گی۔ ورنہ اجیت کور کے لئے ہمارا تحفہ آپ لوگ لے جائیں گے۔"

عبدالکریم نے کہا۔ "بیٹی! میں ضرور جاؤں گا اور جو کچھ تم چاہو گی اس لڑکی کو پہنچا دیا جائے گا۔ لیکن ابھی نہیں، تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔ اگر تمہارا بھائی اسے ضروری سمجھے تو اور بات ہے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "یہ ضروری نہیں۔ چچی بلقیس امینہ کی نمائندگی کر سکتی ہیں۔ وہ یہ کہہ دیں گی کہ امینہ شادی کے فوراً بعد گھر سے نہیں نکل سکتی، ورنہ وہ یہاں آکر بہت خوش ہوتی۔"

عبدالکریم بولا۔ "تو اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ قائم دین صبح وہاں پہنچ جائے گا۔ اور بلا تاخیر اپنی بیوی کو چھوڑ کر یہاں آ جائے گا۔ اسے ہمارا گاؤں چھوڑنے کے لئے پولیس کی اجازت کی ضرورت تو نہیں ہوگی؟"

"جی نہیں! پولیس اسے صرف کوکے شاہ کے ٹھکانوں کا پتہ معلوم کرنے کے لئے بلاتی رہی ہے۔ لیکن اس بے وقوف کو کچھ معلوم نہیں۔ اس کی بیوی کوکے شاہ کے گاؤں جایا کرتی تھی لیکن اسے بھی شاید یہ معلوم نہیں کہ وہ کن مقامات پر چھپ جاتا ہے؟ اس تھوڑی سی پوچھ گچھ کا اتنا فائدہ ضرور ہوا ہے کہ وہ اور شاید اس کی بیوی بھی کوکے شاہ کے ساتھ کوئی تعلق رکھنے میں خطرہ محسوس کرتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد میاں عبدالعزیز اور بلقیس پہنچ گئے اور یوسف نے ڈرائینگ روم میں ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کسی تمہید کے بغیر عبدالکریم کے ساتھ اپنی گفتگو کا خلاصہ سنا دیا۔ چند منٹ بعد کھانے کی میز پر بیٹھتے ہوئے عبدالعزیز نے کہا:

"میاں صاحب! مجھے پہلے ہی یہ یقین تھا کہ آپ یہی قدم اٹھائیں گے۔"

عبدالکریم نے کہا۔ "جناب! مجھے یوسف نے تسلی دی ہے کہ گاؤں کا کام آسانی سے چل سکتا ہے۔ ورنہ میں تو یہ واقعہ سنتے ہی اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ اس جائیداد سے نجات حاصل کرنے کا سوچ رہا تھا۔"

یوسف نے کہا "چچا جی! اس سلسلہ میں ابّا جی سے بھی میری بات ہوئی تھی کہ میں بھی ہر دوسرے تیسرے دن آپ کی زمین میں گھوم آیا کروں گا اور آپ کے کارندوں سے میرا رابطہ رہے گا۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "دیکھو بیٹا! مجھے اس جرائم پیشہ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق بڑی پریشانی ہے۔ مجھے اس وقت چین آئے گا جب وہ گرفتار ہو جائیں گے۔"

امینہ بولی "چچا جان! آپ ان کی طرف سے بھائی یوسف کے لئے کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں۔"

"یوسف کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی۔ یوسف کو تو میں اسی لئے ساتھ لے آیا ہوں کہ اس کا وہاں رہنا ٹھیک نہ تھا۔"

"چچا جان! آپ نے بہت اچھا کیا۔ مجھے بُرے بُرے خواب آ رہے تھے۔"

"بیٹی! تم دعا کرو۔ میاں صاحب! آپ یہیں یہ بتائیں کہ بیٹی کی شادی میں ہمارے حصے کا کیا کام ہے؟"

"جی، آپ پہلے تو دعا کریں۔ پھر اپنے ان تمام عزیزوں اور دوستوں کے ایڈریس لکھوا دیں۔ جن کو دعوت نامہ بھیجا جائے۔ لاہور میں آپ کے جتنے رشتہ دار ہیں ان کو آپ ضرور بلائیں۔"

نوکر نے آکر پوچھا "جناب، کھانا لگا دیا جائے۔"

"ہاں بھئی، جلدی کرو۔" عبدالکریم نے جواب دیا۔

نوکر واپس چلا گیا اور امینہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ چند منٹ بعد جب وہ کھانے کے کمرے میں پہنچے تو امینہ نے واپس آکر بلقیس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے دبی زبان میں کہا "چچی جان! میں نے جالندھر کال بک کرا دی ہے۔ آپ فہمیدہ کے ابّو اور امی پر زور دیں کہ وہ ضرور آئیں۔"

بلقیس نے جواب دیا "اتوار کی صبح کو میرا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ انہیں ٹیلی فون کیا کرتی ہوں اور ہر بار انہیں تاکید کیا کرتی ہوں۔"

"شکریہ چچی جان! کال بک کرنے سے میرا مقصد یہ بھی تھا کہ بھائی جان کو ان سے گفتگو کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

"بیٹی! یہ تم نے اچھا کیا، ورنہ یہاں سے واپس جا کر میرا پہلا کام یہی ہوتا کہ میں فہمیدہ کو ٹیلی فون پر بلا کر یہ کہتی کہ پہلے تم یوسف کا حال پوچھ لو پھر میں تم سے بات کروں گی۔"

امینہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "چچی جان! آپ یہی کہیں۔"

علی اکبر بولا۔ "ابّا جی! آپا کوئی شرارت کرنا چاہتی ہے۔"

"بھئی، کیا شرارت کرنا چاہتی ہے وہ تمہارے ساتھ؟"

"ابّا جی! چچی جی کو معلوم ہے۔ یہ آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی، لیکن میں نے بھائی جان یوسف اور آپا فہمیدہ کا نام سن لیا تھا۔"

رشیدہ بولی۔ "بہت بے وقوف ہو تم، اب آرام سے کھانا کھاؤ۔"

یوسف نے کہا، "بھائی اکبر! تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں تم سے پیار نہیں کرتا؟"

"آپ کرتے تو ہیں، بھائی جان۔"

"تو پھر میں تمہارے خلاف شرارت کیسے کر سکتا ہوں؟"

"میرے خلاف نہیں بھائی جان اور میں نے یہ بھی نہیں کہا کہ آپ شرارت کر رہے ہیں۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا ——"

"اچھا بھائی! اب کھانا کھاؤ۔" رشیدہ نے کہا۔

علی اکبر کچھ دیر خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "آپا جی! آپ کو مجھ پر غصہ آ رہا ہے نا؟"

امینہ نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں بولتی تم سے اور میرے

بھائی جان اور میری آپا فہمیدہ اور نسرین بھی تم سے بات نہیں کرے گی۔ اور ان کی امی بھی تمہیں دیکھ کر یہ کہیں گی کہ یہ گنوار اس گھر میں کہاں سے آ گیا ہے۔"

اکبر نے چمچ پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "بس میں نہیں کھاتا۔"

یوسف نے کہا۔ "دیکھو اکبر! غصہ آدمی کو کمزور کر دیتا ہے اور اگر کوئی غصے میں آ کر کھانا چھوڑ دے تو بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ اب اطمینان سے کھانا کھاؤ ورنہ ہم سب کھانا چھوڑ دیں گے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی سنائی دی تو علی اکبر نے کہا۔ "چچی جان! یہ آپ کا ٹیلی فون ہے۔ بھائی جان! آپ بھی جائیں۔"

امینہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "علی اکبر! میں بھی بات کروں گی ٹیلی فون پر اور اگر تم اطمینان سے کھانا کھاؤ گے تو تمہیں بڑی اچھی خبر سناؤں گی۔"

علی اکبر نے مسکراتے ہوئے چمچ اٹھا لیا اور امینہ نے دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "چچی جان! بھائی جان! علی اکبر سچ کہتا تھا۔ آپ اطمینان سے کھانا ختم کریں میں ٹیلی فون کو مصروف رکھتی ہوں۔"

امینہ نے فون اٹھا لیا اور بولی۔ "ہاں جی! یہاں سب خیریت ہے۔ میں نے فون اس لئے کیا ہے کہ وہ گاؤں سے آ گئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ خیریت سے ہیں۔ یوسف بھائی ٹیلی فون کا سنتے ہی کھانا چھوڑ کر آ گئے ہیں۔ پہلے آپ ان سے بات کر لیجیئے۔"

یوسف نے ریسیور پکڑتے ہوئے کہا۔ "السلام علیکم! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اپنے کام کے متعلق میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میں قطعاً مایوس نہیں ہوں۔ اللہ کی طرف سے ہر کام کا وقت معین ہوتا ہے۔ گاؤں میں ہمیں اپنی توقع سے زیادہ دن لگ گئے۔ میں نے اپنی تحریر میں جس سردار بیلا سنگھ کا ذکر کیا تھا۔ وہ اور اس کی بیوی

قتل ہو گئے تھے۔ اس افسوسناک سانحہ کی پوری تفصیل اپنے خط میں لکھوں گا۔ دیکھیئے! آپ نے اور خالہ جی نے امینہ کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا کیجیئے۔ اور اپنے اباجی کو میری طرف سے کہیئے کہ وہ ضرور آئیں۔ نسرین کو یہاں سب یاد کرتے ہیں اسے ساتھ ضرور لائیے۔ شاید کوئی ایسا پروگرام بن جائے کہ آپ ہمارا گاؤں اور پردیسی درخت بھی دیکھ آئیں۔ اس کے بعد میں قیام پاکستان تک اتنا مصروف ہو جاؤں گا کہ شاید مجھے اپنی تصنیف بھی یاد نہ رہے۔ بہت سی باتیں میں خط میں لکھوں گا۔ اپنے اباجی اور امی جی کو بہت بہت سلام کہیئے۔ نسرین سے کہیئے کہ میں اس کے لئے بہت دعائیں کیا کرتا ہوں۔ چچی جان تشریف لا رہی ہیں آپ ان سے بات کیجیئے۔"

بلقیس نے ریسیور پکڑتے ہوئے کہا۔ "صفیہ بہن! آپ بھائی جان اور بچوں کے ساتھ امینہ کی شادی پر ضرور تشریف لائیں اور بھائی جان کو ساتھ ضرور لائیں۔ ان سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اگر بھائی جان قریب ہیں تو انہیں بلا لو۔ فہمیدہ کے چچا ان سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت بات کرنا مناسب نہ سمجھیں کیونکہ ایسے معاملات کے متعلق ملاقات پر ہی کوئی بات ہو سکتی ہے۔" "اچھا تم انہیں بلاؤ۔ میں نسرین کے ابا کے ہاتھ میں ریسیور دے رہی ہوں۔"

چند ثانیے بعد عبدالعزیز اور نصیر الدین کی گفتگو ہو رہی تھی۔

عبدالعزیز کہہ رہا تھا۔ "بھائی صاحب! آپ نے عبدالکریم کی بچی کی شادی پر آنا ہے اور یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ ہم یہاں اطمینان سے بیٹھ کر مشورہ کریں۔ نہیں جی! کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس سے آپ کو الجھن ہو۔ جی ہاں! ہم آج یوسف کے گاؤں سے واپس آتے ہیں۔ وہ سب بخیریت ہیں۔ جی ہاں! امید تو یہی ہے کہ وہ شادی پر ضرور آئیں گے۔ اگر یوسف نے انہیں یہ لکھ دیا کہ آپ سب آ رہے ہیں۔ تو ان کا آنا یقینی ہو جائیگا۔

بہت اچھا! میں یہ اطلاع بھجوا دوں گا کہ آپ آ رہے ہیں۔"

ٹیلی فون سے فارغ ہو کر وہ دیر تک کشادہ برآمدے میں باتیں کرتے رہے۔

اچانک عبدالکریم نے فضل دین کو بلا کر کہا۔ "فضل دین! تم پچھلے پہر بس پر روانہ ہو جاؤ اور گاؤں پہنچ کر قائم دین سے کہو کہ وہ اپنی بیوی کو گاؤں چھوڑ کر فوراً یہاں پہنچ جائے۔ میں قائم دین کے نام ایک رقعہ لکھ کر باورچی کو دے دوں گا وہ اس سے لے لینا۔ گاؤں میں تم نے اس بات کا خاص خیال رکھنا ہے کہ پیر کوکے شاہ یا اس کا کوئی ساتھی وہاں دیکھو تو اسے فوراً پولیس کے حوالے کر دو وہ بہت خطرناک آدمی ہیں اور قائم دین اتنا بے وقوف آدمی تھا کہ اسے ہماری حویلی میں ٹھہرایا ہوا تھا۔ وہاں ہردیال سنگھ کو یہ سمجھا دینا کہ ہم نے قائم دین کے سارے اختیارات اس کو منتقل کر دیئے ہیں۔ اس لئے اس کو پوری ذمہ داری سے کام کرنا چاہیئے۔ امینہ کی شادی سے فارغ ہو کر میں وہاں آؤں گا اور اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ تم تین چار دن وہاں ٹھہر کر واپس آ جاؤ۔ کیونکہ یہاں تمہاری زیادہ ضرورت ہو گی۔ اب تم جاؤ۔"

فضل دین چلا گیا۔ رشیدہ نے عبدالعزیز سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "بھائی جی، جب پولیس نے قائم دین کو بلا لیا تھا تو مجھے یقین ہے کہ عالم بی بی نے چراغ بی بی کے پاس جا کر دہائی دی ہو گی۔ چراغ بی بی نے کچھ نہیں کہا آپ سے؟"

بلقیس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمارے قیام کے دوران چراغ بی بی کی ماں وہاں نہیں آئی تھی۔"

امینہ بولی۔ "چچی جان، وہ وہاں نہیں جا سکتی اور بھائی یوسف اس کی وجہ جانتے ہیں۔ بھائی جان بہت رحم دل ہیں۔ میں ڈرتی ہوں کہ یہ کسی دن عالم بی بی کو بھی معاف کر دیں گے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس کا جرم ناقابلِ معافی ہے۔ کہ وہ قاتلوں کے گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیٹی! میرا تجربہ ہے کہ دنیا میں برائی کرنے والوں کو سزا ضرور ملتی ہے

تمہیں عالم بی بی کے متعلق فکرمند نہیں ہونا چاہیئے۔"

"چچا جی! میں چراغ بی بی کے متعلق بھی بہت فکرمند ہوں۔ کاش مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ بھائی یوسف کی نیکیاں چراغ بی بی کے خون سے وہ زہر نکال سکتی ہیں جو اسے اپنی ماں سے ورثے میں ملا ہے۔ بھائی یوسف جب فوج میں بھرتی ہونے کے لئے ڈیڑھ دو دن خوار رہے تھے تو انہیں ہمارے گھر کی سلامتی کے متعلق بھی پریشانی تھی۔"

عبدالعزیز نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ لیکن ایسے معاملات میں تم دعا سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتیں۔"

"لیکن چچا جان! میں یہ تو کر سکتی ہوں کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے گھر کے دروازے کے قریب نہ پھٹکنے دوں۔"

عبدالکریم نے کہا۔ "لیکن بیٹی! اگر تمہاری شادی پر میاں عبدالرحیم کے ساتھ چراغ بی بی بھی آ گئی تو تم ایسے حالات پیدا نہیں کرو گی۔ کہ میاں صاحب مجھ سے ناراض ہو جائیں۔"

یوسف نے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ یہاں نہیں آئیں گے۔ میں اسے سمجھا دوں گا کہ جب تم لاہور جاؤ گی تو تمہیں بیلا سنگھ کے قتل کے سلسلہ میں کئی لوگوں کے سوالوں کا جواب دینا پڑے گا۔ کہ جس مفرور پیر اور اس کے دو ساتھیوں کو پولیس تلاش کر رہی ہے۔ ان کا تمہارے والدین سے کیا تعلق ہے؟ اس لئے لاہور جا کر اس قسم کے سوالات پوچھنے والے لوگوں کا سامنا کرنے کی بجائے تمہارے لئے کسی بیماری کے بہانے گھر میں آرام کرنا بہتر ہو گا۔"

رشیدہ نے کہا۔ "بیٹی! اب تمہاری تسلی ہو جانی چاہیئے۔"

عبدالعزیز نے اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میرا خیال ہے اب ہمیں اجازت لینی چاہیئے۔"

بلقیس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں جی! ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے۔"

وہ مکان سے باہر نکلے تو عبدالکریم نے عبدالعزیز سے کہا۔ "بھائی صاحب! آپ اپنے جن دوستوں اور رشتہ داروں کو بُلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے نام اور پتے یوسف کو لکھوا دیں اور شادی کی تاریخ سے ایک دو دن پہلے ضرور پہنچیں۔ میں ضلع ہوشیار پور میں ناصر صاحب کے داماد کو بیوی اور بچوں کے ساتھ یہاں بلانے کی کوشش کروں گا۔ آپ بھی انہیں لکھ دیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "بھائی صاحب، وہ دو چار دنوں تک خود ہی میرے پاس آرہے ہیں اور میں کوشش کروں گی کہ وہ شادی تک یہاں ٹھہر جائیں۔"

امینہ نے کہا۔ "چچی جان! میں خالدہ آپا کی آمد کی اِطلاع ملتے ہی سلام کرنے آؤں گی۔"

ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ بلقیس اور عبدالعزیز پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اور یوسف ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

پانچ دن بعد شام کے وقت یوسف پلیٹ فارم پر بھاگتے ہوئے سیکنڈ اور انٹر کے ڈبوں میں جھانک رہا تھا۔ انٹر کلاس کے ایک ڈبے سے اسے محمد عمر اور اس کا باپ حسن علی اترتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اور اس نے السلام علیکم کے بعد کہا، "جی، میرا نام یوسف ہے۔ آپا خالدہ آپ کے ساتھ نہیں آئیں؟"

باپ اور بیٹے نے یکے بعد دیگرے اس سے مصافحہ کیا اور عمر بولا۔ "بھائی جان! آپ اس قدر بدل گئے ہیں کہ میں آپ کو پہچان ہی نہیں سکا۔"

حسن علی نے کہا۔ "عمر! تم جلدی سے سامان اتروا کر اپنی امی کو ساتھ لے آؤ۔ اتنی دیر میں ان کے ساتھ باتیں کرتا ہوں۔"

وہ بھاگتا ہوا زنانہ ڈبے کی طرف بڑھا اور تھوڑی دیر بعد وہ قلیوں سے سامان اٹھوا کر اسٹیشن سے باہر نکل رہے تھے۔

خالدہ کہہ رہی تھی۔ "یوسف بھائی! آپ کو اچانک دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم اس گاڑی سے آرہے ہیں؟"

"آپا جان! مجھے چچی بلقیس نے بھیجا ہے۔"

"اُن کا ڈرائیور آیا ہے؟"

"جی، اس وقت میں آپ کا ڈرائیور ہوں۔ چچی جان خود بھی آنا چاہتی تھیں، لیکن پھر انہوں نے کہا۔ اگر میں اسٹیشن پر گئی تو کھانے میں دیر ہو جائے گی۔ ڈرائیور کو انہوں نے اس لئے نہیں بھیجا کہ سواریاں زیادہ ہو جائیں گی اور آپ کو تکلیف ہوگی۔"

یوسف نے گاڑی کے دروازے کھولے تو خالدہ نے اپنے میاں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اپنے بھائی کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کر لوں۔"

"ضرور بیٹھ جائیں، لیکن اتنی باتیں نہ کریں کہ کار چلانے سے ان کی توجہ ہٹ جائے اور کسی تانگے کے ساتھ ہماری ٹکر ہو جائے۔"

خالدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دیکھو بھائی یوسف! کار بڑی احتیاط سے چلایئے، اگر آپ سے ذرا غلطی ہو گئی تو میرا بہت مذاق اڑایا جائے گا۔ دیکھئے، اگر میں کوئی بات کروں تو توجہ تو نہیں ہٹ جائے گی کار چلانے سے؟"

"نہیں آپا جی! مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ مجھے نہایت قیمتی جانوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ آپ بلا جھجک باتیں کریں۔ انشاء اللہ! مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوگی۔"

وہ گھر پہنچے، تو بلقیس دروازے پر کھڑی تھی۔

ایک ہفتہ بعد یوسف پھر اسٹیشن پر صبح کے وقت جالندھر سے آنے والی گاڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ گاڑی کا انجن دھواں اڑاتا ہوا دکھائی دیا تو اسے اچانک محسوس ہوا کہ

اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی ہیں۔ انجن اور چند ڈبے سامنے سے گزر گئے۔ پھر اُسے ایک ڈبے سے چند مانوس چہروں کی جھلک دکھائی دی۔ وہ بھاگ کر آگے بڑھا۔۔۔ اسے نسرین کی آواز سنائی دی۔

"بھائی جان! السلام علیکم"

وہ آگے بڑھا۔ ایک کھڑکی سے فہمیدہ اور اس کی ماں باہر جھانک رہی تھیں۔ اس نے ان کے قریب رُک کر کہا۔ "السلام علیکم۔ خالہ جان! کیا مجھے اس بات کی اجازت ہے کہ میں فہمیدہ کو بھی سب کے سامنے سلام کہہ سکوں"

حیا میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ فہمیدہ کے چہرے پر پھیل گئی۔ کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور ایک مانوس آواز سنائی دی۔

"بیٹا! یہ اجازت تو تم مسوری میں حاصل کر چکے ہو"

یوسف نے مڑ کر دیکھا اور نصیر الدین کے ساتھ لپٹ گیا۔

نسرین نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے، ابا جان! میں نے سب سے پہلے انہیں آواز دی تھی۔ لیکن انہیں ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ آئی ہوں"

یوسف نے جھک کر اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"شہزادی صاحبہ! ہر وقت شکایت کے لئے موزوں نہیں ہوتا۔ چلئے، پلیٹ فارم سے باہر آپ کا انتظار ہو رہا ہے"

وہ اسٹیشن سے باہر نکلے تو امینہ ایک کار سے نمودار ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر فہمیدہ کے والدین کو سلام کیا۔ پھر فہمیدہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"آپ حیران ضرور ہوں گی۔ لیکن میں یہاں آ کر یوسف صاحب کی بہن کا فرض پورا کرنا چاہتی تھی۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ یہاں کتنے لوگ آپ اور شہزادی نسرین کو دیکھنے کے لئے

بے چین ہیں"

"بھائی جان" اس نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا "اگر آپ کی اجازت ہو تو میں انہیں اپنی کار میں بٹھا لیتی ہوں۔ آپ ان کی امی، ابو اور بھائی کے ساتھ آئیں"

تھوڑی دیر بعد وہ بلقیس کے گھر کا رخ کر رہے تھے۔ فہمیدہ جو امینہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہہ رہی تھی۔ "بہن! تم نے ہمارے لئے بڑی تکلیف کی۔ آپ کو چچی جان نے یہاں آنے کو کہا تھا یا اتفاقاً آ گئی ہیں؟"

"جی، مجھے آپ کا انتظار تھا اور میں ہر روز چچی جان کو ٹیلی فون کیا کرتی تھی۔ کل انہوں نے بتایا کہ صبح آپ لوگ تشریف لا رہے ہیں۔ میں چچی جان کے پاس یہ درخواست لے کر گئی تھی کہ آج دوپہر کا کھانا آپ سب ہمارے ہاں کھائیں گے۔ لیکن فیصلہ یہ ہوا کہ دوپہر کا کھانا آپ کے ساتھ چچی کے ہاں کھاؤں گی اور شام کو آپ سب ہمارے مہمان ہوں گے۔ چائے کے لئے بھی اور کھانے کے لئے بھی۔ بہت باتیں کرنی ہیں میں نے آپ سے"

"بھئی، اچھی باتیں ہیں نا" فہمیدہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ کو معلوم نہیں کہ جس جگہ آپ ہوتی ہیں وہاں ہر چیز اچھی ہو جاتی ہے"

"امینہ میرے لئے دعا کیا کرو" امینہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میری شہزادی بہن! بعض لوگ اس دنیا میں دعائیں لینے کے لئے پیدا ہوتے ہیں اور آپ ان میں سے ایک ہیں۔ خدا معلوم میرے علاوہ اور کتنے لوگ آپ کے لئے اور بھائی یوسف کے لئے دعائیں کرتے ہیں"

گھر پہنچ کر انہیں کھانے سے پہلے باتیں کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا۔ یوسف کی کتاب کے متعلق نہ کسی نے پوچھا اور نہ اسے جواب دینا پڑا۔ یوسف کے گاؤں کے سفر کے بارے میں بلقیس نے گفتگو کی اور صفیہ کے کئی سوالات کے جواب میں یوسف کو تمام تفصیلات بیان کرنا پڑیں۔

انہوں نے دم بخود ہو کر ایک طویل داستان سنی۔ بالآخر میاں نصیر الدین نے کہا، "بیٹا! جب تم یہ واقعہ سنا رہے تھے تو مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ باتیں میری آنکھوں کے سامنے گذر رہی ہیں اور آپ کی یہی خوبی آہستہ آہستہ ہماری نسرین میں بھی پیدا ہو گئی ہے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "ابا جی! وہ لڑکی جس کے والدین قتل ہوئے ہیں، ہمیں گاڑی میں ملی تھی۔ وہ دھاریوال اسٹیشن سے سوار ہوئی تھی اور اگلے اسٹیشن پر اتر گئی۔ وہ بڑے فخر سے یوسف کو ویرجی کہتی تھی اور ان کے سارے خاندان سے واقف تھی۔ اس نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ واپسی پر ہم یوسف صاحب کے گاؤں میں رکے تو اس کا پتہ کریں گے۔ ابا جی! بہت اچھی تھی وہ میں سوچتی ہوں کہ ایسے لوگوں پر کیوں مصیبتیں آتی ہیں؟"

بلقیس نے کہا۔ "بیٹی! موجودہ حالات میں ہم اس بچی کے لئے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔"

کھانا کھانے کے بعد انہوں نے دو گھنٹے آرام کیا۔ یوسف اس عرصہ میں بیٹھک کے اندر چلا گیا۔ اس نے وہاں ظہر کی نماز ادا کی اور کچھ دیر سونے کے بعد ایک بڑی الماری کھول کر اس میں سے ایک کتاب نکالی۔

کچھ دیر بعد وہ عصر کی نماز کے لئے باہر نکلا، تو فہمیدہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ وہ تذبذب کی حالت میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر بولا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ یہاں کھڑی ہیں تو میں چند منٹ ایک بے معنی سی کتاب پر ضائع نہ کرتا۔"

فہمیدہ مسکرائی۔ "میں ابھی باہر نکلی تھی اور نسرین کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ غسل خانے میں گئی ہے، آ رہی ہو گی۔"

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہم نے یہ دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا کہ آپ نیند سے بیدار ہوتے ہیں یا نہیں اس سے پہلے نسرین آپ کا کمرہ دیکھ گئی تھی آپ گہری نیند سو رہے تھے۔"

یوسف نے کہا۔ "نیند تو مجھے ضرور آتی ہے، اگر آپ کا سیر کو جی چاہتا ہے تو امینہ کو اٹھا لیں، میں اتنی دیر میں نماز پڑھ لیتا ہوں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "جی، امینہ کی آنکھوں میں نیند کہاں، اس نے تو مجھے بھی نہیں سونے دیا۔ نسرین نے اس کے ساتھ یہ پروگرام بنایا ہے کہ ہم سب چڑیا گھر سے ہوتے ہوئے امینہ کے گھر جائیں گے۔ اب وہ چچی جان کو جگانے کی ترکیب سوچ رہی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "آپ کی آمد سے پہلے میرے ذہن میں کئی باتیں تھیں، لیکن آپ کو دیکھ کر کوئی بات یاد نہیں رہی۔"

فہمیدہ بولی۔ "جی، میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کرتی ہوں، لیکن اب ایک بات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ کو اپنی کتاب کے بارے میں قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ میرے اس اطمینان میں کوئی فرق نہیں آئے گا کہ وقت پر آپ کے سارے کام ہو جائیں گے۔"

یوسف نے کہا۔ "میں ایک بات سے ڈرتا ہوں۔ بڑی امیدیں بسا اوقات بڑی دیر سے پوری ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن تم بھی یہ محسوس کرو کہ میں سراب کے پیچھے دوڑ رہا ہوں۔"

فہمیدہ مسکرائی۔ "آپ کے ساتھ کسی سراب کے پیچھے دوڑتے ہوئے میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گی۔"

نسرین نے کمرے سے نکلتے ہوئے پوچھا۔ "سراب کیا ہوتا ہے۔ بھائی جان؟"

فہمیدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ لفظ اسے کبھی نہیں بھولے گا۔"

یوسف نے کہا۔ "شہزادی بہن، سراب دیکھنے اور سمجھنے کے لئے کسی دن تمہیں کوئی

صحرا دیکھنا پڑے گا۔ وہاں سامنے کچھ فاصلے سے لے کر حدِ نگاہ تک زمین، سطحِ آب دکھائی دیتی ہے۔ اتنی شفاف کہ اس میں جھاڑیوں یا چلتے پھرتے جانوروں کے سائے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم چڑیا گھر جا رہی ہو یا نہیں؟"

"بالکل تیار ہوں، بھائی جان، امی جان اور چچی بھی تیار ہیں۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ آپ ابھی سو رہے ہیں۔ باجی امینہ تو کافی دیر سے تیار بیٹھی ہیں۔ ابا جی کے نماز سے فارغ ہوتے ہی ہم یہاں سے چل پڑیں گے۔"

امینہ کمرے سے نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں نکلتے نکلتے کافی دیر ہو جائے گی اور نسرین کو چڑیا گھر دیکھنے کے لئے زیادہ وقت نہیں ملے گا۔"

"کوئی بات نہیں" نسرین بولی۔ "آج تھوڑا سا دیکھ لیں گے پھر کسی دن صبح ہوتے ہی وہاں جائیں گے اور خوب سیر کریں گے۔"

ایک گھنٹہ بعد وہ دو موٹروں میں سوار ہو کر چڑیا گھر کا رخ کر رہے تھے۔ امینہ کے ساتھ فہمیدہ، نسرین، صفیہ، خالدہ اور بلقیس سوار تھیں اور یوسف کے ساتھ نصیر الدین، ظہیر، عمر اور حسن علی سوار تھے۔ چڑیا گھر میں تھوڑی دیر گھومنے کے بعد وہ دوبارہ کاروں میں بیٹھ گئے اور اب وہ عبدالکریم کی کوٹھی کا رخ کر رہے تھے۔

امینہ کی شادی سے دو دن قبل مہمانوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ میاں عبدالکریم نے آس پاس دو اور کشادہ کوٹھیاں چند دن کے لئے لے لی تھیں۔ زائد مہمانوں کے لئے پاس ہی ایک کھلے میدان میں چند خیمے لگوا لئے تھے۔ اسے عبدالرحیم کے گھر سے بہت سے آدمیوں کے آنے کی توقع تھی۔ پروگرام کے مطابق انہوں نے شادی سے دو دن پہلے پہنچنا تھا اور ان کا صبح ہوتے ہی انتظار شروع ہو گیا تھا۔ یوسف کا خیال تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی گاؤں سے چل پڑیں گے اور آٹھ بجے کے قریب شہر سے بس پر سوار ہو کر بڑے اطمینان سے دوپہر کے کھانے سے قبل لاہور پہنچ جائیں گے۔ لیکن وہ نہ آئے تو رات کے وقت یوسف نے کہا:

"ہو سکتا ہے۔ کہ ابا جی نے دو دن کی بجائے ایک دن پہلے پہنچنا مناسب سمجھا ہو۔ اس لئے وہ کل آئیں گے۔" اگلے دن زیادہ شدت سے انتظار ہونے لگا۔ جب دوپہر ہونے لگی تو سب یوسف سے پوچھنے لگے کہ ان کے نہ آنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ ظہر کی نماز تک یوسف یہی کہتا رہا کہ "وہ آ ہی رہے ہوں گے۔ اگر ابا جی کسی وجہ سے نہ آ سکتے تو پیغام ضرور بھیجتے۔" ظہر کی نماز کے بعد وہ عبدالکریم کی کوٹھی کی بالائی منزل کے کمرے میں فہمیدہ، نسرین ان کے والدین، عبدالعزیز اور بلقیس کے ساتھ پریشانی کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔

عبدالعزیز نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو وہ کسی کو اطلاع دینے کے لئے بھیج دیتے۔ مقصد شادی میں شریک ہونا ہے اور اگر وہ کل صبح بھی پہنچ جائیں تو مجھے تعجب نہیں ہو گا۔"

"چچا جی، اس کی کوئی وجہ میرے ذہن میں آ سکتی تو میں قطعاً پریشان نہ ہوتا۔ لیکن پروگرام تبدیل کرنا ابا جی کی عادت نہیں ہے۔"

نصیر الدین نے کہا۔ "بیٹا، یہ بھی تو ہو سکتا ہے انہوں نے کوئی خط یا تار بھیجا ہو اور وہ ہمیں نہ ملا ہو۔"

"نہیں جی۔" یوسف نے جواب دیا ــــــ "ایسے معاملات میں وہ خط یا تار بھیجنے کی بجائے گھر سے کسی معتبر آدمی کو بھیجتے ہیں۔ اب مجھے کچھ وہم سا ہو رہا ہے کہ ابا جی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں اور انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ یہاں اطلاع بھیج کر کسی کو پریشان کیا جائے۔"

فہمیدہ یوسف کی طرف دیکھ کر مغموم لہجے میں بولی۔ "اللہ ان پر فضل کرے"۔ اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ نسرین اس کے ساتھ لپٹ کر بولی۔ "آپا جی، انشاء اللہ! وہ بالکل بخیریت ہوں گے۔"

فضل دین ہانپتا ہوا آیا اور اس نے کمرے کے اندر جھانکتے ہوئے یوسف سے کہا۔

"میاں جی! چوہدری معین آتے ہیں"

"کہاں ہیں وہ؟" یوسف چونک کر اُٹھا۔

"جی' وہ نیچے میاں صاحب سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے صرف اتنا سنا تھا کہ بڑے چوہدری صاحب نہیں آسکیں گے"

یوسف بولا۔ "میں اس سے پوچھ کر آتا ہوں"

"جناب' ان کے ساتھ ایک نوکر سامان کی گٹھڑی اٹھائے ہوئے تھا۔ شاید شادی کے تحائف تھے۔ اور میاں صاحب گٹھڑی پکڑ کر انہیں اندر لے گئے تھے۔ وہاں شاید دوسرے لوگوں کے سامنے پوچھنا ٹھیک نہ ہو' میں پانچ منٹ میں چوہدری معین الدین صاحب کو لے کر یہاں آتا ہوں"

فضل دین کوئی جواب سنے بغیر واپس بھاگ گیا۔

بلقیس بولی۔ "بیٹا یوسف! اب تمہاری پریشانی دور ہو جانی چاہیئے"

"چچی جان! میری پریشانی کچھ کم ہوئی ہے دور نہیں ہوئی۔ مجھے ڈر ہے کہ چچا معین الدین مجھے شادی سے پہلے پوری خبر نہیں سنائیں گے۔ اگر ابا جی علیل ہیں تو یہ علالت عام نوعیت کی نہیں ہوگی۔ اگر کوئی معمولی بات ہوتی تو یہاں ان کی نمائندگی کے لئے چچا غلام نبی آتے۔ کبھی کبھی انہیں دائیں کندھے سے لے کر گردن تک شدید درد ہوا کرتا ہے۔ جب میں سکول میں تھا تو ایک مرتبہ یہ درد اتنا شدید تھا کہ انہیں چند دن ہسپتال میں رہنا پڑا تھا"

پانچ منٹ بعد فضل دین، معین الدین اور عبدالکریم کو لے کر پہنچ گیا۔ اور یوسف نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "چچا جی! میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ ابا جی کیوں نہیں آتے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ گھر پہ ہیں یا ہسپتال میں"

معین الدین نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "بیٹا! انہیں جو تکلیف ہوئی تھی وہ اللہ کے فضل سے دور ہو گئی ہے۔ لیکن ڈاکٹر کا یہی مشورہ تھا کہ یہ چار پانچ دن اور ہسپتال میں آرام کریں"

"چچا! یہ وہی پٹھوں کا درد ہے جو پہلے ہو چکا ہے"

"ہاں بیٹا! لیکن ہسپتال میں جو نیا امریکی ڈاکٹر آیا ہے اس کے علاج سے بہت جلد آرام آگیا تھا"

"انہوں نے کسی سے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے اطلاع دی جائے؟"

"بیٹا! وہ یہ کہتے تھے کہ شادی کے موقع پر لوگوں کو پریشان نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ جب بچی کی بارات رخصت ہو جائے تو یوسف کو الگ کر کے یوں بتا دینا اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا کہ میری بہو اور اس کے والدین پریشان نہ ہوں۔ دیکھو بیٹا! اب اگر تم اسی وقت چل پڑے تو میری بڑی مرمت ہوگی۔ کل اطمینان سے چلے جانا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ بھائی جان کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے"

عبدالکریم نے کہا۔ "آیئے بھائی صاحب! آپ پہلے نیچے جا کر کچھ کھا پی لیں انشاءاللہ شادی سے فارغ ہونے کے بعد میں اور یہ سب لوگ چوہدری صاحب کی تیمارداری کے لئے جائیں گے"

"جی، آپ سب کو دیکھ کر تو انہیں آرام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی" اور معین الدین یہ کہہ کر عبدالکریم کے ساتھ چل دیا۔

عبدالعزیز نے کہا۔ "بھائی نصیر، اب ہم میں سے کسی کے لئے بھی انہیں دیکھے بغیر واپس جانا ممکن نہیں رہا اور میں سمجھتا ہوں کہ جب وہ سنیں گے کہ ان کی لاڈلی بہو ان کی عیادت کے لئے آرہی ہے۔ تو ہسپتال کے بستر سے بھاگتے ہوئے گھر پہنچ جائیں گے۔ یہ بات جس قدر عجیب معلوم ہوتی ہے اُسی قدر اہم ہے"

بلقیس نے کہا۔ "یہ مسئلہ براہِ راست میری ذہین بھتیجی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہمیں اس کی رائے لینی چاہیئے۔"

فہمیدہ نے سر جھکا کر قدرے توقف کے بعد کہا۔ "چچی جان! اس مسئلہ پر آپ کو پہلے یوسف صاحب سے پوچھنا چاہیئے۔"

"چڑیل! تمہارا مطلب ہے کہ یوسف تمہیں اپنے ابا کی تیمارداری سے منع کر دیگا؟"

"بالکل نہیں۔" فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر آپ مجھے اپنے ساتھ ان کی تیمارداری کے لئے لے جائیں تو میں آپ کا شکریہ ادا کرونگی۔"

عبدالعزیز نے پوچھا۔ "بیٹی! اگر ہم نہ لے جائیں تو؟"

"چچا جان! پھر میں ٹھنڈے سانس لینے کے سوا اور کیا کر سکتی ہوں؟"

"بیٹی! تم ضرور جاؤ گی اور تمہاری وجہ سے ہم سب جائیں گے۔"

نسرین نے فہمیدہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپا جی، میں بھی جاؤں گی نا آپ کے ساتھ؟"

"ضرور جاؤ گی۔ جب پردیسی درخت یہ پوچھیں گے کہ ہماری چھوٹی شہزادی کہاں ہے تو میں کیا جواب دوں گی؟"

یوسف نے صفیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "خالہ جان! اس وقت میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میں خواب میں یہ باتیں سُن رہا ہوں۔ جب آپ ہمارے گاؤں میں قدم رکھیں گی تو آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ وہاں زمین کے ایک ایک ذرے کو آپ کا انتظار تھا۔ اور آپ کو دیکھ کر پردیسی درخت اچانک کسی اور سمت چل پڑے تو مجھے تعجب نہیں ہوگا۔"

نصیرالدین نے کہا۔ "تو پھر یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ہم وہاں جا رہے ہیں۔ چودھری معین الدین ہم سے پہلے روانہ ہو جائیں گے اور وہاں یہ اطلاع دیں گے کہ ہم آ رہے ہیں۔ بھائی عبدالعزیز صاحب! شہر کے کسی ذمہ دار آدمی کو خط لکھ کر اس کے ہاتھ بھیج دیں کہ

وہ بذاتِ خود ہسپتال جا کر ان کی صحت کا پتہ کریں اور ہمیں بذریعہ تار یا ٹیلی فون خبر دیں تاکہ اگر ان کی حالت تسلی بخش ہو تو ہم یہاں سے اطمینان کے ساتھ روانہ ہوں۔"

یوسف نے کہا۔ "میں یہ کوشش کروں گا کہ شہر کی پکی سڑک سے آگے ہمارے گاؤں اور پردیسی درختوں کے درمیان موٹروں کا راستہ تیار ہو اور اگر آپ پسند کریں تو آپ پردیسی درختوں کی طرف سے چکر لگا کر گاؤں کی طرف جائیں۔"

صفیہ نے کہا۔ "بیٹا! سب سے پہلے ہسپتال جا کر تمہارے ابا جان کا پتہ کریں گے اور اس کے بعد کوئی اور پروگرام بنائیں گے۔"

"خالہ جی! ہسپتال اسٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ جب ابا جی کو یہ پیغام ملے گا کہ آپ لوگ تشریف لا رہے ہیں تو وہ ایک منٹ بھی ہسپتال میں رکنا پسند نہیں کریں گے۔"

بلقیس نے کہا۔ "بیٹا! وہ تو میں سمجھ سکتی ہوں کہ وہ بہت خوش ہوں گے، لیکن تمہیں یقین ہے کہ گاؤں کے دوسرے لوگ ہمیں دیکھ کر پریشان نہیں ہوں گے۔"

"چچی جان! میں گاؤں کے کسی آدمی کی دماغی حالت پر اتنا شبہ نہیں کر سکتا کہ وہ آپ کو دیکھ کر خوش نہیں ہوگا۔ اور یہ بات تو شاید نسرین بھی جانتی ہے۔"

نسرین کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور وہ بولی۔ "بھائی جان! میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آپ کے گاؤں کے سب لوگ آپ کی طرح پیار کرتے ہوں گے۔"

معین الدین کمرے میں داخل ہوا اور یوسف نے اس سے سوال کیا۔ "چاچا جی! یہ سب پوچھتے ہیں کہ اگر یہ اچانک ابا جی کی بیمار پرسی کے لئے ہسپتال یا ہمارے گاؤں پہنچ جائیں تو گھر کے لوگ بُرا تو نہیں مانیں گے؟"

معین الدین نے پریشان سا ہو کر جواب دیا۔ "یار! تم اپنے سوا سب کو بے وقوف سمجھتے ہو؟"

"نہیں چچا! میرا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو یہ سب شادی سے فارغ ہو کر اباجی کا حال پوچھ آئیں گے۔"

معین الدین نے غصے سے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا"یار! میں تمہیں گدھا نظر آتا ہوں۔"

یوسف نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔"چچاجی! میرا یہ مطلب نہیں تھا، لیکن ایسی باتوں میں خاندان کے بڑوں سے مشورہ تو لیا جاتا ہے۔"

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ فہمیدہ بیٹی بھی ساتھ آرہی ہے۔"

"آپ کو معلوم تھا کہ وہ یہاں آئی ہوئی ہے؟"

"بھئی، مجھے سب معلوم ہے۔ لیکن بھائی جان کو یہی تو پریشانی تھی کہ وہ بہو رانی کو دیکھنے کے لئے لاہور نہیں جا سکتے۔"

معین الدین نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ فہمیدہ کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔"بیٹی جب تم وہاں جاؤ گی تو تم بھائی جان کو دیکھتے ہی یہ محسوس کرو گی کہ انہیں تمہارا انتظار تھا۔"

یوسف نے کہا۔"چچاجی، میرا خیال ہے کہ یہاں تحائف پہنچا دینے کے بعد آپ کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کو صبح بارات کی آمد و روانگی کے لئے رکنے کی ضرورت نہیں۔ ان حالات میں میاں عبدالکریم صاحب خوشی سے آپ کو اجازت دے دیں گے تاکہ آپ جلد از جلد واپس جا کر اباجی کو یہ خوش خبری سنا سکیں کہ یہ سب ان کی تیمارداری کے لئے آرہے ہیں۔ آپ کو یہاں بارات کی آمد و رخصت کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ بلکہ آپ علی الصباح روانہ ہو جائیں گے۔ اگر اباجی کی حالت بہتر ہوئی تو ہم منظور صاحب کی دعوت ولیمہ سے فارغ ہو کر آئیں گے۔ ورنہ ان سے معذرت کر لیں گے۔ آپ اباجان کو دیکھتے ہی ان کی خیریت کے متعلق تار لکھوا کر اسی وقت ہمیں بھیج دیں تاکہ ہمیں یہاں سے روانگی کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔"

"بیٹا! یہ تو میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب وہ یہ سنیں گے کہ آپ سب آرہے ہیں تو کسی کو یہ شک بھی نہیں ہو گا کہ وہ بیمار ہیں۔ وہ سیدھے گھر پہنچیں گے اور مہمانوں کے استقبال کی تیاریاں شروع ہو جائیں گی۔"

"بہرحال آپ جاتے ہی تار یہاں ضرور بھیج دیں، ہسپتال کے اکثر ڈاکٹر مجھے جانتے ہیں ان میں سے کوئی آپ کو تار لکھ دے گا۔ میں آپ کو ایک خط سردار منگل سنگھ کے نام لکھ دوں گا وہ موٹروں کا راستہ ٹھیک کروانے کے لئے اپنے گاؤں سے آدمی بھیج دے گا۔ اگر ہمارے گاؤں سے پردیسی درختوں تک راستہ بھی ٹھیک ہو جائے تو اور بھی اچھا ہو گا۔ دیکھیں، منگل سنگھ کے کان میں کہہ دیں کہ پردیسی درخت جس نامعلوم ملک سے آئے تھے اس کی دو شہزادیاں ان دنوں ان علاقوں کی سیر کر رہی ہیں۔ کسی دن اچانک ہمارے گھر آئیں گی اور ان درختوں کو دیکھنے جائیں گی۔ اس لئے اگر سردار منگل سنگھ کسی کو یہ بات بتائے بغیر وہاں صفائی کروا چھوڑے تو یہ بڑی اچھی بات ہو گی۔ دیکھیں چچاجی! جس قدر آپ اسے یہ کہیں گے کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہیں ہونی چاہیئے اسی قدر اسے یقین ہو جائے گا کہ کوئی اَن ہونی بات ہونے والی ہے۔"

معین الدین نے کہا۔"یوسف! تم ہمیشہ دور کی سوچتے ہو۔ اس کام کے لئے سردار منگل سنگھ سے بہتر کوئی آدمی نہ تھا۔ وہ ایک منٹ کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھے گا۔ شاید وہ اس بات کی بھی کوشش کرے کہ اس کے اپنے گاؤں کے علاوہ دور دور کی عورتیں بھی شہزادیوں کے استقبال کے لئے پردیسی درختوں کے پاس پہنچ جائیں پھر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں گی اور ہماری بیٹیوں کو نظر لگ جائے۔"

"چاچا جی! اس کا علاج تو بہت آسان ہے۔ آپ اسے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو شہزادیاں ہوتی ہیں وہ یہ پسند نہیں کرتیں کہ کوئی ان کی طرف گھور کر دیکھے۔ یا ان کے قریب آکر بات کرے، لیکن اسے تو یہ بتانا ہے کہ شاید وہ کسی وقت اپنے ملک کے درختوں

کو دیکھنے آئیں۔"

بلقیس نے کہا۔"بیٹا، کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم اپنے دوست کو پردیسی درختوں والے پروگرام میں شامل نہ کرو"

معین الدین نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔"بہن جی! یہ بالکل ٹھیک ہے۔ راستے کا کیا ہے وہ ہم خود بنا سکتے ہیں۔ اور آپ سب ہر وقت گاؤں سے وہاں جا سکتے ہیں۔ کیوں بیٹی فہمیدہ! میں ٹھیک کہتا ہوں نا۔"

"جی ہاں، چچا جان، ہم پہلے ابا جی کے پاس جائیں گے اور پھر کہیں اور جائیں گے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔"بیٹا! تم ابھی نیچے جاکر ٹیلی فون والا کمرہ خالی کروا دو۔ میں ابھی کسی سے کہتا ہوں کہ وہ ڈاکٹر سے مل کر میاں صاحب کی صحت کا پتہ کریں۔"

یوسف نے کہا۔"چچا جی! ٹیلی فون اوپر بھی آسکتا ہے۔ میں ابھی لاتا ہوں۔"

ایک گھنٹہ بعد ٹیلی فون پر عبدالعزیز اور بہادر سنگھ کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔

"بہادر سنگھ! شکر ہے کہ تم مل گئے۔ میں عبدالعزیز بول رہا ہوں۔"

"چچا جی، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں یہاں موجود تھا اور تھانے دار صاحب مجھے ایک تفتیش پر ساتھ نہیں لے گئے تھے۔"

"بہادر سنگھ! تم ایک کام کرو اسی وقت ہسپتال جاکر میاں عبدالرحیم کی صحت کا پتہ کرو اور ڈاکٹر سے بھی ملو اور ان سے پوچھو وہ کب تک گھر جانے کے قابل ہو جائیں گے؟"

"چاچا جی، میں ابھی ان سے مل کر آرہا ہوں۔ بھگوان کی کرپا سے میاں صاحب اب بالکل ٹھیک ہیں۔ جب میں ان سے باتیں کر رہا تھا تو ڈاکٹر صاحب بھی وہاں آگئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ میاں صاحب کل تک جب چاہیں گھر جا سکتے ہیں۔"

"اچھا تو بہادر سنگھ! میاں صاحب سے پھر ملو اور ان سے یہ کہو کہ تین دن تک جالندھر سے رشتہ دار آپ کا حال پوچھنے آرہے ہیں۔ اور فہمیدہ بی بی اور نسرین بی بی بھی ان کے

ساتھ ہوں گی۔"

"جناب! بیبیوں کے نام مجھے پھر بتا دیجئے۔ نسرین بی بی تو مجھے یاد رہے گا۔ دوسری بی بی کا نام کوشش کے باوجود میرے ذہن سے نکل جاتا ہے۔"

"بھئی، تم یہ کہہ دینا کہ آپ کی تیمارداری کے لئے نسرین اور اس کی بڑی بہن کو ہمارے ساتھ آنے کے لئے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔"

"چاچا جی، اگر کوئی بیمار ہو اور اس کا کوئی عزیز اس کا حال پوچھنے آئے تو وہ اسے کیسے منع کر سکتا ہے؟"

"یار، یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تم جاکر میاں صاحب سے ملو میں تمہیں دوبارہ پانچ بجے کے قریب ٹیلی فون کروں گا۔ ان سے اجازت کے متعلق ضرور پوچھ لینا کیونکہ نسرین بی بی کے ساتھ اس کی بڑی بہن بھی آرہی ہے۔ اور بعض رشتوں میں کسی جگہ آنے جانے کی بزرگوں سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ نسرین بی بی کی بڑی بہن آپ کی تیمارداری ضروری سمجھتی ہیں، لیکن ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم اسے ساتھ لے آتے تو کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔"

"چاچا جی! اب یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آتی۔ اگر یوسف صاحب لاہور میں ہیں تو یہ بات آپ ان سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔ ان سے زیادہ اس دنیا میں اور کوئی نہیں جانتا کہ میاں جی کس بات پر خوش اور کس بات پر ناراض ہوتے ہیں۔"

"تم یوسف سے بات کرو گے؟"

"چچا جی! اگر ان سے بات ہو جائے تو یہ آپ کی بڑی کرپا ہوگی۔"

یوسف نے اٹھ کر ریسیور پکڑتے ہوئے کہا۔"ہیلو! بہادر سنگھ، اس وقت تمہیں چچا جی کی باتیں سمجھنے کی ضرورت نہیں جیسا وہ کہتے ہیں اسی طرح کرو۔ ابا جی فوراً سمجھ جائیں گے۔ ہم پانچ بجے تک تمہیں دوبارہ ٹیلی فون کریں گے۔"

"بہت اچھا! بھائی صاحب! میں ابھی جارہا ہوں۔"

"ہم نے ٹیلی فون اس لیئے کیا ہے کہ اگر اباجی کی حالت بالکل تسلی بخش ہو تو ہم سب منظور کی دعوت ولیمہ سے فارغ ہو کر آئیں گے۔ ورنہ ہم پانچ بجے تمہیں ٹیلی فون کرتے ہی چل پڑیں گے۔ بہت اچھا میں سب کو تمہارا سلام پہنچا دوں گا۔"

شام کے سوا پانچ بجے ٹیلی فون پر بہادر سنگھ عبدالعزیز کو یہ بتا رہا تھا "جناب! میاں صاحب میری باتیں سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔ وہ کہتے تھے میں اپنے گھر کی روشنی کے لیئے روشن دان کھڑکیاں اور دروازے کیسے بند کر سکتا ہوں۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور کل کی بجائے اسی وقت گھر جارہا ہوں تاکہ جب مہمان آئیں تو گاؤں سے باہر نکل کر ان کا استقبال کروں۔ میرے سامنے انہوں نے تانگہ منگوا کر نوکر کو سامان رکھنے کا حکم دیا تھا اور یوسف صاحب کو بڑی تاکید کی تھی کہ وہ منظور کے ولیمہ کی دعوت سے فارغ ہو کر آئیں۔ — چاچاجی! میں انہیں تانگے پر سوار کرا کے آیا ہوں انہیں دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ہسپتال کے بستر سے اٹھ کر آتے ہیں۔"

کشادہ کوٹھی کے صحن میں سائبانوں کے نیچے عبدالکریم کے مہمان جن میں کاروباری لوگوں کے علاوہ حکومت کے بعض عہدے دار بھی شامل تھے۔ بارات کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک کشادہ سائبان کی پچھلی طرف سٹیج بنی ہوئی تھی۔ صوفوں کی قطاریں باراتیوں کے لیئے خالی چھوڑ دی گئی تھیں۔

یوسف اٹھ کر اسٹیج پر پہنچا اور اس نے چند ثانیے اہل مجلس کی طرف دیکھنے کے بعد تقریر شروع کی:

"آج ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں ان سے کوئی سلیم العقل آدمی آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ موجودہ دور کے ہر باپ کی طرح میاں عبدالکریم صاحب کی بھی یہی خواہش تھی کہ اپنی

صاحبزادی کی شادی بڑی دھوم دھام سے کریں، لیکن یہ دھوم دھام کا لفظ ایسے حالات میں بہت عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم چاروں طرف مہیب آندھیوں اور طوفانوں کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ اس ملک میں ایک مسلمان کا کسی کاروباری شعبے میں کامیاب ہونا ایک معجزہ سمجھا جاتا تھا اور میاں صاحب وہ خوش قسمت انسان ہیں جو اپنے راستے سے قدم قدم پر ہندوؤں کی آہنی دیواریں توڑ کر آگے بڑھے ہیں اور انہوں نے معاشرے میں ایک قابل رشک مقام پیدا کیا ہے۔ اس کے باوجود جب وہ اپنی طویل اور صبر آزما جدوجہد کا ذکر کرتے ہیں تو انہیں بات بات پر ہندو کی مسلم دشمنی اور تنگ نظری کا ذکر کرنا پڑتا ہے۔ موجودہ دور کی سیاسی فضا میں جب انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ کانگرس کی سیاست کا اوّلین مقصد ملک کی ہندو اکثریت کو برطانوی سامراج کی جانشین بنانا ہے تو ان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیئے تاریخ کا وہ دور کتنا تاریک ہو گا جب کہ ملک کے مال و دولت کے ساتھ حکومت بھی تنگ نظر ہندوؤں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ اس لیئے میاں صاحب اور ان کی صاحبزادی قیام پاکستان کو مسلمانوں کی نجات کا واحد راستہ سمجھتے ہیں اور یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ میاں صاحب کے داماد منظور احمد صاحب اور ان کے خاندان کے کئی بزرگ بھی قیام پاکستان کو مسلمانوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ظاہری دھوم دھام کی بجائے زیادہ سے زیادہ رقم بچا کر تحریک پاکستان پر صرف کی جاتے۔ قبلہ میاں صاحب اور منظور احمد کے والد بزرگوار کی طرف سے قائد اعظم کو پہلے بھی چیک بھیجے جا چکے ہیں ایک بڑی رقم اس کام کیلئے مخصوص کر دی گئی ہے کہ میں اور منظور احمد صاحب کالج کے نوجوانوں کے ایک وفد کے ساتھ ملک کا دورہ کریں اور مسلمانوں کو یہ احساس دلائیں کہ ان کی بقاء کے لیئے پاکستان کس قدر اہم ہے۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان بزرگوں نے کتنی رقم قائد اعظم کو بھیجی ہے اور مزید کتنی رقم بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شاید یہ کہہ دینا کافی ہو کہ دونوں طرف سے تمام نمائشی اخراجات جن میں قیمتی زیورات بھی شامل ہیں وہ تحریک پاکستان کو منتقل کر دیئے جائیں گے۔

اس کارِ خیر میں میاں صاحب کی صاحبزادی جنہیں میں اپنی سگی بہن سے کم نہیں سمجھتا، کی رضامندی شامل ہے۔ میں آپ سب کی طرف سے میاں صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تھوڑی دیر میں آپ دولہا میاں اور ان کے والد کو دیکھیں گے تو مجھے یقین ہے کہ پوری فراخدلی سے ان کا خیر مقدم کریں گے۔

اس سادہ دعوت سے جس میں انشاء اللہ کھانے کا معیار وہی ہو گا۔ جو میاں صاحب کا ہونا چاہیئے۔ آپ یہ سبق لے کر جائیں گے کہ قوم کی زندگی بہرحال ایک فرد یا چند افراد کی نمائشی خوشیوں سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔"

دس منٹ بعد وہ برات کا استقبال کر رہے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد جب منظور احمد کو اندر بلایا گیا تو اس نے ایک ہاتھ سے علی اکبر کا ہاتھ پکڑنے کے بعد دوسرے ہاتھ سے یوسف کا بازو پکڑتے ہوتے کہا۔ "بھائی جان! آپ میرے ساتھ جائیں گے۔"

یوسف نے کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کی تو منظور احمد نے کہا۔ "بھائی جان! علی اکبر سے پوچھ لیجیئے آپ کو خاص طور پر اندر بلایا گیا ہے۔"

"جی ہاں! بھائی جان! میں نے بھائی منظور احمد کے بعد آپ کو لینے آنا تھا۔ بہت تاکید کی تھی آپا جان نے۔"

یوسف منظور احمد کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد دولہا دلہن عورتوں کے ہجوم کے سامنے دیوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یوسف چند منٹ ان کے پاس کرسی پر بیٹھا رہا پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "بہن امینہ اور بھائی منظور! میں یہاں ایک چھوٹا سا فرض پورا کرنے کے بعد رخصت ہوتا ہوں۔" یوسف نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔ اور وہاں تمام عورتوں اور بچوں نے اس کی تقلید کی۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ اپنے دل میں کیا کہہ رہا ہے لیکن جب اسکی آنکھیں نمناک ہو گئیں تو کئی لڑکیاں ہولے ہولے رو رہی تھیں۔ وہ دعا ختم کرنے کے بعد اٹھا اور آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ امینہ کے سر پر رکھ دیئے۔

امینہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہی تھی۔

یوسف منظور احمد کی طرف متوجہ ہوا اور وہ جلدی سے اٹھ کر اس کے گلے لپٹ گیا۔ یوسف نے اسے کہا۔ "میرے بھائی! میرے دوست! اللہ تم دونوں پر انعامات کی بارش کرے اور مجھے زندگی میں یہ اطمینان ہو کہ میں تم دونوں کے لئے جو دعائیں کیا کرتا تھا وہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئی ہیں۔ منظور تمہیں میری کسی نصیحت کی ضرورت نہیں، تم بہت اچھے ہو۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امینہ تمہاری وہ اچھائیاں بھی دیکھے جو دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے۔"

مہکتی خاک

چار دن بعد پانچ کاروں کا قافلہ کشادہ سڑک سے ایک موڑ کے قریب رکا۔ یوسف کے گاؤں کا ایک سوار جو سڑک کے کنارے سے چند قدم دور کھڑا تھا۔ اگلی کار کے قریب پہنچا اور اس نے دو منٹ باتیں کرنے کے بعد گھوڑا دائیں طرف موڑ کر ایڑ لگا دی۔ اگلی کار کے ڈرائیور نے ہاتھ بلند کر کے پیچھے آنے والوں کو اشارہ کیا اور اپنی کار اسٹارٹ کر کے گھوڑے کے پیچھے لگا دی۔ تھوڑی دُور آگے ان لوگوں نے ایک چھوٹی سی خشک نہر کا پل عبور کرنے کے بعد کچھ فاصلے پر ریلوے پھاٹک کراس کیا اور کاریں کچے راستے پر دوڑنے لگیں۔ موسم کے لحاظ سے بہت گرد اڑنے کا اندیشہ تھا، لیکن تھوڑی دیر قبل معمولی سی بارش سے گرد بیٹھ چکی تھی۔ اور مٹی سے بھینی بھینی مہک اٹھ رہی تھی۔ کار کی پچھلی سیٹ سے فہمیدہ نے نسرین کے کان میں کہا۔ "نسرین! سچ بتاؤ تمہیں بھی زمین کی مہک محسوس ہو رہی ہے؟"

"آپا جی! میں نے تو یہ مہک پکی سڑک سے اترتے ہی محسوس کرنا شروع کر دی تھی۔" امی جان! آپ بھی محسوس کر رہی ہیں نا؟"

"ہاں بیٹی! میں بھی محسوس کر رہی ہوں۔"

نصیر الدین بولا۔ "بیٹا! گرمیوں کی پہلی بارش میں تو یہ مٹی بہت مہکتی ہوگی۔"

"جی ہاں! اگر چند دن موسم خشک رہے تو بارش کے پہلے چھینٹے کے ساتھ ہی یہ مٹی مہک اٹھتی ہے۔"

"اور میرا خیال ہے جو زمین زرخیز ہو وہاں ہر جگہ ایسا ہوتا ہے۔"

مرد کاروں سے اترتے ہی عبدالعزیز کی طرح آگے بڑھ کر لوگوں سے بغل گیر ہونے لگے اور خواتین کو گاؤں کی عورتوں نے اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔ یوسف نے چند آدمیوں سے کاروں سے اتارا جانے والا سامان اٹھوایا اور حویلی کی طرف چل دیا۔ گھر کے صحن میں پاؤں رکھتے ہی اس نے اپنے دل میں دھچکا سا محسوس کیا۔ انگور کی وہ بیل جو پورے صحن کے لئے سائبان کا کام دیتی تھی وہ وہاں سے غائب تھی۔

"صدیق! صدیق!!" وہ چلایا۔ دوسرے مکان سے اس کے چچا کی لڑکی عابدہ نے آکر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کیا ہے، بھائی جان؟"

"یہاں جو انگور کی بیل تھی وہ کہاں گئی؟"

"بھائی جان! وہ کاٹ دی گئی تھی۔" عابدہ نے جواب دیا۔

"کس نے کٹوائی تھی؟"

"بھائی جان، تائی جی نے کٹوائی ہوگی۔"

یوسف نے صدیق سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اسی وقت مالی کو تلاش کر کے لاؤ۔"

"بھائی جان، مالی کو میں ابھی بلا لاتا ہوں، لیکن اس کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ مجھ سے ایک پھل دار درخت کٹوانے کا پاپ کروایا گیا ہے۔ چودھری غلام نبی نے بہت کوشش کی تھی کہ اس کی چند شاخیں زمین میں دبا دی جائیں، لیکن موسم ایسا تھا کہ باغ میں کوئی شاخ پھوٹ نہ سکی۔"

"چچا نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

غلام نبی کی بیوی مہمان خواتین کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور یوسف کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "بیٹا! تمہیں اس لئے اطلاع نہ دی گئی کہ تمہیں صدمہ ہوگا۔ اب اپنے مہمانوں کو پریشان نہ کرو۔"

"میں پریشان نہیں ہوں، چچی جان! میرے مہمان وہ ہیں۔ جو میری ہر پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھ لیا کرتے ہیں۔ یہ انگور کی بیل جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ جسے پانی دینے کے لئے میری ماں اس کی جڑوں کے پاس وضو کیا کرتی تھیں۔ اور جس کے لئے چچا شیر علی نے وسیع چھپر تعمیر کیا تھا۔ میری غیر حاضری میں کاٹ دی گئی ہے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں اپنے مہمانوں کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے بچہ بن گیا تھا —— چچی جان! ان کو بٹھائیے نا۔"

تھوڑی دیر میں مہمان خواتین ایک کشادہ کمرے میں پہنچ چکی تھیں اور خاندان کی عورتیں ان سے باری باری گلے مل رہی تھیں۔

جب چراغ بی بی نے امینہ کے گلے لگ کر اسے مبارک باد دینے کی کوشش کی تو امینہ نے اسے چند قدم ایک طرف کرتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

"یہ انگور کی بیل کا قصہ تو میں بعد میں پوچھوں گی اور میرا خیال ہے کہ مجھے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ بھائی یوسف اگر تمہیں ہزار کنوئیں سے نکالے تو بھی تمہارا دل ان کی طرف سے صاف نہیں ہوگا۔ اس وقت تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں اس سنکھیا فروش پیر اور اس کے مریدوں کا کوئی پتہ چلا ہے یا نہیں؟"

اور جب وہ زخم خوردہ سی ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔ تو امینہ نے کہا، "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ اپنے جرائم کے نشان مٹانے کے لئے تمہاری ماں کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں چراغ بی بی۔ اگر تمہاری ماں وعدہ معاف گواہ بن کر کوکے شاہ کے تمام جرائم پولیس پر ظاہر کر دے تو وہ سزا سے بچ جائے گی۔ ورنہ آئندہ کوئی واردات ہوئی تو پولیس کئی لوگوں سے کوکے شاہ کے متعلق بہت کچھ اگلوا سکے گی۔ اور تمہاری ماں جو آج اپنی مرضی سے نہیں بتاتی وہ مجبوری کی حالت میں سب کچھ بتا دے گی۔ پھر شاید کوکے شاہ کے ساتھ دور کا واسطہ رکھنے والوں کے بھید بھی کھل جائیں۔ دیکھو! تمہارے پاس اس دوائی کی کوئی اور پڑیا موجود ہے جو تم نے بھائی یوسف کو کھلائی تھی اسے فوراً جا کر جوہڑ میں پھینک دو۔ یوسف بھائی نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ لیکن بہنیں ایسی باتیں معاف نہیں کیا کرتیں۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ جو لوگ بھائی یوسف کی وجہ سے یہاں آتے ہیں۔ وہ سب میرے اپنے ہیں۔"

بلقیس نے آواز دی "لڑکیو! تمہاری باتیں کب ختم ہوں گی۔ جلدی سے پانی پی لو۔ میرا خیال تھا کہ یوسف کے ابا جان کہیں گئے ہوئے ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ وہ ہمارا انتظار کرتے کرتے اوپر جا کر سو گئے ہیں۔ امینہ بیٹی! تم جلدی سے پانی پی لو دبے پاؤں اوپر جا کر یہ دیکھ آؤ کہ ہمیں اس وقت اوپر جانا چاہیئے یا نہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان! یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ جب ابا جی کو بہت زیادہ انتظار ہوتا ہے اور وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک جاتے ہیں تو سو جاتے ہیں۔ پھر اگر کوئی انہیں آکر اچانک جگائے تو انہیں بے حد خوشی ہوتی ہے۔"

"ہاں بیٹا!" چچی نے کہا۔ "آج انہوں نے لیٹنے سے پہلے اپنے بستر کے گرد بہت سی کرسیاں رکھوا دی تھیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اپنی بہن فہمیدہ اور امینہ بیٹی کو لے کر اوپر چلی جاؤ وہ آنکھ کھولتے ہی تمہیں دیکھیں گے تو باغ باغ ہو جائیں گے۔"

فہمیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "امی جان! آپ بھی چلیں اور چچی جان آپ بھی۔"
امینہ نے اٹھ کر کہا۔ "میں آگے آگے چلتی ہوں۔ آپ دبے پاؤں میرے پیچھے پیچھے آئیں۔"

وہ اوپر کے کشادہ کمرے میں عبدالرحیم کے پلنگ کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ چند منٹ تو کمرے میں کوئی آواز نہ آئی۔ پھر عبدالرحیم نے کروٹ بدلی۔ آنکھیں کھولیں۔ ایک ثانیہ خوشی اور حیرت کے عالم میں دیکھتا رہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔
"فہمیدہ بیٹی! اگر یہ خواب نہیں تو اپنی کرسی ذرا قریب لے آؤ۔"
فہمیدہ نے کرسی کھینچ کر آگے کر لی اور عبدالرحیم نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھ دیا۔

نسرین بولی۔ "ابا جی! ہم سب فہمیدہ باجی کے ساتھ آئے ہیں۔ میں بھی، امی جان بھی اور باجی امینہ بھی اور یہ خالدہ باجی ہیں۔ ہماری سب سے بڑی آپا۔ باقی مہمان بھائی یوسف صاحب کے ساتھ باہر رک گئے ہیں۔"
عبدالرحیم نے آواز دی۔ "صدیق بیٹا! تم نے مہمانوں کو پانی پلایا ہے یا نہیں؟"
نسرین نے جواب دیا۔ "جی، ہم نے پی لیا ہے۔"
"بیٹی فہمیدہ، جب میرا درد ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا تو میں یہ دعا مانگتا تھا 'یا اللہ! میں اس وقت کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ جب میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ میری دعائیں قبول ہو رہی ہیں اور یوسف اور فہمیدہ کے لئے تیری رحمتوں کے دروازے کھل رہے ہیں۔"

فہمیدہ نے بڑی مشکل سے آنسو ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ابا جی! آپ کا سایہ اس وقت تک ہمارے سر پر رہنا چاہیئے۔ جب تک کہ ہم بہت بوڑھے نہیں ہو جاتے۔"
"نہیں بیٹی! میں ایسی بے کار عمر سے بہت ڈرتا ہوں جو کسی کے کام نہ آ سکے۔ اور

بیٹی خالدہ تمہارے آنے کی بہت خوشی ہوئی ہے۔ تم تو اتنی قریب ہو کہ ہم تمہیں ہر ہفتے مل سکتے ہیں۔ ملازمت کے ابتدائی زمانے میں میں تمہارے علاقے میں بہت پھر چکا ہوں۔ میں گاڑی پر لمبا سفر کرنے کی بجائے سیدھا یہاں سے بیاس عبور کیا کرتا تھا اور وہاں سے تانگے پر سوار ہونے سے پہلے تمہارے علاقے میں خوب شکار کھیلا کرتا تھا کبھی کبھی میں اپنا گھوڑا بھی ساتھ لے جایا کرتا تھا اور راستے میں شفاف نالوں کے نیم گرم پانی سے نہانے سے میری ساری تھکاوٹ دور ہو جایا کرتی تھی۔ بیٹی! مجھے یقین ہے کہ تمہارے گاؤں سے میں کئی بار گزرا ہوں گا۔ اور یوسف کو تو اس علاقے میں شکار کھیلنے کا جنون ہے وہ علاقہ ہی ایسا ہے کہ اگر وہاں کوئی جائے تو وہ بے کار بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔"
"میاں جی! جب آپ کی صحت ٹھیک ہو جائے گی تو عمر آپ کو آ کر لے جائیگا۔"
"بیٹی! وہ کون ہے؟"
"جی، وہ میرا بیٹا ہے۔ اُسے بھی شکار کا بہت شوق ہے۔"
عبدالرحیم نے غلام نبی کی بیوی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیوں جی! کھانا ابھی تیار نہیں ہوا؟"
وہ بولی۔ "جی! کھانا تیار ہے۔"
"اچھا! تم دالان میں کھانا لگاؤ میں مہمانوں کو لے کر آتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ یوسف انہیں سیدھا یہاں کیوں نہیں لے آیا؟"
عبدالرحیم نے اٹھ کر جوتا پہنا۔ چھڑی اٹھائی پھر کچھ سوچ کر رکا۔ اپنی جیب سے پرس نکال کر سو روپے کا ایک نوٹ نکالا اور خالدہ کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! یہ لو۔"
"کس لئے، میاں جی؟"
"بیٹی! ایسے سوالات کا صحیح جواب صرف قدسیہ دے سکتی تھی۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ فہمیدہ کی بڑی بہن پہلی بار ہمارے گھر آئی ہے۔ کاش! مجھے وہ یہ بتا کر جاتی

کہ جب یوسف کی چاند سی دلہن کی بڑی بہن ہمارے گھر میں پہلی بار پاؤں رکھے تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ بہرحال، یہ رکھ لو اور اس مبارک دن کے لئے دعا کیا کرو جب ایسے تمام کام فہمیدہ کے مشورے سے ہوا کریں گے۔"

چراغ بی بی خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اس کے چہرے سے اس کے تاثرات کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔ مہمانوں کے ساتھ گفتگو کے دوران بھی اس کی یہ حالت تھی کہ کوئی اس سے بات کرتا تو وہ مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جاتی تھی۔

چند منٹ بعد مہمان دالان میں دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے اور عبدالرحیم کہہ رہا تھا۔ "یوسف بیٹا! تم نے یہ کیا کیا کہ انہیں باہر بٹھا دیا۔ میں نے تو صبح نماز کے بعد کچھ دیر باہر کی سیر کی۔ آکر ناشتہ کیا۔ اخبار پڑھنے بیٹھ گیا۔ تمہارے متعلق یہ مضمون پڑھ کر میں خوش بھی ہو رہا تھا اور پریشان بھی کہ تم اور منظور صاحب کالج کے چند نوجوانوں کے ساتھ پاکستان کے بارے میں تقریریں کرنے کے لئے ایک لمبے دورے پر جا رہے ہو۔"

منظور نے پوچھا۔ "چچا جی! پریشان کس لئے؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "بیٹا! میں نے کوئی اور پروگرام بنایا تھا۔ اس وقت بتاؤں گا تو بحث شروع ہو جائے گی۔ اور میں نے جب سے یوسف کے چند مضامین پڑھے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ میں اُسے نہیں سمجھ سکا۔ اس لئے مجھے اس کے ساتھ کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہیئے۔ میں اب یوسف کو یہ بھی نہیں کہوں گا، کہ اسے ناول لکھنے چاہئیں یا کچھ اور کرنا چاہیئے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا دادا اس کا چچا شیر علی اور اس کی ماں اسے مجھ سے زیادہ سمجھتے تھے۔"

یوسف نے کہا۔ "ابا جی، آپ کی ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر یہ زندگی بہت بے لطف

ہو جائے گی۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "بیٹا! میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں بلا وجہ تمہیں ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہا ہوں۔"

"ابا جی! میری زندگی کے بہترین دن وہ تھے۔ جب آپ مجھے ہلکی سی چپت مارنے کے بعد گود میں بٹھا لیا کرتے تھے اور مجھ سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔ ابا جی! آپ مجھے ہمیشہ وہی بچہ پائیں گے جو غصے کی حالت میں دروازے کے پیچھے چھپ کر آپ کا انتظار کیا کرتا تھا۔"

عبدالرحیم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یوسف بیٹا! میں تم سے جن خوشیوں کی توقع رکھتا تھا تم نے مجھے ان سے بہت زیادہ دی ہیں۔ اب اطمینان سے کھانا کھاؤ اور اپنے مہمانوں کو پریشان نہ کرو۔"

وہ کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے اور اختتام پر عبدالرحیم نے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میرا اور یوسف کا ایک اور بات پر بڑی مدت سے اختلاف چلا آ رہا تھا۔ یہ کہا کرتا تھا۔ ہمارے پرانے مکانات ہماری ضرورت کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے ہمیں اپنا گھر مہمان خانے کے ساتھ باہر بنا لینا چاہیئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ سکول میں پڑھتا تھا۔ اپنی ماں اور دادا کو ایسی باتیں سنا کر خوش کیا کرتا تھا کہ گاؤں سے باہر ہمارا گھر بہت کشادہ ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ جب میں کتابیں لکھا کروں گا تو دوسرے ملکوں سے بڑے بڑے لوگ مجھے ملنے آیا کریں گے۔ میں سواری کے لئے بہت اچھے گھوڑے رکھا کروں گا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس کی ماں ہر بات پر یقین کر لیتی تھی۔ اور اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں بھی یوسف کی ماں کی طرح سوچنے لگ گیا ہوں۔ جب میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میری دعائیں قبول ہو رہی ہیں۔

مکان کا وہ نقشہ تو میرے ذہن میں نہیں آسکتا۔ جو میرے بیٹے کے ذہن میں ہے، لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مکان بناتے وقت جس قدر فہمیدہ بیٹی کی خوشی کا خیال اُس کے ذہن میں رہے گا اسی قدر یہ خوب صورت ہوگا۔ اگر میری صحت نے اجازت دی تو میں فوری ضرورت کے لئے مہمان خانے کے ساتھ چند کمرے بنوا دوں گا۔ اور دو ایکڑ زمین جو اس کے ساتھ ملتی ہے۔ وہ اس کی توسیع کے لئے چھوڑ دی جائے گی۔ آج میں یہاں اعلان کرتا ہوں کہ میں یوسف کی ناول نگاری میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔ میں پچھلے دنوں اخبارات میں اس کے مضامین سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ اب یہ گھر کسی تاخیر کے بغیر آباد ہو جانا چاہیئے۔ لیکن جب میں نے یہ خبر پڑھی کہ یوسف اور منظور صاحب چند دوسرے طلباء کے ساتھ پاکستان کے حق میں تقریریں کرنے کے لئے ایک لمبے سفر پہ جا رہے ہیں تو میں نے یہی سوچا کہ یہ کام قبل از وقت ہے۔ بہر حال، آپ سب کو دعا کرنی چاہیئے کہ یہ اپنی مہم سے فارغ ہو کر جلد واپس آئیں۔ ایک بات میں آپ کو آج ہی بتانا چاہتا ہوں اور شاید آپ کو معلوم بھی ہو گئی ہوگی کہ اتوار کو سردار بیلا سنگھ کی لڑکی کی شادی ہے۔ اور آپ کو اس یتیم لڑکی کی خوشی کے لئے یہاں رکنا پڑے گا۔ مجھے یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس وقت یہاں نہیں ہے۔"

ایک لڑکی نے ادھر جھانکتے ہوئے کہا! "جی وہ پرسوں یہاں آئی تھی اور کہتی تھی کہ بابا جگت سنگھ جی مجھے راوی کے کنارے اپنے پرانے گاؤں میں وہ مکان دکھانے لے جا رہے ہیں۔ جو انہوں نے ابھی ابھی بنایا ہے۔ وہ کہتی تھی کہ بابا جی کی خوشی کے لئے مجھے وہاں رہنا پڑے گا، لیکن میں کل نہ آسکی تو پرسوں ضرور آجاؤں گی۔"

غلام نبی نے کہا، "بھائی صاحب! یہ بابا جگت سنگھ بڑا عجیب آدمی ہے اس کے دو بیٹے باہر ملازمت کرتے ہیں۔ وہ نالہ کرن کے قریب اپنے نئے گاؤں میں رہنا پسند کرتے

ہیں، لیکن بابا جی نے اپنی مستقل رہائش کے لئے پرانے گاؤں میں ایک بڑا کشادہ مکان بنایا ہے۔ اور مجھے کئی بار وہاں آنے کی دعوت دے چکا ہے۔ اس کا ایک لڑکا بچن سنگھ وہاں زمینداری کرتا ہے اور دونوں کو مرغابیاں شکار کرنے کا بڑا شوق ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "ابا جی! وہ مرغابیاں مارنے کی مجھے بھی دعوت دے چکے ہیں، لیکن میں دریائے راوی کے آس پاس دلدلی علاقے سے بہت گھبراتا ہوں، مجھے بیاس زیادہ پسند ہے۔"

عبدالرحیم نے کہا، "بیٹا! اس طرف ندی نالوں کے پاس سانپ بھی بہت زہریلے ہوتے ہیں۔"

غلام نبی نے کہا، "لیکن جگت سنگھ کہتا تھا کہ مرغابیوں کے شکار کے لئے ہمارے پاس کشتی کا انتظام ہے۔"

عبدالرحیم نے یوسف سے مخاطب ہو کر پوچھا، "بیٹا! میں نے سنا ہے کہ پاکستان کے مسئلے پر تمہاری اور جگت سنگھ کی بہت باتیں ہوتی رہتی ہیں۔"

"ابا جی! میں نے شاید پہلی ملاقات میں ہی کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس سے وہ متاثر ہوا تھا اور اب ہر ملاقات میں کہا کرتا ہے کہ سکھوں کے مستقبل کے متعلق تمہارے اندازے بالکل صحیح تھے۔ ہندوؤں کی سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ اگر ہم انتہائی مجبوری کی حالت میں ہندوستان کی تقسیم قبول کرنے پہ تیار ہو گئے تو کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جائے کہ پنجاب کی سکھ ریاستیں ایک طاقتور فریق کی حیثیت سے ابھریں اور مسلمانوں کی اخلاقی مدد سے خالصتان کا سنگِ بنیاد بن جائیں۔ یہ خوف ایک عام ہندو کے سر پر ہی نہیں بلکہ گاندھی، پٹیل اور نہرو کے سر پر بھی سوار ہے۔ چنانچہ سکھوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا زہر بھرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ جگت سنگھ ان پنڈتوں کے نام جانتا ہے۔ جو سکھوں کے گردواروں میں جا کر ان کے خلاف مسلمانوں کے مظالم کی

فرضی کہانیاں سناتے ہیں۔ اس بات کی پوری کوشش ہو رہی ہے کہ تقسیم سے پہلے پہلے
ملک میں خون خرابہ شروع ہو جائے۔ سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات اس قدر بگڑ جائیں
کہ ان میں کسی مسئلے پر تعاون کا کوئی امکان نہ رہے۔ بعض سکھ راجے ایسے تھے جن کے
باپ دادا مسلمانوں سے کافی اچھے تعلقات رکھتے تھے، لیکن نئی نسل پر ہندو پراپیگنڈہ کے
اثرات آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ بابا جگت سنگھ کہتے تھے کہ میرے اپنے کئی دور
کے رشتہ دار ریاستوں میں ملازم ہیں اور ان کے ذریعے سکھوں میں اسلحہ تقسیم ہو رہا ہے۔
اس صورتِ حال کا انتہائی پریشان کن پہلو یہ ہے کہ مسلمان بالکل غیر مسلح ہیں اور ابھی
تک ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انتہائی خطرناک حالات میں اسلحہ کہاں سے مل سکتا ہے؟
جو ذمہ داریاں میں گزشتہ سال سوچ سکتا تھا آج بہت بڑھ گئی ہیں۔"

اگلے روز چار بجے کے قریب یوسف اور اس کے مہمان کوئی ڈیڑھ میل چلنے کے بعد
پردیسی درختوں کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ چند منٹ ادھر ادھر گھومنے کے بعد یوسف نے
فہمیدہ سے کہا:

"میرا خیال ہے لوگ بڑی دلچسپی سے یہاں آتے ہیں، لیکن دس پندرہ منٹ ان
درختوں کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد انہیں اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے آپ
کیا محسوس کرتی ہیں؟"

فہمیدہ نے جواب دیا۔ "میں آپ سے مختلف نہیں ہوں، لیکن میں یہاں نہ آتی تو مجھے
بہت افسوس ہوتا۔"

"یہ بات تو آپ درست کہہ رہی ہیں آپ، ان درختوں کو دس برس بعد بھی دیکھیں
گی تو ایسے ہی نظر آئیں گے۔ اب اگر ہم آہستہ آہستہ یہاں سے چل پڑیں تو تھوڑی دور
جا کر میں آپ کو وہ مناظر دکھاؤں گا، جنہیں دیکھتے ہوئے وقت گزرتا محسوس نہیں ہوتا۔"

وہ سب وہاں سے چل پڑے۔ چند قدم دور جا کر فہمیدہ نے مڑ کر دیکھا اور پوچھا
"شاید آپ کی یہ بات بھی درست ہو کہ یہ درخت گنے نہیں جاتے؟"

یوسف بولا "میں نے کبھی گنے نہیں اور میرے نزدیک اِن کے گنے نہ جانے کی
اہمیت اتنی نہیں کہ میں ان پر اپنا وقت ضائع کروں۔ شاید کسی بے وقوف کے پاس فالتو
وقت ہو جو اس کام پر لگ جائے۔"

وہ شیشم کے درختوں کے جھنڈ سے گزرنے کے بعد اور جھیل کے کنارے چلتے ہوئے
ایک بلند جگہ کھڑے ہو گئے اور پاس ہی کھیت میں پرالی کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یوسف نے
پرالی کے چند گٹھے اٹھا کر بچھاتے ہوئے کہا، "آپ یہاں تشریف رکھیں۔ آپ اس پرالی
کو قالین سے زیادہ آرام دہ پائیں گے۔ جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو تو آپ
شمال مشرق کی ان برفانی چوٹیوں کی طرف دیکھنا شروع کر دیں۔ ان کا سنہری عکس آپ کو
اس جھیل کے پانی میں بھی نظر آئے گا۔ اگر برسات کے دن ہوتے اور پانی بہہ رہا ہوتا
تو آپ یہ محسوس کرتیں کہ حدِ نگاہ تک سونا پانی بن کر بہہ رہا ہے۔"

چند منٹ بعد شفق کی سرخی نے کانگڑہ کی برفانی پہاڑیوں کو سنہری بنا دیا تھا۔

نسرین چلا رہی تھی۔ "اباجی! امی جی! اِدھر دیکھو! اس گندی سی جھیل کا پانی بھی
سنہری ہو رہا ہے۔"

چند منٹ بعد منظور احمد نے ایک طرف ہو کر اذان دی۔ یوسف نے اور پرالی بچھا
دی اور وہ نمازِ مغرب میں مشغول ہو گئے

نماز کے دوران انہیں گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ گھوڑا چند قدم دور رکا اور
وہ نماز سے فارغ ہو کر سوار کی طرف دیکھنے لگے۔

یوسف نے چند قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "آ جاؤ۔ اجیت بہن! تم رک کیوں گئی؟ ہم

سب تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

اجیت گھوڑے سے اُتر کر آگے بڑھی اور یوسف نے اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

وہ بولی۔ "ویر جی! مجھے اپنے گاؤں پہنچتے ہی آپ کا معلوم ہوا تو آپ کے گھر کی طرف بھاگی۔ وہاں سے پردیسی درختوں کی طرف جا رہی تھی تو دور سے آپ نظر آ گئے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے مہمان آ رہے ہیں تو میں ایک دن کے لئے بھی گھر سے باہر نہ نکلتی۔ بابا جگت سنگھ بھی میرے ساتھ آنا چاہتے تھے، لیکن وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔"

پھر اُس نے آگے بڑھ کر باری باری بلقیس، صفیہ، عبدالعزیز، نصیرالدین کو سر جھکا کر سلام کیا امینہ اور خالدہ سے گلے ملی۔ نسرین کو غور سے دیکھا اور اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ چند ثانیے فہمیدہ کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر چومنے کے بعد بے اختیار اُس کے ساتھ چمٹ گئی۔ اور بولی۔ "شہزادی جی! میں سوچا کرتی تھی کہ آپ بہت ہی خوب صورت ہونگی لیکن اب میں سوچتی ہوں کہ دنیا میں کسی شہزادی کا چہرہ آپ کے ہاتھوں جیسا بھی نہیں ہو گا۔"

فہمیدہ نے شرما کر کہا۔ "بہن! میرا خیال ہے کہ یوسف صاحب کی بہن کی آنکھیں خوبصورت ہوں گی۔"

اجیت کور نے کچھ سوچ کر کہا۔ "اچھے لوگوں کے منہ سے ہمیشہ اچھی باتیں نکلتی ہیں۔ اگر آپ منگل سنگھ کی بیوی کو ایک دفعہ کہہ دیں اس کی شکل بہت اچھی ہے اور آنکھیں بھی خوب صورت ہیں تو ساری عمر آپ کا یہ احسان نہیں بھولے گی۔ میں کل پیغام بھیجوں گی وہ فوراً آ جائے گی۔ اور آج اگر ویر جی! اجازت دیں تو میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ یہاں تک کہ آپ تھک جائیں۔"

"نہیں بہن اجیت، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنے بھائی سے پوچھو، مجھے تم سے

ملنے کا کتنا شوق تھا۔"

اجیت نے یوسف کی طرف متوجہ ہو کر کہا، "ویر جی! میں گھر کہہ کر آئی ہوں کہ میں رات چچی جی کے پاس رہوں گی۔ میں نے بابا جگت سنگھ کو بھی کہہ دیا تھا کہ میری شہزادی بہنیں آئی ہوئی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ میں بھی تمہارے ویر جی کو دیکھنے آؤں گا۔ اب میں گھوڑی گھر پہنچا کر آپ سے پہلے آپ کے گاؤں پہنچ جاؤں گی۔"

اجیت کور گھوڑی کی لگام پکڑ کر اُس پر سوار ہونے لگی، تو یوسف نے کہا، "اجیت اتنے لمبے سفر کے بعد تمہیں اس بات کا یقین ہونا چاہیئے تھا۔ کہ اس گھوڑی کو چھوڑ دو گی تو یہ سیدھی گھر جائے گی۔"

اجیت کور نے جواب دیا۔ "ویر جی! یہ گھوڑی ابھی تک ہمارے گھر سے اچھی طرح واقف نہیں ہوئی۔ اس دن میں بابا جی کے ساتھ جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ سردار منگل سنگھ اور اس کی بیوی آ گئی۔ وہ آپ کی وجہ سے ہم پر بہت مہربان ہیں اور میرا حال پوچھتے رہتے ہیں اور جب بھی آتے ہیں کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر آتے ہیں۔ اس مرتبہ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں بابا جی کے ساتھ جا رہی ہوں تو سردار جی نے میری گھوڑی دیکھ کر کہا، بہن' لمبے سفر پر تم اس کمزور گھوڑی پر تھک جاؤ گی۔ اس لئے میری گھوڑی لے جاؤ۔ اس پر آپ کو یہ سفر محسوس بھی نہیں ہو گا۔ میں نے بابا جگت سنگھ کی طرف دیکھا۔ ان کی مسکراہٹ دیکھ کر سردار منگل سنگھ کی گھوڑی لے جانے پر رضا مند ہو گئی۔ اب اگر میں اسے یہاں چھوڑ دوں تو سیدھی اس کے گاؤں میں جائے گی اور وہاں سے سارا گاؤں میری تلاش میں چل پڑے گا۔"

"اچھا جاؤ لیکن ذرا احتیاط سے چلنا۔"

اجیت کور نے گھوڑی کو ایڑ لگا دی اور گھوڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔

عبدالعزیز نے کہا۔ "بیٹا! تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ ذرا احتیاط سے چلنا۔ اس بہ

اثر ہوا ہے وہ بے وقوف زیادہ شوخی میں آگئی ہے۔"

"چچا جی! یہ تو اس کی عام رفتار ہے۔ آج تو وہ احتیاط سے جا رہی ہے۔ ورنہ تاریکی میں بھی وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا کرتی ہے۔"

"بھائی جان اسے ڈر نہیں لگتا؟" نسرین نے پوچھا۔

امینہ بولی۔"وہ شہزادی نسرین کے بھائی کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی۔"

بلقیس بولی۔"بیٹی! آپ غلط کہتی ہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ یوسف کو کسی لڑکی پر غصہ آتا ہو گا۔"

"چچی جی! انہیں غصے میں آنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی لڑکیاں انہیں دیکھ کر ویسے ہی سہم جاتی ہیں۔"

"آپا امینہ! آپ بھی کبھی سہم جایا کرتی تھیں؟" فہمیدہ نے دبی زبان سے پوچھا۔

امینہ نے جواب دیا۔"کیوں نہیں۔ جب وہ ہنستے ہنستے اچانک خاموش ہو جاتے یا باتیں کرتے کرتے منہ پھیر لیا کرتے تھے تو میں سمجھ لیتی تھی کہ مجھ سے کوئی غلط بات ہو گئی ہوگی۔"

فہمیدہ نے کھانا کھایا، نماز پڑھی اور کتاب اٹھا کر بالائی منزل کے ایک کمرہ میں لیمپ کی روشنی کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اچانک اسے نسرین اور اجیت کی آوازیں سنائی دیں۔

نسرین کہہ رہی تھی۔"بھائی جان بہت فکر مند تھے اگر آپ نہ آتیں تو وہ آپ کا پتہ کرنے کے لیے کسی کو آپ کے گاؤں بھیجنے والے تھے۔"

"بہن فہمیدہ سو تو نہیں گئی؟" اجیت نے پوچھا۔

"نہیں جی، جب تک کوئی آپ کے گاؤں جا کر آپ کی خیریت کی خبر نہ لاتا، وہ

کیسے سو سکتی تھی؟ جب وہ پریشان ہوتی ہے تو تنہائی میں بیٹھ کر دعا کیا کرتی ہے۔"

فہمیدہ نے کتاب میز پر رکھ کر آواز دی۔"بہن اجیت! آ جاؤ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

اجیت آگے بڑھی اور فہمیدہ کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور نسرین سے مخاطب ہو کر بولی۔

"شہزادی نسرین جی! میں تمہاری آپا جی سے بہت سی ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں دوسروں کے سامنے میری زبان نہیں کھلا کرتی۔ تم مجھ پر مہربانی کرو اور نیچے سے اوپر کسی کو نہ آنے دو۔ کیونکہ صبح میں گاؤں چلی جاؤں گی اور اس کے بعد مجھے گھر سے نکلنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔"

نسرین نے کہا۔"آپ اطمینان سے باتیں کریں، نیچے بہت سی عورتیں جمع ہیں اور وہ کافی دیر تک باتیں کریں گی۔ میں کسی کو اوپر نہیں آنے دوں گی پھر بھی یہ اچھا ہو گا کہ آپ اس طرف کنڈی لگا لیں۔ تاکہ جو اوپر آئے وہ واپس چلا جائے۔"

اجیت کور بولی۔"مجھے اب پتہ چلا ہے کہ بھائی جان بلا وجہ ننھی شہزادی کی تعریف نہیں کرتے۔ میں جو باتیں کروں گی وہ آپا جی آپ کو بتا دیں گی؟"

"جی، یہ تو آپ نہ کہتیں تو بھی وہ مجھے بتا دیتیں۔"

نسرین باہر نکل گئی۔ اجیت نے اٹھ کر دروازے کی کنڈی لگا لی اور خاموشی سے فہمیدہ کی طرف دیکھنے لگی۔

فہمیدہ بولی۔"اچھا بہن، شروع کرو کونسی باتیں ہیں؟"

اجیت کور نے کہا۔"بہن! مجھے ڈر ہے کہ آپ کو غصہ نہ آ جائے۔ کیونکہ میرا پہلا سوال ایسا ہے۔ جس پر آپ خوش بھی ہو سکتی ہیں اور آپ کو بہت غصہ بھی آ سکتا ہے اگر غصہ آ جائے تو بھگوان کے لئے دل میں نہ رکھیں، ایک ہاتھ سے۔ میرے سر کے بال پکڑ

لیں اور دوسرے ہاتھ سے میرے منہ پر زور زور سے تھپڑ لگائیں، پھر میں اف تک نہیں
کروں گی۔"

فہمیدہ نے پیار سے اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "میں ان ہاتھوں سے
یوسف کی منہ بولی بہن کے منہ پر کیسے تھپڑ مار سکتی ہوں۔"

اجیت کور نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "بہن! میں ویرجی کو ایک
دیوتا سمجھتی ہوں، اس لئے ایک ایسی دیوی کا خیال ہمیشہ میرے دل میں رہا ہے جسے دیکھ
کر اس کے پاؤں چومنے کو جی چاہے۔ جب سے میں نے یہ سنا تھا کہ کوئی شہزادی یہاں آئی
ہوئی ہے تو میں دعا کیا کرتی تھی کہ ایسی شہزادی تو میری بھابی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ مجھے
یہ بتا سکیں کہ آپ وہی بھابی ہیں جس کا مجھے انتظار تھا تو یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

اجیت نے ایک بار پھر فہمیدہ کا چہرہ غور سے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں
سے لگا لیا اور دوبارہ سر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے دوسرا ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیا۔

اجیت بولی۔ "میری پیاری بھابی میرا دل چاہتا ہے کہ آسمان کے تارے نوچ کر
آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔"

فہمیدہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو! تمہاری بھابی کوئی بھی
ہوتی تم اس سے ضرور پیار کرتیں۔"

"نہیں بھابی، کسی اور کو میں پسند نہ کرتی، میں اس لئے پسند نہ کرتی کہ میں نے یوسف
کی ماں کو دیکھا تھا۔ ان جیسا کوئی نہیں تھا۔ اس علاقے میں۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتی
تھیں۔ جب ان کی موت کی خبر آئی تھی تو میں کئی دن روتی رہی تھی۔ بھابی، اگر آپ نے
یوسف کی ماں کو دیکھا ہوتا تو آپ کو یہ کہنا پڑتا کہ آپ کے سوا کسی اور کو ان کی بہو نہیں
ہونا چاہیئے تھا۔ اور نہ وہ آپ کے سوا کسی کو پسند کرتیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "میں نے انہیں دیکھا تھا اور ایک مختصر سے عرصے میں وہ مجھے عمر
بھر کے لئے پیار دے گئی ہیں۔"

"پھر آپ یہ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ آپ کے سوا کوئی اور بھابی مجھے پسند آ جاتی۔
بچپن میں میں جب اس گھر میں آیا کرتی تھی تو وہ بھائی کو آواز دیا کرتی تھیں۔ یوسف
تمہاری بہن آئی ہے۔ اور بھائی مجھے اٹھا کر جھولے پر بٹھا دیا کرتے تھے۔ ذرا بڑی ہو کر
جب مجھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی طرف گئے ہیں۔ تو میں ان
کی راہ دیکھا کرتی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر گھوڑا روک لیتے اور پوچھتے، "اجیتو چڑیل! تم گھوڑے
پر سواری کرنا چاہتی ہو؟" میں ہنس پڑتی۔ پھر وہ گھوڑے سے کود کر مجھے اس کے اوپر بٹھا
دیتے اور باگ میرے ہاتھ میں دے کر آگے آگے چل پڑتے۔ وہ تیز چلتے تو گھوڑا تیز
ہوتا اور رک جاتے تو گھوڑا رک جاتا۔ باپو جی، یہ دیکھ کر ڈرا کرتے تھے۔ لیکن میں نہیں
ڈرتی تھی۔ اس لئے نہیں ڈرتی تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ گھوڑا ویرجی کو چھوڑ کر بھاگ نہیں
جائے گا۔ میں سوچا کرتی ہوں اگر اس دنیا میں یوسف نہ ہوتا تو مجھے یہ معلوم بھی نہ ہوتا، کہ
بھائی کیا ہوتا ہے؟"

فہمیدہ نے کہا۔ "اچھا، میری بہن، جو تم چاہتی تھیں، وہ ہو چکا ہے، لیکن ابھی یہ
بات سب پر ظاہر کرنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ بات اس وقت مشہور کی جائے گی جب
ہم اپنا گھر بسانے کا فیصلہ کریں گے۔ ابھی میری تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی اور تمہارے بھائی
نے بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ہمارا نکاح اچانک اس لئے ہوا کہ خاندان میں مجھ سے پیار کرنے
والوں کو میرے ایک اور امیدوار کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔"

"بھابی جی! جسے آپ نکاح کہتی ہیں اسے ہم بیاہ کہتے ہیں۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ
آج کل پڑھی لکھی لڑکیاں ڈولیوں میں بیٹھ کر نہیں آتیں۔ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ بیاہ
آج ہو جائے اور ڈولی چند مہینے بعد آ جائے۔ آپ کا مطلب یہی ہے نا کہ ابھی آپ

نے خاوند اور بیوی کی طرح گھر بسانے کا فیصلہ نہیں کیا؟"

فہمیدہ نے کہا۔ "ہاں بہن! تم سب کچھ سمجھ گئی ہو۔ تمہارا بھائی اس دنیا میں بڑے کام کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ جب گھر کی ذمہ داریاں سر پہ آ پڑیں گی، تو کچھ نہیں کر سکے گا۔"

"بھابی جی، وہ بہت جلد سمجھ جائے گا۔ اور آپ کے ساتھ وہ زیادہ بڑے کام کر سکے گا اور گھر کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہوئے اسے آرام ملے گا۔"

"لیکن میری بہن مجھے کم از کم بی۔ اے ضرور کر لینا چاہیئے۔"

"بھابی جی، اگر بھائی صاحب پسند کریں تو ضرور کرو۔ اب نیچے چلتے ہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"

علی الصباح فہمیدہ نماز کے لئے اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے اپنی چارپائی میں ہلکی سی جنبش محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اجیت کور کھاٹ کے ساتھ فرش پہ گھٹنوں کے بل ہو کر غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے"؟ اس نے حیران سی ہو کر پوچھا۔

"بہن، میں یہ دیکھ رہی تھی کہ دیویاں اور پریاں صبح کی دھندلی روشنی میں کتنی خوب صورت نظر آتی ہیں ، میں تمہیں جگائے بغیر جانا چاہتی تھی۔ ویر جی کا نوکر میرے لئے گھوڑا لئے کھڑا ہے۔"

"بہن آپ نیچے کیوں بیٹھی ہیں؟"

اجیت نے جھک کر اپنا منہ اس کے کان کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی پریوں جیسی بھابی کو جگائے بغیر بہت قریب سے دیکھنا چاہتی تھی۔ اور مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا کہ میں کسی دیوی کی پوجا کر رہی ہوں۔"

فہمیدہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میری بہن انسان صرف انسان ہوتے ہیں دیویاں یا دیوتا نہیں ہوتے۔"

"دیوی نہ سہی، پری سہی۔"

"پری بھی نہیں، صرف ایک لڑکی ہوں۔"

اجیت کور ادھر ادھر دیکھ کر اٹھی اور سرگوشی کے انداز میں کہا، "اچھا بھابی جی، میں جو کچھ کہنا چاہوں گی وہ اپنے دل میں کہہ لیا کروں گی۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔"

"ٹھہریئے! میں دروازے تک آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔"

فہمیدہ بلیسپر بہن کر اس کے ساتھ باہر نکلی۔ ڈیوڑھی سے باہر ایک نوکر گھوڑے کی لگام تھامے یوسف سے باتیں کر رہا تھا اور بھلو ہاتھ میں نیزہ لئے کھڑا تھا۔

فہمیدہ ڈیوڑھی میں پہنچ کر جھجکی۔ بھلو نے جھک کر سلام کیا اور یوسف نے کہا۔ "یہ بھلو ہے اور باڈی گارڈ کی حیثیت سے اجیت کور کے ساتھ جا رہا ہے۔ آؤ اجیت اب جلدی کرو۔ بہادر سنگھ رات کے وقت میرے پاس آیا تھا میں نے وہ خوب صورت پستول اور لائسنس جس کا وعدہ چچی بلقیس نے کیا تھا اس کے سپرد کر دیا ہے۔ چچا عبدالعزیز اس کے ساتھ پانچ سو گولیاں بھی لے آئے تھے۔ تاکہ تم نشانہ بازی کی اچھی طرح مشق کر سکو اسے تاکید کی گئی ہے کہ شادی سے فارغ ہونے کے بعد وہ تمہیں نشانہ بازی کی خوب مشق کروائے۔ لیکن ان دنوں تمہیں اسے ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے۔"

اجیت کور نے گھوڑے پر سوار ہو کر کہا۔ "ویر جی، جو بات آپ نے مجھے نہیں بتائی تھی وہ میں نے ان سے پوچھ لی ہے۔ اور مجھے ساری رات خوشی سے نیند نہیں آئی۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے، نوکر سے کہا۔ "دیکھو! جب تک اجیت بی بی گھوڑے پر سوار ہے تم نے گھوڑے کی باگ نہیں چھوڑنا اور انہیں حویلی میں جا کر اتارنا۔ کہیں ایسا

نہ ہو کہ خوشی میں یہ گھوڑا بھگانا شروع کر دے۔"

اجیت بولی۔ "ویرجی! آپ کو مجھ پر دوسروں سے زیادہ اعتبار کرنا چاہیئے۔"

لیکن پھر اچانک یوسف کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے بولی، "ویرجی، ذرا ٹھہرنا! میں آپ کو دیکھ کر بہت سی باتیں بھول جایا کرتی ہوں۔ آج تین چار بجے کے قریب بابا جگت سنگھ آپ سے ملنے آئیں گے۔ وہ کہتے تھے میں کسی جگہ علیحدہ بیٹھ کر تمہارے ویرجی سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ آپ اپنے دوست منظور صاحب کے ساتھ ایک بہت لمبے دورے پر جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا تھا اپنے ویرجی سے کہہ دینا کہ منظور کو بھی لے آئے۔"

"دیکھو بہن! اسے کہنا کہ وہ تکلیف نہ کرے ہم خود آجائیں گے اور وہاں کسی جگہ بیٹھ کر باتیں کر لیں گے۔ اپنے گاؤں میں جہاں بھی ہم بیٹھیں گے لوگ ضرور اکٹھے ہو جائیں گے۔ وہاں ہم پرانی نہر کے کنارے کسی جگہ بیٹھ جائیں گے۔"

سہ پہر کے وقت پرانی نہر کے کنارے یوسف اور منظور پرالی کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جگت سنگھ کہہ رہا تھا۔ "یوسف صاحب، مجھے آپ کو کاکا جی کہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ لیکن اب مجھے یہ عادت تبدیل کرنی پڑے گی۔ آپ نے گاڑی میں سفر کے دوران جو باتیں کہی تھیں وہ میرے دل میں اتر گئی تھیں اور میں آپ سے بار بار ملنے کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔

جب میں گاڑی پر سفر کے بعد آپ سے جدا ہوا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا رہا کہ آپ کوئی ایسی بات کہہ گئے ہیں۔ جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی، ہو سکتا ہے کہ یہ خیال پہلے بھی مجھے کبھی آیا ہو، لیکن آپ نے جو چند لفظ کہے تھے۔ وہ میرے دل میں اتر گئے تھے۔ اور جب بھی میں ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے متعلق سوچتا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ نے میرے سکھ بھائیوں کے متعلق جو خدشہ ظاہر کیا تھا۔ وہ ایک حقیقت بن

کر سامنے آ رہا ہے۔ ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہندو جب مسلمان کے ساتھ تھوڑی سی دشمنی ظاہر کرتا ہے تو ہم ان کے پورے دشمن بن کر آگے نکل آتے ہیں۔ بنیا کہتا ہے کہ ہم ہندوستان تقسیم نہیں ہونے دیں گے۔ اور پاکستان نہیں بننے دیں گے۔ اور جب ہمارے سکھ لیڈروں کے کان میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے خالصتان کے حامی ہیں۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم ہمارے ساتھ مل کر پاکستان کی مخالفت کرو۔ تو ہم بھی ملک کی تقسیم کے خلاف وہی نعرے لگاتے ہیں۔ جو کانگرس کے پلیٹ فارم سے سنے جاتے ہیں۔ یوسف صاحب ہندو ایک تیر سے دو شکار مارنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کا راستہ روکنے کے لئے سکھوں کی کرپانیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اسے یہ نظر آتا ہے کہ اگر وسیع پیمانے پر خون خرابے سے وہ قیام پاکستان کو روک نہ سکیں تو بھی مسلمانوں کے لئے اتنے مسائل پیدا کر دیں گے کہ ان کے لئے سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔ اور ایک بہت بڑا فائدہ ہندوؤں کو اس سے یہ ہو گا کہ سکھ مسلمانوں سے دائمی دشمنی مول لینے کے بعد ان کے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں رہیں گے۔

کاکا جی! میں آپ کو ایک نئی بات بتا رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک پنجاب کا ایک بہت بڑا مسئلہ وہ سکھ ریاستیں ہیں۔ جو مسلمانوں کے معمولی تعاون سے ایک بہت بڑی قوت بن سکتی ہیں۔ پٹیالہ کا حکمران ان ریاستوں کا قدرتی لیڈر تھا۔ اور مسلمانوں سے اس کے خاندان سے تعلقات بڑے خوش گوار تھے۔ باقی سکھ ریاستوں کی پالیسی بھی ایسی ہی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کا توازن ٹھیک رکھا جائے۔ لیکن پٹیالہ کے موجودہ ولی عہد یادوندر سنگھ پر کانگریسیوں کے اثرات ہیں۔ اور یہ ماسٹر تارا سنگھ جس نے پٹیالہ کے ولی عہد اور پنجاب کے عام سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ دراصل راولپنڈی کے قریب رہنے والا ایک ہندو جاسوس ہے اور اس کا اصل نام تارا چند تھا۔ اور پٹیالہ کا ولی عہد تو بنیوں کا آلہ کار بنتا جا رہا ہے۔

کاکا جی! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ جو آگ ہندو کے دل میں مسلمانوں کے خلاف لگی ہوئی ہے وہ کسی دن اس سے زیادہ خوفناک صورت میں سکھوں کے خلاف بھڑک اٹھے گی کیونکہ ہندو کو ہمیشہ دوسروں کی موت میں اپنی زندگی نظر آتی ہے۔ اگر آپ طاقتور ہیں تو وہ آپ کو دیوتا کہہ کر پوجا کرنے لگ جاتا ہے اور اگر آپ کمزور ہیں تو وہ شودر، ملیچھ اور چنڈال کہہ کر آپ کو فنا کرنے کی تدبیریں سوچتا ہے۔ ہماری اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہے کہ ہم مسلمانوں کی طرح صرف ایک خدا کو مانتے ہیں۔ لیکن بعض تاریخی حادثات نے ہمیں ہندو دھرم کا ایک حصہ بنا دیا ہے جس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ جب اس ملک پر مغلوں کا غلبہ تھا تو ہندو اکبر کو ایک دیوتا بنا کر اس کی پوجا کرتے تھے مغلوں کے ساتھ لڑکیوں کی شادی بھی کر دیتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے ہمارے تعاون کی ضرورت محسوس کی تو ہمارے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے جوڑ لیے۔ یہاں تک ہم ہر لحاظ سے ایک جدا قوم ہونے کے باوجود ہندو قوم کا ایک حصہ بن کر رہ گئے۔

ہماری اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہماری قیادت بعض ہندو جاسوسوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو اپنے مندروں سے نکل کر ہمارے گردواروں میں گھس گئے ہیں۔ وہ سکھوں کو مسلمانوں کے مظالم کی ایسی کہانیاں سناتے ہیں۔ جو آج تک سکھوں میں سے مسلمانوں کے کسی بدترین دشمن کے دماغ میں بھی نہیں آئی تھیں۔ جب سننے والے اچھی طرح مشتعل ہو جاتے ہیں تو ان سے قسمیں لی جاتی ہیں کہ وہ ہندو مسلم فساد میں ہندو کا ساتھ دیں گے۔ میں نے کئی موقعوں پر ایسے فسادی لوگوں کو ٹوکا ہے۔ اور چند گیانی میری باتوں سے لاجواب بھی ہو گئے تھے۔ لیکن عوام میں اتنا زہر بھر دیا گیا ہے کہ وہ ذرا سی بات سے لڑائی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ میں جانتا ہوں تم ان مسلمانوں سے کتنی نفرت کرتے ہو جو تمہاری قوم کا ساتھ چھوڑ کر ہندو سے مل گئے ہیں۔ لیکن جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو مجھے محسوس ہوا تھا کہ مسلمان اس لحاظ سے سکھوں کی نسبت بہت خوش قسمت ہیں کہ

ان کے اندر تمہاری عمر کے لوگ بھی اپنی قوم کے مستقبل کے متعلق سوچنے لگ گئے ہیں اور تم میں سے قوم کا ساتھ چھوڑنے والوں کو رسوائی اور ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اور کاکا جی! یہاں آتے ہی مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ تم سردار بیلا سنگھ کی یتیم لڑکی کی شادی کے لئے رُک گئے ہو ورنہ تم میاں صاحب کی صحت کے متعلق اطمینان حاصل کرتے ہی پاکستان کے حق میں تقریریں کرنے کے لئے ایک بہت لمبے دورے کا پروگرام بنا چکے تھے۔"

یوسف بولا "سردار جی! ایک بہادر پڑوسی کی یتیم لڑکی کی دلجوئی میرے نزدیک ایک معمولی فرض نہ تھا۔ اجیت کور کی شادی میں شرکت کے لئے میرے بہت سے عزیز آ چکے ہیں۔ بعض آنے والے ہیں۔"

سردار جگت سنگھ نے کہا "بیٹا! میں تمہیں پہلی بار دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ تم بابا نور محمد کے سوا کسی اور خاندان کے نہیں ہو سکتے۔ اور میں نے سنا ہے کہ وہ شہزادی جو اپنی نانی کے ساتھ کوئٹہ سے تمہارے ساتھ سفر کر رہی تھی، وہ بھی یہاں آئی ہے۔ اور اس کی بڑی بہن اور ماں باپ بھی اس کے ساتھ ہیں۔ میں سوچا کرتا تھا کہ وہ لوگ تمہارے عزیز ہوں گے۔ اور اجیت کور مجھے کہتی تھی بابا جی کسی دن آپ کو ویر جی کے متعلق ایک خبر سن کر بہت ہی خوشی ہوگی۔" جگت سنگھ یوسف کی طرف دیکھے بغیر مسکرا رہا تھا۔

منظور نے یوسف کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں کا اشارہ پا کر کہا "بابا جی! بھائی یوسف آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں اور ان کی باتیں سن کر میں بھی غائبانہ طور پر آپ کا مداح ہو چکا ہوں۔ اس لئے جو باتیں ہمیں معلوم ہیں وہ آپ کو بھی معلوم ہونی چاہئیں جس شہزادی کو آپ نے دیکھا تھا۔ اس سے بڑی شہزادی میاں عبدالرحیم کی بہو بننے والی ہے۔ امید ہے کہ آپ شادی کی دعوت پر ضرور آئیں گے۔"

"بیٹا! میں ضرور آؤں گا۔ اور یوسف کی شادی کی دعوت کے لئے مجھے کسی کو خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں بہادر سنگھ سے کہہ جاؤں گا کہ مجھے وقت سے پہلے بلا لیا جائے۔ اب بیٹا! میری یہ درخواست ہے کہ میں عمر کا زیادہ حصہ ادھر ادھر بھاگنے کی بجائے راوی کے کنارے اپنے پرانے گاؤں میں گزاروں گا۔ وہاں ایک جگہ پیپل کے تین بڑے درخت ہیں جن کی آپس میں پھنسی ہوئی شاخیں سورج کو ڈھانپ لیتی ہیں۔ گرمیوں کے دن میں وہاں گزارا کرتا ہوں۔ کبھی کبھی دریا تک چلا جاتا ہوں اور وہاں ٹھنڈے پانی میں اشنان کیا کرتا ہوں۔ پیپل کے درختوں کے قریب ہی میں نے ایک کشادہ حویلی میں اپنا نیا مکان بنایا ہے۔ حویلی کے ساتھ ایک چھوٹا سا باغ بھی ہے۔ یہاں بارہ آم اور چار جامن کے درخت ہیں۔ ہماری ضرورت کے لئے لیموں اور سنگترے بھی ہو جاتے ہیں۔ وہاں ہمارے آس پاس مرغابی بہت آتی ہے اور سردیوں کے لئے آپ کبھی آٹھ دس دن آکر وہاں رہیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ ہمارا چوبارہ کافی کھلا ہے وہ آپ کے لئے خالی کر دیا جائے گا۔ ہمارے پاس ہی ماچھیوں کا ایک گھر بھی ہے کوئی اور شکار ملے نہ ملے مچھلی آپ کو ہر وقت ملے گی۔ اور آپ کے لئے کسی اچھے باورچی کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"

منظور نے کہا۔ "سردار جی! جس طریقے سے آپ نے دعوت دی ہے اس سے انکار کرنا کسی شریف آدمی کے لئے ممکن نہیں۔ ہم کسی دن ضرور آئیں گے اور آپ کے گاؤں میں ہم پکنک کے موڈ میں ہوں گے۔ ایسے موقعوں پر میں اپنی ضرورت کے لئے اچھا خاصا کھانا تیار کر لیا کرتا ہوں۔"

جگت سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یار! میں تمہاری بہت مدد کیا کروں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "چلئے سردار جی! اب آپ ہمارے گاؤں چلیں وہاں آپ کو اچھی سی چائے پلائیں گے اور ہمارے مہمان بھی آپ کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔"

جگت سنگھ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ بزرگ خاتون بھی ان کے ساتھ آئی ہیں، جنہیں تم ماں جی کہتے تھے؟"

"جی نہیں، لیکن ہماری ننھی شہزادی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔"

اتوار کے روز سہ پہر کے وقت اجیت کور کی برات گاؤں سے رخصت ہو گئی تھی سردار جگت سنگھ نے دلہن اور دولہا کے رشتہ داروں کے سامنے کھانا کھانے سے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا۔ "بھائیو! میں تمہیں ایک اچھی خبر سناتا ہوں۔ سردار بہادر سنگھ اور بی بی اجیت کی برادریوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سردار بیلا سنگھ جی کے گھر کو آباد رکھنے کے لئے، بہادر سنگھ اسی گاؤں میں آ جائے گا۔ میں اپنے گاؤں سے چند محنتی کاشت کار یہاں بھیج دوں گا۔ اور جالندھر میں میاں عبدالرحیم جی کے رشتہ داروں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ کوشش کریں گے کہ کچھ ریٹائرڈ فوجی اس علاقے میں زمین خرید کر آباد ہو جائیں۔ یوسف صاحب کوشش کر رہے ہیں کہ اس گاؤں کے چند آدمیوں کو اسلحہ کے لائسنس بھی مل جائیں۔ ایک اچھا پڑوسی بھی بھگوان کی کرپا سے ملتا ہے۔ آپ کو شکر کرنا چاہیئے کہ آپ میاں عبدالرحیم کے گاؤں کے لوگوں کے پڑوسی ہیں۔"

گھر سے رخصت ہوتے وقت اجیت کور کے وہ آنسو جنہیں وہ بڑی مشکل سے ضبط کر رہی تھی، فہمیدہ کو گلے لگاتے ہوئے بے اختیار بہہ نکلے اور وہ اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ "بھابی جی! ویر جی نے مجھے رونے سے منع کیا تھا۔ اس لئے میں نے بڑی مشکل سے آنسو روک رکھے تھے۔ آپ وعدہ کریں کہ میرے واپس آنے تک آپ نہیں جائیں گی۔ میں آپ سے جی بھر کر باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"اجیت بہن! ہم تو کل جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔"

"نہیں بہن! بھگوان کے لئے نہ جائیے۔ میں پرسوں سورج نکلتے ہی آپ کے پاس پہنچ

جاؤں گی۔ اور سورج ڈوبنے تک آپ کو دیکھتی رہوں گی۔ بھابی! اگر کہو تو میں ان سب کے سامنے ہاتھ جوڑ دیتی ہوں"۔

نہیدہ بولی۔"یوسف صاحب کی بہن کو ہاتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی"۔

ایک ثانیہ کے لئے اجیت کور کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور وہ بولی۔"بھابی! کاش یہ سب ویر جی میری آنکھوں سے دیکھ سکتے کہ آپ مسکراتی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہیں"۔

"اچھا مجھے چھوڑ دو، یہاں اتنی عورتیں ہمیں دیکھ کر پریشان ہو رہی ہوں گی"۔

اجیت کور جب گھر سے نکل کر ڈولی کی طرف بڑھی تو دائیں طرف اس کی ایک پھوپھی زاد بہن اور بائیں طرف ایک پھوپھی زاد بھائی اسے سہارا دیتے ہوئے تھے۔ ڈولی میں بیٹھتے ہوئے وہ چیخیں مارنے کی بجائے ہولے ہولے سسکیاں لے رہی تھی۔ گاؤں کی حدود سے آگے ایک کار کے گرد چند معززین کھڑے تھے۔ ڈولی کے ساتھ بہادر سنگھ اور اجیت کور کا پھوپھی زاد بھائی پیدل چل رہا تھا۔ یوسف اور جگت سنگھ اگلی سیٹ سے اترے اور انہوں نے پچھلی سیٹ کے دروازے کھول دیئے۔ اجیت کور نے بھرائی ہوئی آواز میں "ویر جی" کہہ کر دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

یوسف نے اطمینان سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔"اجیت بہن! میں نے تم سے ایک وعدہ لیا تھا"۔

اجیت بولی۔"ویر جی! اپنے دوست سے پوچھ لو کسی نے مجھے روتے ہوئے نہیں سنا۔ لیکن جب میں بہن نہیدہ سے گلے مل رہی تھی تو میرا دل اس خیال سے بھر آیا تھا کہ یہ جا رہی ہیں اور بھگوان جانتا ہے کہ ہماری ملاقات ہو گی یا نہیں۔ میرے آنسو دیکھ کر انہیں ترس آیا اور انہوں نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے واپس آنے تک انتظار کریں گی"۔

یوسف بولا۔"اگر یہ بات ہے تو مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہیئے"۔ —— پھر وہ بہادر سنگھ کی طرف متوجہ ہوا۔"بہادر سنگھ تمہارے ہاتھ صاف ہیں نا؟"

"بالکل صاف ہیں۔ ویر جی، دیکھ لیجیئے!" بہادر سنگھ نے پریشان ہو کر جواب دیا۔

یوسف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دیکھا اور پھر اس پر اجیت کور کا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"بہادر سنگھ! یہ ہاتھ اس طرح پکڑو، جس طرح ایک تازہ اور مہکتا ہوا پھول پکڑا جاتا ہے۔ اور پھر اپنی بیوی کو آرام سے کار میں بٹھا دو اور اپنی بہن کو بھی ساتھ بٹھا دو۔ سردار جگت سنگھ میرے ساتھ بیٹھ جائیں گے"۔

تھوڑی دیر بعد جب کار نہر کی پٹڑی پر جا رہی تھی تو بہادر سنگھ نے جھجکتے ہوئے کہا "یوسف جی! آپ کی بہن بڑی بہادر نکلی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ ڈولی پر بیٹھتے ہوئے بہت دہائی دے گی، لیکن اس نے بہت حوصلہ دکھایا ہے۔ گاؤں کی بعض بے وقوف عورتیں یہ کہتی تھیں کہ اسے کچھ ہو گیا ہے اس لئے اس کے منہ سے چیخیں نہیں نکلتیں اگر کوئی سادھو یا پیر فقیر ایسا دم کر دے جس سے یہ کھل کر رو لے تو یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ ایک عورت کہتی تھی کہ حکیموں اور سنیاسیوں کے پاس ایسی دوائیاں ہوتی ہیں"۔

یوسف نے گاڑی ایک طرف روکتے ہوئے کہا۔"دیکھو۔ اجیت بہن! میں بابا جگت سنگھ کے سامنے تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم اس قسم کے بے وقوفوں کے پاس کبھی نہیں جاؤ گی۔ اور بہادر سنگھ! میں تم سے بھی وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم اجیت کو کسی بے وقوف سنیاسی یا نیم حکیم سے دوائی لا کر نہیں دو گے۔ ہمارے علاقے کے دو نامی گرامی جوان ایک جرائم پیشہ حکیم کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں اور ان میں سے ایک میرا چچا تھا۔ جو علاقے میں انتہائی شہ زور اور بے حد خوب صورت تھے۔ میں آپ کو سارا واقعہ سناتا ہوں"۔ یوسف نے یہ کہہ کر دوبارہ کار اسٹارٹ کی

اور چچا شیر علی کی موت کے دردناک واقعات سنانے شروع کر دیے۔

اجیت کور، بہادر سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو گھر چھوڑ کر ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ اسی راستے اپنے گاؤں کا رخ کر رہا تھا۔

تیسرے روز صبح کی نماز اور قرآن کی تلاوت کے بعد فہمیدہ، نسرین کے ساتھ کچھ دیر مکان کی چھت پر ٹہلتی رہی۔ پھر نیچے آکر اس نے اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا، "نسرین! میرا سامان اکٹھا کر کے سوٹ کیس میں ڈالنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ میں تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں۔ مجھے اجیت کور کا انتظار تھا۔ مگر وہ کیسے آسکتی ہے؟"

"آپا جی! اگر اس نے کہا تھا تو وہ ضرور آئے گی۔"

فہمیدہ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ "وہ اس وقت آئے گی۔ جب ہم لاہور پہنچ چکے ہوں گے۔"

نسرین کرسی گھسیٹ کر قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "آپا جی، عمر اور اس کے آپا جی کہتے تھے کہ اگر ہم یہاں سے سیدھے دریا عبور کر کے جائیں تو ان کا گاؤں دس پندرہ میل سے زیادہ نہیں۔ ہم یہاں کار چھوڑ کر دو تین دن وہاں سیر کر کے واپس آسکتے ہیں۔ یوسف صاحب کہتے تھے کہ یہاں سے سب کے لئے گھوڑوں کا انتظام ہو جائیگا۔"

فہمیدہ نے تلخ ہو کر کہا۔ "نسرین، میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عمر تمہیں بیوقوف بنانے میں اس قدر کامیاب ہو جاتے گا۔ اس کی پہلے دن سے خواہش تھی کہ ہم شکار کھیلنے کے لئے اس کے گاؤں جائیں۔ یوسف صاحب کے ابا جان کی تیمارداری کے لئے یہاں آنا تو ایک فرض تھا۔ لیکن ایک قافلے کی صورت میں دریا کے آر پار آوارہ گردی کے لئے کون سی مجبوری ہے؟ تم نے یوسف صاحب کو یہ تو نہیں کہہ دیا کہ ہم سب گھوڑوں پر دریا کے پار جانا چاہتی ہیں؟"

نسرین نے احتجاج کیا۔ "آپا جی، میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے بھائی جان ناراض ہو جاتے۔ اگر میں ضد کرتی کہ میں یہاں سے چل کر دریا عبور کروں گی اور وہاں سے آپا خالدہ کے گاؤں کے راستے ہم جالندھر جاتے تو بھی وہ خوش ہوتے۔"

"چڑیل! میں تمہارے بھائی کی بات نہیں کر رہی۔ میں گاؤں کے دوسرے لوگوں کے متعلق کہہ رہی ہوں۔ جنہیں شہر والوں کا مذاق اڑانے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"آپا جی، بھائی جان کے گاؤں کے لوگ بھی بھائی جان جیسے ہیں۔"

"پھر بھی ہم انہیں تماشا نہیں دکھائیں گے۔ اب چپکے سے بیٹھ جاؤ۔ یا سامان ٹھیک کرو اور مجھے سونے دو۔"

فہمیدہ گہری نیند سے بیدار ہوئی تو اس کے بستر کے قریب دوسری کرسی پر اجیت کور بیٹھی ہوئی اسے پورے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔

فہمیدہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تم نہیں آؤ گی۔"

"یہ ویرجی کے دوست کا قصور ہے جی۔ ہم نے کل شام سے پہلے وہاں سے چلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن شام تک سردار جی ملنے والوں سے فارغ نہیں ہوتے تھے۔ جب وہ گھر آئے تو نشے میں جھوم رہے تھے اور سارا گھر بدبو سے بھر گیا تھا۔ میں نے کہا، میں ویرجی سے کہوں گی، تو ہاتھ جوڑنے لگے کہ بھگوان کے لئے ان سے نہ کہنا۔ دوستوں نے زبردستی پلا دی تھی آئندہ میں کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ پھر انہوں نے بہت سا لیموں کا اچار کھایا۔ نہر کے ٹھنڈے پانی کی بالٹیاں سر پر ڈالیں اور میرے ساتھ آنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب کوئی تانگہ نہ ملا تو پھر سائیکل پر بٹھا لیا۔ نہر کی پٹڑی پر ابھی ہم نے نصف فاصلہ طے کیا تھا کہ ٹائر پنکچر ہو گیا۔ پیدل چلتے ہوئے شہر پہنچے تو دکانیں بند تھیں۔ پولیس

نے ایک مستری کو تلاش کر لیا اور پنکچر لگوا لیا۔ ہم گھر پہنچے تو گیارہ بجنے والے تھے۔ اگر ویر جی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس وقت ہی یہاں آ جاتی۔ اب ذرا دیر سے اٹھی تو سردار جی سے پہلی لڑائی ہوئی۔ میں کہتی تھی: "تمہیں معلوم تھا کہ ویر جی کے مہمان آج جا رہے ہیں۔ پھر تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟"

سردار جی نے کہا، "بھئی، میں نے سوچا تھا کہ تم اچھی طرح سو لو۔ جب تمہارے ویر جی کے مہمان اس طرف سے گزریں گے تو میں انہیں روک لوں گا۔"

"بہن جی! جتنی دیر میں، میں تیار ہوئی اتنی دیر میں سردار جی گھوڑے پر زین ڈال چکے تھے میں نے گھوڑا بھگانے کے بعد مڑ کر دیکھا تو وہ سائیکل پر میرے پیچھے آ رہے تھے۔ اب وہ باہر آپ کے مہمان خانے میں بیٹھے ہوں گے۔"

"اجیت! زیادہ بے عزتی تو نہیں کی تم نے ان کی۔"

"نہیں جی، وہ بے عزتی کو کب محسوس کرتا ہے؟ میں جس قدر غصے میں آتی ہوں، اسی قدر وہ ہنستا رہتا ہے۔"

"دیکھو اجیت، تمہیں اپنے ویر جی کے دوست کی قدر کرنی چاہیئے۔"

"بہن! اسی لئے تو وہ مجھے اچھا لگا تھا کہ وہ ویر جی کا دوست ہے ورنہ اس میں کون سی خوبی ہے؟"

فہمیدہ نے کہا۔ "نسرین! میرے سوٹ کیس سے میری نئی بالیوں والی ڈبیہ نکال لاؤ۔"

نسرین بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اجیت کور نے کہا، "بہن! میں یہ سوچا کرتی ہوں کہ میرے لئے وہ دن کتنی خوشی کا دن ہو گا جب میں ساری دنیا کے سامنے بلند آواز سے کہہ سکوں گی کہ یہ شہزادی میری بھابی ہے۔"

"اجیت، تم بہت معصوم ہو میرے لئے دعا کیا کرو۔"

"جی، وہ تو میں پہلے بھی کیا کرتی تھی۔ جب میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا اور اب تو ہر سانس کے ساتھ دعا کیا کروں گی۔ آپ کے لئے بھی اور نسرین کے لئے بھی۔

بھابی جی! اگر معصوم ہونا کوئی اچھی بات ہے تو آپ سے، جنہیں ویر جی نے پسند کیا ہے کوئی اور زیادہ معصوم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ بھی میرے لئے دعا کیا کریں۔"

"اجیت بہن، میں ضرور کیا کروں گی۔"

نسرین نے ایک ڈبیہ لا کر فہمیدہ کو پیش کر دی اور اس نے اٹھ کر اجیت کے سر سے دوپٹہ سرکاتے ہوئے کہا۔ "اجیت، تمہاری ڈنڈیاں بہت بھاری ہیں۔ یہ ہلکی بالیاں پہن لو۔ اس سے تمہارے کان خراب نہیں ہوں گے۔"

"آپا جی، بھائی جان کے خاندان نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ میاں جی نے چند دن پہلے ایک بھینس بھی ہمارے گھر بھیج دی تھی، لیکن آپ کا کوئی تحفہ میں رد نہیں کر سکتی۔ میں یہ ڈنڈیاں اتار کر رکھ لیتی ہوں آپ اپنے ہاتھوں سے یہ بالیاں پہنا دیں۔ پھر میں مرتے دم تک ان کی حفاظت کروں گی۔"

"نہیں بھئی، ایسی باتیں نہیں کرتے۔ اللہ تمہیں لمبی عمر دے تاکہ میں تمہیں بہت سے تحائف دے سکوں۔"

اجیت کور نے ڈنڈیاں اتارنے کے بعد فہمیدہ کے ہاتھوں سے بالیاں پہن لیں۔ نسرین نے آئینہ اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا تو اجیت بولی، "بھابی جی، خدا کی قسم! یہ بالیاں پہننے سے پہلے مجھے اپنا چہرہ کبھی اتنا خوب صورت نظر نہیں آیا تھا۔"

بلقیس کمرے میں نمودار ہوئی اور کہا۔ "لڑکیو! تم کب تک باتیں کرتی رہو گی۔ وہ جانے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ نسرین نے تمہارا سامان رکھوا دیا ہے۔ اب تمہیں لباس بدلنے کی بجائے انہی کپڑوں میں سفر کرنا پڑے گا۔"

"چچی جان! میں صبح کی نماز کے بعد سفر کے لئے تیار ہو کر دوبارہ سوئی تھی۔"

فہمیدہ نے اٹھ کر چارپائی کے نیچے سے جوتے نکال کر پہن لئے۔ "چچی جان! اگر سارا سامان چلا گیا ہے تو یہ سلیپر مجھے پریشان کریں گے۔"

بلقیس نے اس کے ہاتھ سے سلیپر پکڑتے ہوئے کہا۔ "بیٹی یہ میں کار میں پہنچا دیتی ہوں تم اطمینان سے نیچے آؤ۔"

پانچ منٹ بعد فہمیدہ غسل خانے میں اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد اجیت کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے نیچے اتری اور خواتین کے جھرمٹ میں مکان سے باہر نکل آئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ موٹروں پر سوار ہو رہے تھے۔

یوسف مہمان خانے میں اپنے والد سے دعائیں لینے کے بعد باہر نکلنے لگا تو بہادر سنگھ نے بھاگ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "بھائی صاحب، آپ سے جو ضروری بات کہنی ہوتی ہے وہ میں وقت پر ہمیشہ بھول جاتا ہوں۔"

"اچھا، آج کیا بھول گئے تھے؟"

"جی وہ یہ ہے، اوّل تو بابا جگت سنگھ آپ کے راستے میں کھڑے ہوں گے، ورنہ میرے گھر کے قریب ہارن دے کر ایک منٹ کے لئے کار روک لینا۔ وہ بھاگتے ہوئے آئیں گے۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"جی، وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی تحفہ دینا ہے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہ تھی ورنہ وہ ہمارے ساتھ آتے۔ یار میں بے وقوف ہوں نا، اس لئے میں نے یہ بات آتے ہی نہیں کی۔"

یوسف نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں یار، اجیت تم کو ٹھیک کر لے

گی۔" اور جب یوسف نے کار سٹارٹ کرنے کے بعد اس کی طرف دیکھا تو اس کے بالائی دانت ہونٹوں سے باہر دکھائی دیتے تھے۔

پیچھے سے نسرین بولی۔ "آپ کا دوست بہت ہنس رہا ہے۔"

"نسرین، اگر کوئی خاص بات نہ ہو تو بھی میرا دوست ہر وقت ہنستا نظر آتا ہے۔ ویسے اس کو اپنی ہنسی چھپانے کے لئے کافی محنت کرنی پڑتی ہے۔"

"کیسی محنت؟" صفیہ نے پوچھا۔

"جی، جب بالائی ہونٹ زیادہ اوپر چڑھ جاتا ہے تو اسے دوبارہ اپنے دانت چھپانے میں کافی دقت ہوتی ہے۔"

"بھائی جان، یہ بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔"

"یہ بات اس لئے سمجھ میں نہیں آتی کہ عام لوگوں کو ہنسنے کے بعد اپنے دانت چھپانے کے لئے اوپر کا ہونٹ نیچے کھینچنے کے لئے ہاتھ کی ضرورت نہیں پڑتی اور بہادر سنگھ بڑی پھرتی سے اپنے ہاتھ کی انگلی استعمال کرتا ہے۔"

نسرین بولی، "بھائی جان! اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں ضرور دیکھتی۔ اپنا ہونٹ کھینچ کر دانتوں کو چھپاتا ہوا وہ بڑا عجیب لگتا ہو گا۔"

"بھئی، اس کی کئی اور باتوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی جس کی وجہ سے ہم سکول کے زمانے میں دوست بن گئے تھے۔ بڑا دلچسپ تھا وہ۔ جب وہ ہائی سکول میں آیا تھا۔ تو پرائمری میں اس کے برہمن استاد اور اس کی بھچیا کی کہانی، جو اس کے گاؤں کے لڑکوں نے بیان کی تھی، سارے سکول میں مشہور ہو چکی تھی اور اس نے خود اس کی تصدیق کی تھی۔ لیکن، میں سڑک پر پہنچ کر وہ کہانی شروع کروں گا۔"

جب وہ بہادر سنگھ کے گاؤں کے قریب پہنچے تو راستے میں سردار جگت سنگھ کھڑا تھا۔ یوسف نے اپنی کار سے ہاتھ نکال کر پیچھے آنے والی کار کو اشارہ کیا اور جگت سنگھ کے

قریب پہنچ کر یہ قافلہ رُک گیا۔ یوسف نے کار سے اتر کر جگت سنگھ سے مصافحہ کیا۔

جگت سنگھ نے پوچھا، "کاکا جی! شہزادیوں کے ماں باپ بھی آپ کے ساتھ ہیں نا؟"

"جی ہاں"۔ یوسف نے مڑ کر کار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "نسرین، ادھر آؤ!"

نسرین کار سے اتر کر جھجکتی ہوئی آگے بڑھی۔

جگت سنگھ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "شہزادی اب بڑی ہو گئی ہے مجھے کیسے پہچانے گی؟"

نسرین بولی "جی، میں کیسے بھول سکتی ہوں، مجھے کشتی سے لیکر گاڑی تک کے سفر کے تمام واقعات یاد ہیں۔"

جگت سنگھ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریشم کا رومال نکالا اور کہا۔ "بیٹی! خدا نے تمہیں جیسی بنایا ہے ویسی تمہیں قسمت بھی دے گا۔ یہ لو اس رومال میں ایک غریب آدمی کے تین تحفے ہیں۔ یہ تین اشرفیاں ہیں جو میرے بزرگوں کی میراث سے میرے حصے میں سے بچ گئی تھیں۔ پچھلے سال میرے پاس گیارہ تھیں۔ ان میں سے سات میں نے ایک ایک کر کے اپنی نواسیوں اور پوتیوں میں تقسیم کر دی تھیں۔ ایک اجیت کو دی تھی۔ باقی ان تین میں سے ایک تمہارے لئے ہے۔ ایک تمہاری بڑی بہن اور دوسری عبدالکریم کی لڑکی کے لئے ہے۔ شہزادیوں کو کوئی چیز دینے کے لئے کسی شہزادی کو ہی بھیجنا چاہیئے اور میں تمہارے سوا کسی شہزادی کو نہیں جانتا۔ تم ان میں سے ایک اپنے لئے رکھ لو اور دو تقسیم کر دینا۔ مجھے امید ہے کہ کوئی انکار کر کے ایک بوڑھے آدمی کا دل نہیں دکھائے گا۔"

یوسف نے کہا۔ "سردار جی! کوئی آپ کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں سب کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

جگت سنگھ نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو روکنے کے لئے معافی چاہتا ہوں اگر میری طبیعت ٹھیک ہوتی تو میں خود وہاں آتا۔"

یوسف نے کہا، "سردار جی، اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو ساتھ بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں۔"

"نہیں جی، میں اپنی دوائی جانتا ہوں، مجھے اب کافی آرام ہے آپ اطمینان رکھیں۔"

یوسف مصافحہ کر کے کار پر سوار ہو گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ پکی سڑک پر لاہور کا رخ کر رہے تھے اور یوسف انہیں بہادر سنگھ کے برہمن استاد کا قصہ سنا رہا تھا۔

منزل اور راستہ

یوسف کے گاؤں سے روانہ ہونے سے قبل، عبدالکریم کے اصرار پر، یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ وہ لاہور میں سیدھے اس کے گھر جائیں گے۔ ڈرائیور ضروری انتظامات کے لئے ایک دن قبل اس کی بیوی کو لاہور پہنچا آیا تھا۔ چنانچہ لاہور پہنچ کر انہوں نے دوپہر کا کھانا عبدالکریم کے گھر کھایا۔ عصر تک آرام کرنے کے بعد جب جالندھر والے مہمان، عبدالعزیز اور بلقیس کے ساتھ جانے کی تیاری کرنے لگے تو امینہ نے بلقیس سے ملتجی ہو کر کہا۔ "چچی جان، شام کے کھانے کا انتظام ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ اس کے بعد ہی کوئی پروگرام بنائیں۔

اور اس سے بہتر کیا پروگرام ہو سکتا ہے کہ میں نمازِ مغرب کے بعد اپنی بہنوں کو سیر کے لئے لے جاؤں اور آپ امی جان کے ساتھ کچھ دیر نہر کے کنارے ٹہل آئیں۔ میرے ابو، نسرین کے ابا جان اور چچا جان کے لئے بھائی جان اور منظور صاحب کوئی دلچسپ سا پروگرام بنالیں گے۔ پھر رات کو کھانے کے بعد خوب باتیں ہوں گی۔ فہمیدہ بہن! آپ میری سفارش کریں نا۔ زندگی میں ایسے دن بار بار تو نہیں آتے۔"

نسرین بولی: "آپا امینہ، آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ چچی جان نے انکار تو نہیں کیا۔ امی جان کو بھی ایک دن یہاں ٹھہرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بھائی جان نے تو پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا۔ کہ وہ پرسوں شام کی گاڑی سے بھائی منظور صاحب کے ساتھ روانہ ہو جائیں گے اور کل وہ سارا دن اپنے دوستوں کے ساتھ مصروف رہیں گے۔ اس لئے یہی فیصلہ ہوا ہے کہ وہ لاہور میں منظور صاحب کے مہمان رہیں۔"

"ہاں نسرین، دیکھو نا، تم سے دور رہ کر میرا دل نہیں لگے گا۔"

نسرین بولی: "آپا امینہ، آپ کو مبارک ہو مجھے یقین تھا کہ یہاں کوئی آپ کی دعوت رد نہیں کر سکے گا۔"

اگلے روز وہ ناشتے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یوسف نے اچانک کہا۔ "بھئی، ایک نہایت اہم مسئلہ میرے ذہن سے بالکل نکل گیا تھا۔ امینہ بہن! جو مسودہ میں نے تمہاری الماری میں رکھوایا تھا، وہ فہمیدہ کے سوٹ کیس میں رکھوا دو۔ نسرین! تم انہیں یاد دلا دینا! اور اپنی آپا کو بھی یاد دلا دینا کہ میری غیر حاضری میں وہ ایک بار پھر سارا مسودہ اچھی طرح پڑھ لیں، کیونکہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ میری کتاب کے فوری طور پر شائع ہونے کا امکان نہیں، لیکن یہ مسودہ کسی غلطی کے بغیر آپ کے پاس موجود رہنا چاہیئے۔"

نسرین بولی "بھائی جان، مجھے یاد دلانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ آپا جان نے رات عشا کی نماز کے بعد مسودہ نکلوا کر دیکھا تھا اور اپنے سوٹ کیس میں رکھ لیا تھا۔"

اگلے روز یوسف کی قیادت میں شام کے وقت گاڑی پر منظور احمد کے علاوہ تین اور نوجوان مسلم لیگ کی انتخابی مہم پر روانہ ہو چکے تھے۔ اسلامیہ کالج اور دوسرے کالجوں میں اپنے ہم خیال نوجوانوں کے مشورے سے انہوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ پہلے دورے میں وہ ملتان تک اپنے راستے کے شہروں میں تقریریں کرنے کے بعد وہاں سے لاہور واپس آنے کی بجائے جھنگ کے راستے ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ گوجرہ اور لائل پور کا رخ کریں گے۔ اور وہاں سے شیخوپورہ کے راستے لاہور پہنچ جائیں گے۔ یہ سارا ایک ہفتے کا پروگرام تھا، لیکن یوسف کی پرجوش اور ولولہ انگیز تقریروں کی شہرت اس کے آگے آگے سفر کر رہی تھی۔ اس لئے جب وہ لائل پور (فیصل آباد) پہنچے تو وہاں جھنگ اور سرگودھا سے ان کے چند قدردان آئے ہوئے تھے اور ان کے اصرار پر یوسف کو اپنا پروگرام تبدیل کرنا پڑا۔

جھنگ سے ایک مسلم لیگی زمیندار کی کشادہ کار مل گئی۔ وہ ایک ، دن میں وہاں کے جلسہ میں حصہ لینے کے بعد واپس آ گئے اور شام تک یہی کار انہیں سرگودھا پہنچا گئی۔

اگلے دن سرگودھا سے واپسی پر سہ پہر کے وقت وہ ایک گاؤں کے قریب پہنچے تو سڑک پر سینکڑوں آدمی ان کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ یہ منظور احمد کا گاؤں تھا۔ اور منظور نے سرگودھا پہنچتے ہی اپنے والد اور بھائیوں کے نام خط لکھ کر ایک رضا کار کو وہاں بھیج دیا تھا۔ شام کے وقت وہاں منظور اور یوسف نے ایک بہت بڑے اجتماع کے سامنے تقریریں کیں۔ منظور کے خاندان کے لوگ انہیں رات وہاں ٹھہرانے پر مصر تھے لیکن اس نے کہا۔ "مجھے منظور احمد کے گاؤں میں ٹھہر کر بہت خوشی ہوتی۔ لیکن ہم اپنے پروگرام سے دو دن لیٹ ہو گئے ہیں۔ انشاءاللہ! آئندہ الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہم پاکستان کے راستے کی بہت سی رکاوٹیں دور کر لیں گے۔ اور اس کے بعد جب کبھی میں تھکاوٹ محسوس کیا کروں گا تو آرام کے لئے اس گاؤں کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھا کروں گا۔"

عبدالعزیز کے گھر میں، فہمیدہ نے نماز کے بعد کچھ دیر قرآنِ پاک کی تلاوت کی اور پھر کمرے سے نکل کر صحن میں ٹہلنے لگی۔ ڈیوڑھی کی طرف سے سامنے کسی کی آواز سنائی دی۔ "دوست محمد!" فہمیدہ کا اداس چہرہ اچانک مسرت سے چمک اٹھا وہ تیزی سے ڈیوڑھی کی طرف بڑھی۔ سامنے یوسف کھڑا تھا۔ اس نے السلام علیکم کہا۔

فہمیدہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "آپ نے پرسوں آنا تھا۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "پروگرام کچھ لمبا ہو گیا تھا۔ اور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ مجھے ٹیلی فون کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بہر حال جب آپ اخبار دیکھیں گی تو آپ کو یہ شکایت نہیں ہو گی کہ میں نے بلا وجہ تاخیر کی ہے۔ مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے کہ ہم نے امینہ کے ابا جان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا تھا۔ وہ کہتے تھے تم میری بڑی کار لے جاؤ تو تم زیادہ کام کر سکو گے اور وقت بھی بچا سکو گے۔ لیکن میں نے سوچا تھا کہ ہمیں گاڑی پر سہولت رہے گی اب ہم ان کی کار سے پورا فائدہ اٹھائیں گے اور ہفتے میں دو دن کسی علاقے کا دورہ کیا کریں گے۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ایم اے کے لئے میرے لیکچر پورے ہو جائیں۔"

نسرین کی آواز سنائی دی۔ "بھائی جان! بھائی جان! چچی جان اور امی جان پوچھتی ہیں کہ آپ باہر کیوں رک گئے ہیں؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بھئی، میں تمہاری آپا کی اجازت کے بغیر اندر کیسے آ سکتا ہوں؟"

نسرین بولی۔ "آپا جان، میں بتا دوں بھائی جان کو وہ بات۔"

"چڑیل! اب کون سی بات تمہارے ذہن میں آئی ہے؟"

"آپا جان! کل آپ نے دوبارہ آپا امینہ کو فون پر ان کے متعلق پوچھا تھا اور آج صبح کی نماز کے وقت ان کے لئے دعا کر رہی تھیں تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی ٹپک رہے تھے۔ اور جب آپ صحن میں نکل کر ٹہل رہی تھیں تو آپ کا دل گواہی دے رہا تھا کہ بھائی جان آنے والے ہیں۔"

یوسف نے فہمیدہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بھئی میری پہلی غلطی یہ ہے کہ جب پروگرام تبدیل ہوا تو میں نے ٹیلی فون پر اطلاع نہیں دی، لیکن تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میں جس قدر مستقبل کے متعلق سوچتا ہوں اسی شدت کے ساتھ اپنی اور اپنے عزیزوں کی بقاء کے لئے پاکستان کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔

میں پاکستان کو اپنی قوم کی بیٹیوں کی عزت اور ناموس کی واحد ضمانت سمجھتا ہوں۔ آنے والے انتخابات میں ہم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم ہندوستان کے برہمنی سماج کے اچھوت نہیں بلکہ ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ہم اس بے رحم اکثریت کی غلامی قبول نہیں کر سکتے۔ جو

بیسویں صدی کی جنگی مشینوں پہ سوار ہو کر اُن تاریک زمانوں کے ظلم و وحشت کی داستانیں زندہ کرنا چاہتی ہے۔ جب آرین فاتحین نے اس ملک کی قدیم اقوام کو مغلوب کرنے کے بعد شودر بنا دیا تھا۔ میں چاروں اطراف مہیب آندھیوں اور طوفانوں کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ مسلمانوں کو ان طوفانوں کا سامنا کرنے کے لئے بیدار اور منظم کرنا میرے نزدیک ایک عبادت ہے۔"

فہمیدہ بولی۔ "اندر چلیئے، وہاں چچی اور امی جان پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ، میں نے جو باتیں کہی ہیں، وہ سب آپ کے لیئے ہیں۔"

فہمیدہ مسکرائی۔ "مجھے معلوم ہے۔"

"میں صرف ایک بات کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ نے مستقبل کی زندگی کے تصورات اس قدر حسین اور دلکش بنا دیئے ہیں کہ کبھی کبھی مجھے اپنی خوش نصیبی پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ آپ میری زندگی کی کٹھن راہوں کے کانٹوں کو بھی پھول بنا سکتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود برصغیر کے برہمنی فاشزم کے ہولناک عزائم کے متعلق سوچتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں پاکستان کی تعمیر میں ناکامی کے بعد زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ لیکن اگر ایسا وقت آیا تو موت کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے میں نے اس امید پہ آپ کا ہاتھ پکڑ رکھا ہو گا کہ آپ مجھے اپنی طرف کھینچ لیں گی۔"

نسرین آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے بولی۔ "ابا جان! ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان قائم ہو کر رہے گا۔ یہ آج کی بات نہیں، جب میں ناسمجھ تھی اور میں نے پہلی بار پاکستان کے متعلق بھائی جان کی گفتگو سنی تھی تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے قائداعظم اس عظیم مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ چلیئے، بیٹھک میں آرام کریں اور ناشتہ کر کے سو جائیں۔ لیکن آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"وہ میں، میاں عبدالکریم کے گھر چھوڑ آیا ہوں۔ وہاں نماز پڑھ کر پیدل اس طرف چل پڑا تھا، لیکن امینہ نے ڈرائیور کو پیچھے بھگایا اور وہ مجھے یہاں چھوڑ گیا۔ میاں عبدالکریم کے ساتھ فیصلہ ہوا ہے کہ ہم آئندہ لمبے دورے پر جانے کے بجائے ہفتے میں دو تین دن لاہور سے نکل کر کسی علاقے میں گھوم آیا کریں گے اور جوں جوں الیکشن قریب آتا جائے گا ہم اپنے دائرہ کار میں بھی اضافہ کرتے جائیں گے۔ اس طرح امتحان کے لیئے ہمارے لیکچر بھی پورے ہو سکیں گے۔ اور قوم کا کام بھی ہوتا رہے گا۔ یہاں آکر میرا پہلا فرض آپ کی امی، ابا، چچا اور چچی جان کو سلام کرنا ہے۔"

نسرین بولی "آبا جان! چچا عبدالکریم بہت اچھی باتیں سوچتے ہیں۔ آپا جان، یہ تو بڑی اچھی بات ہو گی۔ ہمیں یہاں چند دن اور ٹھہرنے کا موقع مل جائے گا۔ اگر بھائی جان' امینہ کو صرف ایک بار کہہ دیں کہ قوم کی بیٹیوں کو بھی پاکستان کی مہم میں حصہ لینا چاہیئے۔ تو وہ ایک دن میں اپنی سہیلیوں کی ٹیم تیار کر لے گی۔ چچی بلقیس ہماری لیڈر ہوں گی۔ اور اس طرح امی اور ابو دونوں واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیں گے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "امی تو شاید مان جائیں، لیکن آباجی یہ کہیں گے کہ تم دونوں اپنے ساتھ ظہیر کو بھی نالائق بنا دو گی۔"

نسرین پریشان سی ہو کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی اور اس نے مسکرا کر کہا۔ "شہزادی بہن پاکستان کے لیئے ہر جگہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن تمہاری پہلی ذمہ داری تعلیم حاصل کرنا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مزید وقت ضائع نہ کرو اور کل ہی جالندھر پہنچ جاؤ۔ قوم کی آزادی اور بقاء کی جنگ کا وہ دَور شاید بہت جلد آ جائے جب قوم کے بیٹوں کی طرح قوم کی بیٹیوں کو بھی میدان میں آنا پڑے لیکن جب تک ایسا وقت نہیں آتا۔ دخترانِ قوم کو اپنی ساری توجہ اپنی تعلیم اور گھر کی ذمہ داریوں پہ دینی چاہیئے۔"

نسرین چند ثانیئے فہمیدہ کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔ "بھائی جان، کیا یہ نہیں

ہو سکتا کہ کسی دن لاہور کی بجائے، جالندھر آپ کی سرگرمیوں کا مرکز بن جاتے۔"

یوسف نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میری شہزادی بہن نے یہ کیسے سوچا کہ کوئی اچھی بات جو اس کے دل میں آسکتی ہے۔ وہ میرے دماغ میں نہیں آئی ہو گی؟"

نسرین کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اس نے کہا۔ "بھائی جان مجھے یقین ہے کہ ہر اچھی بات مجھ سے پہلے آپ کے ذہن میں آتی ہے۔ پرسوں ابا جان نے یہ کہا تھا کہ بچوں کا وقت ضائع ہو رہا ہے اگر تمہارے بھائی آج آگئے تو ہم کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اور یہ بات آپ ابا جان سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کیا کہا تھا؟"

"بھئی، تم نے وہی بات کہی ہو گی جو میں نے ابھی کہی ہے۔"

بلقیس برآمدے سے نمودار ہوئی اور یوسف نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا۔

وہ بولی۔ "بیٹا! میں کب سے تمہاری آواز سن رہی تھی مجھے یہ امید نہ تھی کہ تم ہمیں اتنا پریشان کرو گے۔"

"چچی جان! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو اپنے پروگرام میں تبدیلی کی اطلاع نہ دے سکا۔"

"یہ بات مجھے امینہ بتا چکی ہے۔ میں نے ابھی اس سے فون پر گفتگو کی ہے۔ اس نے اصرار کیا ہے کہ ہم سب دوپہر کا کھانا وہاں کھائیں گے۔ اب تم ناشتہ کرنے کے بعد جی بھر کر آرام کر لو۔ اس کے بعد ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ فہمیدہ کی امی نماز کے بعد سو گئی ہیں اور بھائی جان بستر پر لیٹے اخبار پڑھ رہے ہیں۔"

یوسف نے نصیر الدین کے کمرے میں جا کر سلام کیا اور اس نے اٹھ کر اسے گلے لگانے کے بعد اپنے پاس بٹھا لیا۔

وہ بولا "بیٹا! جب میں نے اخبار کھولا تھا تو بلقیس نے ٹیلی فون پر امینہ سے گفتگو شروع

کر دی تھی۔ اس کے بعد مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ اور عجیب بات ہے کہ صفیہ جو صبح ہوتے ہی تمہارا انتظار شروع کر دیتی تھی۔ آج آرام سے سو رہی ہے۔"

صفیہ برابر کے کمرے سے دوپٹہ سنبھالتے ہوئے نمودار ہوئی اور اس نے یوسف کے سر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں سو نہیں رہی تھی، بلکہ یہ خواب دیکھ رہی تھی کہ بیٹا یوسف ایک طوفانی دریا میں کشتی چلا رہا ہے اور ہم سب اس میں سوار ہیں۔ مجھے خوف آتا ہے، لیکن نسرین ہم سب کو یہ تسلی دے رہی ہے کہ بھائی جان کشتی کو کنارے لے جائیں گے۔ اب ناشتہ تیار ہے۔ آپ باتیں کرنے کی بجائے تشریف لے آئیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ظہیر کمرے میں داخل ہوا اس نے دبے پاؤں یوسف کے پیچھے آکر دونوں ہاتھوں سے اس کی آنکھیں بند کر دیں۔

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نسرین! ذرا غور سے دیکھنا یہ پہلوان کون ہے؟ جس کے ہاتھوں سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے۔"

"پہلوان نہیں، بھائی جان، یہ ڈاکٹر ظہیر صاحب ہیں۔"

"بھئی، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ڈاکٹروں میں خوشبو بھی ہوتی ہے۔"

"بھائی جان، یہ میری نہیں صابن کی خوشبو ہے۔"

نسرین نے کہا۔ "ظہیر بھائی جان بہت تھکے ہوئے ہیں۔ آپ یہاں آجائیں اور اطمینان سے ناشتہ کریں۔"

ظہیر، نسرین اور فہمیدہ کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

نصیر الدین نے کہا۔ "بیٹا! یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اتنے دن گزرتے ہوئے محسوس نہیں ہوئے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم کل گھر پہنچ جائیں۔ بھائی عبدالعزیز کہتے تھے کہ انہیں ایک مہینہ تک چھٹی نہیں ملے گی۔ اس لئے میں نے ان کی غیر حاضری میں رخصت ہونے کی اجازت لے لی تھی۔"

یوسف نے جواب دیا۔" خالو جی! مجھے اپنی اس کوتاہی کا افسوس ہے کہ نسرین اور ظہیر کی تعلیم کا وقت ضائع ہوا ہے۔"

نسرین بولی۔" ضائع تو نہیں ہوا، بھائی جان ہم جتنا گھر میں پڑھتے تھے اس سے زیادہ یہاں پڑھا کرتے تھے اور آپا جان کو ہماری بہت فکر رہتی تھی۔"

نصیرالدین بولا۔" بیٹی، مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں رہ کر زیادہ خوش تھی، لیکن انشاء اللہ کل ہم روانہ ہو جائیں گے۔"

" اباجی! میں آپ کو ایک اچھی خبر سنانا چاہتی ہوں۔"

" وہ کیا ہے؟"

" اباجی! وہ یہ ہے کہ بھائی جان کبھی کبھی لاہور کو چھوڑ کر جالندھر کو اپنا مرکز بنا لیا کریں گے۔"

" ٹھیک ہے بیٹی، لیکن اب تمہیں مزید سیر و سیاحت کا موقع نہیں ملے گا۔ جب میں یہ دیکھوں گا کہ پاکستان کی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے تو تمہیں اپنے بھائی جان کی مہم میں شریک ہونے کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہو گی۔"

ناشتہ کرنے کے بعد یوسف بیٹھک میں جا کر سو گیا۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب نسرین نے اسے گہری نیند سے جگایا اور کہا۔" بھائی جان، آپ تیار ہو جائیں۔ امینہ کا ڈرائیور کار لے کر آ گیا ہے۔"

دس منٹ بعد وہ ایک کشادہ گاڑی پر میاں عبدالکریم کے گھر کا رُخ کر رہے تھے۔

عبدالکریم کے ہاں کھانے پر منظور احمد نے اپنے اور یوسف کے مشترکہ چند احباب کو بھی بُلا لیا تھا۔ اس لئے مردوں اور خواتین کا انتظام الگ الگ کمرے میں تھا۔ امینہ نے پندرہ ایسی خواتین بھی بُلا لی تھیں۔ جو پاکستان کے لئے تڑپ رکھتی تھیں۔

کھانے کے دوران یوسف کے ساتھی یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ اپنی عادت کے خلاف اچانک بہت سنجیدہ ہو گئے ہیں۔

عبدالکریم نے چند اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اچانک سوال کیا۔" یوسف صاحب! آپ کس سوچ میں پڑے ہوئے ہیں؟ گاؤں سے کوئی پریشان کرنے والی اطلاع تو نہیں ملی؟"

"میاں صاحب! گھر میں بالکل خیریت ہے اور میں پریشان بھی نہیں ہوں۔ لیکن جب مجھے یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ ہمیں کتنے تھوڑے وقت میں کتنا زیادہ کام کرنے کی ضرورت پڑے گی تو میں سوچ میں پڑ جاتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندو، پاکستان کی مخالفت میں اپنے تمام وسائل منظم کر چکا ہے۔ اور انگریز سے اسے یہ شہہ مل رہی ہے کہ اگر برصغیر میں جمہوریت کا وہ نظام نافذ کر دیا جائے جس سے ہندو اپنی اکثریت کے بل بوتے پر برٹش انڈیا کو ہندو انڈیا میں تبدیل کر سکتا ہے تو کانگریس کے مہاجن خوش ہو جائیں گے۔ اور ملک کو چھوڑنے کے بعد بھی ان کے تاجرانہ مفاد محفوظ رہیں گے۔"

عصر کی نماز کے وقت یہ محفل برخاست ہوئی اور تھوڑی دیر بعد یوسف اور اس کے ساتھی کشادہ برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اس کے بعد فہمیدہ، نسرین، ظہیر اس کے والدین اور بلقیس کار پر سوار ہونے لگے تو یوسف نے نصیرالدین سے مخاطب ہو کر کہا۔" جناب! میں رات دیر تک کچھ لکھتا رہوں گا۔ اس لئے علی الصباح آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔"

بلقیس اور صفیہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگیں، لیکن فہمیدہ نے اپنا سر جھکا کر چہرے کے تاثرات چھپا لئے تھے۔

نسرین بولی۔" بھائی جان! کاغذ، قلم اور سیاہی تو آپ کو چچی کے ہاں بھی مل سکتی ہے نا؟"

یوسف مسکرایا۔"شہزادی نسرین! لکھنے کے لئے صرف کاغذ، قلم اور سیاہی کی ضرورت نہیں ہوتی؟"

"بھائی جان! میں شور نہیں مچاؤں گی۔"

"شہزادی صاحبہ، آپ کے شور سے میرا موڈ خراب نہیں ہوتا۔ لیکن آپ کے قریب رہ کر میرا لکھنے کا موڈ، باتیں کرنے کے موڈ میں تبدیل ہو جاتے گا۔ اور کئی اہم باتیں میرے ذہن سے نکل جائیں گی۔"

بلقیس بولی۔"بیٹا! معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی اہم مضمون لکھ رہے ہو۔"

یوسف نے جواب دیا۔"میں فہمیدہ کے نام ایک خط لکھنا چاہتا ہوں۔ جس میں دخترانِ مِلت کے نام اہم پیغام ہوگا۔"

ظہیر بولا۔"بھائی جان! آپ میرے لئے کچھ نہیں لکھیں گے؟"

"ہاں! تمہارے لئے بھی۔ تمہاری آپا تمہیں بتا سکیں گی کہ میں نے قوم کے ہر بچے بوڑھے اور نوجوان کے نام کوئی نہ کوئی بات ضرور لکھی ہے۔"

نسرین نے اچانک یوسف کا بازو پکڑ لیا اور آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے بولی۔

"بھائی جان! مجھے اس بات سے خوف آتا ہے۔ میں آپ کی ہر بات اپنے کانوں سے سننا چاہتی ہوں۔"

یوسف نے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔"میری ننھی بہن! کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ میں اپنے مسودے کے ساتھ ایک چھوٹی سی اور یادگار کا اضافہ کر دوں۔"

فہمیدہ نے گردن اٹھا کر اطمینان سے کہا۔"آپ کی ہر یادگار بہت اہم سمجھی جائیگی۔"

اگلے روز وہ صبح دس بجے کے قریب بلقیس کے گھر داخل ہوا تو اہل خانہ بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ نسرین اٹھ کر بھاگتی ہوئی آگے بڑھی۔

"بھائی جان! آپا نے نماز کے بعد آپا امینہ کو ٹیلی فون کیا تھا تو انہوں نے بتایا تھا کہ وہ شاید رات دیر سے سوئے تھے اس لئے نماز پڑھ کر دوبارہ سو گئے ہیں۔ میں انہیں جگاتی ہوں۔ آپا جان نے انہیں یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ جب تک آپ کی نیند پوری نہیں ہوتی آپ کو بالکل نہ جگایا جائے۔ پھر کافی دیر بعد ان کا فون آیا تھا کہ بھائی جان چند منٹ میں ناشتہ کر کے یہاں سے چل پڑیں گے۔ یہ فون میں نے سنا تھا۔ اور میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ آپا جان نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا اس لئے میں نے یہ بات نہیں بتائی تھی کہ آپ ناشتہ کر کے آ رہے ہیں۔ اب آپ کو ان کے ساتھ دوبارہ ناشتے پر بیٹھنا پڑے گا۔"

یوسف کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا۔ نسرین کے والدین اور بلقیس کو سلام کرنے کے بعد فہمیدہ سے مخاطب ہوا۔

"دیکھئے! آج مجھ سے نادانستہ طور پر ایک بہت بڑی غلطی ہو چکی ہے۔ اصل میں میں نماز کے بعد سو گیا تھا۔"

فہمیدہ بولی۔"امینہ نے مجھے بتا دیا تھا اور میں نے اسے کہا تھا کہ آپ کو بیدار نہ کیا جائے۔"

"اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن غلط بات یہ ہوئی کہ میں نے دیر سے اٹھ کر ناشتہ کر لیا تھا۔ آپ نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔"

"شہزادی بہن" وہ نسرین کی طرف متوجہ ہوا۔"تم اپنی آپا کا ناشتہ رکھوا دو۔ میں جلدی میں دو بسکٹ کھانے اور چائے کی ایک پیالی پینے کے بعد بھاگ آیا ہوں۔ اس لئے ان کے ساتھ شریک ہو سکتا ہوں۔"

فہمیدہ بولی۔"آپ کی شہزادی بہن نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے خود بھی ناشتہ نہیں کیا۔"

بلقیس بولی "بیٹا! ہم سب تمہارے ساتھ بیٹھیں گے۔ میں نے ناشتہ میز پر رکھوا دیا ہے چائے ابھی آجائے گی"۔

یوسف نے ایک بڑا لفافہ اپنی جیب سے نکال کر فہمیدہ کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اپنے پاس رکھ لیجئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ابھی پڑھنے میں مصروف ہو جائیں اور مجھے بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ آپ سب کے لئے ہے"۔

بلقیس نے کہا۔ "بیٹی! یہ مجھے دے دو تاکہ آپ کو رخصت کرنے سے پہلے اسے میں اطمینان سے پڑھ لوں اور تم اطمینان سے باتیں کرو۔ گاڑی میں یا گھر پہنچ کر تمہیں پڑھنے کا وقت مل جائے گا"۔

فہمیدہ نے ایک نظر یوسف کی طرف دیکھا اور لفافہ بلقیس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اسی روز چند گھنٹے بعد فہمیدہ گھر پر بیٹھی یوسف کا یہ خط پڑھ رہی تھی۔

فہمیدہ! السلام علیکم۔

آپ سے مخاطب ہونے کے لئے میرے ذہن میں کئی الفاظ آتے ہیں۔ لیکن یہ تمام الفاظ مل کر بھی آپ کے نام کی دلکشی میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ پہلے دن جب میں نے یہ نام سنا تھا تو مجھے عجیب سا معلوم ہوتا تھا اور میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اچانک کسی دن یہ نام اتنا دلچسپ بن جائے گا کہ میں اس کے ساتھ کوئی اور لفظ شامل کرنا بھی گوارا نہیں کروں گا۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ لکھتے ہوئے اپنی ننھی بہن نسرین کی دلکش آواز میں آپ کا نام بار بار سن رہا ہوں۔ اگر وقت مجھے مہلت دیتا تو یہ خط کئی صفحات پر پھیل جاتا۔ اس وقت میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ وقت بڑی تیزی سے آرہا ہے جبکہ ہمیں حصول پاکستان کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانی پڑے گی۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ

جب میں نے ہوش سنبھالا تھا تو میرے لئے ملک کا ایسا تصوّر ناقابلِ قبول تھا جس میں ہندوؤں کو مسلمانوں پر برتری حاصل ہو۔ ذہنی طور پر میں اس وقت بھی ایک پاکستانی تھا جبکہ میں نے پاکستان کا لفظ نہیں سنا تھا۔ پھر شعور کی پختگی کے ساتھ ساتھ میرے دل پر پاکستان کے خدوخال واضح ہوتے گئے اور ایک دن مجھے پاکستان کے نعرے سنائی دینے لگے۔ لیکن جب آپ اور آپ کے ساتھ بے حد شفقت اور بہت پیار کرنے والے لوگ میری زندگی میں آئے تو میں حصولِ پاکستان کے لئے اپنے دل میں ناقابلِ شکست حوصلے محسوس کرتا تھا اور اب آپ کا، نسرین کا، آپ کے والدین کا، ظہیر، چچا جان عبدالعزیز اور چچی جان بلقیس اور ان کے تمام عزیزوں اور انہیں جاننے اور پیار کرنے والوں کا پاکستان میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ جس قدر مجھے اس بات کا یقین ہے کہ میں کسی دن کامیاب مصنف بنوں گا اسی قدر میں اپنے لئے ایک آزاد وطن کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ ادیب خواہ کتنا بڑا ہو اگر وہ آزاد وطن سے محروم ہو تو اس کی بڑی سے بڑی تخلیقات زندہ نہیں رہتیں۔ قوموں کی طرح قوموں کے ادیب اور شاعر اور مفکر بھی غلامی کے بوجھ میں دب کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنی ذات کے متعلق نہیں سوچتا۔ میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ میری قوم کی بیٹیوں کو آزاد وطن کی ضرورت ہے۔ میں نے کئی بار عالم خواب میں مستقبل کے ہولناک طوفانوں کی جھلک دیکھی ہے۔ کئی بار میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھتا ہوں اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری روح ان دُور افتادہ بستیوں اور شہروں کا طواف کر رہی ہے۔ جہاں نسرین جیسی ان گنت شہزادیاں گہری نیند سو رہی ہیں۔ پھر مجھے دور سے بربریت فاشزم کے اژدھوں کی پھنکار سنائی دیتی ہے۔ جو رات کی تاریکی میں ان بستیوں اور شہروں کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ پھر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صبح کے آثار کے ساتھ آسمان کا رنگ سُرخ ہو رہا ہے۔ میری آنکھ اچانک کھل جاتی ہے اور میں جلدی سے وضو کر کے اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو جاتا ہوں۔ میں ہاتھ پھیلا کر بے شمار فرزندانِ اسلام

اور دخترانِ توحید کی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہوں۔ میں اپنے دل میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میری زندگی اور موت ان لوگوں کے ساتھ ہے جن کے لئے مستقبل کے آلام و مصائب سے بچنے کے لئے پاکستان کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ فہمیدہ! میں بار بار اپنے دل میں یہ عہد دہراتا ہوں کہ اب میری زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس حصولِ پاکستان کے لئے وقف ہوگا۔ میں غفلت کی نیند سونے والوں کو بیدار کروں گا اور حصولِ پاکستان کے لئے میری چیخ پکار اس ملک کے گوشے گوشے میں سنائی دے گی۔ میں سوچتا ہوں کہ وہ ملک کتنا پیارا اور حسین ہوگا۔ جہاں میری فہمیدہ، میری ننھی بہن نسرین اور میرے دوسرے بہن بھائی اطمینان کا سانس لے رہے ہوں گے۔ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں زندگی کا آخری سانس لینے سے پہلے آپ کو یہ پیغام دے سکوں کہ ہم نے پاکستان بنا لیا ہے اور آپ کے لئے وہ دفاعی حصار حاصل کر لیا ہے۔ جو آپ سب کی عزت و آزادی کا ضامن ہوگا۔ تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری زندگی رائیگاں نہیں گئی۔ میں آگ اور خون کے وہ دریا دیکھ سکتا ہوں جو پاکستان کے راستے میں حائل ہیں۔ اس حسین وادی کی تلاش میں ہمیں کئی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ ہمارے راستے میں بکھری ہوئی لاشیں اور جلتی ہوئی بستیاں ہوں گی۔

آج جو قوم عدم تشدد کی تجربہ گاہ میں تیار ہو رہی ہے وہ اس دنیا میں بدترین درندگی کا مظاہرہ کرے گی۔ گاندھی جی کے چیلوں نے انگریز کے رخصت ہوتے ہی اقتدار پر قابض ہونے کی تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ اور مسلمانوں کے اندر بعض نام نہاد مفتیانِ دین کو متحدہ قومیت کے مبلغ بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ ہمیں بہت جلد ایک کڑے امتحان سے گزرنا پڑے گا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے میری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ میں انہیں ماضی کی روح پرور داستانیں سناؤں اور ان کے دل سے موت کا خوف دور کرنے کے لئے شہادت کی تمنا پیدا کروں۔ اس لئے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں جہاں ہوں گا۔ جس حال میں ہوں گا روزانہ چند صفحات ضرور لکھا کروں گا۔ سندھ اور بلوچستان کے دوروں پر جانے کے بعد شاید آپ کو میرے خط باقاعدگی سے نہ مل سکیں، لیکن میرے ساتھی میرے زندہ ہونے کی اطلاع آپ کو باقاعدگی سے دیتے رہیں گے۔ میرے خط سے آپ کو مغموم نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ کو اس بات پر فخر کرنا چاہیئے کہ میری زندگی کا ایک مقصد ہے اور اس مقصد کے لئے میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کروں گا۔ مجھے زندگی کے کسی مرحلہ میں خوف محسوس نہیں ہوا اور نہ میں اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس ہوا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی تاریخ کے نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ اور میں نے اپنے قلم کو پاکستان کے قافلے کا پرچم بنا کر آگے بڑھنا ہے۔ یہ ہماری آزمائش ہوگی۔

فہمیدہ! اپنے لئے اور میرے لئے دعا کیا کرو کہ ہم دونوں اس آزمائش میں پورا اتریں۔ میں جو کچھ لکھوں گا اس کا مسودہ تمہارے پاس پہنچ جایا کرے گا۔ شاید اب آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں اپنی کتابوں کے بارے میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوا۔ میرے اس یقین میں کوئی کمی نہیں آتی کہ میں جو کچھ لکھوں گا۔ وہ ہر گھر میں پڑھا جاتے گا۔ اور کسی دن صرف اردو پڑھنے والے ہی نہیں بلکہ میری کتابیں دوسرے ممالک کی زبانوں میں بھی پڑھی جائیں گی۔ کیونکہ میں اپنے مقصد کی عظمت پر یقین رکھتا ہوں

عام حالات میں آپ سے جدائی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی لیکن ہم غیر معمولی حالات سے گزر رہے ہیں۔ تاہم میں مستقبل کی طرف ہر قدم پر یہ محسوس کروں گا۔ کہ آپ، میری ننھی شہزادی نسرین، آپ کے والدین، ظہیر، چچا اور چچی جان اور آپ کے تمام عزیز میرے ساتھ ہیں۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ دن ضرور آئے گا۔ جب ہماری نگاہوں کے سامنے پاکستان کا پرچم لہرا رہا ہوگا۔ اور میں صبحِ آزادی کے سورج کی پہلی کرن کے ساتھ تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہ کہہ سکوں گا۔ فہمیدہ، ہم زندہ ہیں اور پاکستان ہمارا ہے۔ اور پھر تمہاری خوب صورت آنکھیں مستقبل کی روشنی سے چمک اٹھیں گی۔ میں نے اس خط کے ساتھ اپنی نئی کتاب کے چند صفحات بھی لکھ لئے تھے۔ لیکن آپ کے پاس بھیجنے

سے پہلے مجھے ان پر نظر ثانی کرنا پڑے گی۔ آپ سب کے نام مجھے علیحدہ علیحدہ خط لکھنا
چاہیئے تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ جو لوگ تمہیں پیار کرتے ہیں ان میں سے کسی کو یہ شکایت
نہیں ہوگی کہ ان کے لئے میرے ادب واحترام اور پیار میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ چچی جان
کے متعلق تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کسی دن جب میں اپنے متعلق لکھوں گا تو میری ماں کے
بعد شاید ان کا ذکر سب سے زیادہ آئے گا۔ والسلام۔ آپ کا یوسف۔"

۱۹۴۵ء کے اختتام تک یوسف سندھ، بلوچستان، یوپی، سی پی، بہار اور بنگال
کا دورہ کر چکا تھا۔ پاکستان کے لئے جان کی بازی لگانے والے جوانوں کا ایک گروہ ہر منزل
پر اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کے بعد ———— اس نے دوسری بار سندھ
کا دورہ کیا۔ کراچی، حیدر آباد، میرپور، سکھر اور جیکب آباد کے اجتماعات میں تقریریں کیں۔
وہاں سے احمد خان اور سندھ کے چند اور نوجوانوں کے ساتھ اس نے بلوچستان کا رخ کیا
اور ایک ہفتہ کوئٹہ رہ کر پنجاب اور سرحد کے عام انتخابات میں حصہ لینے کے لئے واپس
آگیا۔ جب وہ لاہور پہنچا تو منظور اسے عبدالکریم کے ہاں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا
امینہ کا ڈرائیور انہیں لینے کے لئے آیا ہوا تھا، لیکن یوسف نے کہا۔ "دیکھو منظور، میں پہلے
چچی جان کو سلام کروں گا، اگر انہوں نے اجازت دی تو میں تمہارے ساتھ آجاؤں گا۔ اور
اگر انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ تم یہیں ٹھہرو، تو پھر تم مجھے وہاں چھوڑ کر آجاؤ گے۔ امینہ کا گلہ
دور کرنے کے لئے میں انہیں ٹیلی فون کردوں گا۔"

جب وہ بلقیس کے مکان کے دروازے پر کار سے اترے تو ڈیوڑھی سے نوکر
ان کا استقبال کرتے ہی ایک لمحہ توقف کے بغیر یہ آوازیں دیتا ہوا واپس بھاگا۔

"صاحب جی، بی بی جی! یوسف صاحب آگئے ہیں اور منظور صاحب بھی ان
کے ساتھ ہیں۔"

عبدالعزیز کی گرجدار آواز سنائی دی۔ "بے وقوف، تم انہیں باہر کھڑا کر کے ادھر

بھاگ آئے ہو؟"

"نہیں جی! میں نے انہیں باہر کھڑا نہیں کیا۔ وہ آرہے ہیں جی۔"

یوسف اور منظور صحن عبور کرنے کے بعد برآمدے میں پہنچے تو عبدالعزیز کے ساتھ
دو اور نوجوان کھڑے ہوگئے۔ یوسف، عبدالعزیز سے بغل گیر ہوا اور پھر اس کے ساتھ ایک
نوجوان کو دیکھتے ہی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "جناب اگر میں غلطی نہیں
کرتا تو آپ ڈاکٹر محمد جمیل ہیں۔"

محمد جمیل نے اسے گلے لگاتے ہوئے جواب دیا۔ "نسرین درست کہتی تھی کہ میرا بھائی
غلطی نہیں کرسکتا۔"

یوسف نے دوسرے نوجوان سے مصافحہ کیا اور تذبذب کی حالت میں محمد جمیل اور
عبدالعزیز کی طرف دیکھنے لگا۔ اجنبی بولا۔

"بھئی مجھے ڈاکٹر کمال الدین کہتے ہیں۔ اور نسرین کے خطوط کے حوالے سے آپ
مجھے چونچ بھی کہہ سکتے ہیں۔"

کمال الدین قد و قامت میں ذرا چھوٹا، لیکن شکل و صورت کے لحاظ سے اسے خوبصورت
آدمیوں میں شمار کیا جاسکتا تھا۔ یوسف نے ایسے بہت کم آدمی دیکھے تھے جن کی عینک
ان کے چہرے کی خوشنمائی میں اضافہ کرتی ہو۔ یوسف نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"کمال الدین صاحب مجھے یقین ہے کہ آپ کو دیکھنے کے بعد نسرین کو اپنے الفاظ
واپس لینے پڑیں گے۔"

کمال الدین نے کہا۔ "بھئی، یہ تو کبھی نہیں ہوگا۔ مجھے وہ لفظ بہت پسند ہے۔"

یوسف نے منظور سے ان کا تعارف کروایا اور پھر وہ بے تکلفی سے باتیں کرنے
لگے۔

یوسف نے بلقیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "چچی جان، میں اسٹیشن سے سیدھا آپ کو

سلام کرنے آیا ہوں۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر صاحبان سے باتیں کروں گا۔ پھر اگر آپ نے اجازت دی تو میں منظور صاحب کے ساتھ چلا جاؤں گا۔"

"بیٹا! تم اطمینان سے باتیں کرو۔ میں امینہ کو فون کر دیتی ہوں کہ آپ دونوں یہاں سے کھانا کھا کر جائیں گے۔"

پھر وہ بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے، عبدالعزیز کے سوالات کے جواب میں یوسف اپنے طویل دورے کے واقعات سنا رہا تھا۔ کھانے پر بیٹھتے ہوئے ڈاکٹر کمال الدین کہہ رہا تھا۔ "بھئی یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ جمیل صاحب تو یہیں رہیں گے لیکن میں کل جالندھر کے فوجی ہسپتال میں پوسٹ ہو کر جا رہا ہوں۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "یوسف بیٹا، جمیل کے لئے اللہ نے بلقیس کی دعائیں سُن لی ہیں اور یہ یہیں پوسٹ ہو گئے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "چچی جان، آپ کو مبارک ہو۔"

"شکریہ بیٹا، لیکن کہیں یہ نہ سمجھ لینا اس گھر کو تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

"چچی جان، میں اس گھر کے بغیر زندگی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔"

کھانے کے دوران ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور نوکرانی نے آکر بلقیس سے کہا۔ "بی بی جی، آپ کا فون آیا ہے۔"

بلقیس اُٹھ کر کونے کے کمرے میں چلی گئی اور ایک منٹ بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"یوسف بیٹا! ادھر آؤ۔"

یوسف ٹیلی فون والے کمرے میں چلا گیا اور بلقیس نے کہا۔ "بیٹا، مجھے اس بات سے خوشی ہوئی ہے کہ تم نے فہمیدہ کو اپنے پروگرام سے باخبر رکھا ہے۔ لو بات کرو۔"

یوسف نے ریسیور پکڑ کر کان سے لگا لیا اور فہمیدہ کی دلکش آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم! آپ ٹھیک ہیں نا۔ میری کال ذرہ دیر سے ملی ہے اور آپ کی گاڑی شاید وقت پر پہنچ گئی ہو؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "بھئی میری گاڑی شاید وقت سے پانچ منٹ پہلے پہنچ گئی تھی اور میں سیدھا یہاں آگیا تھا منظور بھی میرے ساتھ آیا ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ میں دو دن تک اپنے گاؤں جاؤں گا اور ایک روز وہاں ٹھہر کر اگلے دن جالندھر پہنچ جاؤں گا۔ ایک دن بعد لاہور سے میرے چند ساتھی بھی وہاں پہنچ جائیں گے اور ہم لدھیانہ اور انبالہ کا رُخ کریں گے۔ اس کے بعد ہم ہوشیار پور جائیں گے۔ وہاں سے امرتسر کا دورہ شروع کرنے کے لئے الیکشن کے قریب میں اپنے گاؤں کو مرکز بنا کر ضلع گورداسپور اور کانگڑہ کا دورہ کروں گا اور علی گڑھ کے چار طلبہ میرے ساتھ رہیں گے۔ اور پھر چند دن بعد آپ یہ سنیں گی کہ ہم نے پاکستان کے راستے کی ایک منزل طے کر لی ہے ———— ہاں۔ نسرین کو فون دیجئے۔ شہزادی نسرین! میں بھی تمہیں بہت یاد کرتا رہا ہوں اور سنو! میں نے انہیں دیکھ لیا ہے۔ بڑے غور سے دیکھا ہے۔ لیکن مجھے چونچ والی کوئی بات نظر نہیں آئی ——— نہیں بھئی تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں۔ یہ نام پسند ہے اور وہ ایک شہزادی کا تحفہ رَدّ کرنا پسند نہیں کرتے۔ وہ یہیں ہیں۔ ہم برآمدے میں کھانا کھا رہے تھے۔ بھئی، میں بہت آہستہ بول رہا ہوں اور میری آواز ان تک نہیں پہنچے گی۔ اگر پہنچ بھی جائے تو بُرا نہیں مانیں گے۔ بھئی میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ تم انہیں چونچ کہتی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمیل صاحب کے نام تمہارے خطوط پڑھ چکا ہے۔ اگر کہو تو ان سے یہ خط لکھوا دوں کہ وہ تم سے قطعاً ناراض نہیں ہے۔ اچھا نہیں بتاؤں گا ان کو۔ امّی اور ابّو اور ظہیر کو میرا سلام کہہ دو۔

اچھا، خدا حافظ۔"

یوسف اور بلقیس دوبارہ دسترخوان پر جا بیٹھے۔ اور عبدالعزیز نے کہا "بھئی بڑی دیر لگائی۔ کہیں اس چڑیل نے چونچ کا قصہ تو نہیں چھیڑ دیا تھا؟"

"جی میں نے اسے بتایا تھا کہ ہماری ملاقات ہو چکی ہے۔ وہ کچھ پریشان ہو گئی تھی لیکن میں نے اس کی تسلی کر دی ہے۔"

کمال الدین نے کہا۔ "یوسف صاحب، جالندھر میں جب آپ کو فرصت ہو تو میں آپ کو دعوت پر بلاؤں گا۔ نسرین بی بی کو ضرور لائیے۔ جمیل صاحب جب اچھے موڈ میں ہوتے تھے تو عام طور پر اسی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور میں نے "چونچ" کے گرانقدر تحفہ کے لئے ان کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے۔"

جمیل نے کہا۔ "یار شکر کرو کہ اس معاملے نے طول نہیں کھینچا۔ ورنہ یوسف صاحب کی شہزادی بہن آپ کے کئی اور نام رکھ چکی ہوتی۔"

کمال الدین نے کہا۔ "بھئی یہ اپنے اپنے مقدر کی بات ہے۔ یوسف صاحب نے نسرین کو دیکھا تو وہ شہزادی بن گئی اور شہزادی نے مجھے دیکھے بغیر چونچ بنا دیا۔"

جمیل نے کہا۔ "بھئی اس نے تصویر بھی تو نہیں دیکھی تھی تمہاری۔ وہ غصے میں کوئی اور نام بھی تمہیں دے سکتی تھی، لیکن اسے چونچ کا نام کیوں پسند آیا۔ پہلے مجھے بہت غصہ آیا تھا اور پھر میں بڑے غور سے تمہارا چہرہ دیکھ کر ہنسا کرتا تھا۔ کہ چونچ کا لفظ اس کے ذہن میں کیسے آ گیا۔"

یوسف نے کہا "ڈاکٹر صاحب، آپ کی بھتیجی اتنی ذہین ہے کہ اس کے ذہن میں بہت کچھ آ سکتا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر کمال الدین صاحب کے بارے میں ذہانت کا صحیح استعمال نہیں ہوا۔"

کمال الدین نے کہا۔ "یوسف صاحب، آپ اس بات پر ہنسیں گے لیکن اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ جب میں چونچ کے لقب سے نوازا گیا تھا تو میں بار بار آئینے میں اپنی صورت دیکھا کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میری ناک طوطے کی چونچ کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ جالندھر میں پوسٹ ہونے کی اطلاع ملنے کے بعد میں بار بار یہ سوچتا ہوں کہ جالندھر کے لوگ مجھے ڈاکٹر چونچ کہنا شروع نہ کر دیں۔ اور اس مشکل سے بچنے کے لئے مجھے یوسف صاحب سے مدد لینی پڑے گی۔"

بلقیس بولی۔ "کمال صاحب آپ پریشان نہ ہوں۔ نسرین کو جن حالات میں غصہ آیا تھا وہ بدل چکے ہیں۔ اور غصہ بھی دراصل انہیں اپنے چچا پر آیا تھا۔ لیکن بیچ میں آپ آ گئے۔ اب صرف اسے اس بات پر غصہ آئے گا کہ اس کا چچا اپنے دوستوں کو گھر کی ہر بات بتا دیتا ہے۔"

جمیل بولا۔ "بھئی کمال صاحب آپ کا تعارف کرواتے ہوئے میں نے شاید یہ لکھ دیا تھا کہ آپ ایک کامیاب سرجن ہیں اور انگلینڈ میں بھی آپ نے آنکھ، ناک اور کان کے کئی ایک کامیاب اپریشن کئے۔ اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نسرین نے ایک کامیاب سرجن کو چونچ کہہ کر اپنا غصہ نکالا تھا۔ میرا خیال ہے کہ جب آپ جالندھر میں ایک سرجن کی حیثیت سے مشہور ہوں گے تو چونچ کا لفظ آپ کے لئے کافی سودمند ہو گا۔ اور کسی دن کوئی ایسی بات مشہور ہو جائے گی کہ جس طرح بعض پرندے درختوں میں چھپے ہوئے کیڑے پکڑ کر نکال لیتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی انسانی جسم کے ناسور اور پھوڑے جڑ سے نکال دیتے ہیں۔"

کمال الدین نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یوسف صاحب، ایسی بات صرف ایک ذہین چچا کی بھتیجی کے دماغ میں آ سکتی ہے۔"

عبدالعزیز نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب آپ فکر نہ کریں مجھے یقین ہے کہ اگر یوسف صاحب نے آپ کی تھوڑی سی تعریف کر دی تو وہ لوگوں کو سرجری میں آپ کی مہارت کے ایسے واقعات سنائے گی کہ آپ چند دنوں میں مشہور ہو جائیں گے۔"

قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں شاندار کامیابی کے ساتھ مسلم لیگ پاکستان کے راستے کی ایک اہم منزل طے کر چکی تھی۔ بعد میں اس کے ساتھ ہی آل انڈیا کانگریس کے ایک ادنیٰ کارکن سے لے کر مہاتما گاندھی تک ہر دیس بھگت اپنے چہرے سے مکر و ریا کے تمام لبادے اتار کر سامنے آ چکا تھا اور ان کی حالت ان شکاریوں جیسی تھی۔ جو گھیرا ہوا شکار نکل جانے پر غم و غصہ سے نڈھال ہو گئے ہوں۔

انتخابی مہم کے دوران یوسف پہلے ضلع گورداسپور میں مصروف رہا۔ وہاں اس نے اپنا دورہ تیسری بار مکمل کیا تھا اور یہاں بھی جالندھر اور لدھیانہ۔ انبالہ اور ہوشیار پور کی طرح علی گڑھ یونیورسٹی کے چار رضا کار اس کے ساتھ تھے منظور احمد ایک اچھا خاصا مقرر بن چکا تھا۔ علی گڑھ کے رضا کاروں میں سے ایک رضا کار جس کا نام احسان الحق تھا۔ جو حیدر آباد سے یوسف کی پارٹی میں شامل ہوا تھا۔ ابھی تک ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ وہ مسلم اقلیت کے صوبوں میں کانگرس کی وزارتوں کے مظالم سے، سننے والوں کو تڑپا دیا کرتا تھا۔ ضلع امرتسر میں دریائے راوی اور کرن نالے کے آس پاس یوسف کے کئی رشتہ دار رہتے تھے۔ ان کے اصرار پر تحصیل اجنالہ کے قریب ایک دن وہ اجنالہ اور رام داس کے درمیان دیہاتی لوگوں کے ایک بڑے اجتماع میں تقریر کر رہا تھا۔ جلسہ کے اختتام پر جب لوگوں کا ہجوم منتشر ہونے لگا۔ تو کسی نے اچانک اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا: "چن جی، میں کئی دنوں سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ بہادر سنگھ نے اطلاع دی تھی کہ آپ گورداسپور سے فارغ ہو کر امرتسر آئیں گے اور ہمارے علاقے کا دورہ بھی کریں گے اب ایک دو دن آپ کو میرے پاس ٹھہرنا پڑیگا۔"

یوسف نے کہا۔ "سردار جی، آپ کے پاس ٹھہرنے کے لئے فراغت کی ضرورت ہے جب انتخابی مہم ختم ہو جائے گی تو مجھے آپ کے ہاں جا کر بڑی خوشی ہو گی۔"

"کاکا جی، میرا گاؤں یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ آپ ابھی چل پڑیں اور میرے گھر چائے

کا انتظام ہو گا۔ رات ہم باتیں کریں گے۔ اور صبح میری برادری کے چند سر کردہ آدمی آپ سے ملاقات کریں گے۔ میں سکھوں کے ایک بڑے اجتماع کا انتظام بھی کر سکتا ہوں۔ لیکن ایسا وقت ہے کہ جو باتیں آپ چند عقل مند آدمیوں کو سمجھا سکتے ہیں وہ عوام کے سامنے نہیں کر سکیں گے۔"

"اب پروگرام یوں ہو گا کہ میرے باقی ساتھی اجنالہ چلے جائیں گے اور میں منظور صاحب اور احسان الحق صاحب جو علی گڑھ سے آئے ہیں۔ آج آپ کے مہمان ہونگے۔ جب ہم جیپ میں بیٹھیں تو آپ ہمارے ساتھ بیٹھ جائیں۔ یہاں کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں۔"

"یوسف صاحب بعض مرادیں بہت جلد پوری ہوتی ہیں میں اپنے گاؤں کے نائی کو تاکید کر کے آیا تھا کہ تم نے میرے معزز مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرنا ہے۔ دریا پار سے مچھیرا صبح ہوتے ہی ہمارے گھر مچھلی پہنچا گیا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف اور اس کے دو ساتھی جگت سنگھ کے گاؤں کا رُخ کر رہے تھے۔ کماد کے کھیتوں کے درمیان کچا اور ناہموار راستہ عبور کرنے کے بعد وہ جگت سنگھ کی حویلی میں پہنچ گئے۔ جس کے گرد امرود اور آم کے درخت دکھائی دیتے تھے۔ جگت سنگھ نے حویلی میں داخل ہو کر صحن سے آگے مکان کی بالائی منزل کے زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اوپر تشریف لے جائیں اور بالا خانے کی چھت سے دریا کا نظارہ کریں۔ ہم چائے وہیں پئیں گے۔"

وہ بالا خانے کی چھت پر پہنچے تو وہاں میز کے گرد چند کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دریا کی طرف گندم کے کھیتوں سے آگے کنارے تک سرکنڈے دکھائی دیتے تھے۔ جگت سنگھ نے کہا۔ "میں عام طور پر چائے یہیں بیٹھ کر پیا کرتا ہوں۔ آپ تشریف رکھیں۔"

وہ بیٹھ گئے اور جگت سنگھ نیچے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گرم گرم مچھلی کے ساتھ چائے

کالطف اٹھا رہے تھے۔ جگت سنگھ نے کہا۔ "یوسف صاحب، رات آپ کو مچھلی کا پلاؤ ملے گا۔ محمد دین ماچھی اس کام میں بہت ماہر ہے۔ آپ چائے پی کر شام ہونے تک دریا کے کنارے تک سیر کر سکیں گے۔ وہاں میری ایک چھوٹی سی کشتی بھی ہے اگر وقت ہوتا تو ہم تھوڑی دیر دریا کی سیر بھی کر لیتے۔ اگر آپ چند دن پہلے آتے تو یہاں مرغابی کا بہت شکار مل جاتا۔"

یوسف نے کہا۔ "سردار جی، اگر آپ کے پاس کشتی بھی ہے اور یہاں مرغابی کا شکار بھی ہوتا ہے تو میں ہر سال آپ کے پاس آیا کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد جگت سنگھ اور اس کے مہمان سرکنڈوں سے آگے دریا کے کنارے ریت پہ گھوم رہے تھے۔ یوسف اور احسان الحق نے دریا کے پانی سے وضو کیا۔ احسان الحق نے اذان دی اور وہ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد جب وہ واپس آ رہے تھے تو جگت سنگھ نے کہا۔ "یوسف صاحب، میں جن لوگوں کو آپ سے ملوانا چاہتا ہوں۔ وہ نو بجے تک میرے گھر میں جمع ہو جائیں گے۔ جو لوگ اجیت کور اور دوسرے رشتہ داروں کی زبانی آپ کے خاندان کے متعلق سن چکے ہیں وہ آپ کی بات بڑے غور سے سنیں گے انہیں صرف یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ ہندوستان کی نسبت پاکستان میں زیادہ محفوظ ہوں گے۔ جو حقوق انہیں پاکستان میں مل سکتے ہیں۔ وہ ہندو کبھی نہیں دیں گے۔ لیکن ان پر یہ ظاہر نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ انہیں پاکستان کی طرف مائل کرنے کی مہم پہ یہاں آئے ہیں"

یوسف نے کہا۔ "سردار جی، میں ان کے سامنے بنیئے کے ظاہر اور باطن کے بارے میں بات کروں گا۔ اور مجھے یہ بتانے میں کوئی دقت پیش نہیں آتے گی۔ کہ جن قوموں نے ہندو سے کسی بھلائی کی امید کی تھی ان کا کیا حشر ہوا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر میں آپ کے بھائیوں کو یہ سمجھا سکوں کہ ہندوستان کی قدیم اقوام شودر اور اچھوت کیسے بن گئی تھیں اور جنوبی ہندوستان کے دراوڑ اور بھیل کن پستیوں کی طرف دھکیل دیتے گئے تھے تو انتہائی نادان لوگ

بھی مجھ سے اتفاق کریں گے۔"

جب وہ بالا خانے کے کمرے میں کھانا کھا رہے تھے تو نیچے صحن میں وہ لوگ جمع ہو رہے تھے جنہیں سردار جگت سنگھ کا پیغام مل چکا تھا۔ جب وہ کھانا کھا کر نیچے اترے اور کوئی پندرہ آدمیوں کے درمیان دری پر بیٹھ گئے تو جگت سنگھ نے اٹھ کر یوسف کا تعارف کروایا۔ پہلے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کیا اور پھر سردار بیلا سنگھ کے وحشیانہ قتل اور یوسف اور اس کے خاندان کی ہمدردی کے واقعات بیان کر دیئے۔ یوسف نے تقریر شروع کی تو حویلی کی دیوار کے ساتھ گاؤں کی عورتیں بھی اس کی گفتگو سُن رہی تھیں اور وہ کانگرسی وزارتوں کے دور کے مظالم بتا رہا تھا۔ پھر وہ ان اقوام کا ذکر کر رہا تھا جو ماضی کے کسی دور میں ہندو سامراج پہ اعتماد کرنے کی سزا بھگت رہی تھیں۔ جب اس نے گفتگو ختم کی تو سکھ بوڑھے اور جوان اٹھ اٹھ کر اس سے مصافحہ کر رہے تھے اور ان میں سے بعض یہ اصرار کر رہے تھے کہ آپ دوبارہ ضرور آئیں۔

اگلے دن جب یوسف اور اس کے ساتھی وہاں سے رخصت ہو رہے تھے تو مردوں کے ساتھ معمر عورتیں بھی ان کے راستے میں کھڑی تھیں۔ مکانوں کی چھتوں سے کمسن لڑکیاں ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جب وہ موٹر میں بیٹھنے لگے تو جگت سنگھ نے یوسف سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "یوسف جی، ساتھ والے گاؤں اور اس گاؤں کے دو گروہوں سے بھی میں نے ان آدمیوں کو بھی رات یہیں بلایا تھا جن کے رشتہ دار سکھ ریاستوں میں ملازمت کرتے ہیں لیکن اس وقت وہ سب اور ان کی عورتیں بھی آپ کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئی ہیں۔ جو لوگ سردار بیلا سنگھ کے قتل کے بعد اس گاؤں سے ہو آئے ہیں اور جو اجیت کور سے آپ کے متعلق سُن چکے ہیں۔ وہ آپ کو دیوتا سمجھتے ہیں۔ اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں کسی تباہی سے بچانے کے لئے آپ جیسے دیوتاؤں کی ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے

نکلتے ہوئے آپ یہ راستہ اچھی طرح دیکھتے رہیں۔ تاکہ دوبارہ یہاں آنے کے لئے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ کار کا راستہ ذرا لمبا ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ اچھے گھوڑے پر اپنے گاؤں سے اس طرف کا رُخ کریں تو تین چار گھنٹوں میں آرام سے یہاں پہنچ سکتے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "سردار جی، میں بھی یہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ میں گھوڑے پر اس علاقے کی سیر کروں۔ کبھی کبھی کرن کے کنارے میں اپنے نانا کے گھر آیا کرتا تھا۔ اور مجھے وہ راستہ اب تک یاد ہے۔ وہاں سے پکی سڑک تک جانے کے بعد آپ کے گاؤں پہنچنے کے لئے مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ جو ہڑجبن کے کنارے سے آپ کے گاؤں کو جانے والا راستہ نکلتا ہے ایک بہت اچھی نشانی ہے۔ سردار جی، میں آپ سے خط و کتابت جاری رکھوں گا اور کسی دن اچانک یہاں پہنچ جاؤں گا۔"

جگت سنگھ نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا ضرور آنا۔ مجھے ہمیشہ تمہارا انتظار رہے گا۔ میرے گھر کے تمام لوگ تمہیں پہچانتے ہیں۔ اگر میں کبھی گھر پہ نہ ہوا تو میرا ایک بیٹا ضرور موجود ہو گا۔ اس علاقے میں کتنے دن قیام کرو گے؟"

"سردار جی، اس علاقے میں میرا دورہ چار دن تک ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد پولنگ کے قریب میں اپنے گاؤں پہنچ جاؤں گا۔"

الیکشن سے دو دن پہلے یوسف اپنے گاؤں میں پہنچا اور اسی شام وہ پڑوس کے شہر کے ایک بڑے اجتماع میں تقریر کر رہا تھا۔ تقریر کے دوران جب وہ یونینسٹ پارٹی اور کانگرس پر آگ برسا رہا تھا تو اسے ہجوم کی آخری صفوں میں سکھ بھی دکھائی دیتے تھے اس نے اپنی تقریر کا رخ ان کی طرف پھیر دیا اور بلند آواز میں کہا۔ "سکھ بھائیو! تمہیں اس جلسہ میں دیکھ کر میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں۔ جس کا براہ راست میری تقریر کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ شاید اس وقت یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آسکے کہ

بنیا اور برہمن شاہی اس ملک میں جب جہنم کے دروازے کھولے گی تو اس کی آگ کے شعلے کتنے خوفناک ہوں گے۔ ہم مسلمان اس لحاظ سے یقیناً خوش قسمت ہیں کہ ہمیں وہ راہنما مل گیا ہے۔ جو ہندو کی سیاست کو سمجھتا ہے اور کانگرس کے مکر و فریب سے دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے قائد اعظم نے ہمیں بر وقت بیدار کر دیا تھا اور ہم اس جہنم کی آگ سے بچ جائیں گے۔ لیکن تمہارے مستقبل کے تصور سے میں کانپ اٹھتا ہوں۔ تم آنکھیں بند کر کے اس اژدہے کی طرف بھاگ رہے ہو جو ماضی میں کئی قوموں کو ہڑپ کر چکا ہے اور کئی تہذیبوں کے نشان مٹا چکا ہے۔ تم نے ان ڈاکوؤں کے متعلق بھی سنا ہو گا جو لوگوں کو پہلے گڑھا کھودنے کا حکم دیتے تھے اور پھر انہیں قتل کر کے اس گڑھے میں پھینک دیتے تھے۔

میرے سکھ دوستو! دنیا کے سامنے عدم تشدد کا پرچار کرنے والی کانگرس کے لیڈر اسی قسم کے بے رحم ڈاکوؤں کا ایک گروہ ہیں۔ مجھے اس بات کا خوف محسوس ہوتا ہے کہ کہیں تمہیں اس آخری مرحلہ پر بھی ہوش نہ آئے۔ جب تم اپنے ہاتھوں سے کھودے ہوئے گڑھے میں پہنچ کر یہ دیکھو کہ تمہارے پیچھے دیس بھگتوں کا لشکر تمہیں ننگی تلواروں سے ہانک رہا ہے اس وقت شاید میری بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کسی دن تمہیں ہوش ضرور آئے گا۔ یہ یاد رکھو اپنی تباہی کا سامان کر لینے اور سب کچھ لٹا کر ہوش میں آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ تم سے زیادہ میں تمہارے رہنماؤں کے لئے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے چاروں طرف آگ کے شعلے دیکھنے سے پہلے سمجھ جائیں۔"

جلسے کے اختتام پر ایک لمبا تڑنگا سکھ شراب کے نشے میں جھومتا ہوا آگے بڑھا اس نے بڑی گرمجوشی سے یوسف کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "بھائی جی، آپ نے لوگوں سے ووٹ مانگنے کے لئے جگہ جگہ تقریریں کی ہیں۔ لیکن اپنے پرانے یار کے پاس بالکل نہیں آئے۔ مجھے بڑا دکھ ہوا ہے اس بات سے۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے گاؤں کا ہر

ووٹ اس طرف ڈالا جائے گا جس طرف آپ ہوں گے۔"

پولنگ کے دن یہ حالت تھی کہ ایک گھنٹہ کے اندر اندر یونینسٹ امیدوار کا کیمپ خالی ہو چکا تھا اور تقریباً ہر ووٹ مسلم لیگ کے امیدوار کو دیا جا رہا تھا۔ یوسف جیپ پر کئی پولنگ اسٹیشنوں کا حال دیکھنے کے بعد اپنے علاقے کے پولنگ اسٹیشن پر رکا اور جیپ سے اتر کر چند منٹ مسلم لیگ کے رضاکاروں سے باتیں کرنے کے بعد پریذائیڈنگ افسر کی طرف چلا گیا۔ پریذائیڈنگ افسر نے اُٹھ کر مصافحہ کیا اور اپنے ساتھ کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"یوسف صاحب، اس پولنگ اسٹیشن پر مکمل فتح مبارک ہو۔ باقی علاقے کا کیا حال ہے؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "ابھی تک جتنے پولنگ اسٹیشن میں نے دیکھے ہیں۔ وہاں یونینسٹ امیدواروں کے کیمپ اسی طرح اُجڑے ہوئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی یونینسٹ اُمیدوار اپنی ضمانت نہیں بچا سکے گا۔"

وہ ہنسی خوشی باتیں کر رہے تھے کہ ایک کانسٹیبل بھاگتا ہوا آیا۔

"جناب! ایک سکھ زبردستی یہاں آنا چاہتا ہے۔ ہم نے اُسے کیمپ سے باہر روک لیا ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں یوسف صاحب کا دوست ہوں۔"

یوسف نے باہر نکل کر دیکھا تو اُسے منگل سنگھ کی آواز سنائی دی۔ اس کے ہاتھ میں لمبی لاٹھی تھی اور اس کے گاؤں کے سکھ اور عیسائی اس کے پاس کھڑے تھے۔ کانسٹیبل اسے کہہ رہا تھا۔ "دیکھو سردار جی، آپ چپکے سے واپس چلے جائیں۔ ورنہ ہم آپ کو تھانے پہنچا دیں گے۔"

اور وہ کہہ رہا تھا۔ "یار تم کون ہوتے ہو مجھے تھانے پہنچانے والے۔ میں ووٹ دینے آیا ہوں۔"

پھر وہ یوسف کی طرف دیکھ کر چلایا۔ "یوسف جی! یہ مجھے آگے نہیں آنے

دیتے۔ میں اپنے گاؤں کے تمام آدمی لے آیا ہوں۔ تھوڑی دیر تک آس پاس کے ہر گاؤں سے دوسرے لوگ بھی یہاں پہنچ جائیں گے لیکن سب سے پہلے میرا ووٹ ڈالا جائے گا۔"

یوسف نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "سردار جی! آپ کی بڑی مہربانی، لیکن سکھ صرف سکھ اُمیدوار کو ووٹ دے سکتے ہیں۔"

"یار، اس کے آدمی میرے پاس آئے تھے، لیکن میں نے ان کی بے عزتی کر کے انہیں بھگا دیا تھا۔ میں نے انہیں کہہ دیا تھا۔ کہ اگر کوئی یوسف کے خلاف ووٹ دے گا تو میں اسے اپنا دشمن سمجھوں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "سردار منگل سنگھ! امیدوار اگر کانگرسی نہ ہو تو آپ خوشی سے اُسے ووٹ دیجئے۔ میں یہی سمجھوں گا، آپ میری مدد کر رہے ہیں۔"

"یوسف یار، اگر کسی بات پر ناراض ہو تو میرے گھر آکر مجھے جوتے مار لینا، لیکن ان لوگوں کے سامنے بے عزتی نہ کرو۔ پرسوں کارخانے کے مزدوروں کے سامنے تمہاری تقریر سننے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں اور میرے گاؤں کے لوگ یوسف کے سوا کسی کو ووٹ نہیں دیں گے۔"

یوسف نے کہا۔ "یار منگل سنگھ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن قانون کے مطابق تم کسی سکھ اُمیدوار کو ہی ووٹ دے سکتے ہو۔"

"اور یہ میرے گاؤں کے لوگ؟"

"تم گاؤں کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ آدمی بھیج دیتا ہوں۔ وہ تمہیں تمہارے پولنگ اسٹیشن پر پہنچا دے گا۔"

"یار تم نہیں چلو گے میرے ساتھ؟"

"بھئی، میں کس لئے جاؤں؟"

اُس لئے کہ میں وہاں جا کر یہ بتا سکوں گا کہ میں اپنے دوست کی خاطر آیا ہوں"
نہیں سردار منگل سنگھ، تم جا کر ووٹ دے کر یہاں آ جاؤ تو پھر میں یہاں سے کام
ختم کرنے کے بعد پہلے تمہیں چھوڑنے کے لئے تمہارے گاؤں جاؤں گا۔ راستے میں ہم خوب
باتیں کریں گے۔"

انتخابات نے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔
مسلم لیگ نے مرکزی مجلس قانون ساز میں ساری مسلم نشستیں جیت لی تھیں۔ اور صوبائی اسمبلیوں
کی ۴۹۵ نشستوں میں سے ۴۴۶ پر فتح حاصل کی تھی۔ اس طرح کانگرس نے بھی ہندو نشستوں
پر بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ پنجاب میں مسلم لیگ نے یونینسٹ پارٹی کو بری طرح شکست دی۔
۱۷۵ ارکان کے ایوان میں مسلم لیگ سب سے بڑی پارٹی تھی۔ لیکن خضر حیات ٹوانہ نے چند
یونینسٹ مسلمانوں اور اکالی سکھوں کے تعاون سے مسلم لیگ کے اس اہم صوبہ میں ایک ایسی
وزارت بنالی جسے کانگرسی مقاصد کے لئے اور تحریک پاکستان کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا۔ سکھ
پہلے ہی پاکستان کے خلاف، ہندوؤں کے ساتھ ایک فریق بن چکے تھے۔ پنجاب میں مسلم
لیگ کو وزارت بنانے کے حق سے محروم کروا کر کانگرس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ مسلم لیگ
کو ایک وزارت بنانے کے جائز حق سے محروم کرنے کے لئے وہ بے اصولی کی کس حد تک
جا سکتی ہے۔ لیکن اس اقدام کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ گاندھی بھگتوں کے متعلق جو خوش فہمی
رہ گئی تھی وہ دور ہو گئی تھی اور وقت نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ برصغیر میں مسلمانوں اور ہندوؤں
کے راستے قطعی طور پر ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

کانگرس اور اس کے حامیوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ انگریز جانے سے پہلے ملک کا
اقتدار کانگرس کو سونپ دے گا۔ سکھ بھی اس بات پر مطمئن تھے کہ ہندو بڑے بھائی کی حیثیت

میں خالصتان کے قیام کے لئے ان کی خواہشات پورا کرے گا لیکن دوسری عالمگیر جنگ نے انگریزوں
کے لئے جو حالات پیدا کر دیئے تھے ان کے باعث وہ ہندوستان سے بلا تاخیر نکل جانا چاہتے
تھے۔ اور صرف اس حد تک کانگرس کی دل جوئی کے خواہش مند تھے کہ ان کے تجارتی مفاد
ہندوستان سے نکلنے کے بعد بھی محفوظ رہ سکیں۔ انہیں کانگرس کی خواہشات کو پورا کرنے
کے لئے مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنانا بھی پسند نہ تھا اس لئے ہندوؤں کی زیادہ سے زیادہ
خوشنودی حاصل کرنے اور کسی حد تک مسلمانوں کی دل جوئی کے لئے اپنی تجاویز پیش کرنی
شروع کر دیں۔ لیکن انگلستان سے کابینہ مشن آیا اور کانگرس اور مسلم لیگ کے سرکردہ لیڈروں سے
فرداً فرداً بات چیت ہوئی اور شملہ میں ایک مشترکہ کانفرنس ہوئی۔ کانگرس پورے ملک کے
لئے واحد آئین ساز اسمبلی کی طلب گار تھی اور مسلم لیگ کا یہ مطالبہ تھا کہ پاکستان اور ہندوستان
کی دو علیحدہ علیحدہ آئین ساز اسمبلیاں بنائی جائیں۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے کابینہ مشن
کی طرف سے جب کسی تجویز کا اعلان ہوتا تھا، تو گاندھی جی انگریزی زبان کے صاف اور
واضح الفاظ کو اپنی خواہشات کا لبادہ پہنا کر اس کا مفہوم بدل دیتے تھے۔ اس لئے کابینہ
مشن قدم قدم پہ کانگریس کی ناز برداری کرنے کے باوجود کامیاب نہ ہو سکا اور اسٹیفورڈ
کرپس جیسے ہندو نواز بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ جنہیں ہندو سماج ایک گاندھی بھگت
کی حیثیت سے دیکھا کرتے تھے۔

---

۲۹ جون ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن نزاع اور اختلافات کی فضا چھوڑ کر رخصت ہوا۔ اس
کی کارگزاری سے مسلمانوں کے صرف اس تاثر کو تقویت ملی تھی کہ انگلستان کی لیبر حکومت کانگرس
کے اشاروں پر رقص کرتی ہے۔ وائسرائے لارڈ ویول ہندوؤں کی نگاہ میں اس لئے معتوب
بن گیا تھا کہ اس نے قدم قدم پر گاندھی کی فلسفیانہ تاویلوں اور وکیلانہ دلائل کو کوئی اہمیت
نہیں دی تھی۔ گاندھی اس کے طرزِ عمل سے تلملا اٹھا اور اس نے جھٹ برٹش حکومت کو تار

بھیجا کہ بنگال کے المیہ کے باعث وائسرائے کے اعصاب جواب دے چکے ہیں اور یہاں ایک زیادہ قابل آدمی کی ضرورت ہے۔ ورنہ بنگال کے المیہ کا اعادہ یقینی ہے۔

۱۵۔ اگست کو مسلمانوں نے یوم راست اقدام کا فیصلہ کیا تھا اور ہندو اس سے بہت برہم تھے۔ اس سلسلہ میں ۱۶۔ اگست کو عام تعطیل کا دن قرار دیا گیا تھا۔ ۱۶۔ اگست کا عام جلسہ کسی حادثہ کے بغیر اختتام پذیر ہوا، لیکن سوا چار بجے کلکتہ کے ہر حصہ میں فسادات شروع ہو چکے تھے۔ کلکتہ میں ہندوؤں کی غالب اکثریت اور کئی دنوں کی تیاریوں کے باعث مسلمانوں کو نسبتاً زیادہ نقصان پہنچا، لیکن دوسرے دن سہ پہر کو سکھوں کے وہ بڑے بڑے جتھے میدان میں آگئے جنہیں اس دن کے لئے تیار کیا گیا تھا اور کلکتہ کے جو علاقے ان کے راستے میں تھے وہاں آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اس ملک میں ہندو مسلم فسادات پہلے بھی ہوتے رہے تھے۔ لیکن کلکتہ میں دہشت اور بربریت کا جو مظاہرہ دیکھا گیا وہ بے مثال تھا۔ کلکتہ کی گلیوں میں جو خون بہایا گیا تھا وہ ابھی خشک نہیں ہوا تھا کہ ۲۴ اگست کو وائسرائے نے عبوری حکومت کے ان ارکان کا اعلان کر دیا جنہوں نے ۲ ستمبر کو اپنے عہدوں کا حلف اٹھانا تھا۔ نہرو کی کوشش تھی۔ کہ مسلمانوں کے حصے کی پانچوں نشستیں غیر مسلم لیگیوں کو مل جائیں لیکن وائسرائے نے صرف تین کو مقرر کیا اور دو مسلم نشستیں خالی رکھیں۔

دو مسلم نشستیں اس امید پر خالی رکھیں کہ اب بھی مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہو جائے، لیکن اس کے بعد جب وائسرائے نے کلکتہ کا دورہ کیا تو اُسے اس بات پر پختہ یقین ہو گیا کہ کانگرس اور مسلم لیگ کی مصالحت کے بغیر فرقہ وارانہ امن ممکن نہیں ہو سکتا اور اگر یہی حالت رہی تو پورا ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجائے گا۔

کانگرس کی کوشش یہی تھی کہ آئین سازی کا کام صرف ایک پارٹی یعنی کانگرس کے ایماء پر کیا جائے۔ لیکن وائسرائے برصغیر کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونکنے پر آمادہ نہ ہوا گاندھی

اور نہرو کی خواہش کے خلاف وائسرائے نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں لانے کی کوشش جاری رکھی، لیکن کانگرس نے جو آخری رکاوٹ ڈالی وہ یہ تھی کہ اس نے ایک کانگرسی مسلمان کو عبوری حکومت میں شامل کرنے پر اصرار کیا۔ ہندو کو ہندوستان میں انگریز کا واحد جانشین بننے سے مایوسی ہوئی تھی۔ کسی مرحلہ پر مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ تو کبھی سردار پٹیل جیسے انتہا پسند ہندو اور کبھی گاندھی جیسا نرم مزاج آدمی جو کبھی انگریزوں کو یہ مشورہ دیا کرتا تھا کہ انہیں نازیوں کی جارحیت کے جواب میں عدم تشدد سے کام لینا چاہیئے اور جنگ کے بجائے صلح اور امن پسندی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اس قسم کا بیان دیا کرتے تھے۔ کہ اگر انگریز ہندوستان کو چھوڑ کر چلے جائیں تو ہندو مسلم تنازعہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس قسم کے بیانات کا مفہوم یہی ہوتا تھا کہ جب ہندو کانگرس حکومت کے فوجی اور سول اختیارات سے مسلح ہوگی۔ تو وہ اپنی تعداد اور قوت سے مسلمانوں کو پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیں گے۔ لیکن لارڈ ویول کانگرس کی خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش کے باوجود، انسانیت کے خلاف اتنے بڑے جرم میں حصہ دار بننے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی کوششیں جاری رکھیں جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ عبوری حکومت کی کابینہ میں شامل ہو گئی۔ گاندھی مہاراج اس کابینہ میں ایک کانگرسی مسلمان کو شامل کر کے خوشیاں منا رہے تھے۔ لیکن جب مسلم لیگ نے ایک اچھوت کو اپنے کوٹہ میں شامل کر لیا تو وہ تلملا اٹھے۔ جب محکموں کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو گاندھی جی کے چیلوں نے اپنی روایتی تنگ نظری سے کام لیا۔ وہ امور داخلہ، امور خارجہ اور دفاع کے محکمے اپنے ہاتھ میں رکھنے پر بضد تھے۔ لیکن ایک انتہائی ذہین مسلمان چودھری محمد علی آئی سی۔ ایس نے جنہیں مالیات کا ماہر سمجھا جاتا تھا یہ مشورہ دیا کہ مسلم لیگ کو مالیات کا محکمہ لینا چاہیئے چنانچہ لیاقت علی خان مرحوم وزیر مالیات بن گئے تو ہندو اس بات پر بغلیں بجا رہے تھے کہ مالیات مسلمانوں کے بس کی بات نہیں۔ جواہر لعل نہرو اور پٹیل ہندوستان میں رام راج

کی بنیادیں مضبوط کرنے کی سکیموں کے ساتھ لمبے چوڑے منصوبے بنا چکے تھے۔ لیکن انہیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ محکمہ مالیات کی منظوری کے بغیر وہ کوئی سکیم نافذ نہیں کر سکتے۔ سردار پٹیل کو جب یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ محکمہ مالیات کی منظوری کے بغیر ایک نئے چپڑاسی کو بھی ملازمت نہیں دے سکتا۔ تو وہ غصے سے بھڑک اٹھا اور بالآخر اسے یہ کہنا پڑا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ کانگرس نے عبوری کابینہ کے تلخ تجربے کے بعد بھی حقیقت پسندی کا ثبوت نہ دیا اور ویول کے خلاف مہم جاری رکھی۔ یہاں تک کہ انہیں واپس بلا لیا گیا۔ اس کے بعد عدم تشدد کے حامی انگلستان سے کسی ایسے دیوتا کی راہ دیکھ رہے تھے جسے کانگرس کے آلہ کار کے طور پر کام کرنے پر رضامند کیا جا سکے۔ اور کانگرس کے مہاجن انگریز کو مستقبل کے تجارتی مفادات کی اہمیت سمجھانے کے لئے لندن کا طواف کر رہے تھے۔

یوسف پر حملہ

یوسف اپنے گھر میں تین مہینے کتاب لکھنے میں مصروف رہا۔ اس عرصہ میں وہ فہمیدہ اور بلقیس کو تقریباً ہر مہینے دو یا تین خط ضرور لکھا کرتا تھا۔ منظور احمد اور امینہ اپنے خطوط میں اصرار کیا کرتے تھے کہ آپ کتاب ختم ہونے تک لاہور کیوں نہیں آجاتے۔ اور ان کو اس کا ایک ہی جواب ہوتا کہ مجھے جس سکون کی ضرورت ہے وہ مجھے اپنے گاؤں میں ہی نصیب ہوتا ہے۔ وہ تین ماہ کے عرصہ میں دو بار اس کے گاؤں میں آئے تھے۔ اور دوسری مرتبہ ان کے ساتھ بیگم بلقیس بھی آگئی تھیں۔ اور ڈاکٹر جمیل بھی ان کے ساتھ تھا انہوں نے تین دن اُس کے پاس قیام کیا۔ اور اس عرصہ میں یوسف، ڈاکٹر جمیل کے ساتھ کافی مانوس ہو چکا تھا۔

بلقیس نے آتے ہی کہا تھا کہ "ہم اپنے بیٹے کو لینے کے لئے آئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میاں صاحب تمہیں خوشی سے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

اس نے جواب دیا۔ "چچی جان کتاب کے آخری اُسی یا زیادہ سے زیادہ سو صفحات باقی ہیں۔ میں انہیں مکمل کرتے ہی آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا اور وہیں نظر ثانی کروں گا۔ اس کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تکمیل کے بعد ملک کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات مجھے کافی عرصہ لکھنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

یوسف کے مہمانوں کی اطلاع ملتے ہی اجیت کور ان کے گھر پہنچ گئی تھی اور وہ دن کا بیشتر وقت بلقیس اور امینہ کے ساتھ گزارا کرتی تھی اور اس کی گفتگو کا موضوع

ہمیشہ فہمیدہ ہوا کرتی تھی۔

تیسرے دن جب وہ رخصت ہو رہے تھے تو ڈاکٹر جمیل، یوسف سے بغل گیر ہوا اور اس نے مسکراتے ہوئے یوسف سے پوچھا۔ "یوسف صاحب آپ نے میرے دوست ڈاکٹر چوہنگ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ اسے آپ کی کوئی ادا پسند آگئی ہے اور وہ ہر خط اور ٹیلی فون کال میں تمہارے متعلق ضرور پوچھتا ہے اور ہمیشہ تاکید کرتا ہے کہ جب کبھی یوسف صاحب جالندھر آئیں تو مجھے ضرور ملیں۔ میں اس کی موجودگی میں نسرین کے پورے خاندان کو دعوت دینا چاہتا ہوں اور چوہنگ کا لقب دینے پر ننھی شہزادی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

بیس دن بعد یوسف فہمیدہ کے نام اس مضمون کا خط لکھ رہا تھا۔

"آج نئی کتاب کی آخری سطور لکھنے کے بعد میں قید تنہائی سے آزاد ہو چکا ہوں۔ یہ ایک ایسا وقت ہے جب انسان کہیں پہنچنے کے لئے پروں کی ضرورت محسوس کرتا ہے انشاءاللہ میں پرسوں صبح اسی گاڑی سے آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا جس میں ہم نے ان دنوں سفر کیا تھا اور جس میں ماں جی، خالہ جان، خالو جان، آپ اور نسرین دھرم سالہ سے تشریف لاتے تھے اور میں آپ کے ساتھ چل پڑا تھا۔ میں نے پتہ کیا ہے۔ جالندھر کی گاڑی کا آج بھی وقت تبدیل نہیں ہوا ہے۔ میں نے منظور صاحب کو بھی لکھ دیا ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ وہ شاید امرتسر پہنچ جائے اور وہاں سے میرے ساتھ ہو جائے امینہ کو میں نے منع کر دیا ہے۔ ورنہ اس کا منظور کے ساتھ آنا یقینی تھا۔ سب کو سلام کہہ دیجئے۔"

تیسری شام یوسف امرتسر کے پلیٹ فارم پر جالندھر کی گاڑی کے انتظار میں کھڑا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آکر آنکھیں بند کر دیں یوسف نے آنکھوں سے اُس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "ارے تمہارا خیال ہے تمہارے ہاتھ کو پہچاننے کے لئے بھی مجھے سوچنا پڑے گا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید تم نہ آؤ۔"

منظور نے اس سے گلے ملتے ہوئے جواب دیا۔ "بھائی صاحب! میں چار گھنٹے سے امرتسر میں ہوں۔ میاں صاحب کو اپنے مکان کی مرمت کے سلسلے میں یہاں کام تھا اور میں کار میں اُن کے ساتھ آ گیا تھا۔ ابھی انہیں رخصت کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ مکان کا خریدار میاں صاحب کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اور انہوں نے مرمت اس لئے شروع کرا دی ہے کہ قیمت کچھ چڑھ جائے گی۔ میاں صاحب یہ تاکید کر کے گئے ہیں کہ میں آپ کو ساتھ لے کر جلدی لاہور پہنچوں کیوں کہ مکان فروخت کرنے کے بارے میں وہ آپ کا مشورہ ضروری سمجھتے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "یار تم جالندھر پہنچ کر انہیں ٹیلی فون کر دو اگر انہیں مناسب قیمت ملتی ہے تو بیچنے میں تاخیر نہ کریں۔"

یوسف نے ایک قلی کا نمبر نوٹ کر کے اسے اپنے سامان کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور منظور کے ساتھ ٹہلنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ پلیٹ فارم پر تین آدمی کھڑے تھے یوسف ان میں سے ایک کو دیکھ کر ذرا ٹھٹکا۔ لیکن پھر بے پرواہی سے آگے نکل گیا تھوڑی دیر بعد جب واپسی پر ان کے قریب سے گزرا تو اسے کچھ شک ہوا تو اس نے چند قدم آگے چل کر انگریزی میں منظور سے کہا۔ "یار منظور! وہ ہماری طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح وہ ہمیں جانتے ہوں۔ ایک آدمی پر تو مجھے تھوڑا سا شک بھی ہوا تھا۔ لیکن یہ وہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے آدمی کی صورت صرف اسی جگہ پہچانی جا سکتی ہے۔ جہاں اسے

اکثر دیکھا گیا ہو۔"

منظور نے کہا: "اگر آپ چاہتے ہیں۔ تو میں ابھی پوچھ لیتا ہوں۔"

"نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"

چند منٹ بعد گاڑی پر سوار ہوتے وقت انہوں نے دیکھا کہ وہ انٹر کلاس میں ان کے پیچھے ایک تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار ہو رہے ہیں۔ منظور نے سوال کیا "یوسف صاحب وہ مریل سا آدمی جس پر آپ کو شک ہوا تھا۔ آپ کے خیال میں کون ہو سکتا تھا؟"

یوسف نے جواب دیا "یار مجھے یہ شبہ ہوا تھا۔ کہ اس کی شکل بیرکو کے شاہ سے ملتی ہے۔ شاید رنگ اتنا کالا نہیں تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس کا کوئی بھائی یا قریبی رشتہ دار ہو۔"

"بھائی صاحب، یہ نشہ کرنے والے لوگ گندے بھی تو رہتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کو کے شاہ نے نہانا شروع کر دیا ہو۔"

راستے میں ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر مخالف سمت سے آنے والی گاڑی سے کراس ہونا تھا۔ یوسف اور منظور نے اتر کر پلیٹ فارم کے نلکے سے وضو کیا۔ وہ چادر نماز بچھا کر عشاء کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نماز ختم کرنے کے بعد یوسف نے شکرانے کے نفل ادا کرنے شروع کر دیئے اور منظور نے دوسری طرف سے آکر رکنے والی گاڑی کے سامنے ٹہلنا شروع کر دیا۔ کچھ فاصلے پر ایک کمپارٹمنٹ سے دو نوجوان باہر نکلے اور یکے بعد دیگرے منظور کے ساتھ لپٹ گئے۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ گاڑی نے وسل دیا اور وہ بھاگ کر اپنے ڈبے میں سوار ہو گئے۔ منظور ہاتھ ہلا کر انہیں الوداع کہہ رہا تھا کہ اسے پاس ہی پستول چلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اس نے یہ دیکھا جس جگہ وہ یوسف کو چھوڑ کر آیا تھا۔ وہاں جمع ہونے والے لوگ شور مچا رہے تھے۔ وہ بھاگتا

ہوا۔ وہاں پہنچا تو اسے ان لوگوں کے درمیان یوسف پڑا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا لباس خون سے تر ہو رہا تھا اور سر سے بھی خون بہ رہا تھا۔ ایک معمر آدمی کہہ رہا تھا کہ میں نے سب کچھ دیکھا ہے۔ وہ دونوں اس کے قریب کھڑے تھے۔ جب وہ سجدے میں گیا تھا تو ایک آدمی نے جھک کر اسے چھرا مارا تھا۔ وہ دوسرا وار کرنے لگا تو اس شیر کے بچے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس طرح بازو مروڑا کہ وہ گر پڑا، لیکن دوسرے آدمی نے سر پر لاٹھی مار دی تھی، لیکن وہ گرتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو ایک آدمی نے گولی چلا دی اور پھر وہ بھاگ نکلے۔ اس شیر میں اتنی ہمت تھی کہ گولی کھا کر بھی گرتے گرتے اس تک پہنچ گیا۔ میں نے انہیں جانے والی گاڑی کے انجن کے آگے سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے"۔ منظور نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہاں کوئی ڈاکٹر ہے؟"

"بیٹا، ڈاکٹر کے لئے آپ کو اب جالندھر یا واپس امرتسر جانا پڑے گا۔ یہ میری پگڑی لو اور اس کی پٹیاں بنا کر اس کا خون بند کر دو۔ میں اسے گاڑی تک پہنچانے میں تمہاری مدد کرتا ہوں"۔

اس آدمی کی دیکھا دیکھی۔ دوسرے بھی یوسف کی مدد کے لئے آگئے اور انہوں نے یوسف کو اٹھا کر گاڑی میں لٹا دیا۔ ایک عورت اپنی بیٹی کے ساتھ نمودار ہوئی اور اس نے ایک صاف چادر کی پٹیاں پھاڑتے ہوئے کہا۔ اس کے زخم اس صاف کپڑے کے ساتھ باندھو۔ اس کے بعد جو چاہو اوپر لپیٹ دینا۔ گاڑی چل پڑی۔ اور یوسف نے بغیر آنکھیں کھولے اونگھتے ہوئے کہا۔ "منظور! منظور! میں کہاں ہوں؟"

"یوسف صاحب، ہم جالندھر جا رہے ہیں۔ مجھے اس وقت پتہ چلا، جب وہ آپ کو زخمی کر کے بھاگ گئے تھے"۔

یوسف نے کچھ دیر کوئی جواب نہ دیا... پھر اس کے منہ سے اچانک آواز نکلی۔ "اگر۔ اگر... میں وہاں نہ پہنچ سکوں تو انہیں کہہ دینا کہ میں کتاب سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا

ان کے پاس آرہا تھا۔ میرا شک غلط نہیں تھا۔ وہ پیر کوکے شاہ کے آدمی تھے
مجھے پانی دو" ایک آدمی نے پانی کا گلاس اس کے منہ کو لگا دیا اور وہ پانی پینے کے بعد
کچھ دیر بے ہوشی کی حالت میں تڑاپڑتا رہا۔

ایک نوجوان نے کہا۔"یار یہ وہی ہیں جو الیکشن کے دنوں میں بڑی جوشیلی تقریریں کیا
کرتے تھے۔ میں اگلے سٹیشن پر پہنچتے ہی جالندھر اطلاع کر دوں گا کہ وہاں ان کے لئے ایمبولنس
کا انتظام کیا جائے"۔

منظور نے کہا۔"جالندھر کے فوجی ہسپتال میں ڈاکٹر کمال الدین اور ان کے دوسرے
رشتہ داروں کو بھی اطلاع دینی ہے۔ میں آپ کو تار لکھ دیتا ہوں"۔ منظور نے اپنے سوٹ
کیس میں سے ایک پیڈ نکال کر فہمیدہ کے والد اور ڈاکٹر کمال الدین کو تار لکھ دیئے
اور جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر نوجوان کے ہاتھ میں تھما دیا۔"بھائی آپ کو یہ
تکلیف کرنی پڑے گی۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ان کے پہنچتے ہی وہ لوگ وہاں موجود
ہوں۔ ڈاکٹر کمال الدین ایک بڑا سرجن ہے۔ اور اگر اسے بروقت تار مل گیا تو ایک قیمتی
جان بچ جائے گی"۔

ایک معمر آدمی نے کہا۔"بیٹا! تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہیں معلوم ہے ان پر حملہ کرنے
والے کون تھے؟"

"جی، مجھے معلوم ہے۔ وہ پیشہ ور قاتل تھے اور کئی آدمیوں کا خون بہا چکے ہیں۔
انشاء اللہ، ملک بھر کے اخبارات میں ان کی تصویریں شائع ہو جائیں گی"۔

جالندھر کے پلیٹ فارم پر نسرین، فہمیدہ اور ان کے والدین کھڑے تھے۔ قریب
ہی پولیس کے چند آدمیوں کے ساتھ فوجی ہسپتال کے ایک ڈاکٹر اور اس کے عملہ کے چند آدمی
کھڑے تھے۔ گاڑی کی آمد کا سگنل ہو چکا تھا۔ اور فہمیدہ نے اضطراب کی حالت میں نسرین

کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی۔ تو پولیس نے انٹر کلاس کی بوگی کے دروازے
کے سامنے گھیرا ڈال لیا۔ فوجی ڈاکٹر اور ہسپتال کے ملازم اندر داخل ہوئے۔ فہمیدہ اور اس
کے ساتھیوں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن ایک پولیس افسر نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے
ہوئے کہا: "آپ ایک منٹ صبر کریں۔ ایک زخمی کو گاڑی سے نکال کر فوراً ہسپتال پہنچانا
ضروری ہے۔ گاڑی یہاں کافی دیر کھڑی رہے گی"۔

نسرین نے تلملا کر کہا۔"وہ زخمی میرا بھائی ہے جی۔ اور ہم اسی کے لئے آئے ہیں"۔
پولیس افسر نے نرم ہو کر کہا۔"بی بی، مجھے افسوس ہے۔ لیکن اس وقت کوئی بھی زخمی کے
قریب نہیں جا سکتا"۔

نسرین کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن فہمیدہ نے اس کا بازو پکڑ کر جھٹکا اور وہ خاموش ہو گئی
جب اسٹریچر باہر نکالا گیا تو منظور احمد دو سوٹ کیس پلیٹ فارم پر رکھنے کے بعد بھاگتا
ہوا ان کے پاس پہنچا۔ نسرین اسے دیکھتے ہی چلائی:"وہ میرے بھائی جان کو کہاں لے
گئے ہیں"۔

منظور نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"ابھی وہ انہیں ایمبولنس میں ڈال کر
ہسپتال لے جائیں گے"۔

فہمیدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔"میں ان کے ساتھ جانا چاہتی ہوں"۔
منظور نے جواب دیا۔"اگر آپ اپنی گاڑی میں آئی ہیں تو ہم ابھی وہاں پہنچ جائیں گے
ہسپتال سے ایک کامیاب سرجن آیا ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ گیٹ کیپر یوسف
صاحب کے عزیزوں کو فوراً اندر پہنچا دے گا"۔

"گاڑی موجود ہے بھائی جان"۔ نسرین نے کہا۔
منظور نے ایک قلی کو اشارے سے روکتے ہوئے سامان کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا۔"وہ دونوں سوٹ کیس اٹھا لو"۔

قلی بھاگتا ہوا سوٹ کیس اٹھا لایا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ کار میں ہسپتال کا رخ کر رہے تھے۔ اور منظور انہیں بار بار یہ تسلی دے رہا تھا۔ کہ بھائی جان بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔

گاڑی ہسپتال کے دروازے کے سامنے رُکی اور ایک اردلی جو اُن کا منتظر تھا انہیں ایک کمرے کے اندر لے گیا۔ وہاں ایک نرس نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "آپ تشریف رکھیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ کہہ گئے ہیں۔ کہ اپریشنوں میں کافی وقت لگ جائے گا۔ اس لئے اگر آپ تھکاوٹ محسوس کرتے ہوں تو آپ کو ان کے کوارٹر میں پہنچا دیا جائے۔"

نسرین نے کہا۔ "اگر ہمارا یہاں بیٹھنا قابلِ اعتراض نہ ہو تو ہم یہیں بیٹھ کر انتظار کریں گے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "نرس، میں اپریشن میں بھی ان کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔"

اس نے جواب دیا۔ "بی بی۔ یہ کیس ایسا ہے کہ میں ڈاکٹر صاحب کو آپ کی درخواست پہنچانے کی جرأت بھی نہیں کرسکتی۔ لیکن میں آپ کو یہ اطمینان ضرور دِلا سکتی ہوں کہ زخمی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب آپ سے کم فکرمند نہیں ہوں گے۔ انہوں نے تار ملتے ہی لاہور کے ہسپتال میں ایک ڈاکٹر کو کال بک کرائی تھی جو ابھی تک نہیں ملی۔"

فہمیدہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ڈاکٹر کمال الدین صاحب ہیں؟"

"جی ہاں، اگر آپ انہیں جانتی ہیں، تو آپ کو اطمینان ہونا چاہیئے۔ کہ وہ آرمی کے بہترین سرجن سمجھے جاتے ہیں۔ منظور نے یہ بہت اچھا کیا کہ انہیں تار دے دیا۔ ورنہ وہ ایک لمبی سیر کے لئے نکل جاتے ہیں اور انہیں ڈھونڈنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ تار انہیں اس وقت ملا تھا۔ جب وہ اپنی ڈیوٹی ختم کرکے جانے والے تھے۔ انہوں نے تار پڑھتے ہی کہا تھا کہ اگر زخمی وہی یوسف ہے۔ جسے میں جانتا ہوں تو ہم سب کو ان کے لئے دعا کرنی چاہیئے۔ آپ پسند فرمائیں۔ تو میں آپ کے لئے چائے بھیج دیتی ہوں۔"

"نہیں نہیں سسٹر ہمیں اس وقت چائے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"بہت اچھا، اردلی دروازے پر کھڑا ہوگا۔ آپ کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو وہ منگوالیں۔ میں اب ڈیوٹی پر جا رہی ہوں۔"

انہوں نے انتہائی بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں تین گھنٹے انتظار کیا پھر وہ نرس آئی اور اس نے کہا۔ "جناب آپ سب میرے ساتھ تشریف لائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ مریض کے متعلق ڈاکٹروں کی پریشانی دور ہو چکی ہے۔"

وہ اٹھ کر نرس کی راہنمائی میں چل دیئے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد نسرین نے پوچھا "سسٹر، وہ کتنی دور ہیں؟"

"بس آپ کو تین چار منٹ اور چلنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔"

وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے اور آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ نرس نے برابر کے کمرے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "ڈاکٹر صاحب ابھی نہیں پہنچے؟"

"جی، وہ آرہے ہیں۔" اندر سے اردلی نے جواب دیا۔

"ہمیں انہوں نے حکم دیا تھا کہ کھانا فوراً لگا دیا جائے۔"

فہمیدہ نے قدرے بدحواس ہو کر ادھر دیکھا تو برابر کے کمرے میں ایک کشادہ میز پر دو آدمی اسے کھانا لگاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ نرس سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ڈاکٹر کمال الدین کمرے میں داخل ہوا۔

"میں اپریشن کے بعد نفل پڑھنے لگ گیا تھا۔ مجھے یوسف کا یہاں تک پہنچ جانا بھی ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب مجھے اطمینان ہوگیا ہے۔" اس نے نسرین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "شہزادی نسرین اب آنسو پونچھ لو۔ تمہارا بھائی ٹھیک ہوگیا ہے۔ اور انشاء اللہ چند دن تک تم اس سے باتیں کرسکو گی۔"

فہمیدہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔"اگر یوسف کی بیوی اسے موجودہ حالت میں دیکھنے کو بے چین ہو تو اسے اجازت مل جائے گی؟"

ڈاکٹر کمال الدین نے جواب دیا۔"محترمہ اس مسئلہ پر بھی سوچا جائے گا۔ پہلے آپ اطمینان سے کھانا کھائیں۔ مجھے سخت بھوک اور تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔"

بیرے نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔"صاحب کھانا تیار ہے۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے محمد نصیرالدین سے مخاطب ہو کر کہا۔"مجھے احساس ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے آپ کی اجازت کے بغیر اپنے اردلی کو کھانا تیار کرنے کا کہہ دیا تھا۔"

نصیرالدین نے اُٹھ کر اپنی بیوی اور بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اُٹھو بھئی، اب تم میں سے کسی کا جی چاہے یا نہ چاہے۔ ڈاکٹر صاحب کے احترام میں تھوڑا بہت کھانا پڑیگا۔"

محمد نصیرالدین اور صفیہ برابر کے کمرے میں چلے گئے اور نسرین بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چلی گئی لیکن فہمیدہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بیٹھی رہی۔

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا۔"محترمہ آپ بھی اُٹھیئے۔" فہمیدہ نے اٹھ کر کہا۔"ڈاکٹر صاحب، میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتی، لیکن آپ میری بات کا یقین کریں مجھے قطعاً بھوک نہیں ہے۔"

کمال الدین نے کہا۔"محترمہ اگر آپ فہمیدہ ہیں تو میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ یوسف نے بے ہوشی کی حالت میں دو مرتبہ آپ کا نام پکارا تھا۔ بہت زیادہ خون بہہ جانے سے اس کی حالت بہت تشویشناک ہو چکی تھی۔ لیکن ہمیں اس کے بلڈ گروپ کا خون کافی مقدار میں مل گیا تھا۔ ایک بوتل خون دینے کے بعد اس کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی۔ اور اب دوسری بوتل دی جا رہی ہے۔ اسے موجودہ حالت میں دیکھنے کے لئے آپ کو ایک مضبوط دل کی ضرورت ہے اور دل کو مضبوط رکھنے کے لئے انسان کو خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ آئیے! میں کھانا کھاتے ہی آپ کو اس کے پاس لے جاؤں گا۔ اور اگر آپ نسرین کے متعلق یقین دہانی کروا سکیں کہ وہ وہاں جا کر دہائی دینا شروع نہیں کر دے گی۔ تو وہ بھی آپ کے ساتھ جا سکے گی۔ لیکن فی الحال آپ

کی امی اور ابو کو بھی وہاں نہیں جانے دیں گے۔"

فہمیدہ نے کہا۔"جی ہم انہیں تسلی دے سکیں گے۔" تھوڑی دیر بعد وہ کھانا کھا رہے تھے۔ فہمیدہ کھانے سے کوئی رغبت ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ لیکن جب کمال الدین اس کی طرف دیکھتا تو وہ جلدی سے ایک لقمہ منہ میں ڈال لیتی۔ اچانک اس نے فہمیدہ سے پوچھا۔"محترمہ آپ نرسنگ کے متعلق کچھ جانتی ہیں؟"

"جی میں جانتی ہوں۔ چچا جان نے مجھے نبض کی رفتار دیکھنا اور ٹمپریچر دیکھنا اور وقت پر دوائی پلانا سکھایا تھا وہ مجھے یہ بھی بتایا کرتے تھے کہ اگر مریض کی حالت میں کوئی تبدیلی نظر آئے تو فوراً ڈاکٹر کو اطلاع دی جائے۔"

کمال الدین بولا۔"محترمہ، ایسی صورت میں آپ یوسف کو دیکھ سکتی ہیں۔ میں ابھی آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔"

نسرین بولی۔"ڈاکٹر صاحب، یہ باتیں تو مجھے بھی آتی ہیں۔ میری چچی جان رقیہ جب بیمار ہوئیں تھیں تو حمیرا باجی کے ساتھ میں بھی ان کی تیمارداری کیا کرتی تھی۔ اور چچا جان یہ کہا کرتے تھے کہ نسرین بیٹی کو ڈاکٹر بننا چاہیئے۔"

"تم بھی اپنی آپا کے ساتھ جا سکتی ہو، لیکن وہ بھی اس شرط پر کہ تم اپنی امی اور ابو کو اس بات پر رضامند کر لو کہ وہ تمہارے ساتھ نہیں چل پڑیں گے۔"

فہمیدہ نے کہا۔"امی اور ابو کو ہم سے بہتر تسلی اور کوئی نہیں دے سکتا۔"

کھانا ختم کر کے ہاتھ دھونے کے بعد ڈاکٹر کمال الدین۔ نصیرالدین کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔"جناب آپ کو اس وقت وہاں جا کر پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ آپ میری کوئی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے دعا کرتے رہیں۔ اب آپ میرے مہمان ہیں اور اگر نسرین کے بھائی کے متعلق آپ کو کوئی پریشانی ہے تو اسے بھی یہاں ہی بلوالیں۔"

نصیرالدین نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب، ہم نے اپنے ڈرائیور کو سمجھا دیا تھا۔ اور اس نے اِن کی تسلی کر دی ہوگی"۔

کمال الدین نے بیرے سے پوچھا۔ "تم نے اِن کے ڈرائیور کو کھانا کھلا دیا یا نہیں؟"

"جناب! وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ میں نے گیٹ کیپر کو کہہ دیا ہے کہ اگر وہ آئے تو اسے کھانے کے لئے یہاں بھیج دو"

نصیرالدین نے کہا۔ "جناب، میں نے اسے کہہ دیا تھا۔ کہ وہ کھانا کھا کر ظہیر کو سلانے کے بعد واپس آئے۔ اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم کہاں ہیں؟"

نسرین بولی "ابا جی، ظہیر بھائی کو اس بات کی خوشی ہوگی اور وہ کل سکول نہیں جائے گا"۔

منظور احمد نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب، میں اس وقت آپ کو پریشان نہیں کروں گا، لیکن اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ میں جب چاہوں یوسف صاحب کو ایک نظر دیکھ آیا کروں اور آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ میں ایک بہت اچھا تیمار دار ہوں۔ اور اس سے پہلے بھی ہسپتال میں یوسف صاحب کے نرسنگ سٹاف کی مدد کر چکا ہوں"۔

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا۔ "بہت اچھا، آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ جو سٹاف رات ڈیوٹی پر ہوگا۔ میں ان سے آپ کا تعارف کروا دوں گا"۔

تھوڑی دیر بعد جب فہمیدہ، نسرین اور منظور ڈاکٹر کے ساتھ کوریڈور میں سے گزر رہے تھے تو سامنے تھوڑی دور سے ایک نرس کمرے سے باہر نکلی اور اس نے کہا۔

"سَر، لاہور سے آپ کی کال مل گئی ہے"۔

"اگر آپ میں سے کسی نے ڈاکٹر جمیل صاحب سے بات کرنی ہے تو میرے ساتھ آجائیں"۔

وہ اندر داخل ہوئے۔ اور نرس نے ٹیلی فون کا ریسیور ڈاکٹر کمال الدین کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ہیلو، جمیل! شکر ہے کہ تم مل گئے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ شاید تم گھر پر بھی نہیں ہو گے میں نے واقعی سخت پریشانی کی حالت میں تمہیں تار دیا تھا۔ مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ یوسف صاحب جالندھر کے راستے میں زخمی ہو گئے ہیں۔ وہ کسی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر نماز پڑھ رہے تھے کہ دو آدمیوں نے بے خبری کی حالت میں ان پر حملہ کر دیا۔ اب میں آپ کو اطمینان سے بتا سکتا ہوں کہ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ ہوش آنے میں ابھی کچھ دیر لگے گی۔ تم میری یہ مدد کر سکتے ہو کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد چھٹی لے کر چل پڑو۔ ہاں انہیں بھی تار مل گیا تھا اور اس وقت فہمیدہ اور نسرین اور آپ کے دوست منظور میرے پاس کھڑے ہیں۔ اور ان کے والدین میرے مکان پر آرام کر رہے ہیں۔ اچھا آپ بات کر لیجئے" کمال الدین نے ریسیور فہمیدہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"چچا جان میں ٹھیک ہوں" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میں نے انہیں ابھی تک نہیں دیکھا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب مجھے بہت تسلی دیتے ہیں۔ چچا جان، آپ ضرور آجائیں۔ اور چچی جان کو بھی ساتھ لیتے آئیں۔ چچی کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے"۔ یہ کہہ کر اس کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔ اور اس نے ریسیور نسرین کے ہاتھ میں دے دیا۔ نسرین کہہ رہی تھی۔

"چچا جان، یہاں رونے کی اجازت نہیں۔ ورنہ آپ کو میری چیخیں سنائی دیتیں۔ آپا کے ساتھ انہیں دیکھنے جا رہی ہوں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ وہ بے ہوش ہیں۔ ہاں چچا جان، آپ ضرور آئیں۔ بہت اچھا چچا جان"۔ نسرین نے یہ کہہ کر ریسیور ڈاکٹر کمال الدین کے ہاتھ میں دے دیا۔

ڈاکٹر کمال الدین کہہ رہا تھا۔ "بھئی ان کو تسلی دینے کے لئے یہاں لایا ہوں۔ اُن کے دوست منظور صاحب بھی میرے ساتھ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حملہ کرنے والوں کو تلاش کر لیا جائے گا۔ وہ ایک جرائم پیشہ پیر کو کے شاہ کے ساتھ دیکھے گئے تھے۔ ان کی تصویریں پولیس کے ریکارڈ میں

محفوظ ہیں۔ باقی تفصیلات آپ کو منظور صاحب بتا دیں گے۔ ٹھیک ہے اگر آپ ابھی چل پڑے تو اور اچھا ہوگا۔ لیکن چند دن کی چھٹی لے کر آئیں، لیکن دیکھئے، ٹریفک میں تیز گاڑی نہ چلانا۔"

ڈاکٹر نے ریسیور رکھ دیا۔ اور فہمیدہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "محترمہ، میرا خیال ہے کہ جمیل صاحب تین ساڑھے تین گھنٹے تک پہنچ جائیں گے۔ یوسف صاحب کو ہوش میں لانے کے لئے مجھے ان سے بہتر کوئی اور مددگار نہیں مل سکتا تھا۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب، آپ مجھے مسز یوسف کہہ سکتے ہیں۔"

"بہت اچھا، مسز یوسف، مجھے اس حکم کی تعمیل میں خوشی ہوگی اور آپ کو بھی میرا کچھ لحاظ کرنا چاہیئے۔ مجھے آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب، اب میں آپ کی کسی بات میں حکم عدولی نہیں کروں گی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے یوسف کے بستر کے پاس کھڑے تھے۔ ڈاکٹر نے سرہانے پر لگا ہوا چارٹ دیکھا اور مطمئن سا ہو کر نرس سے کہا۔

"ایک اسپیشلسٹ انہیں دیکھنے کے لئے لاہور سے چل پڑے ہیں اور میں ان کی آمد تک دفتر میں رہوں گا۔ ان خواتین کے لیے یہاں کرسیاں رکھوا دو، میں مریض کو دیکھنے کے لئے آتا رہوں گا۔ جو ڈاکٹر آج ڈیوٹی پر ہے۔ وہ انہیں دیکھنے آئے تو اسے میرے کمرے میں بھیج دو۔ انہیں پنسلین کا ٹیکہ لگنا چاہیئے۔ مسز یوسف! ذرا آپ دیکھیں ان کی نبض کی رفتار اب کیا ہے؟"

فہمیدہ نے کرسی ذرا آگے کر کے کانپتا ہوا ہاتھ یوسف کی نبض پر رکھ دیا۔ اور جب اسے یوسف کی نبض کی حرکت محسوس ہونے لگی تو اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر یکایک رونق آگئی۔

ڈاکٹر صاحب، "ان کی نبض بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مسز یوسف، میں نے آپ کو ان کی نبض گننے کا کہا تھا۔ اپنی نظریں اپنی گھڑی پر رکھیں اور یہ گنتی رہیں کہ ایک منٹ میں ان کی نبض کتنی بار حرکت کرتی ہے۔ آپ اطمینان سے گن کر نرس کو بتا دیں، تو یہ چارٹ پر لکھ لے گی۔ منظور صاحب آپ میرے ساتھ چلیں گے یا یہیں رہیں گے؟"

"جی میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر اپنے دفتر میں منظور سے بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔ اور وہ یوسف کے ساتھ اپنی دوستی کے زمانے کی داستان سنا رہا تھا۔ نسرین جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے ڈاکٹر کمال الدین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"انکل، بھائی جان کی نبض جب آپا جان نے گنی تھی۔ تو ایک بار ۹۷ اور دوسری بار ۹۶ تھی میں نے تین بار گنی تینوں بار ۹۶ تھی۔"

"اچھا، شکریہ، آپ اپنے بھائی جان کے متعلق کچھ سننا چاہتی ہیں تو یہیں بیٹھ جائیں۔ منظور صاحب بڑی دلچسپ باتیں سنا رہے ہیں۔"

نسرین چپکے سے کرسی پر بیٹھ گئی، تو منظور احمد بولا۔ "ڈاکٹر صاحب، یوسف صاحب کے متعلق جو دلچسپ باتیں نسرین سنا سکتی ہے وہ اور کوئی نہیں سنا سکتا۔"

"نسرین کی باتوں کی تعریف تو میں لندن میں بھی سنا کرتا تھا۔ آپ اپنی بات ختم کریں۔ ان کی باتیں سننے کے لئے میں کسی دن چھٹی کر دوں گا اور اس وقت تک ان کی باتیں سنتا رہوں گا جب تک یہ تھک نہیں جائیں گی۔"

نسرین بولی، "انکل! اگر بھائی جان ٹھیک ہو جائیں۔ تو میں سارا دن ان کے متعلق باتیں کر کے بھی نہیں تھکوں گی اور آپ کو یہ یقین نہیں آئے گا۔ کہ دنیا میں کسی کا بھائی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔"

"اچھا اب تم منظور صاحب کی باتیں سنتی رہو، اور اگر اکتا نہ جاؤ تو خاموشی سے یہاں بیٹھی رہو۔"

"انکل یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھائی جان کے متعلق کوئی باتیں کرے اور میں اُکتا جاؤں۔"

"تمہاری باجی تو پریشان نہیں ہوگی۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب، وہاں نرس بہت اچھی ہے اور وہ ڈاکٹر صاحب بھی بہت اچھے ہیں۔ جو انہیں دیکھ کر گئے ہیں۔ مجھے بھائی جان کو اس حالت میں دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی ہے میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کبھی بے ہوش بھی ہو سکتے ہیں۔ میں اس طرف آ رہی تھی تو راستے میں یہ دُعا کر رہی تھی۔ جب میں دوبارہ واپس آؤں تو بھائی جان آپا جان سے باتیں کر رہے ہوں۔ انہوں نے بڑے حوصلے سے کام لیا ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ ان کے دل کی کیا حالت ہے۔ بھائی جان، میں چاہتی ہوں جب تک چچا جان یہاں پہنچ نہیں جاتے۔ آپ بھائی جان کے متعلق باتیں کرتے رہیں۔"

"نسرین، تمہیں نیند نہیں آئے گی؟"

"مجھے ان کے آرام کے اطمینان کے بغیر کیسے نیند آ سکتی ہے۔ مجھے آپا نے ایک ضروری پیغام دے کر یہاں بھیجا تھا۔ آپا جی پوچھتی تھیں کہ آپ اگر امی اور ابو کو بھی چند منٹ کے لئے بھائی جان کو دیکھ لینے دیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ اس کے بعد وہ گھر جا کر آرام کر سکیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ابھی انہیں لے آتی ہوں۔ اور آپا جان یہ بھی کہتی تھیں کہ انہیں نائٹ ڈیوٹی والی نرس کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا۔ "میں تمہاری آپا کی ہر خواہش کا احترام کرتا ہوں، لیکن ایسی صورت میں آپ تو یہاں ٹھہرنے پر ضد نہیں کریں گی؟"

نسرین نے جواب دیا۔ "آرام تو میں گھر جا کر بھی نہیں کروں گی، لیکن اگر آپا جان کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت مل جائے تو میں آپ کو پریشان نہیں کروں گی۔"

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "شہزادی صاحبہ، مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوگی، لیکن یوسف صاحب کو چند اچھے تیمار داروں کی ضرورت پڑے گی اور میں یہ نہیں چاہتا، کہ آپ دونوں پہلے دن تھکاوٹ سے نڈھال ہو جائیں۔ منظور صاحب! آپ ان کے ابو اور امی کو لے آئیں۔"

نسرین بولی۔ "انکل، میں ان کے ساتھ جاتی ہوں تاکہ انہیں تسلی ہو جائے۔ ورنہ اچانک بلائے جانے پر وہ بہت پریشان ہوں گے۔"

"ہاں، آپ ضرور جائیں۔ آپ کا چچا غلط نہیں کہتا تھا۔ کہ نسرین بہت ذہین ہے۔"

ایک گھنٹہ بعد ڈاکٹر کمال الدین، نسرین اور اس کے والدین کو تسلیاں دے کر رخصت کر رہا تھا۔ جب کار چل پڑی تو نسرین بولی۔

"امی جان، چچا جان کا دوست بہت اچھا ڈاکٹر ہے۔ نرس کہتی تھی کہ پستول کی گولی بھائی جان کے سینے میں کسی خطرناک جگہ پھنس گئی تھی۔ اگر ڈاکٹر کمال الدین کی جگہ کوئی اور ڈاکٹر ہوتا تو اسے نکالنا بہت مشکل تھا۔"

صفیہ نے کہا۔ "تمہارے ابا جان نے کچھ کہا ہی نہیں تھا ورنہ منظور احمد کے ساتھ مجھے بھی وہاں ٹھہرنے کی اجازت مل جاتی۔"

نسرین بولی۔ "امی جان، آپ کے لئے اجازت تو میں بھی لے سکتی تھی، لیکن ہمارے لئے گھر جا کر دعائیں کرنا ہی بہتر ہوگا۔ چچا جمیل ہسپتال پہنچتے ہی ہمیں فون کریں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیں کوئی اچھی خبر سنائیں گے۔ جب ٹیلی فون آئے گا تو میں آپ کو جگا دوں گی۔"

نصیر الدین نے کہا۔ "بیٹی، ٹیلی فون کی گھنٹی ہمارے کان نہیں سن سکیں گے؟"

"ابا جان! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ منظور صاحب نے آپا جان کو بتایا تھا کہ بھائی جان کی نئی کتاب کا مسودہ ان کے سوٹ کیس میں پڑا ہوا ہے۔ میں وہ مسودہ پڑھتی رہوں گی اور جب ٹیلی فون آئے گا تو آپ کو جگا دوں گی۔"

صبح چار بجے کے قریب جب نسرین یوسف کی کتاب کا مسودہ پڑھنے میں مصروف تھی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

نسرین نے امی اور ابا کو آوازیں دینے کے بعد ریسیور اٹھایا اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ "السلام علیکم چچا جان، خدا کا شکر ہے کہ آپ پہنچ گئے۔ میں کیسے سو سکتی تھی چچا جان، امی اور ابو جان آ گئے ہیں۔ پہلے آپ ان سے بات کریں۔"

جمیل کہہ رہا تھا۔ "بھائی جان، ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ یوسف کا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ کمال الدین یہاں موجود تھا۔ میں یوسف کو اچھی طرح دیکھ چکا ہوں آپ دعا کرتے رہیں بھائی جان! بھابی جان کو بھی میری طرف سے تسلی دیں۔ فہمیدہ میرے پاس کھڑی ہے۔" نسرین نے اپنے ابا کے ہاتھ سے ریسیور پکڑتے ہوئے کہا۔ "چچا جان ٹیلیفون بند نہ کیجیے۔ میں آپا جان سے کچھ کہنا چاہتی ہوں ــــ نہیں چچا جان، مجھ سے بات کرتے ہوئے انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، میں انہیں ایک خوشخبری دینا چاہتی ہوں۔" پھر ایک ثانیہ توقف کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔ "آپا جان، میں نے ہسپتال سے آکر بھائی جان کی کتاب کا مسودہ ان کے سوٹ کیس سے نکال لیا تھا۔ اور اس وقت سے پڑھ رہی ہوں۔ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ بھائی جان بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس مسودے کا ہر صفحہ یہ گواہی دیتا ہے۔ کہ بھائی جان جیسے مصنف دیر تک زندہ رہتے ہیں۔ اور جب آپ یہ مسودہ پڑھیں گی تو آپ کو بھی اطمینان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو کسی بڑے کام کے لئے پیدا کرتا ہے تو اسے کام کرنے کی مہلت بھی دیتا ہے۔ آپا جان! اب میں اس بات پر فخر کیا کروں گی۔ کہ اس عظیم ناول نگار کو سب سے پہلے میری بہن نے پہچانا تھا۔ لیکن آپا جان، مجھے یقین تھا کہ چچی بلقیس چچا جان کے ساتھ آئیں گی۔ اگر وہ یہاں ہیں تو انہیں ٹیلی فون دیجیے میں سلام کرنا چاہتی ہوں۔ نہیں نہیں۔ اگر وہ بھائی جان کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں تو انہیں تکلیف دینے کی ضرورت نہیں وہ بہت تھک گئی ہوں گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ڈرائیور انہیں ہسپتال جا کر لے آئے۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ چچا جان جلدی نہ آسکیں۔ آپ کی آواز سن کر مجھے اطمینان محسوس ہوتا ہے میں اور امی جان بہت جلد آجائیں گی۔ نہیں۔ نہیں۔ جب تک بھائی جان ٹھیک نہیں ہو جاتے۔ ہم کسی کو بھی حادثے کی اطلاع نہیں دیں گے۔ اچھا۔ آپا جان، خدا حافظ۔"

نسرین نے ریسیور رکھ دیا۔ تو نصیر الدین نے کہا۔

"دیکھو بیٹی، وہ مسودہ جانے سے پہلے میرے تکیے کے نیچے رکھ دینا۔ میرے لئے بیکار پریشان ہونے کے بجائے پڑھنا بہتر ہوگا۔"

"ابا جان، یہ بالکل ایک نئی چیز ہے۔ آپ پڑھ کر بہت خوش ہوں گے۔ یہ مسلمانوں کے عروج و زوال کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔"

نماز سے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر جمیل اور بلقیس گھر پہنچ گئے۔

صفیہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ فہمیدہ کو اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔"

"بھابی جان" ڈاکٹر جمیل نے جواب دیا۔ "اس وقت یہ ممکن نہیں تھا۔ ہمارے اصرار پر اس نے ناشتہ کر لیا تھا۔ لیکن وہ یہ کہتی تھی کہ مجھے تھکاوٹ اور بے نیندی سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور یوسف کی تیمارداری سے میں بیمار بھی نہیں ہو سکتی۔"

بلقیس بولی۔ "ہاں بہن، جب میں نے زیادہ اصرار کیا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں فہمیدہ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔ جمیل بھائی یہاں چلتے چلتے ہی آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے، ڈاکٹر کمال الدین نے دوپہر کے کھانے کے لیے کہا ہے۔ اس لئے بھائی جان اور ظہیر وہاں پہنچ جائیں گے۔ پھر ہم کوشش کریں گے کہ فہمیدہ گھر آ کر آرام کرنے پر رضا مند ہو جائے۔"

نصیر الدین نے پوچھا۔ "یوسف کو ہوش میں آنے میں کتنی دیر لگے گی؟"

ڈاکٹر جمیل نے جواب دیا: "بھائی جان! ایسی حالت میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن میں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ ان کی حالت خطرے سے باہر ہے اور وہ بتدریج بہتر ہو رہے ہیں، لیکن انہیں کافی دیر آرام کرنا پڑے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم اس کے والد کو اطلاع کر دیں؟"

بلقیس بولی۔ "نہیں بھائی جان، ابھی انہیں پریشان کرنا ٹھیک نہیں۔ میں روانہ ہونے سے پہلے امینہ کو فون کرنا چاہتی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھے بروقت عقل آئی تو میں نے نوکر کو بھی یہ نہیں بتایا کہ ہم اچانک کیوں جا رہے ہیں۔"

دوپہر کے وقت وہ سب ڈاکٹر کمال الدین کے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے اور اس اطلاع سے بہت اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ کہ یوسف کا بخار بتدریج کم ہو رہا ہے اور نئی دوائی جو ڈاکٹر جمیل نے تجویز کی تھی کافی فائدہ مند ثابت ہو رہی ہے۔ بلقیس نے یوسف کو دیکھتے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اسے ہوش میں آتے ہی لاہور لے جائیں گے اور اب وہ سب کے سامنے اپنا فیصلہ دہرا رہی تھی۔ فہمیدہ نے مغموم نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے فوراً کہا۔ "میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ یوسف صاحب کو گھر سے زیادہ ہسپتال میں آرام نہیں ملے گا۔ اور جب یہ گھر آئیں گے تو تجھے اور بیٹی فہمیدہ کو اس کی تیمارداری کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوگا اور منظور صاحب کی بیوی بھی وہاں موجود ہوگی۔"

نسرین بولی۔ "چچی جان، آپ نے میرے متعلق کچھ نہیں کہا۔"

"تمہارے متعلق میں یہ کیسے بھول سکتی ہوں کہ تمہیں بھائی بے حد عزیز ہے۔ لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم یوسف سے دور رہ کر اس کے لئے زیادہ دعائیں کیا کرو گی اور میں تمہیں باقاعدہ فون پر اطلاع دیتی رہا کروں گی۔ جب تمہارے بھائی ہوش میں آجائیں گے۔ سب سے پہلا ٹیلی فون وہ اپنی شہزادی بہن کو کریں گے۔"

"چچی جان، آپ ٹھیک کہتی ہیں، جب وہ اچانک امرتسر کے اسٹیشن پر بچھڑ گئے تھے۔ تو مجھے ان سے دوبارہ ملنے کی کوئی امید نہیں تھی تو میں دعائیں کیا کرتی تھی اور ایک دن یہ دعائیں قبول ہو گئی تھیں۔ اب بھی میں یہ دعا کیا کروں گی کہ میں جب بھی لاہور آؤں تو مجھے چچا جان کے گھر میں داخل ہوتے ہی بھائی جان اور آپا جان کے قہقہے سنائی دیں۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جمیل صاحب! آپ اطمینان سے ان کے ساتھ باتیں کریں۔ میں ابھی راؤنڈ کر کے واپس آتا ہوں۔"

وہ چلا گیا تو نصیر الدین نے جمیل سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بھئی ایک اہم مسئلہ ابھی تک ہم میں سے کسی کے ذہن میں نہیں آیا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ تو میں ایک دن کے لئے بھی فہمیدہ کی رخصتی ملتوی نہ کرتا۔"

منظور بولا۔ "آپ کو اس مسئلہ پر قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ جب یوسف صاحب زخمی ہوتے تھے تو اسی وقت ہی میں نے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ بدلتے ہوئے حالات میں ہمیں صرف یہ سوچنا ہے کہ ہم کس طرح ایک غیر ضروری رسم سے دامن بچا سکتے ہیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بھائی یوسف اور بہن فہمیدہ دونوں رسمی دکھاوے کو پسند نہیں کرتے۔" ڈاکٹر کمال الدین کمرے میں داخل ہوا۔ نصیر الدین نے اسے ہاتھ سے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں۔ یوسف اگر نکاح کے فوراً بعد اٹھ کر صرف اتنا کہہ دیتا کہ میری دلہن کو آج ہی میرے ساتھ روانہ ہو جانا چاہیئے تو بھی میں اس بات کی پروا نہ کرتا کہ دوسرے کیا کہیں گے۔ میرے نزدیک دلہن کی بارات کے لئے صرف دولہا کا ہونا کافی ہے۔ لیکن اگر مجھے یہ اطلاع ملتی کہ یوسف لاہور یا کسی اور شہر کے ہسپتال میں پڑا ہوا ہے اور اس کی حالت مخدوش ہے تو میں اس کے باپ کو

فوراً تار دیا میں فہمیدہ کو لے کر آ رہا ہوں۔ اس لئے تم اس جگہ اپنی بہو کے استقبال کے لئے پہنچ جاؤ۔ اور مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ اگر میں بیٹی کی رخصتی کا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ سوچتا تو وہ غلط ہوتا۔ بیٹی فہمیدہ! مجھے ہمیشہ اس بات پر ندامت رہے گی۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے جمیل سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یوسف کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ میں نے سر کے مزید ایکسرے لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ کل صبح انبالہ سے دو ڈاکٹر یہاں پہنچ جائیں گے۔ وہ دونوں تجربہ کار سرجن ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان سے بھی مشورہ لیا جائے۔"

جمیل نے جواب دیا۔ "بھئی میں پہلے یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے یوسف کے ہوش میں آنے تک یہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ میں دو تین ہفتوں کی چھٹی لے لوں گا۔ اس کے بعد اگر آپ نے مجھ سے اتفاق کیا تو اسے میں لاہور لے جاؤں گا۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا۔ "ایسے میں مریض کو کسی وقت اچانک ہوش آ سکتا ہے۔ اس لئے میں نے اسے فوری طور پر پرائیویٹ وارڈ میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سے تیمار داری کرنے والوں کو بھی کچھ آرام مل جائے گا۔"

اور اس سے اگلے دن انبالہ سے آنے والے ایک کرنل اور ایک میجر نے یوسف کا معائنہ کرنے اور نئے اور پرانے ایکسرے دیکھنے کے بعد مریض کی حالت کے متعلق اطمینان کا اظہار کیا۔ اور فہمیدہ اور اس کے والدین کو تسلی دی۔

تیسرے روز آدھی رات کے قریب فہمیدہ، یوسف کے بستر کے قریب کرسی پر بیٹھی اپنے دل میں یہ الفاظ بار بار دہرا رہی تھی:

"یا اللہ! یوسف کو صحت دے! یا غفور رحیم! تجھ سے زیادہ کسی کو معلوم نہیں کہ میں کس قدر بے بس ہوں اور اس دنیا میں تیرے سوا ایک بے بس لڑکی کا سہارا اور کون ہے؟"

پھر اپنی دعاؤں کے ساتھ اسے ماضی کے وہ لمحات بھی یاد آنے لگے۔ جب وہ یوسف کی تحریر کے آئینے میں اس کی دھندلی سی تصویر دیکھا کرتی تھی اور جب پہلی ملاقات میں ہی اس کی شخصیت اس کے دل و دماغ پر چھا گئی تھی۔ اچانک اسے ایسا محسوس ہوا کہ یوسف کے حلق سے کوئی مبہم سی آواز نکلی ہے تو اس نے اضطراب کی حالت میں یوسف کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ جس کی حرکت سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ چند ثانیے گزر گئے تو اسے یوسف کے ہونٹوں پر جنبش کے ساتھ ساتھ ایک ہلکی تھکی ہوئی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ "فہمیدہ! فہمیدہ! فہمیدہ!" اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے۔

اس نے یوسف کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور وہ لرزتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی: "یوسف! میں یہاں ہوں۔ یوسف! آنکھیں کھول کر دیکھو۔ تم نے اتنی دیر میرے آنسو اور میری سسکیاں کیسے برداشت کیں۔ یوسف! اللہ نے میری دعا قبول کر لی ہے۔ اور اب کوئی میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے گا۔"

یوسف نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور کچھ دیر ایک سکتے کے عالم میں فہمیدہ کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ کہہ رہی تھی: "یوسف! خدا کے لئے اسی طرح میری طرف دیکھتے رہو۔ میرے لئے اس دنیا میں تمہاری نگاہوں سے دور رہنا ایک بہت بڑی سزا ہے۔"

یوسف نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ اور قدرے توقف کے بعد بولا: "ہم کہاں ہیں؟"

"ہم ہسپتال میں ہیں۔ آپ کو زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔ اس وقت آپ کو ایک دوائی پلانا ضروری ہے۔ پھر آپ اطمینان سے میری باتیں سنتے رہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ آپ کے لئے زیادہ باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ بہت کمزور ہو

گئے ہیں نا آپ"۔

نرس کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے دیکھتے ہی کہا "خدا کا شکر ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیتی ہوں"۔

فہمیدہ بولی "سسٹر! میں انہیں بُلا لاتی ہوں۔ آپ انہیں دوائی پلا دیں"۔ نرس نے یوسف کو دوائی کا ایک گھونٹ پلا دیا۔ فہمیدہ نے اٹھتے ہوئے یوسف سے کہا "ڈاکٹر کمال الدین اور چچا جمیل آپ کا علاج کر رہے ہیں۔ میں انہیں بلاتی ہوں"۔

اگلی صبح یوسف اپنے بستر پر ناشتہ کر رہا تھا۔ اور نسرین اور فہمیدہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ نسرین کا چہرہ کبھی مسرت سے چمک اٹھتا اور کبھی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں: "بھائی جان!" وہ شکایت کر رہی تھی "یہ کتنی زیادتی تھی کہ میرے سوا سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کو ہوش آ چکا ہے۔ باجی، امی جان، چچا جمیل، ڈاکٹر کمال الدین اور منظور صاحب آپ کو دیکھ چکے تھے اور میں سو رہی تھی"۔

فہمیدہ بولی۔ "نسرین! تم بہت تھکی ہوئی تھیں اس لئے میں نے تمہیں نہیں جگایا تھا۔ میں نے دوسروں کو بھی منع کر دیا تھا۔ تمہیں آرام کی ضرورت تھی اور میں بھی چاہتی تھی کہ اگر تم اپنے بھائی جان کو زیادہ بہتر حالت میں دیکھو گی تو تمہیں زیادہ خوشی ہوگی"۔

"آپا جی! میں نے یہ نہیں کہا کہ میں خوش نہیں ہوں۔ مجھے آپ سے یہ شکایت ہے کہ میں ساری رات آپ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی، لیکن آپ نے زبردستی مجھے امی جان اور چچی جان کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ اگر آپ نے باقی سب کے ساتھ مجھے بھی جگا دیا ہوتا تو اس سے کیا فرق پڑ جاتا۔ آپ نے یہ سوچا بھی نہیں۔ کہ جب بھائی جان ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں گے اور بات کریں گے تو مجھے کتنی خوشی ہوگی۔ اور آپا جان میں سوئی کہاں تھی۔ میں نے یہاں سے جا کر پہلے نماز پڑھی تھی اس کے بعد دیر تک سربسجود ہو کر دعائیں کرتی رہی۔ اس کے بعد بستر پر لیٹ کر دیر تک سسکیاں لیتی رہی۔ کاش، آپ وہ الفاظ سن سکتیں جو سسکیوں کے ساتھ میری زبان سے نکل رہے تھے"۔

"میری شہزادی بہن! پھر بھی تم کو اس بات پر خوش ہونا چاہئے کہ یوسف صاحب کو تمہاری دعاؤں سے ہوش آ رہا تھا"۔

یوسف نے کہا۔ "ہاں نسرین! تمہاری آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ تمہاری دعاؤں اور سسکیوں کے باوجود مجھے ہوش نہ آتا؟"

ایک ہفتہ بعد یوسف ہسپتال سے نصیر الدین کے گھر منتقل ہو چکا تھا۔ شام کے وقت ڈاکٹر کمال الدین اور ڈاکٹر جمیل کے علاوہ ہسپتال کے دو اور ڈاکٹر ان کے ہاں چائے پی رہے تھے۔ گفتگو کا موضوع ڈاکٹر کمال الدین کا کامیاب اپریشن تھا۔ ڈاکٹر جمیل نے کہا۔ "کمال! بھئی! اس لحاظ سے تم بہت خوش قسمت ہو کہ۔ نسرین نے تمہیں ایک عظیم ڈاکٹر تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اگر خوش ہو کر کسی کی تعریف شروع کر دے تو وہ بہت جلد مشہور ہو جاتا ہے۔ بس اب آپ کو صرف یہ بتانا پڑے گا۔ کہ آپ نے کس طریقے سے یوسف کے جسم کے خطرناک حصے سے گولی نکالی تھی۔ میں اُسے بُلاتا ہوں"۔

"نسرین! ادھر آؤ!" اس نے بلند آواز میں کہا۔

نسرین جو دوسرے کمرے میں خواتین کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ فوراً وہاں آ گئی۔ تو جمیل نے مسکراتے ہوئے کہا "نسرین! تم ڈاکٹر کمال الدین کے کامیاب اپریشن پر بہت خوش ہو نا"۔

"چچا جان! ہم سب خوش ہیں اور میں سب کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں"۔

جمیل نے کہا۔ "لیکن بیٹی، تمہیں تو شاید یہ بھی معلوم نہیں، کہ انہوں نے وہ گولی کس طرح نکالی تھی؟"

"چچا جان، میں یہ کیسے جان سکتی ہوں۔ یہ تو ڈاکٹر صاحب ہی جانتے ہوں گے۔"

"لیکن، بیٹی! مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ آپ نے اتنی اہم بات کیوں نظرانداز کر دی؟"

"چچا جان! اگر ڈاکٹر صاحب خفا نہ ہوں تو میں اب پوچھ لیتی ہوں۔" نسرین نے جواب طلب نگاہوں سے کمال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر کمال قدرے توقف کے بعد بولا "بھئی ڈاکٹروں کے بعض راز ایسے ہوتے ہیں۔ جو ہم پیشہ لوگوں پر ظاہر نہیں کیے جاتے، لیکن تم اگر قریب آجاؤ تو میں تمہارے کان میں بتا سکتا ہوں۔"

نسرین جھجکتی ہوئی آگے بڑھی اور ڈاکٹر کمال الدین کے قریب کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر کمال الدین نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اپنا منہ اس کے کان کے قریب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"آپ نے کبھی ان لمبی چونچ والے پرندوں کے متعلق سنا ہے۔ جو درخت کے کسی حصے میں چھید کر کے اندر چھپے ہوئے کیڑوں کو نکال لیتے ہیں۔"

نسرین نے پریشان ہو کر کہا۔ "جی! میں نے سنا ہے۔"

"صرف سنا ہے، دیکھا نہیں؟"

"جی، دیکھا بھی ہے۔"

"پھر میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ میں نے یوسف صاحب کی خطرناک گولی نکالنے کے لئے اپنی چونچ استعمال کی تھی، اور میں خوشی سے آپ کو اس بات کی اجازت دیتا ہوں۔ کہ آپ مجھے ڈاکٹر کمال الدین کے علاوہ ڈاکٹر چونچ بھی کہہ سکتی ہیں۔"

نسرین کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ بھاگتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

ایک ڈاکٹر نے سوال کیا۔ "سر، کیا کہا آپ نے اس کو؟"

کمال الدین نے جواب دیا۔ "بھئی یہ ایک راز ہے۔ جو اس وقت ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔"

نصیرالدین نے ڈاکٹر کمال الدین سے مخاطب ہو کر کہا: "ڈاکٹر صاحب، مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ جب یوسف بے ہوش تھا تو ہم یہ پروگرام بنا رہے تھے کہ اگر اسے اچانک لاہور منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو ہم ان کے والد اور خاندان کے چند بڑے آدمیوں کو یہاں بلا لیں گے۔ تاکہ ان کے بیٹے کے ساتھ بہو کو بھی رخصت کیا جا سکے۔ لیکن آپ کی کوششوں کے باعث ہم ایک پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنے سے بچ گئے ہیں۔ اب ہم اطمینان سے اپنی بیٹی کو رخصت کر سکیں گے۔ آپ کے خیال میں یوسف صاحب کتنے دنوں تک لاہور تک سفر کرنے کے قابل ہو جائیں گے؟"

کمال الدین نے کہا۔ "جی مجھے امید ہے کہ ایک ہفتہ تک یہ سفر کے قابل ہو جائیں گے لیکن لاہور پہنچ کر انہیں چند ہفتے آرام کرنا پڑے گا۔ اگر مجھے یہ اطمینان نہ ہوتا کہ لاہور میں ڈاکٹر جمیل انہیں ہر روز دیکھ لیا کریں گے تو میں انہیں اسی گھر میں چند ہفتے اور آرام کا مشورہ دیتا۔"

جمیل نے کہا۔ "بھائی صاحب، میں چھٹی منسوخ کروا کے واپس لاہور جا رہا ہوں۔ امید ہے کہ چھ سات دن بعد دوبارہ یہاں آکر یوسف صاحب کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

نصیرالدین بولا، "کل ہم نے منظور احمد کو بھیج دیا تھا اور امید ہے۔ اس نے مناسب طریقے سے یوسف کے والد اور دوسرے عزیزوں کی تسلی کر دی ہوگی۔ عبدالکریم صاحب سے ٹیلی فون پر میری بات ہو گئی تھی انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ موجودہ حالات میں ہمیں یوسف کے زخمی ہو جانے کے واقعات کو زیادہ مشتہر نہیں کرنا چاہیئے۔ بھائی عبدالعزیز نے بھی یہی تاکید کی ہے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ یوسف پر حملہ کرنے والوں میں سے ایک جرائم پیشہ پیرکو گرفتار کر لیا گیا ہے اور اس کے باقی ساتھی بھی جلد پکڑے جائیں گے اور پیرکو کے شاہ کے جو خاص چیلے اس کے ساتھ رہتے تھے ان میں سے ایک وعدہ معاف گواہ بن گیا ہے۔"

چھ دن بعد وہ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ کہ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ نصیرالدین اٹھا اور دو منٹ باتیں کرنے کے بعد واپس آکر بولا۔

"جمیل شام کو یہاں پہنچ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یوسف اور آپا بلقیس صبح میرے ساتھ لاہور آنے کے لیئے تیار رہیں۔"

نسرین بولی۔ "ابا جان، ہمیں بھائی جان اور چچی جان کو رخصت کرنے کے لیئے سٹیشن تک جانے کی اجازت ہو گی نا؟"

"بیٹی، تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔ میں نے پہلے کبھی تمہیں منع کیا ہے؟"

"ابا جان، میں اس لیئے پوچھ رہی تھی۔ کہ اگر آپ نے آپا جان کو اجازت نہ دی تو یہ اچھی بات نہیں ہو گی۔"

بلقیس بولی۔ "نسرین تمہارے ذہن میں ہمیشہ کوئی نئی بات آتی ہے۔ تمہیں یہ کیسے خیال آیا کہ بھائی جان، فہمیدہ کو ہمارے ساتھ اسٹیشن تک جانے سے منع کر دیں گے۔"

نسرین بولی۔ "چچی جان، میں در اصل آپا جان کو یہ تسلی دینا چاہتی تھی کہ انہیں بھائی جان کو گھر کی بجائے ریلوے اسٹیشن پر جا کر الوداع کہنے کی اجازت مل جائے گی۔"

فہمیدہ نے نسرین کے بازو پر چٹکی لی اور وہ اوئی کہہ کر ایک طرف ہٹتے ہوئے بولی۔ "آپا جان، میں نے ایسے ہی یہ بات کہدی تھی ورنہ مجھے یقین ہے کہ امی اور ابو آپ کو ضرور لے جائیں گے۔" پھر وہ یوسف سے مخاطب ہوئی۔

"بھائی جان! میں امتحان میں اول آنے کا وعدہ کرتی ہوں ورنہ چچی جان کو مجبور کرتی اور وہ کسی نہ کسی بہانے مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں، لیکن بھائی جان! میں آپ کے لیئے بہت دعائیں کیا کروں گی اور آپ کو معلوم ہے کہ جو لوگ میری آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق میری دعائیں ضرور سنی جاتی ہیں۔ اور ہاں بھائی جان! مجھے ڈر ہے کہ آپ کو رخصت کرتے وقت ایک بات سب بھول جائیں گے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے مسودے کے متعلق چچا جمیل نے کہا تھا کہ یہ ایک قیمتی چیز ہے۔ اس لیئے میں اس کی حفاظت کروں گا"

"جمیل صاحب نے وہ مسودہ پڑھا تھا؟"

"ہاں بھائی جان! انہوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا تھا اور آپ کے متعلق یہ کہا تھا کہ آپ بہت بڑے رائٹر بننے والے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جب وہ دوبارہ آئیں گے تو آپ کا پہلا مسودہ بھی پڑھنے کے لیئے ساتھ لے جائیں گے اور اطمینان سے پڑھیں گے۔ بھائی جان! آپ فکر نہ کریں چچا جان آپ کے مسودے گم نہیں ہونے دیں گے۔"

نصیرالدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! تمہارے چچا تم سے زیادہ ہوشیار ہیں۔"

بلقیس بولی۔ "کالج میں داخل ہونے سے پہلے جمیل بھی بڑی دلچسپ کہانیاں لکھا کرتا تھا لیکن میڈیکل میں داخل ہونے کے بعد اس نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ بہر حال میرے لیئے خوشی کی بات ہے کہ وہ کسی معمولی تصنیف کی تعریف نہیں کر سکتا۔"

صفیہ بولی۔ "جمیل نے ڈاکٹر کمال الدین اور نسرین کے ابا جان کے سامنے بھی آپ کی تعریف کی تھی۔ اور مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔"

اگلی صبح یوسف، بلقیس اور جمیل فرسٹ کلاس کے ریزرو ڈبے میں لاہور جانے کے لیئے سوار ہو رہے تھے۔ جمیل گزشتہ شام لاہور سے کار پر آیا تھا۔ ڈاکٹر کمال الدین سے مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ یوسف کے لیئے گاڑی کا سفر کرنا ہی زیادہ آسان ہو گا۔ چنانچہ کار واپس بھیج دی گئی۔ یوسف کو ایک سیٹ پر لٹا دیا گیا تھا۔ روانہ ہونے سے دو دن قبل عبد العزیز کی طرف سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ وہ چار دن بعد دس دن کی چھٹی لے کر گھر آئیں گے۔

نسرین نے فہمیدہ کا بازو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "آپا جی! آپ کو ابھی تک وہ کام یاد نہیں آیا؟ اور گاڑی بھی چلنے والی ہے۔"

"نسرین! وہ کام مجھے یاد ہے، وہ خط بھی میں ساتھ لے آئی ہوں، لیکن میں جب تمہارے بھائی جان کو دیکھتی ہوں تو کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔"

یوسف نے پریشان سا ہو کر کہا۔ "دیکھیں جی، اگر کوئی بات میرے متعلق ہے تو آپ کو بلا تاخیر کہہ دینی چاہیئے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "جس دن آپ ہسپتال سے فارغ ہوئے تھے، اسی دن ہمیں آپ کے ابا جی کا خط ملا تھا۔ میں نے وہ خط کھول کر پڑھا تو مجھے آپ سے اس کا ذکر کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور اب مجھ پہ ایک اور خوف سوار ہے! اگر میں نے اتنے دن گزرنے کے بعد یہ بات کی تو آپ مجھ پر برس پڑیں گے! اس لئے بات کرنے سے پہلے، میں اپنی زندگی کی پہلی غلطی کے لئے آپ سے معافی مانگ لیتی ہوں۔ ایسی خبر سنانے اور سننے کے لئے بہت حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

یوسف نے غور سے فہمیدہ کی طرف دیکھا اور کہا "جب میں وہاں سے چلا تھا، دادی جان کی صحت ٹھیک نہیں تھی۔ امی جان کی وفات کے بعد میں کچھ وہمی سا ہو گیا ہوں۔ اگر اس خط میں میری دادی جان کے متعلق کوئی خبر نہیں تو یہ اس قدر اہم نہیں ہو سکتا کہ آپ کو بتانے سے پہلے معافی مانگنے کی ضرورت پیش آئے اور اگر دادی جان کے متعلق کوئی تشویش ناک بات لکھی ہے تو بھی آپ کو بتا دینا چاہیئے۔"

فہمیدہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، "ان کے خط میں یہ لکھا ہے کہ دادی جان فوت ہو گئی ہیں۔"

یوسف نے اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون کہا اور دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

پھر وہ فہمیدہ سے مخاطب ہوا۔ "فہمیدہ! تم نے کوئی غلطی نہیں کی۔ اگر خط مجھے فوراً دکھا دیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ میں ڈاکٹروں کے مشورے کے خلاف جلد از جلد گھر پہنچنے کی کوشش کرتا اور میری حالت زیادہ خراب ہو جاتی۔"

گاڑی نے وہسل دیا اور وہ اتر پڑیں۔ فہمیدہ نے صفیہ سے مخاطب ہو کر کہا "امی جان! میں نے انہیں بتا دیا ہے اور وہ مجھ سے خفا نہیں ہیں۔ ان کے لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ مجھے یہی کرنا چاہیئے تھا۔"

جب گاڑی لاہور کے ریلوے اسٹیشن پہ آ کر رکی۔ تو سب سے پہلے امینہ اور منظور ان کے ڈبے میں داخل ہوئے۔ وہ یوسف کو سہارا دے کر نیچے اتارنا چاہتے تھے، لیکن اس نے کہا۔

"بھئی! میں ٹھیک ہوں صرف چچی جان کے حکم کی وجہ سے لیٹا ہوا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب سے پوچھ لیجئے، امینہ آپ کا کیا حال ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے بھائی جان!۔ چچی جان! مجھے آپ سے ہمیشہ یہ گلہ رہے گا کہ آپ نے جالندھر جاتے ہوئے خبر بھی نہ دی اور منظور صاحب نے بھی کل ہی مجھے یہ بتایا تھا۔"

بلقیس نے جواب دیا۔ "بیٹی! میں جن لوگوں سے پیار کرتی ہوں۔ انہیں بلا وجہ رلانا پسند نہیں کرتی اور منظور نے بھی یہ اچھا کیا ہے کہ آپ کو فوراً نہیں بتایا۔ ہم نے یوسف کے گاؤں میں بھی ابھی تک یہ خبر نہیں بھیجی تھی ورنہ وہ سب لوگ بھی پریشان ہوتے۔ اگر لاہور پہنچنے کا پروگرام جلدی نہ بن جاتا تو میں یقیناً تمہیں ٹیلی فون کرتی۔"

منظور احمد نے سامان قلی کے حوالے کیا اور یوسف نے گاڑی سے اترنے میں پہل کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کار پر سوار ہو رہے تھے، بلقیس، امینہ کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور پچھلی سیٹ پر ڈاکٹر جمیل، منظور اور یوسف بیٹھے ہوئے تھے۔

جب امینہ نے گاڑی بائیں ہاتھ موڑی تو بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹی! تم ہمیں کہاں لے جا رہی ہو؟"

امینہ نے جواب دیا۔ "چچی جان! ہمارے گھر میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے اور آپ کا کھانا بھی وہیں تیار کیا گیا ہے۔ میں نے آپ کے ڈرائیور اور نوکر کو بھی اطلاع دے دی تھی کہ وہ کھانے کے وقت وہاں پہنچ جائیں۔"

عبدالکریم کے گھر سے کھانا کھانے کے بعد یوسف، ڈاکٹر جمیل اور بلقیس کے ساتھ ان کے گھر آگیا۔ رات کو سفر کی تھکاوٹ کے باعث وہ نیند محسوس کرنے لگا تھا ڈاکٹر جمیل نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد اسے نیند آور دوا پلا دی اور وہ بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا۔

صبح جب وہ نیند سے بیدار ہوا، تو منظور، امینہ اور بلقیس اس کے بستر کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں بہت دیر تک سویا رہا ہوں اور میں کوئی بہت لمبا خواب دیکھتا رہا ہوں۔ کروٹ بدلتے وقت میرے خواب کا سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا، لیکن جب دوبارہ نیند آتی پھر خواب وہیں سے شروع ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنی دادی، دادا اور امی جان کو دیکھا ہے۔ میں نے ابھی اس خوب صورت گھوڑی پر سواری بھی کی ہے۔ جو گاؤں سے میری غیر حاضری کے دوران مر گئی تھی۔ چچی جان، میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ میں بالکل تندرست ہو گیا ہوں۔"

"بیٹا! تم بہت جلد تندرست ہو جاؤ گے۔ آپ اب ناشتے کی تیاری کریں۔"

امینہ نے اٹھ کر کہا۔ "میں بھائی جان کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔"

یوسف نے منظور سے پوچھا۔ "منظور صاحب! کیا وقت ہو گیا ہو گا؟"

منظور نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "یار! سوا دس بج چکے ہیں۔ اب تم اٹھو اور ناشتے کی تیاری کرو۔"

یوسف کمرے سے باہر نکلا اور تھوڑی دیر بعد وہ تولیے سے منہ پونچھتا ہوا واپس آیا تو تپائی پر ناشتہ اور چائے رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ کوئی شریک نہیں ہو گا؟"

منظور نے جواب دیا۔ "بھائی صاحب، ہم دو بار ناشتہ کر چکے ہیں۔ ایک بار گھر سے کر کے آتے تھے اور دوسری بار چچی جان اور ڈاکٹر جمیل کے ساتھ —— وہ اس پر بہت مطمئن تھے کہ آپ گہری نیند سو رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ امینہ بہن نے میری خاطر تھوڑی بہت بھوک ضرور باقی رکھی ہو گی۔"

امینہ بولی۔ "بھوک تو بالکل نہیں بھائی جان، تاہم میں آپ کے ساتھ چائے کی پیالی پی لوں گی۔"

ناشتے کے دوران یوسف نے کہا۔ "منظور صاحب! آپ نے ہمارے گھر والوں کو اچھی طرح مطمئن کر دیا تھا کہ میں بخیریت ہوں۔"

"جی ہاں! مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ آپ کے ابا جان نے مجھے دیکھتے ہی کہہ دیا تھا۔ "یوسف یقیناً نئی کتاب لکھنے میں مصروف ہو گیا ہو گا، اب تو میں بھی یہ دعا کیا کرتا ہوں کہ خدا اس کی محنت میں برکت ڈالے لیکن اگر وہ گھر بیٹھ کر لکھتا تو اسے یہاں زیادہ سکون ملتا۔" —— اور پھر میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ "انشاءاللہ! یوسف صاحب تین چار ہفتوں تک یہاں آجائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ بھی انہیں خط لکھ دیں!"

تین ہفتے بعد یوسف صبح کی نماز سے فارغ ہو کر صحن میں ٹہل رہا تھا۔ کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ تو اسے فہمیدہ کی دلکش آواز سنائی دی۔

"دیکھئے جی! ابا جان نے بہت سویرے کال بُک کی تھی اور اب وہ باہر نکل گئے ہیں۔ امی جان نماز پڑھتے ہی دوبارہ سو گئی تھیں۔ اس لئے ابا جان مجھے کہہ گئے تھے کہ جب کال ملے تو بات کر لینا، ابا جی اس بات پہ بہت خوش تھے کہ آپ بالکل ٹھیک ہو گئے ہیں اور کل اپنے گھر جا رہے ہیں۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "اُن کا شکریہ۔ لیکن میرے لئے آپ کی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔"

"یوسف صاحب! انسان اپنی خوشی اور غم بیان نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو صرف یہ بتا سکتی ہوں کہ یہ خوشی مجھے بے حساب آنسوؤں اور ان گنت دعاؤں کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ پرسوں جب چچا جمیل کا فون آیا تھا تو میں انتہائی خوشی کے عالم میں جی ... نے مَاں کہی تھی۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ! میں دعا کرتا ہوں کہ میں اپنی باقی زندگی میں تمہیں کبھی روتا ہوا نہ دیکھوں اور اگر میرا بس چلے تو میں ساری دنیا میں تمہاری دلکش مسکراہٹیں بکھیر دوں۔"

"دیکھئے جناب! وہ مسکراہٹیں جو آپ کو پسند ہیں۔ میں انہیں اس قدر بے دردی کے ساتھ لٹانا پسند نہیں کروں گی۔ چچا جمیل نے آپ کے مسودے پڑھنے کے بعد مجھے ایک طویل خط بھیجا تھا اور میں خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھی۔ ان کے خط سے امیؔ، ابوؔ، نسرین اور باقی سب بھی بہت خوش تھے۔ آپا خالدہ اور محمد عمر بھی اس دن یہاں آئے ہوئے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ نسرین چند دن کے لئے ہمارے گاؤں کی سیر کر آئے۔ اس نے پہلے تو انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب آپ کا خط ملا کہ آپ کو گھر جانے کی اجازت مل گئی ہے تو وہ اچانک

آپا خالدہ کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی۔ رخصت ہوتے وقت وہ میرے کان میں یہ کہہ گئی تھی کہ اگر موقع ملا تو میں عمر یا اُس کے ابو کے ساتھ آپ کے گاؤں ہو آؤں گی۔ آج میں اسے یہ خط لکھ رہی ہوں کہ آپ کل اپنے گاؤں پہنچ جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ دریا عبور کر کے اس نے آپ کے گاؤں جانے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ عمر کی طرح اس کے والدین کو بھی اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کر لے گی۔"

یوسف بولا۔ "دیکھو فہمیدہ! اسے خط میں یہ بھی لکھ دیجئے کہ وہ مجھے اپنے پروگرام کی اطلاع ضرور دے۔ تاکہ جب وہ کشتی پر دریا عبور کریں تو انہیں یہاں تک پہنچانے کے لئے دوسرے کنارے پہ گھوڑے موجود ہوں۔ میں اس لحاظ سے یقیناً خوش قسمت ہوں کہ تمہارے خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح ڈاکٹر جمیل صاحب بھی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ انہوں نے بڑے غور سے مسودے پڑھے ہیں اور کہیں کہیں میری اصلاح بھی کر دی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ دوبارہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے جو ذمہ داری میں آپ کو سونپا کرتا تھا وہ انہوں نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔"

فہمیدہ بولی۔ "آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس چیز کو میں پسند کروں وہ میرے چچا ناپسند نہیں کر سکتے۔"

"جناب، اس دنیا میں کوئی انسان بھی آپ کی پسندیدہ چیز کو ناپسند نہیں کر سکتا اور شاید یہی وجہ ہے کہ لوگ مجھ جیسے بے کار آدمی کو بھی پسند کرنے لگے ہیں۔"

"دیکھیئے جی، میرے سامنے آپ کو بے کار کہنے کی جرأت کوئی نہیں کر سکتا۔ اور ہاں! میں آپ سے یہ درخواست کرنا چاہتی تھی کہ آپ گھر پہنچ کر مجھے ہفتے میں کم از کم ایک دو بار ضرور خط لکھ دیا کریں۔"

"کوشش تو یہی کروں گا کہ ہر روز لکھا کروں، لیکن اگر نئی کتاب لکھنے کا موڈ زیادہ غالب آگیا تو میں ہر ہفتہ کی مکمل ڈائری آپ کو بھیجا کروں گا۔"

"خدا کے لئے ڈائری ضرور لکھا کریں۔ میں سب کو آپ کا سلام کہہ دوں گی۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

کمسن مہمان

گاڑی اسٹیشن پر رکی۔ یوسف کے گاؤں کے چند آدمی اُسے ایک ڈبے کے دروازے کے سامنے کھڑا دیکھ کر آگے بڑھے۔ یوسف اپنا سوٹ کیس اٹھائے گاڑی سے اترا اور ایک آدمی نے بھاگ کر اس کے ہاتھ سے یہ سوٹ کیس تھام لیا۔

پانچ منٹ بعد گاڑی روانہ ہو چکی تھی اور یوسف پلیٹ فارم سے نیچے اتر کر اپنا خیر مقدم کرنے والوں کی طرف متوجہ ہُوا:

"آپ سب گھر جائیں۔ اور وہاں یہ بتاویں کہ میں قبرستان سے ہو کر آؤں گا۔"

یوسف کے ایک چچا نے کہا: "بھئی! میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

"بہت اچھا، آپ آ سکتے ہیں۔ لیکن میں فاتحہ سے فارغ ہونے سے پہلے کوئی بات نہیں کروں گا۔ اگر آپ میری کسی بات سے پریشان ہو جائیں تو بھی جب تک میں خود بات نہ کروں، آپ کو خاموش رہنا پڑے گا۔ لیکن باقی سب اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔ میں انشاء اللہ جلد ہی پہنچ جاؤں گا۔"

چند منٹ بعد یوسف اور اس کا چچا دائیں ہاتھ مڑے اور ان کے راستے دوسرے آدمیوں سے جدا ہو گئے۔ ہوا بہت خوشگوار تھی اور حدِ نگاہ تک گندم کے کھیت لہلہا رہے تھے۔

نصف گھنٹہ بعد یوسف قبرستان کے اندر ایک نئی قبر کے پاس کھڑا تھا۔ اور وہ آنسو جنہیں اس نے دیر سے روک رکھا تھا، آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا:

"دادی جان! میری زندگی میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا تھا، جب میں نے آپ کو دیکھنے، آپ کی آواز سننے اور آپ سے باتیں کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، آپ کے سامنے مجھے یہ احساس کبھی نہیں ہوا تھا کہ میں بڑا ہو گیا ہوں میں وہی چھوٹا سا لڑکا ہوں جسے آپ چاندنی راتوں میں اٹھا کر مکان کی چھت کے اوپر لے جایا کرتی تھیں اور مجھے چاند دکھاتے ہوئے بار بار یہ دعا کرتی تھیں: "یا اللہ! جس طرح لوگ چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں اسی طرح میرے اس پوتے کو دیکھا جائے اور یوسف کے لئے وہی دعائیں کریں جو میں کرتی ہوں" ——نہیں! دادی جان! اب میرے لئے کوئی یہ دعا نہیں کرے گا—— اور امی جان! جنہوں نے میرے لئے دعا کرنا آپ سے سیکھا تھا، وہ آپ سے پہلے جا چکی ہیں —— دادی جان! میں وہی چھوٹا سا یوسف ہوں، جسے قدم قدم پر دادا جان، چچا شیر علی، امی جان اور آپ کی دُعاؤں کی ضرورت تھی——

اللہ، آپ کو، امی جان کو، دادا جان کو اور چچا شیر علی کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اللہ! مجھے یہ سعادت عطا فرمائے کہ میں اپنے متعلق ان کی تمام نیک خواہشات پورا کر سکوں —— رب العالمین! مجھے قیامت کے دن اپنے خاندان کے بزرگوں کے سامنے شرمسار نہ کیجیو!!"

تھوڑی دیر میں گاؤں کے چند آدمی تازہ پھُول لے کر وہاں پہنچ گئے۔ یوسف نے یکے بعد دیگرے پھولوں کا ایک ایک گچھا پکڑ کر اپنے دادا، چچا اور دادی

کی قبروں پر رکھ دیا اور کچھ پھُول دوسری قبروں پر بکھیر دیئے۔

قبرستان سے نکلتے ہوئے یوسف کا چچا کہہ رہا تھا:

"یوسف بیٹا! وہ آخری وقت تک تمہارا انتظار کرتی رہیں اور بے ہوشی کی حالت میں بھی ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہ میرا یوسف، ابھی تک نہیں آیا اگر وہ خیریت سے ہوتا تو بہت پہلے آچکا ہوتا۔ تمہاری چچی کہتی تھی کہ جب ان کا آخری وقت آچکا تھا تو بھی وہ یہ کہہ رہی تھیں کہ یا اللہ! یوسف کو لمبی عُمر دے"

گاؤں میں پہنچ کر جب وہ اپنے والد کے سامنے پیش ہوا۔ تو انہوں نے دیکھتے ہی کہا، "بیٹا! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

"اباجی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس بات سے میری صحت پر ضرور اثر پڑا ہے کہ میں نے سیر اور ورزش کی عادت ترک کر دی تھی۔ اور لکھنے پڑھنے میں زیادہ مصروف رہا۔ اب میں انشاء اللہ یہاں رہ کر یہ کمی پوری کروں گا۔ اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ سواری پر بھی توجہ دیا کروں گا۔ اگر لاہور میں سواری کا کوئی انتظام ہو سکتا تو میری صحت بالکل ٹھیک رہتی"۔

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "بیٹا! میرا خیال ہے کہ عبدالعزیز صاحب کی کشادہ حویلی میں ایک گھوڑے کے لئے جگہ نکل سکتی تھی اور ہم یہاں سے ایک نوکر کے ساتھ گھوڑا بھیج سکتے تھے۔ اس سے زیادہ آسان یہ بات ہوتی کہ میں میاں عبدالکریم کو لکھ دیتا اور وہ سارے انتظام کر دیتا"۔

"اباجی! وہ تو کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ لیکن میں اپنے کام میں کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گیا تھا۔ اب میں چند گھنٹے کام کیا کروں گا۔ اور صبح و شام گھوڑے پر سواری کیا کروں گا"۔

عبدالرحیم نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا، "بیٹا! منظور احمد یہاں آیا تھا۔ تو اس نے بھی یہی کہا تھا کہ تم بہت مصروف ہو۔ تاہم مجھے اس کی باتوں سے کچھ شک گزرا تھا کہ شاید تم بیمار ہو۔"

"اباجی! دو چار دن تک میں آپ کو بیمار نظر نہیں آؤں گا۔"

"بیٹا! تم نے اپنا نیا مکان دیکھ لیا ہے، جسے میں جلد از جلد آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں دیکھ آیا ہوں اباجی۔ اور مجھے یقین نہیں تھا کہ نیا مکان اتنی جلدی تیار ہو جائے گا۔"

"بیٹا! ہم نے اپنی عقل کے مطابق ایک فوری ضرورت پورا کرنے کا انتظام کر لیا ہے اور آئندہ اس کی توسیع تمہاری خواہش کے مطابق ہوگی۔ میں یہ دعا کرتا رہا ہوں کہ اپنے مستقبل کے متعلق تمہاری تمام امیدیں پوری ہوں۔ تم بہت بڑے مصنف بنو۔ اور جب دور دور سے لوگ تمہیں دیکھنے کے لئے آئیں تو انہیں ٹھہرانے کے لئے تمہیں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اس لئے میں نے مکان کے ساتھ ایک ایکڑ کا کھیت اپنی شہزادی بہو کے نام کر دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ باقی زمین سے جو حصہ تمہارا ہو وہ سب اس مکان سے متصل ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے ہمیں دو کھیتوں کا تبادلہ کرنا پڑے گا۔ میں نے ان کے مالکان کو کچھ رقم دینے کا وعدہ کر کے رضامند کر لیا ہے۔"

یوسف کی آنکھیں نمناک ہو رہی تھیں اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اباجی! میرے لئے دعا کیجئے کہ میں اپنے خاندان کی بلند ترین توقعات پورا کر سکوں۔"

"بیٹا! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میری عمر کے لوگ اس دنیا میں صرف اپنے بچوں کے لئے دعائیں کرنے کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ تمہارے دادا کہا کرتے تھے کہ یوسف کی پیشانی پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا لکھا ہوا دیکھتے تھے۔ لیکن اب میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر تمہارے لئے تمہاری ماں، تمہارے دادا اور دادی کی دعائیں قبول ہو گئیں تو تم بہت بڑے آدمی بن جاؤ گے۔ تم اس لحاظ سے یقیناً بہت خوش قسمت ہو کہ وہ لوگ جو ایک مرتبہ تمہیں دیکھ لیتے ہیں، وہ بھی تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ کتابیں لکھنے کے لئے بہت سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے میرا یہ مشورہ ہے کہ تم آج تو یہیں آرام کرو۔ اور کل اپنے نئے مکان میں ڈیرہ لگا دو۔ بھولو وہاں پہرہ دے گا اور کسی کو تمہاری اجازت کے بغیر وہاں نہیں آنے دے گا۔"

اگلی صبح یوسف گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکل گیا۔ وہ گاؤں کے گرد کوئی ایک گھنٹہ، پگ ڈنڈیوں پر گھوڑا دوڑانے کے بعد واپس آیا تو میاں عبدالرحیم ناشتے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ یوسف نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اباجی! اب تو میں آپ کو بیمار نظر نہیں آتا؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "بیٹا! میں چھت پر کھڑا ہو کر تمہیں گھوڑا دوڑاتے دیکھ رہا تھا تو مجھے بہت خوشی ہو رہی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ دو تین دن کے بعد تم تازہ دم ہو جاؤ گے۔"

ناشتہ ختم کر کے یوسف اپنے نئے مکان میں چلا گیا۔ دوپہر کے وقت وہ فہمیدہ کو یہ خط لکھ رہا تھا۔

" گاؤں کی تر و تازہ ہوائیں سانس لینے سے میری صحت پر بڑا خوشگوار اثر

ہُوا ہے۔ مَیں نے آج صبح گھوڑے پر سواری کی تھی اور ناشتے کے بعد نئے مکان میں آگیا تھا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گی کہ اباجی نے میرے لئے ایک کمرے میں خوب صورت میز اور چند نئی کرسیاں رکھوا دی تھیں۔ ناشتہ مَیں نے اباجی کے ساتھ کیا تھا اور ناشتہ ختم ہوتے ہی انھوں نے مجھے کہا تھا۔ اب فوراً اپنے مکان میں جاکر آرام کرو۔ تاکہ تم ذرا تازہ دَم ہونے کے بعد لکھ سکو۔ فہمیدہ! میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ تمھاری وجہ سے میری دنیا میں یہ کتنا بڑا انقلاب آیا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اگر کوئی اباجی سے ہنسی مذاق میں بھی یہ کہہ دیتا کہ یوسف فلاں جگہ چھپ کر کوئی کتاب لکھ رہا ہے تو وہ چھڑی لے کر وہاں پہنچ جایا کرتے تھے اور اب وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ میں ایک منٹ بھی ضائع نہ کروں۔"

ایک ماہ بعد یوسف کو نسرین کا خط مِلا۔ اس نے لکھا تھا:

"بھائی جان! اگر آپ خفا نہ ہوجائیں تو میں آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتی ہوں کہ میں اور محمد عمر اتوار کے روز دریا عبور کرکے آپ کے گاؤں میں پہنچ جائیں گے۔ آپا فہمیدہ نے یقیناً آپ کو میرے اِس پروگرام کی اطلاع دی ہوگی۔ میں کئی دن پہلے آپ کے گاؤں آنے کے لئے تیار تھی۔ اور آپا خالدہ نے بھی اجازت دے دی تھی، لیکن آپا فہمیدہ کا خط آیا تھا کہ ان دنوں تمہارے بھائی جان بہت مصروف ہوں گے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوگا کہ وہ تمہارے لئے وقت نکال سکتے ہیں تو میں تمہیں لکھ دوں گی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے بھائی جان کہ میں آپا کی اجازت کے بغیر آپ کو دیکھ بھی نہیں سکوں گی۔ بہرحال میں نے بڑے صبر سے کام لیا ہے اور ان کا خط ملنے کے بعد سفر کا پروگرام بنایا ہے۔ ہم صبح ہوتے ہی اپنے گھوڑوں سمیت دریا عبور کرلیں گے۔ اس لئے آپ کو ہمارے لئے سواری کا

انتظام کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہم دو دن سے زیادہ آپ کے پاس نہیں ٹھہریں گے، لیکن بھائی جان! امی اور ابو کی طرح آپ بھی تو ہمیں کوئی حکم دے سکتے ہیں نا؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے خط جیب میں ڈال لیا۔

اتوار کے دِن علی الصباح یوسف نے دریا کے کنارے گھوڑے سے اُتر کر نماز ادا کی اور پتن پر پہنچ کر دریا کے دوسرے کنارے کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں کشتی پر لوگ سوار ہو رہے تھے۔ جب کشتی چل پڑی تو وہ اپنے پاس کھڑے ملاحوں اور مسافروں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا۔ ایک عمر رسیدہ ملاح نے کہا: "میاں جی! اس دفعہ شکار بہت تھا، لیکن آپ نہیں آئے؟"

یوسف نے جواب دیا: "بھائی صاحب! میں کچھ مصروف رہا ہوں۔"

ملاح نے کہا۔ "میاں جی، اگر پار جانا ہو۔ تو ہم آپ کو کشتی بھرنے سے پہلے پہنچا دیتے ہیں۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "آپ کی بڑی مہربانی، لیکن میں اپنے مہمانوں کو لینے آیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ اُس کشتی پر آرہے ہیں اور اُن کے گھوڑے بھی ساتھ ہیں۔"

"میاں جی! تین گھوڑے تو نظر آرہے ہیں۔"

یوسف تھوڑی دیر کشتی کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر اس نے اپنی گھوڑی پر بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھ بلند کردیئے۔ جواب میں نسرین اور محمد عمر بھی اپنے ہاتھ بلند کرکے ہلانے لگے۔

یوسف گھوڑے سے اتر پڑا —— کشتی کنارے پر آلگی تو سواریوں

کے بعد گھوڑے اتارے گئے۔ نسرین بھاگتی ہوئی آئی اور یوسف سے لپٹ گئی پھر وہ گلہ کرنے لگی: بھائی جان! میں آپ کو گھوڑے پر دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ لیکن ہمارے لئے آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا۔"

یوسف مسکرایا۔ "شہزادی بہن! تمہارے ڈاکٹر چچا کا یہ حکم تھا کہ میں بلاناغہ سیر کیا کروں۔ آج تم نے آنا تھا تو میں سواری کے لئے اس طرف نکل آیا تھا۔ اس سے پہلے مجھے کبھی سیر سے اتنی خوشی حاصل نہیں ہوئی تھی۔"

محمد عمر نے کہا: شکر ہے کہ آپ سواری کر سکتے ہیں۔ ہم آپ کے متعلق بہت پریشان تھے۔ آپ ایک وعدہ کریں: جب ہم واپس ہوں تو آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔ اور کچھ دن ہمارے گھر رہیں گے۔ امی اور ابو آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔"

نوکر نے باری باری نسرین اور عمر کے گھوڑے کی باگیں اُن کے ہاتھ میں تھما دیں اور پھر ملاح کے ہاتھ سے تیسرا گھوڑا پکڑ لایا۔ جس پر کچھ سامان لدا ہوا تھا۔

محمد عمر نے کہا۔ میں نے کل ایک نیل گائے اور ایک ہرن مارا تھا۔ ہرن تو اسی طرح لے آیا ہوں۔ لیکن نیل گائے کا کچھ اچھا اچھا گوشت نکال لیا تھا، پانچ بڑی مرغابیاں بھی ہیں۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ میں آپ کو خود ہی آکر شکار پر لے جاؤں، لیکن پہلے تو مجھے یہی پتہ نہ چلا کہ آپ کہاں ہیں اور پھر یہ معلوم ہوا کہ آپ زخمی ہو گئے تھے۔ اور جالندھر کے ہسپتال میں ہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں باقاعدہ آپ کو وہاں شکار بھیجا کرتا۔"

"بھئی شکار لانے کا شکریہ اور نیل گائے کے گوشت کا تو مجھے بہت شوق تھا۔ اب ہمیں جلدی گھر پہنچنا چاہیئے۔ آپ کے نوکر کا کیا نام ہے؟"

"جی اس کا نام کریم اللہ ہے اور یہ زندہ مرغابیاں پکڑنے کا ماہر ہے۔

اور ہر سال آپ کو پہنچایا کرے گا۔"

یوسف نے کہا۔ "کریم اللہ! گھوڑے پر تمہارے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ ہے؟"

"جی نہیں، ایک طرف ہرن ہے اور دوسری طرف نیل گائے کا گوشت اور مرغابیاں بندھی ہوئی ہیں۔ میں ویسے بھی گھوڑے پر سوار ہونا پسند نہیں کرتا آپ میری فکر نہ کریں۔ میں آپ کے پیچھے آجاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "دیکھو کریم اللہ، یہ شکار بہت قیمتی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ جلد از جلد گھر پہنچ جائے۔ تم گھوڑے کی لگام مجھے پکڑا دو۔ اور ہمارے پیچھے اطمینان سے آؤ۔ تم چل سکو گے یا راستے میں کسی سے تمہارے لئے گھوڑا لے لیا جائے؟"

"میاں جی، میں تو اس مُردہ گھوڑی پر چڑھنے سے بھی ڈرتا ہوں، میں ویسے ہی ٹھیک ہوں۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ آپ کو گھر پہنچ کر زیادہ دیر میرا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن نسرین بی بی کی گھوڑی زیادہ لنگڑانے لگی ہے۔"

عمر نے کہا: "بھائی صاحب، کل میں اس گھوڑی کو شکار پر لے گیا تھا۔ واپسی پر شاید ایک نالے کے اوپر سے کودتے ہوئے اس کی ٹانگ میں کوئی چوٹ آگئی تھی۔ لیکن مجھے احساس نہ ہوا۔ صبح جب ہم گھر سے نکلے تو یہ کچھ لنگڑا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کچھ فاصلہ چلنے کے بعد یہ ٹھیک ہو جائے گی، لیکن جب دریا تک پہنچ کر اس کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا تو میں نے اس کی ٹانگ ٹٹول کر دیکھی اور مجھے اس کے گھٹنے میں کچھ سوزش محسوس ہوئی۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی اگر یہ بات ہے۔ تو ہمیں ذرا آہستہ چلنا پڑے گا۔"

نسرین بولی، بھائی جان یہ دو دن تک ٹھیک ہو جائے گی؟"

یوسف نے جواب دیا، "ٹھیک ہو جائے گی، لیکن اتنی جلدی نہیں۔"

"بھائی جان، ہمیں صرف دو دن آپ کے گاؤں ٹھہرنے کی اجازت ملی ہے اور اگر ہم نہ گئے تو آپا جان بہت پریشان ہوں گی۔"

یوسف بولا۔ "اگر یہ ٹھیک نہ ہوئی تو آپ کو واپس جانے کے لئے ایک بہتر سواری مل جائے گی۔"

نسرین بولی، "لیکن بھائی جان اسے واپس کون لائے گا؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "شہزادی بہن! یہ ایک تحفہ ہوگا۔ آپ کی گھوڑی جب ٹھیک ہو جائے گی تو اسے بھی واپس بھیج دیا جائے گا۔ اور کوئی اچھا تحفہ واپس نہیں کیا جاتا! ہمارے پڑوس میں سردار منگل سنگھ ایک بڑا زمیندار ہے اور اسے اچھی نسل کے گھوڑے پالنے کا بڑا شوق ہے۔ پچھلے مہینے وہ مجھے ایک خوب صورت گھوڑی کا تحفہ دے گیا تھا اور میں نے اسے دیکھتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ: اس سبک رفتار اور خوب صورت گھوڑی پر کسی شہزادی کو ہی سوار ہونا چاہیئے۔"

"لیکن بھائی جان! جالندھر میں اسے کون سنبھالے گا؟"

"بھئی اسے جالندھر بھیجنے کے بجائے محمد عمر کے اصطبل میں جگہ دی جائے گی۔ تاکہ جب آپ کے خاندان میں سے کوئی دریا عبور کر کے یہاں آنے کا ارادہ کرے تو اسے کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد آپ کو صرف ایک بار ایڑ لگانے کی ضرورت پیش آئے گی اور آپ آنکھیں بند کر کے ہمارے گاؤں پہنچ جائیں گی۔ ورنہ منگل سنگھ کے ٹھکانے کا تو اسے علم ہے ہی —— اس کا گاؤں ہمارے گاؤں سے صرف دو میل دور ہے۔"

نسرین بولی۔ "بھائی جان! یہ تو بہت اچھا ہوگا۔ میں ہر دوسرے تیسرے روز آپ

کے پاس پہنچ جایا کروں گی۔ اور بھائی جان یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا۔ کہ کسی دن ہم آپا فہمیدہ کو بھی گاؤں بلوالیں اور پھر اچانک آپ یہ دیکھیں کہ وہ خوب صورت گھوڑی آپا جان کو لے کر آپ کے گاؤں پہنچ گئی ہے آپ خفا تو نہیں ہو جائیں گے اس بات پر؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا: "بھئی مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہاری آپا جی تمہاری پٹائی نہ کر دیں۔"

جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے تو یوسف نے کریم اللہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"دیکھو بھئی، تمہیں میرے گاؤں کا راستہ معلوم ہے نا۔"

"جناب مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ میں دھاریوال مرغابیاں لے کر جایا کرتا تھا۔ تو آپ کے گاؤں سے گزرا کرتا تھا۔ ایک دفعہ بڑے میاں جی نے مجھ سے چار زندہ مرغابیاں خریدی تھیں۔"

"یار کریم اللہ، پھر تو تم بڑے کام کے آدمی ہو۔"

یوسف نے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ سامان والی گھوڑی نے چند منٹ اس کا ساتھ دینے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ لیکن محمد عمر نے پیچھے سے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر چھڑی ماری۔ اور وہ چل پڑی۔

وہ گھر پہنچے تو میاں عبدالرحیم، نسرین اور محمد عمر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ یوسف نے کہا۔ "ابا جی، یہ آپ کے لئے تحفہ لائے ہیں۔"

"بیٹا! تحفہ تو ہمیں دینا چاہیئے۔ یہ تحفہ کیوں لائے ہیں؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "ابا جی، یہ آپ کے لئے ایک ہرن، نیل گائے کا گوشت اور مرغابیاں لائے ہیں۔"

عبدالرحیم نے عمر کو گلے لگاتے اور نسرین کے سر پہ پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"ہاں بیٹی! شہزادیوں کے تحفے ایسے ہی ہونے چاہئیں ——— بیٹا! کہاں ہے وہ شکار اسے فوراً گھر پہنچاؤ تاکہ وہ خراب نہ ہو جائے۔"

یوسف نے کہا۔ "ابا جی، وہ گھر پہنچ گیا ہے اور انشاء اللہ کوئی چیز خراب نہیں ہوگی۔ میں نے پیراں دتہ کو شہر سے برف لانے کے لئے بھیج دیا ہے اور یہ شکار پکانے کے لئے تھوڑی دیر تک محمد عمر کا آدمی بھی آ جائے گا۔ وہ شکار کرنا، شکار سنبھالنا اور شکار پکانا سب کچھ جانتا ہے۔"

عبدالرحیم نے نسرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "بیٹی! میں یہ محسوس کیا کرتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے ہمارے گھر میں بہت سی خوشیاں آئی ہیں۔ آج یوسف مجھے اسی طرح نظر آتا ہے۔ جیسے کہ یہ پہلے ہوا کرتا تھا۔ جب یہ طویل غیر حاضری کے بعد گھر آیا تھا تو اس کی صحت بہت خراب تھی۔"

"ابا جی! خدا کا بہت شکر ہے۔ کہ بھائی جان کی صحت ٹھیک ہو گئی ہے۔"

"بیٹی، تم نے اسے بیماری کی حالت میں کب دیکھا تھا؟"

نسرین اچانک پریشان سی ہو کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی اور پھر سنبھل کر بولی: "یہ اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ بیمار نظر آتے تھے۔ ڈاکٹر کمال الدین اور چچا جمیل ان کا معائنہ کرنے کے بعد یہ تسلی دیا کرتے تھے کہ انہیں کوئی بیماری نہیں ہے اور نہ کسی دوا کی ضرورت ہے۔ ان کا بہترین علاج یہ ہے کہ یہ تھوڑا تازہ ہوا میں سیر کیا کریں۔ ذرا موسم بدل جائے تو بیراگی سے بھی انہیں بہت فائدہ ہوگا۔ اب دو تین مہینے ایسے ہیں۔ کہ سیر کے علاوہ گھڑ سواری ان کے لئے بہت فائدہ مند ہو سکتی ہے۔"

"بیٹی، یہ عجیب بات ہے کہ یوسف اتنا کمزور ہو گیا تھا اور کسی نے مجھے اطلاع دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ منظور آیا تھا۔ تو وہ بھی مجھے تسلی دے کر چلا گیا تھا میری بہو نے دو تین بار لکھا تھا کہ آپ یوسف کے لئے دعا کیا کریں۔ اور میں اس کا

مطلب یہی سمجھتا تھا کہ یوسف نے جو کام شروع کیا ہے، مجھے اس میں اس کی کامیابی کی دعا کرنی چاہیئے۔ مجھے تو کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا کہ میرا شیر ایسا بیٹا کبھی بیمار بھی ہو سکتا ہے۔"

"ابا جی، میں بیمار نہیں تھا۔" یوسف نے کہا: "چند دن کوئی ایسی تکلیف رہی جو میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ اور ڈاکٹر بھی میرے کمزور ہو جانے کی کوئی تسلی بخش وجہ نہ بتا سکے۔"

عبدالرحیم نے کہا۔ "بیٹا! کسی نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ تمہیں گھر کے تازہ دودھ مکھن اور دہی کی ضرورت ہے۔"

"ابا جی، دودھ تو ہر جگہ ملتا تھا۔ لیکن مجھے بھوک نہیں لگتی تھی۔ جب سے میں نے اپنے گاؤں کا پانی پینا شروع کیا ہے۔ میں ٹھیک ہو گیا ہوں۔"

تیسرے دن عمر اور نسرین واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ عبدالرحیم نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ نسرین بیٹی کل تک میری مہمان رہے گی۔ اگر اسے یہ پریشانی ہے کہ اس کی بہن پریشان ہو گی تو میں ابھی ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر روانہ کر دیتا ہوں کہ ننھی شہزادی کو میں نے روک لیا ہے۔"

نسرین بولی "ابا جی، آپ کو پیغام بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں وہاں جا کر یہ کہہ سکوں گی کہ مجھے ابا جان نے ایک دن ٹھہر جانے کا حکم دیا تھا اور میں رک گئی تھی۔"

اگلے روز محمد عمر اور نسرین، یوسف کے ساتھ دریا کا رخ کر رہے تھے اور گاؤں سے تھوڑی دور جانے کے بعد نسرین کہہ رہی تھی۔ "بھائی جان، اس گھوڑی پہ سوار ہوتے ہوئے پہلے تو مجھے کچھ کچھ ڈر لگنے لگا تھا لیکن اب یہ محسوس کرتی ہوں کہ کوئی اچھا سوار اسے ٹریننگ دے چکا ہے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "بھئی جب میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ کسی دن

میری شہزادی بہن اس پر سواری کرے گی تو میں نے چند دن اس کی تربیت کی تھی۔ انسانوں کی طرح بعض جانوروں میں بھی کوئی کجی نہیں ہوتی اور مجھے پہلے دن ہی اس پر سواری کرکے یہ احساس ہوگیا تھا کہ قدرت نے اس خوب صورت جانور کو میری شہزادی بہن کی سواری کے لئے بنایا ہے۔"

نسرین بولی" بھائی جان! جب آپ کا خیال آتا ہے تو میں ہمیشہ یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں بہت خوش قسمت ہوں۔ اب مجھے یہ بات پریشان کیا کرے گی کہ میرے لئے اس گھوڑی کو اپنے ساتھ جالندھر لے جانے کی بجائے آپا خالدہ کے گھر چھوڑ دینا کتنا صبر آزما ہوگا۔"

یوسف نے جواب دیا" لیکن مجھے ایک فائدہ ضرور ہوگا کہ آپ اپنی گھوڑی دیکھنے کے بہانے عمر کے گاؤں آیا کریں گی۔ تو وہاں پہنچ کر آپ کو ہمارا گاؤں زیادہ دور محسوس نہیں ہوگا۔ ایک بات تو ہوسکتی ہے کہ کبھی کبھی یہ گھوڑی آپ کو سیدھا ہمارے گھر لانے کی بجائے منگل سنگھ کے گھر لے جایا کرے گی۔ کیونکہ جب کبھی اسے موقع ملتا تھا تو یہ پوری رفتار سے بھاگتی ہوئی منگل سنگھ کے گھر پہنچ جاتی تھی اور اس کے نوکر اسے پکڑ کر ہمارے گھر لے آیا کرتے تھے۔"

جب وہ دریا کے کنارے پہنچے تو عمر نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے گاؤں میں دو دن ٹھہر کر جائیں۔"

نسرین بھی اس کی تائید کر رہی تھی۔ لیکن یوسف نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا "ابھی میرا دو تین دن کا کام باقی ہے۔ اس کے بعد میں لاہور جاؤں گا اور وہاں سے کوئی پروگرام بنا سکوں گا۔"

نسرین بولی۔" بھائی جان! میں سمجھ گئی ہوں کہ لاہور پہنچ کر آپ کیا پروگرام بنائیں گے؟ پچھلے ہفتے مجھے ابا جی کا خط بھی آیا تھا اور آپا جی وہ خط پڑھ کر بڑی خوش ہوئی

تھیں۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے آپ کے ابا جان کو بھی لکھ دیا ہوگا۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔" یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ میری ننھی بہن میرے متعلق اتنی باخبر رہتی ہے۔"

"بھائی جان، میں فہمیدہ آپا کی بھی ننھی بہن ہوں اور جس قدر آپ کے متعلق سوچتی ہوں اُس سے زیادہ آپا جان کے متعلق سوچا کرتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد محمد عمر اور نسرین کی کشتی روانہ ہو چکی تھی۔ اور یوسف کنارے پر کھڑا ہاتھ بلند کر کے انہیں خدا حافظ کہہ رہا تھا۔

یوسف، نسرین اور عمر کو رخصت کرنے کے بعد واپس اپنے گھر پہنچا تو عبدالرحیم نے اُسے دیکھتے ہی کہا —— "بیٹا! تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔"

"کیسی خوشخبری ہے ابا جان؟"

"بیٹا، لاہور سے بلقیس بی بی کا خط آیا ہے۔ وہ کل امینہ اور منظور احمد کے ساتھ یہاں آرہی ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ تمہارے سسرال کے ایما پر رخصتی کا دن مقرر کرنے آرہی ہے۔ عبدالعزیز لاہور میں نہیں ہیں، ورنہ وہ بھی اُس کے ساتھ آتے۔ بیٹا میں انہیں کوئی لمبی تاریخ نہیں دوں گا۔ خط ملنے کے بعد مجھے پہلا خیال جو آیا تھا وہ یہ تھا کہ ہم ان کے ساتھ ہی چند آدمیوں کو لے کر روانہ ہو جائیں۔"

یوسف نے جواب دیا۔" ابا جی! مجھے یقین ہے کہ وہ سب آپ کی خوشی کو ہر بات پر مقدم سمجھیں گے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ براتیوں کی تعداد اٹھارہ انیس سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے اور اتنے آدمیوں کو تیار ہونے کے لئے کوئی لمبا چوڑا نوٹس دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بے ہودہ رسومات

کو ختم کرنے کی ابتدا ہمارے ہی خاندان سے ہونی چاہیئے۔"

"بیٹا! اگر میں نے کسی وقت اٹھارہ یا انیس آدمی لے جانے کے متعلق کہا تھا تو میں اس فیصلے میں تبدیلی نہیں کروں گا۔ میں اس بات میں تمہارا ہم خیال ہوں کہ ہمیں صرف دعوتِ ولیمہ پر زیادہ لوگوں کو بلانا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ہماری طرف سے ایک اچھی ابتدا ہوگی اور لڑکی کے گھر سینکڑوں آدمیوں کی بارات لے جانا کوئی قابلِ فخر بات نہیں ہے۔ میں اس بات پر خوش ہوں کہ نصیرالدین صاحب اور ان کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی نمائش پسند نہیں کرتے۔ اور انہیں اس بات سے کوئی شکایت نہیں ہوگی کہ ہم کوئی بہت بڑی برات لے کر نہیں گئے۔"

یوسف نے جواب دیا: "اباجی، نصیرالدین صاحب جس قدر دین دار ہیں اسی قدر عالم ہیں اور انہیں ظاہری نمائش سے بہت نفرت ہے۔"

عبدالرحیم نے کہا: "ان کا تو سارا خاندان بہت اچھا ہے۔ ورنہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی کہ انہوں نے اپنے گھر کے بجائے سینکڑوں میل دور تمہارا نکاح کر دیا اور عبدالکریم جیسے ظاہر دار آدمی پر اس بات کا یہ اثر ہوا کہ تم نے اس کے ساتھ بات کی اور اس نے کوئی لمبا چوڑا پروگرام بنانے کے بجائے وہیں سے ہی اپنی بیٹی کو منظور کے سپرد کر دیا حالانکہ اتنے مالدار آدمی کو اس بات کا خیال آسکتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔"

یوسف نے کہا: "اباجی، میرا خیال تھا کہ شاید امینہ یہ بات پسند نہ کرے لیکن وہ بہت خوش تھی۔"

عبدالرحیم بولا: "بیٹا! مجھے یقین ہے کہ میری بہو تم سب سے زیادہ سمجھدار ہے۔"

یوسف نے کہا: "اباجی، ہم نے ایک واقعہ آپ سے چھپا رکھا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اب آپ کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ مجھ پر جالندھر کے راستے میں اچانک حملہ ہوا تھا اور منظور مجھے بے ہوشی کی حالت میں جالندھر لے گیا تھا۔ وہاں سے مجھے سیدھا فوجی ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا اور جب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ مجھے شاید علاج کے لئے لاہور منتقل کرنا پڑے۔ تو ان سب نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ ہمارے چند عزیزوں کو بلا لیں گے۔ اور فہمیدہ کو میری ایمبولینس کے ساتھ ہی رخصت کر دیں گے۔ ڈاکٹروں کی کوششوں سے میری صحت جلد بہتر ہوگئی تھی ورنہ یہ سانحہ ہمارے خاندان کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ سمجھا جاتا۔"

عبدالرحیم نے یوسف کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے سینے سے لگا لیا اور کہا: "بیٹا! اگر میری بہو اس بات پر رضامند ہوگئی تھی تو تم بہت خوش قسمت ہو۔ وہ اپنے ساتھ اس گھر میں بہت سی برکتیں لائے گی۔ پہلے تم اپنے زخموں کے متعلق بتاؤ۔"

یوسف بولا: "اباجی، میرے زخم مندمل ہو چکے ہیں۔ کندھے سے نیچے ایک گولی خطرناک ہو سکتی تھی لیکن اسے نکال دیا گیا تھا۔ ایک زخم میرے سر پر بھی آیا تھا۔ لیکن مجھے دو دن بعد ہوش آگیا تھا۔"

عبدالرحیم نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا: "بیٹا! اس کے باوجود مجھے تمہارے زخمی ہونے کی کسی نے اطلاع نہ دی۔"

یوسف بولا: "اباجی، مجھے ہوش میں آنے کے بعد معلوم ہوا تھا کہ فہمیدہ نے تمام رشتہ داروں کو پریشان کرنے سے منع کر دیا تھا۔ آپ کے متعلق اسے یہ فکر دامن گیر تھی۔ کہ آپ میرے متعلق چھوٹا سا صدمہ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس نے اپنے والدین سے یہ کہا تھا کہ جب یوسف ٹھیک ہو جائے گا تو میں اس سے اپنی کوتاہی کی معذرت کر لوں گی اور مجھے اپنے خسر کے متعلق یہ اطمینان ہے کہ وہ میری کوتاہی کو قابلِ سزا نہیں سمجھیں گے۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا! خدا میری بہو کو بے حساب خوشیاں دے۔ اس نے صحیح سوچا تھا۔"

خواب اور تعبیریں

فہیدہ اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو رہی تھی۔ براتیوں کی تعداد، ڈرائیوروں اور گھر کے ملازموں کو نکال کر اکیس سے زیادہ نہ تھی۔ بلقیس، عبدالعزیز، عبدالکریم، اس کی بیوی رشیدہ، امینہ اور منظور احمد برات کے ساتھ آئے تھے۔ عبدالعزیز نے کسی سرکاری کام کے لئے امرتسر میں ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ لیکن عبدالرحیم اور امینہ کے اصرار پر بلقیس چند دن ان کے گاؤں میں ٹھہرنے پر رضامند ہو گئی۔ عبدالکریم، اس کی بیوی رشیدہ اور بیٹے علی اکبر نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ اگلے روز یوسف کی دعوتِ ولیمہ میں شرکت کے بعد واپس آ جائیں گے جب وہ دھاریوال کی ریلوے لائن عبور کرنے کے بعد گاؤں کی طرف جانے والی کچی سڑک پر روانہ ہوئے تو حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے کھیتوں کی ہریالی قدرے بھورے رنگ میں تبدیل ہو رہی تھی۔ موسم بدل رہا تھا۔ لیکن ہوا میں تلخی نہ تھی۔ دولہا اور دلہن کے لئے جو خوب صورت کار مہیا کی گئی تھی اسے امینہ چلا رہی تھی اور اگلی سیٹ پر ظہیر بیٹھا ہوا تھا۔ استقبال کرنے والی عورتوں اور بچیوں کا ہجوم یوسف کے نئے گھر سے لے کر باہر کی حویلی کے گیٹ تک پھیلا ہوا تھا۔ دلہن کی کار اندرونی حویلی کے پھاٹک پر رکی اور دیہاتی عورتوں نے آن کی آن میں فہیدہ کو گلاب کے پھولوں کے مہکتے ہوئے ہاروں سے چھپا دیا۔ یوسف کی چچی اور امینہ اسے سہارا دے

کر بڑے دالان کے اندر لے گئیں۔ وہاں معمر عورتیں فہیدہ کو گلے لگا رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں اور چہرے کو چوم رہی تھیں اور اجیت کور انہیں پیچھے ہٹاتے ہوئے چلا چلا کر کہہ رہی تھی: "دیکھو جی! میری بھابی کا دم گھٹ رہا ہے اسے تنگ نہ کرو۔"

جب اس کا بس نہ چلا تو اس نے اپنی جسمانی قوت کا مظاہرہ شروع کر دیا اور بعض عورتوں کو ساتھ والے کمروں کی طرف دھکیل دیا، لیکن معمر عورتیں بُرا ماننے کی بجائے اجیت کور کی حرکات پر ہنس رہی تھیں۔

اگلے روز دعوتِ ولیمہ تھی اور یوسف کے کالج کے بہت سے ساتھی اور ڈاکٹر جمیل اور ڈاکٹر کمال الدین کے علاوہ ان کے چند دوست اور یوسف کے چند پروفیسر اور ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب بھی آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک نوجوان ایسا تھا، جسے یوسف پہلی ملاقات میں پہچان نہ سکا۔ تاہم جب اس کا تعارف کرایا گیا تو یوسف کو احساس ہوا کہ یہ سنجیدہ آدمی کبھی اس کا ہمسفر رہ چکا ہے۔ اس کا نام احسان الحق تھا اور وہ یوسف کے ساتھ بڑے تپاک سے پیش آیا۔

ڈاکٹر جمیل، ڈاکٹر کمال الدین اور احسان الحق اسی دن واپس جانا چاہتے تھے۔ لیکن اندر سے امینہ نے یہ پیغام بھیجا کہ چچا جان اور ان کے دوست کو کل تک یہیں رہنا چاہیئے اور جو تحفہ وہ یوسف کے لئے لائے ہیں وہ انہیں فرصت کے وقت خود یوسف کو پیش کرنا چاہیئے۔ رات کے وقت جب مہمانوں کی چہل پہل ختم ہو چکی تھی تو فہیدہ، ڈاکٹر کمال الدین اور احسان الحق کو بالاخانے کے ایک کشادہ کمرے میں لے گئی۔ ایک چھوٹا سا بنڈل اس کے ہاتھ میں تھا اور پیچھے گھر کا ایک ملازم ایک وزنی پیکٹ اٹھائے ہوئے تھا۔ فہمیدہ نے پیکٹ جمیل کو پیش کرتے ہوئے کہا: "لیجئے! ڈاکٹر صاحب اپنا تحفہ آپ خود ہی یوسف صاحب کو پیش کر دیجئے۔"

جمیل نے پیکٹ پکڑتے ہوئے کہا: "بھائی احسان! اپنا تحفہ تم خود پیش کرو۔"

احسان نے پیکٹ پکڑ کر کھولا اور دو خوب صورت کتابیں جن کے گرد پوش پر مصنف کا نام نمایاں نظر آتا تھا، یوسف کو پیش کر دیں۔ یوسف چند ثانیئے دونوں کتابوں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھتا رہا اور پھر اچانک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

احسان الحق نے کہا: "یوسف صاحب! میں آپ کا پبلشر ہوں اور اس بنڈل میں پچیس جلدیں اور ہیں۔ آپ اسے شادی کا تحفہ سمجھ کر ابھی تقسیم کر سکتے ہیں۔"

یوسف نے رومال سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا، "بھئی یہ ہوا کیسے؟"

منظور بولا: "بھائی جان! یہ قصہ بہت سے لوگوں سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی نے آپ کا مسودہ سنبھال چھوڑا تھا، پھر بعض لوگوں نے اسے پڑھا، پھر ایک ڈاکٹر صاحب کو یہ علم ہوا کہ جو آدمی کئی ہفتے ان کے زیر علاج رہا ہے، اس کا بڑا بھائی پبلشر ہے۔ پھر آپ کی دونوں کتابوں کے مسودے اس پبلشر کے پاس چلے گئے۔ اور فیصلہ یہ ہوا کہ انہیں شائع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ بھئی یہ تو تھا قدرت کا ایک کھیل۔ لیکن اگر ایسے اتفاقات نہ ہوتے تو بھی آج کے دن آپ کو یہ کتاب ضرور پیش کی جاتی۔ کئی اور لوگ ایسے تھے جو اسے شائع کرنے پر رضامند ہو چکے تھے۔"

یوسف نے غور سے فہمیدہ کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ بھی خوشی سے چمک رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا: "منظور بھائی صحیح کہتے ہیں۔ آپ کی تحریر پسند کرنے والے ان کتابوں کی اشاعت کا انتظام کر رہے تھے کہ ڈاکٹر جمیل اور احسان الحق صاحب ان پر سبقت لے گئے۔ لیکن آپ کی طرف سے شکریہ کی سب سے زیادہ مستحق وہ بچی ہے، جس نے آپ کا مسودہ گم نہیں ہونے دیا تھا۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اچانک اس دنیا میں داخل ہو گیا ہوں۔ جس کے دروازے مدت سے میرے لئے بند تھے۔ جمیل صاحب! اس وقت میں آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کوئی موزوں الفاظ نہیں سوچ سکتا۔ بہر حال میں صرف یہ دعا کر سکتا ہوں کہ اللہ فہمیدہ کے چچا کو جزائے خیر دے۔"

پھر تھوڑی دیر بعد جب یوسف کو ڈاکٹر جمیل کے ساتھ تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تو اس نے جمیل کا ہاتھ پکڑ کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا: "جمیل صاحب! کبھی کبھی میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ بعض لوگ اتنے اچھے کیوں ہوتے ہیں۔ دیکھئے! آپ کے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں، لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ کا دل آپ کے ہاتھوں سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔"

"بھائی، تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ لوگ اچھوں کو دیکھ کر اچھا بن جاتے ہیں۔"

"جمیل صاحب! مجھے اپنی زندگی میں کافی عرصہ یہ احساس رہا ہے کہ میں ایک صحرا کا تنہا مسافر ہوں۔ لیکن پھر یکایک اس صحرا میں سدا بہار نخلستان نمودار ہونے لگے اور مجھے ہر سمت بہت پیار کرنے والے اور بہت رحمدل لوگ دکھائی دینے لگے۔"

جمیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، "بھئی یوسف! اگر تمہارے اندر کوئی خوبی نہ بھی ہوتی تو بھی تم سے پیار کرنے کے لئے میرا یہ جان لینا ہی کافی تھا کہ میری بہت لاڈلی بھتیجی تمہیں پسند کرتی ہے۔ لیکن جب میں نے تمہارے مسودے دیکھے تو مجھے احساس ہوا کہ تمہیں اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ہی اس دنیا میں بہت پسند کیا جائے گا۔"

یوسف نے کہا: "جمیل صاحب! مجھے جن لوگوں پر پیار آتا ہے۔ ان کے لئے بہت دعائیں کیا کرتا ہوں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے لئے کیا دعا کیا کروں؟"

جمیل نے جواب دیا: "بھئی میں نے یہ سنا تھا کہ کبھی فہمیدہ نے تمہارے متعلق یہ کہا تھا کہ آپ اس دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ میرے لئے یہ دعا مانگا کرو کہ میں بھی کچھ لوگوں میں خوشیاں تقسیم کر سکوں۔"

یوسف نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا خالی دامن آپ نے خوشیوں سے بھر دیا ہے۔ میرے لئے یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ آپ نے پوری توجہ سے میرے مسودے پڑھے اور پھر انہیں شائع کرنے کا انتظام بھی کر دیا، جو مجھے ایک مدت تک ناممکن نظر آتا تھا۔"

"بھئی، جہاں تک مسودے پڑھنے کا تعلق ہے اس کی وجہ تو یہ تھی کہ تمہاری تحریر بہت اچھی ہے اور بعض حصے اتنے دلچسپ تھے کہ میں انہیں دوبارہ پڑھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ ایک مریض کا بھائی پبلشر نکل آیا۔ پہلے شاید مجھے اسے خوش کرنے کے لئے دلچسپی تھی اور پھر اچانک اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ میری وجہ سے مستقبل کے ایک بہت بڑے مصنف سے متعارف ہوا ہے۔"

"ہاں تو ڈاکٹر صاحب! یہ قدرت کا کرشمہ ہے نا کہ جس شخص کو اس ملک کا سب سے بڑا پبلشر ہونا چاہیئے تھا وہ ایک نامور ڈاکٹر بن گیا ہے۔"

"بھئی، ہم میں سے اکثر کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا بننے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ آپ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ آپ نے برسوں پہلے اپنے مستقبل کا راستہ متعین کر لیا تھا اور آپ کے عزم و یقین میں کوئی فرق نہیں آیا۔"

یوسف بولا: "ڈاکٹر صاحب، اس لحاظ سے میں اپنے آپ کو یقیناً خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنا پہلا مسودہ جالندھر کے راستے میں گاڑی میں چھوڑ دیا تھا اور وہ نسرین نے سنبھال لیا۔ نسرین سے لے کر فہمیدہ نے پڑھا اور پھر مجھے آپ کے خاندان سے اتنے قدر دان مل گئے۔ ورنہ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے قطعاً اجنبی ہوتے اور ایک مصنف اپنے تمام بلند ارادوں کے باوجود گمنامی کی موت مرجاتا۔"

"میرے بھائی، تم دنیا میں کچھ کرنے کے لئے پیدا ہوئے تھے اور گمنامی کی موت تمہارا مقدر نہیں ہو سکتا تھا۔ فرض کرو کہ اگر تمہاری زندگی میں تمہاری کوئی کتاب شائع نہ ہوتی تو تمہارے عزیزوں میں ایسے لوگ موجود تھے۔ جنہیں تمہارے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ یاد رہتا۔ مجھے سب سے پہلے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ فہمیدہ نے تمہارے مسودوں کی ایک ایک نقل زائد رکھی ہوئی تھی اور یہ نقلیں بڑی محنت سے تیار کی گئی تھیں۔"

یوسف مسکرایا: "بھائی صاحب، یہ نقلیں تو فہمیدہ نے احتیاطاً تیار کر لی تھیں۔ ورنہ آپ کبھی ان کا امتحان لیں تو یہ تحریریں انہیں زبانی یاد ہوں گی۔"

جمیل بولا: "بھئی کوئی پڑھنے والا اپنے پسندیدہ مصنف کو اس سے بہتر خراج ادا نہیں کر سکتا۔"

یوسف نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! اس لحاظ سے میں بہت خوش قسمت ہوں کہ اپنے ماضی کی تمام تلخیوں کے باوجود کبھی کبھی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں مایوسی اور بیچارگی کی حالت میں کسی بے نشان راستے پر تھک کر سو گیا تھا۔ پھر جب میری آنکھ کھلی تو میرے چاروں اطراف پھول ہی پھول تھے۔ جمیل صاحب! کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ اس قدر پیار کرنے والے لوگوں کا میں شکریہ بھی ادا کر سکوں گا؟"

یوسف کی آواز اچانک بھرا گئی۔ جمیل نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا،

"نہیں، یہ عجیب سی بات ہے کہ جنہیں کسی سے کچھ ملتا ہے وہ تو سمجھ لیتے ہیں انہیں کیا ملا ہے۔ لیکن دینے والوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ انہوں نے کیا دیا ہے؟"

"جمیل صاحب! میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ آپ اور ڈاکٹر کمال الدین کسی دن اچانک مجھ سے اتنا قریب آجائیں گے۔"

"بھئی یہ سمجھنا مشکل نہیں۔ کمال الدین میرا دوست ہے اور مجھے بعض رشتوں نے تم سے باندھ رکھا ہے۔"

اگلے دن مہمان رخصت ہو چکے تھے! سہ پہر کے وقت وہ چائے پی رہے تھے تو نوکر نے آکر اطلاع دی کہ:

"بی بی اجیت کور اور عطر کور آئی ہیں۔ میں نے سردار بہادر سنگھ کو ڈیوڑھی میں بٹھا دیا ہے۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا: "بھئی، ان کے لئے چائے وہیں لے آؤ۔ میں ان کے ساتھ ہی چائے پیوں گا اور بیبیوں کو کہاں روک دیا ہے تم نے؟"

اجیت کور، عطر کور کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔

"ویر جی، یہ ہمیں کیسے روک سکتا ہے؟"

فہمیدہ اٹھ کر ان سے باری باری گلے ملی اور انہیں اپنے ساتھ بٹھالیا۔

عطر کور چائے پیتے ہوئے بولی: "بھابی جی، میرا خیال تھا کہ چھوٹی شہزادی آپ کے ساتھ ہوگی۔ میں نے پہلے بھی اجیت کور سے یہ سنا تھا کہ وہ یہاں آئی تھی پھر جب میں اجیت کور کے ساتھ آپ کے گاؤں پہنچی تو معلوم ہوا کہ وہ اچانک واپس چلی گئی ہے۔"

فہمیدہ بولی: "بہن، میں آپ کو ایک خوشخبری سنانا چاہتی تھی کہ جو تحفہ آپ کے سردار جی نے یہاں بھیجا تھا وہ نسرین کو پسند آگیا تھا۔ اور اب وہ جب کبھی دریا عبور کیا کرے گی تو ہو سکتا ہے کہ کبھی آپ کی گھوڑی اسے ہمارے گھر کی بجائے آپ کے گھر پہنچا دیا کرے۔"

"بھئی، یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی۔ میں اس کے ساتھ جی بھر کر باتیں کیا کروں گی۔ اور جب صبح ہونے لگا کرے گی تو اسے آپ کے گھر پہنچا دیا کروں گی۔ سردار جی کا شروع سے خیال تھا کہ ہمارے گھر میں اس قسم کی گھوڑیاں، شہزادیوں کی سواری کے قابل ہیں۔ دوسرا بچھڑا دس مہینے کا ہو گیا ہے۔ ہم اسے اگلے سال ہو بیٹی کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔"

اجیت بولی: "کیوں بھابی جی، آپ یہ تحفہ رد کر کے عطر کور کا دل تو نہیں دکھائیں گی؟"

"عطر کور کا دل میں کبھی بھی نہیں دکھا سکتی۔ لیکن یہ شرط ہے کہ جب میں کوئی چیز بھیجوں تو یہ بھی میرا دل نہیں دکھائیں گی۔"

اجیت ہنس کر بولی: "بہن، کہیں اونٹ نہ بھیج دینا ان کے گھر۔"

عطر کور بولی: "بھئی مجھے اس سے بھی خوشی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے گھر میں شہزادی کے اونٹ کو دیکھنے کے لئے زیادہ لوگ آیا کریں گے۔"

رات کے وقت یوسف بالا خانے کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے گھٹنوں پر بڑے سائز کا پیڈ تھا اور دائیں ہاتھ تپائی پر ٹیبل لیمپ جل رہا

تھا۔ فہمیدہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اچانک یوسف کو ایسے محسوس ہوا کہ کمرہ مہک سے لبریز ہوگیا ہے۔ اس نے کچھ کہے بغیر پیڈ اور قلم اٹھایا اور اسے پیش کر دیا۔ فہمیدہ حیران سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

یوسف نے کہا: "فہمیدہ، میں نے سوچا ہے کہ میری نئی کتاب کی ابتداء تمہارے ہاتھ سے ہو، میں ابتدائی چند سطریں لکھواتا ہوں۔ اس کے بعد آپ کو کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "اگر آپ لکھوائیں تو میں ساری رات لکھ سکتی ہوں۔"

یوسف نے کہا: "نہیں جی، مجھے چند منٹ بعد ہی یہ محسوس ہونے لگے گا کہ آپ کے نازک ہاتھ تھک گئے ہوں گے۔ اور پھر میرا لکھنے کا موڈ خراب ہو جائے گا۔"

فہمیدہ بولی: "جی! میرے ہاتھ اتنے نازک نہیں ہیں۔"

یوسف نے جواب دیا: "اگر آپ میری آنکھوں سے اپنے ہاتھ دیکھتیں تو یہ نہ کہتیں۔"

"اچھا آپ لکھوائیے۔"

یوسف چند منٹ بولتا رہا اور فہمیدہ اطمینان سے لکھتی رہی۔ پھر یوسف نے پیڈ اس کے ہاتھ سے پکڑتے ہوئے کہا: "اب آپ آرام کریں۔ یہ ہماری زندگی کا ایک اہم دن ہے اور اس کے بعد جب تک یہ کتاب ختم نہیں ہو جاتی آپ مجھے بہت مصروف پائیں گی، لیکن میری کوئی مصروفیت ایسی نہیں ہوگی کہ آپ کو اکتاہٹ محسوس ہو۔"

فہمیدہ مسکرائی: "اکتاہٹ کا لفظ میرے ذہن سے نکل چکا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف پورے انہماک سے لکھ رہا تھا اور فہمیدہ بستر پر بیٹھی کبھی کبھی کروٹ بدل کر اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

یوسف نے پوچھا: "فہمیدہ! آپ کو نیند نہیں آرہی؟"

فہمیدہ نے جواب دیا: "آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب ایک خواب نہیں ہے؟"

"نہیں فہمیدہ! انسانوں کے خواب اتنے خوب صورت نہیں ہوتے۔"

فہمیدہ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا: "مجھے شاید بہت دیر کے بعد یقین آئے گا کہ یہ کوئی خواب نہیں ہے۔"

سازش

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی آمد کے ساتھ ساتھ زمانے کی تاریک آندھیاں بھی بڑی تیزی سے ملک کے سیاسی اُفق کو اپنے آغوش میں لے رہی تھیں۔ انگریز اور ہندو اپنی ظاہری صورت میں مسلمانوں کے خلاف ایک فریق بن چکے تھے ـــــ انتقالِ اقتدار کی تاریخ یکم جون ۱۹۴۸ء کے بجائے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک لے آنے سے آگ اور خون کے ایک بدترین کھیل کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ کانگرس نے ڈومینین کی حیثیت قبول کرنے کا لالچ دے کر ماؤنٹ بیٹن کو انسانی تاریخ کے بدترین جرائم میں حصّہ دار بنا لیا تھا۔

یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی تھی۔ کہ جب وی پی مینن نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ نوید سُنائی کہ کانگرس ایک شرط پر بھارت کو ڈومینین بنانے کے لئے تیار ہے تو ماؤنٹ بیٹن خوشی سے اچھل پڑا! اس عزت افزائی کے لئے اُسے نہرو، پٹیل اور گاندھی کی ہر شرط منظور تھی۔ اور وہ شرط یہ تھی کہ: انتقالِ اقتدار کی تاریخ یکم جون ۱۹۴۸ء کی بجائے چند ماہ پہلے یعنی اگست کے وسط ۱۹۴۷ء تک کر دی جائے۔ اب شائد اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں رہی کہ آخر وہ کون سا مسئلہ تھا جسے حل کرنے کے لئے کانگرس انتقالِ اقتدار کی تاریخ چند ماہ قبل کرا لینا ضروری سمجھتی تھی۔

پنجاب میں کانگرس کی سب سے بڑی الجھن یہ تھی کہ یہاں سکھوں کی پانچ ریاستیں موجود تھیں۔ جن کے بیشتر حکمران مسلمانوں کے ساتھ بہتر تعلقات رکھنے میں اپنا فائدہ دیکھتے تھے۔ کانگرس کے نزدیک ان سکھ والیانِ ریاست کو مسلمانوں سے دور رکھنے کا بہترین طریقہ یہی تھا کہ انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر ایسے قتل و غارت پر آمادہ کیا جائے جس سے باہمی نفرت اور عداوت کی بنیادیں مضبوط تر ہو سکتی ہوں اور سکھ اپنے طرزِ عمل سے مسلمانوں کی نظر میں اتنے قابلِ نفرت بن چکے ہوں کہ ان کے درمیان کسی مسئلے پر بھی سمجھوتے کا امکان باقی نہ رہے۔

مہاراجہ پٹیالہ جسے پنجاب کے سکھ اور غیر مسلم والیانِ ریاست کے درمیان ایک لیڈر کی حیثیت حاصل تھی، مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی پالیسی پر کاربند تھا، لیکن ماسٹر تارا سنگھ کی اشتعال انگیزی کے باعث پٹیالہ کا یہ نوجوان ولی عہد بُری طرح آکال سینا کے زیرِ اثر آ چکا تھا۔

ہندو سیاست دان اور ہندو پریس جس قدر پنجاب میں سکھوں کی ایک علیحدہ سلطنت ـــــ خالصتان کی حمایت کرتا تھا۔ اسی قدر اس بات سے خوف زدہ تھا کہ اگر سکھ والیانِ ریاست نے ذرا عقل سے کام لیا اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ٹکر لینے کے بجائے مشرقی پنجاب میں کانگرس سے اپنا حصّہ مانگنے پر بضد ہو گئے تو ان کے بڑھتے ہوئے مطالبات کے سامنے ہندوؤں کو جمنا تک پسپائی اختیار کرنا پڑے گی۔ ہندو اپنے سیاسی ترکش کے ایک ہی تیر سے کئی شکار مارنا چاہتے تھے۔ پنجاب کی تقسیم کے بعد جب سکھوں کے دلوں میں اپنی سلطنت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ تو کانگریس کے مہاجنوں کے ذہنوں نے

جو حل پیش کیا وہ یہ تھا کہ مشرقی پنجاب کا جتنا حصہ تم مسلمانوں کے وجود سے
خالی کروا لو گے وہ تمہارا خالصتان ہوگا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے انتقالِ اقتدار
میں جس قدر جلد بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسی قدر تیزی کے ساتھ مشرقی پنجاب
میں مسلمانوں کے قتلِ عام کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ماؤنٹ بیٹن انتقالِ اقتدار کی تاریخ کو چند ماہ پہلے لے آنے کے لئے
بذاتِ خود لندن پہنچا تھا۔ اور لیبر وزارت سے انتقالِ اقتدار کی تاریخ کے
علاوہ ان تمام شرمناک سازشوں کی اجازت بھی لے کر آیا تھا۔ جنہیں گاندھی کے
چیلے پاکستان کی تباہی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ بعد میں آنے والے حالات
سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ریڈ کلف ایوارڈ میں جس قدر بد دیانتی اور بے حیائی کا
مظاہرہ کیا گیا تھا۔ وہ سب کچھ برطانوی دور کے اس آخری وائسرائے کی بھاگ دوڑ
کا نتیجہ تھی۔ جو عملی طور پر پٹیل اور نہرو کا آلہ کار بن چکا تھا اور تاریخ میں یہ یادگار
چھوڑنا چاہتا تھا۔ کہ اس نے بیک وقت بھارت اور پاکستان کا گورنر جنرل
بن جانے کی سعادت حاصل کی تھی! لیکن انتقالِ اقتدار سے پہلے ہی وہ
ہندو نوازی میں اس قدر ننگا ہو چکا تھا کہ قائدِ اعظم اس سے مزید دھوکا نہیں
کھا سکتے تھے۔

اگست ۱۹۴۷ء کی آمد کے ساتھ ہی ہندوستان کے طول و عرض
میں بالعموم اور مشرقی پنجاب میں بالخصوص۔ مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو چکا
تھا۔ جسے کانگرس کے لیڈر پاکستان کی تباہی کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ ان
کے ذہنوں میں پاکستان کا نقشہ کچھ اس طرح تھا کہ تقسیم کے وقت بھارت
میں انگریز نے رسل و رسائل اور انتظامیہ کا جو نظام چھوڑا تھا۔ وہ دہلی

میں اپنے مرکزی دفاتر کے ساتھ براہ راست کانگرس کو منتقل ہو گیا تھا۔ بری، بحری
اور ہوائی افواج کے دفاتر بھی ان کے حصے میں آ گئے تھے۔ پاکستان اس کے
مقابلے میں ایک نیا گھر تھا، جسے مسلمانوں نے اپنے وسائل کے مطابق تعمیر کرنا
تھا۔ اس پر پہلی ضرب یہ لگائی گئی تھی۔ کہ بھارت میں ہندو اکثریت کا کوئی صوبہ
یا علاقہ تقسیم نہیں ہوا تھا، لیکن مسلم اکثریت کے صوبے اور اضلاع تک تقسیم
کر دیئے گئے۔ ہندوؤں کی خواہش کا احترام کرنے کے لئے اس نا انصافی میں
بھی حالات اور ضرورت کے مطابق نئے قاعدے وضع کر لئے گئے تھے۔ یہاں
تک کہ جب نا انصافی کے لئے کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی تو "دیگر لوازمات"
کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ اگر یہ مبہم اصطلاح
استعمال کرنے کے بجائے ریڈ کلف' ماؤنٹ بیٹن کی خوشنودی لکھ دیتے
تو لوگ زیادہ آسانی کے ساتھ اس کا صحیح مفہوم سمجھ لیتے۔ تاریخ کی بے انصافیاں
ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔ جو مظلوم ہو کر پوری قوت کے ساتھ ظلم اور
زیادتی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی حالت ہماری تھی ہمیں
اس وقت ہوش آیا تھا جب وقت کی آندھیوں نے ہمیں بری طرح گھیر لیا
تھا۔ پھر جب زمین ہمارے خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ تو ماؤنٹ بیٹن دنیا
کو یہ خوش خبری سنایا کرتا تھا کہ: "ہم فساد کرنے والے ہندوؤں کو کچل دیں گے"

۱۴ اگست سے قبل سکھ اور ہندو ریاستوں کے فوجی دستے ایک
منظم طریقے سے ان راستوں پر پھیلا دیئے گئے تھے جن پر کنٹرول ایک
منظم قتلِ عام کے لئے ضروری تھا۔ اور دیش بھگت ہندو اپنے سکھ بھائیوں
کا "خالصتان" بنا رہے تھے اور وہ خالصتان، مسلمانوں کی جلتی ہوئی بستیوں اور
ان کے بہتے ہوئے خون سے بن رہا تھا۔

ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کی حیثیت بے بس اور خاموش تماشائیوں کی سی تھی سردار پٹیل کے لئے خاموش رہنا بہت مشکل تھا۔ وہ اس طوفان میں بھی ہندو جاتی کو مشتعل کرنے کا کوئی موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔ گاندھی امن اور شانتی کے حق میں بیان دیا کرتے تھے، لیکن دراصل ہندو راج کے لئے یہ آگ تو انہوں نے خود ہی برسوں کی محنت سے سلگائی تھی۔ بھلا اب وہ کیسے بجھنے کا نام لیتی؟

ہندو اپنے دیرینہ خوابوں سے زیادہ حاصل کر چکا تھا: بھارت کے ساتھ اس کے قبضے میں ملک کی تمام اسلحہ کی فیکٹریاں اور ڈپو آگئے تھے۔ فوج کی تقسیم کا مسئلہ ابھی ادھورا تھا۔ وہ بیشتر ہیڈ ورکس جن سے پنجاب سیراب ہوتا تھا انہی کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ نہرو کشمیر کو ہڑپ کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اور اس کے پیارے ماؤنٹ بیٹن نے بھارتی افواج کو کشمیر کا راستہ دینے کے لئے ضلع گورداسپور کی قربانی پیش کر دی تھی۔

گورداس پور کو اچانک بھارت میں شامل کر دینے کی خبر امرتسر سے لے کر ہوشیار پور اور کانگڑہ کے مسلمانوں پر ایک بجلی کی طرح گری تھی۔ جو اس امید پر بیٹھے ہوئے تھے کہ خطرے کے وقت گورداس پور ان کی جائے پناہ ہوگی۔ پھر ایک علاقے کے قافلے دوسرے علاقے کا رخ کر رہے تھے اور ہر بستی کے رہنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے مشرق، جنوب یا شمال کی طرف یا ان کے راستے میں جو بستی آئے گی۔ وہ ان کے گھر کی نسبت زیادہ محفوظ ہوگی۔ لوگوں کی ٹولیاں پہلے اس طرف بھاگتی تھیں جہاں ان کے رشتہ دار رہتے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچتے تو اجڑی ہوئی بستیاں اور بکھری ہوئی لاشیں ان کا استقبال کرتیں۔ ہندوؤں نے بڑی ہوشیاری سے سکھوں کے

ذہنوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ جس قدر زیادہ تعداد میں وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اسی قدر ان کے خالصتان کا قیام یقینی ہو جائے گا وہ انہیں روپیہ اور اسلحہ بھی مہیا کرتے تھے۔

پولیس ہر جگہ موجود تھی۔ لیکن صرف ان مقامات پر جاتی تھی۔ جہاں مسلمان ان کی توقع سے زیادہ جرأت کا مظاہرہ کرتے۔ ریلوے کا محکمہ موجود تھا۔ لیکن ڈ ہندو اور بلوائیوں کی خواہش کے مطابق گاڑیاں روکتے اور چلاتے تھے۔ آج چالیس، بیالیس سال بعد مسلمانوں کو یہ سمجھنے کے لئے کہ: انہوں نے کتنی قربانیوں کے بعد پاکستان حاصل کیا تھا۔ ان چھوٹی بڑی کربلاؤں کا ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ جو پنجاب کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور پاکستان کی موجودہ نسل شاید ان قافلوں کے آلام و مصائب کا اندازہ لگا سکے جو بھارت سے پاکستان کی طرف جانے والے مختلف راستوں میں یکایک اس طرح گم ہو گئے تھے کہ کسی کو آج تک ان کا سراغ تک نہیں مل سکا۔

ریڈ کلف ایوارڈ کے اعلان سے دو دن قبل سہ پہر کے وقت یوسف کے والد اور خاندان کے دوسرے لوگ مسجد کے قریب پلکن کے قد آور درخت کی چھاؤں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فضا میں بہت حبس تھا۔ اس کے ہائی سکول کے دو ماسٹر بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ عبدالرحیم ان سے شکایت کر رہا تھا۔ کہ جب یوسف کسی نازک وقت پر گھر سے غائب ہو جاتا ہے تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اب یہ بتانے والا کوئی بھی تو ایسا نہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

ماسٹر نے کہا "جناب! یوسف کے متعلق آپ کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ

وہ کوئی اچھا کام ہی کر رہا ہوگا"

"لیکن وہ صبح اٹھتے ہی چلا گیا تھا اور ابھی تک اس کا کوئی پتہ نہیں۔ گھر میں کسی نہ کسی کو اس کا پروگرام معلوم ہوتا ہے لیکن اس دفعہ وہ کچھ بتا کر نہیں گیا"

"جناب، یوسف مسلح ہو کر گیا ہے نا؟"

غلام نبی نے جواب دیا۔ "جی ہاں! وہ مسلح تھا"

"لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ کسی جتھے کے نرغے میں نہ آگیا ہو"

بھلّو جو زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا: "جناب! اس ملک کا کوئی جانور یوسف کے گھوڑے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا اسے گھیر لینا کسی کے بس کی بات نہیں" —— پھر تھوڑے وقفے کے بعد وہ بولا: "میاں جی! میرا دل کہتا ہے کہ یوسف صاحب آرہے ہیں"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے لیٹ کر زمین کے ساتھ کان لگا دیا۔ اور پھر اچانک اٹھ کر بھاگتا ہوا مہمان خانے کے پچھواڑے غائب ہو گیا۔

اب باقی لوگ بھی گھوڑے کی ٹاپ سن رہے تھے۔ یوسف اچانک نمودار ہوا اور بھلّو کے ہاتھ میں لگام تھما کر سیدھا عبدالرحیم کی طرف بڑھا اور السلام علیکم کہتے ہوئے کسی تمہید کے بغیر بولا:

"ابا جی! میں نے یقیناً آپ کو بہت پریشان کیا ہوگا، لیکن میں نے یہ وقت بے کار ضائع نہیں کیا"—— پھر اس نے ہائی سکول کے ماسٹروں سے باری باری مصافحہ کیا۔

"اللہ رکھا! پانی کا گلاس لاؤ مجھے بہت پیاس لگی ہے"

چند ثانیے بعد وہ ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھا کر اپنے باپ سے کہہ

رہا تھا:

"ابا جی! مجھے ڈر ہے کہ آپ اسے میرا وہم نہ سمجھیں۔ لیکن جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ہمیں غیر متوقع باتوں پر بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔ جب ماؤنٹ بیٹن انتقال اقتدار کا پروگرام یکم جون ۱۹۴۸ء سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء پر لے آیا تھا تو میرا ماتھا اس وقت بھی ٹھنکا تھا۔ میرے نزدیک اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جب ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو جاتے تو ہماری حفاظت کے لئے نہ ہمارے ملک کی فوجیں یہاں ہوں گی اور نہ ہی ہمارے پاس اسلحہ ہوگا۔ پھر آپ کو یاد ہے کہ تین جون کے اعلان کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ جن علاقوں میں کسی کی برائے نام بھی اکثریت ہو گی۔ وہ پورے کے پورے پاکستان یا ہندوستان میں شامل نہیں کر دیئے جائیں گے۔ اس نے خاص طور پر گورداسپور کی مثال دی تھی اگر اس کے ذہن میں کوئی ایسا فارمولا تھا تو اس نے ہوشیار پور اور جالندھر کا ذکر کیوں نہیں کیا؛ وہاں کئی علاقوں میں ہماری اکثریت ہے"

سکول ماسٹر نے کہا: "میاں یوسف، ہم تو اس بات پر خوش ہو رہے تھے کہ اس طرح ہماری اکثریت کے بہت سے علاقے بھی پاکستان میں آجائیں گے"

یوسف نے کہا: "جناب، ماؤنٹ بیٹن کے سامنے ہندوستان کو تقسیم کرنے کا پروگرام نہیں ہے۔ وہ صرف ہندو کی خواہش کے مطابق پاکستان کے حصے بخرے کرنا چاہتا ہے ونسٹن چرچل کے اس بیان میں بڑا وزن ہے کہ: "لیبر وزارت ملک کی تقسیم میں ایک مجرمانہ جلد بازی سے کام لے رہی ہے!"

میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ بھارت کو کشمیر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے
راستے کی ضرورت ہے اور ماؤنٹ بیٹن ہندو کی یہ خواہش پوری کرنے کے
لیئے ضلع گورداسپور ان کے حوالے کر دے گا۔ پھر وہ لوگ جو اب تک یہ سوچ
رہے تھے کہ امرتسر، ہوشیارپور، کانگڑہ مشرقی پنجاب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں
اور جموں کے لوگ جو اس امید پہ زندہ ہیں کہ وہ خطرے کے وقت گورداسپور
میں پناہ لے سکیں گے، یکایک آگ اور خون کے طوفان کا سامنا کر رہے
ہوں گے۔ میری اطلاعات یہ ہیں کہ ضلع گورداسپور کے گوردواروں میں سکھ
ریاستوں کے مسلح سپاہی پہنچ چکے ہیں اور ہندو ساہوکار ان کی ضروریات پوری
کر رہے ہیں۔ ریڈکلف کا اعلان ہمارے سر پہ اچانک بجلی بن کر گرے گا۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا، اگر کوئی اور مجھ سے یہ بات کرتا تو میں شاید اُس
کا سر پھوڑنے کی کوشش کرتا، لیکن اب میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس
بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

یوسف نے جواب دیا: "اباجی! میں تمام انتظام مکمل کر کے آیا ہوں۔ خدا
کا شکر ہے۔ کہ مجھے چچا عبدالعزیز صاحب اور عبدالکریم صاحب ٹیلی فون پر مل گئے
تھے۔ اور وہ دونوں مجھ سے متفق ہیں ———

——— صبح ہوتے ہی تین لاریاں ہمارے گاؤں میں پہنچ جائیں گی اور آپ کے
آرام کے لیئے عبدالکریم اپنی کار بھی بھیج دے گا۔ میں شہر سے بھی ایک گاڑی
کا انتظام کر آیا ہوں۔ موٹروں پر ضروری استعمال کے سامان کے سوا کوئی اور
چیز لادنے کی اجازت نہیں ہوگی۔" پھر وہ سکول ماسٹر کی طرف متوجہ ہوا: "جناب!
جو لوگ ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہیں انہیں ہم راستے سے اٹھا لیں گے۔ لیکن
ابھی یہ بات مشہور نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ اب آپ اپنے

اپنے گھر جا کر اپنی گھٹڑیاں باندھ لیں اور ہمیں صبح کی نماز کے فوراً بعد یہاں سے نکل جانا
چاہیئے۔"

غلام نبی نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "بھائی جان، مجھے یقین
نہیں آتا کہ کل صبح ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ اور وہ بھی ہمیشہ کے لیئے۔"

گاؤں کی مسجد میں آخری نماز

یوسف کے گاؤں سے نکلنے والا قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور امرتسر سے آگے لاہور کا رُخ کر رہا تھا۔ وہ واہگہ سے دس میل دور تھے کہ سامنے سے ایک تیز رفتار کار نمودار ہوئی اور چلانے والے نے قافلے کو رکنے کا اشارہ کر کے اپنی کار روک لی۔

یوسف نے جو اپنے والد کے ساتھ سب سے اگلی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ منظور کو دیکھ کر اپنی موٹر روک لی اور پیچھے آنے والوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔ یوسف نے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم پریشان ہو گے لیکن ہم نے دیر تو نہیں کی۔"

منظور بولا: "بھائی پریشانی کی یہ بات ہے کہ چچی بلقیس کو صبح ہوتے ہی یہ اطلاع ملی ہے کہ نسرین عمر اور اس کے والدین راستے کے خطرات سے بچنے کے لئے بہت جلد دریا عبور کر کے سیدھے آپ کے گاؤں پہنچ جائیں گے —— انہوں نے ہوشیار پور میں قائم دین کو یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ کوئی خطرہ مول نہ لیں، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ آج صبح روانہ ہو جائیں۔"

یوسف نے اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کیں۔ پھر اسے ایسے محسوس ہوا کہ اس کے سارے وجود میں جیسے بجلیاں دوڑ رہی ہیں۔

اس نے کہا: "منظور! تم اباجی کے ساتھ کار میں سوار ہو جاؤ میں واپس جا

رہا ہوں اور اباجی کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں کہاں گیا ہوں اور کیوں گیا ہوں۔"

منظور بولا: "بھائی جان، میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

یوسف نے تلخ ہو کر کہا: "تم میری وہاں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ الٹا میرے لئے مصیبت بن جاؤ گے۔ میں نے کبھی تمہیں حکم نہیں دیا۔ آج میں تمہیں یہ حکم دے رہا ہوں۔"

منظور نے بغلگیر ہو کر کہا: "اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

یوسف نے کہا: "اب وقت ضائع نہ کرو اور موٹر میں اباجی کے ساتھ کوئی ایسی بات شروع کر دو کہ ان کی توجہ مجھ سے ہٹ جائے میرا خیال ہے کہ ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان ہو چکا ہوگا اگر یہ اعلان وہی ہے جو میں سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد اگر سڑکیں بند ہو گئیں تو مجھے واپسی کے لئے کوئی اور انتظام کرنا پڑے گا۔ انتہائی خطرناک حالات میں بھی میں یہ کوشش کروں گا کہ میں جگت سنگھ کے گاؤں سے راوی عبور کروں۔ اگر لوگ ہمارے گھوڑے لے نہیں گئے تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ ورنہ سردار منگل سنگھ ہماری پوری مدد کرے گا۔"

منظور عبدالکریم کے ساتھ دوسری کار میں جا بیٹھا اور یوسف نے کسی توقف کے بغیر اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔

وہ کوئی دو فرلانگ آگے گیا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار ٹرک ہارن دے کر اس کے آگے ہو گیا تو ڈرائیور نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ ٹرک پر دو فوجی افسر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور چھ مسلح جوان ان کے پیچھے تھے۔ یوسف کو پہلا اطمینان یہ دیکھ کر ہوا کہ ان میں سے کوئی سکھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ دونوں افسر ٹرک سے اتر پڑے اور ایک نے اپنے

ساتھی سے کہا: "یار تم نے اتنی دور سے انہیں پہچان لیا تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک ہمیں نہیں پہچانا۔"

یوسف نے گاڑی سے اتر کر باری باری اُن سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا:

"یارو پہچان لیا ہے میں نے۔" پھر وہ کہنے لگا: "در اصل، اس وقت میں صرف سکھ اور مسلمان کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر تم دونوں سکھ ہوتے اور تمہارے پیچھے بھی سکھ ہوتے تو پھر تم میری کار کی رفتار دیکھتے۔ میں نے کار روکتے وقت یہ اطمینان کر لیا تھا کہ آپ سکھ نہیں ہیں لیکن جب کوئی پریشانی ہو تو پہچاننا ذرا مشکل ہو جاتا ہے آپ کہاں تک جا رہے ہیں؟"

"بھئی آج رات ہم بٹالے یا گورداسپور رکیں گے۔ اور کل صبح کمانڈنگ افسر کے حکم پر اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لیں گے۔"

یوسف نے کہا: "یار آفتاب! کیا تم دھاریوال نہیں رک سکتے وہاں نہر کا ڈاک بنگلہ تمہارے لئے آرام دہ ہوگا اور تمہارے ساتھیوں کو بھی وہاں سکون ملے گا۔"

میجر آفتاب نے کہا: "بھئی مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، لیکن آپ کیپٹن نعیم سے بھی پوچھ لیں۔"

نعیم بولا: "میں تو یوسف صاحب کے گاؤں جانے کو بھی تیار ہوں۔"

یوسف نے کہا: "نعیم صاحب، ہمارا گاؤں خالی ہو چکا ہے۔ میں ایک اہم مہم پر راستے سے واپس آ رہا ہوں۔ میں آپ کو اپنے خالی گاؤں کی طرف جانے کے خطرے میں نہیں ڈالوں گا، لیکن دھاریوال میں شاید مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پیش آ جاتے۔"

میجر آفتاب نے کہا: "بھائی صاحب، ایسی مہم کو ہم اپنے فرائض میں شامل کر سکتے ہیں۔"

یوسف نے کہا: "میں جن لوگوں کی مدد کو جا رہا ہوں اگر وہ بچ گئے تو ہم رات کسی

وقت ڈاک بنگلے پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے تین چار گھنٹے کے اندر اندر آپ انہیں راوی کے کنارے پہنچا کر واپس آ سکتے ہیں۔ وہ گاؤں جہاں سے ہم نے دریا عبور کرنا ہے ہمارے لئے زیادہ محفوظ ہے۔"

کیپٹن نعیم نے کہا: "بھئی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ خطرناک مہم پر تنہا کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

یوسف نے جواب دیا: "میں بہت سوچ سمجھ کر تنہا جا رہا ہوں۔ اگر کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی تو میں منظور صاحب اور دوسرے مسلح آدمیوں کو واپس نہ کرتا۔"

میجر آفتاب بولا: "بھائی صاحب، ہم صبح کی نماز تک آپ کا انتظار کریں گے۔ ورنہ یہ سمجھ لیا جائے گا۔ کہ ہم پاکستان کے لئے اپنے ایک عظیم ساتھی کی قربانی دے چکے ہیں۔"

یوسف نے کہا: "اگر آپ دونوں کار پر آ جائیں تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو آرام ملے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم اپنے ساتھیوں کو ہدایات دینے کے بعد یوسف کے ساتھ بیٹھ گئے! یوسف نے پیش آنے والی مہم کے متعلق باتیں شروع کر دیں اور غروب آفتاب کے وقت وہ دھاریوال کے ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے۔

یہاں آ کر انہوں نے وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی یوسف نے کچھ مزید کہے بغیر کار سٹارٹ کر دی تو کیپٹن نعیم نے بھاگ کر کہا: "یوسف صاحب! کیا آپ کو اب بھی یقین ہے کہ آپ کو اپنے اس سفر میں کسی ساتھی کی ضرورت نہیں؟"

"نعیم صاحب!" یوسف بولا: "اگر ضرورت ہوتی تو میں آپ کو بلا جھجک بتا دیتا ——— میں یہاں سے آنکھیں بند کر کے اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہوں۔"

اور چند منٹ بعد یوسف نے اپنے گاؤں کے قریب پہنچ کر کار اپنے امرود کے باغ میں کھڑی کر دی۔

گاؤں کی طرف مکمل خاموشی تھی، یہاں تک کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ دور گیدڑوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

چند منٹ بعد وہ گاؤں کی مسجد میں داخل ہوا۔ اور وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ نماز کے دوران وہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہا تھا۔ یہ مسجد اس کے پر دادا کی یادگار تھی اور یہاں آخری نماز ادا کرنے کے بعد وہ پاکستان کی سلامتی اور ان عزیزوں کی سلامتی کی دعا مانگ رہا تھا جو پاکستان جا چکے تھے۔ اس نے مسجد کے فرش پر ہاتھ رگڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لئے اور اُٹھ کر باہر نکل آیا۔ وہاں اسے جنوب کی طرف سرپٹ گھوڑے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ جس کی شاخیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سوار نے مسجد کے قریب آ کر گھوڑا روکا اور گاؤں کے سکوت میں ایک درد ناک آواز سنائی دینے لگی:

"بھائی جان! بھائی جان!! بھائی جان!!! میں آپ کے گاؤں سے آپ کو آوازیں دے رہی ہوں۔ بھائی جان! مجھے معلوم ہے کہ میری آواز آپ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن میں اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہوں۔"

یوسف نے ٹارچ روشن کی اور سوار کی پہلی جھلک دیکھنے کے بعد آگے بڑھ کر ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا:

"نسرین! میں یوسف ہوں۔"

نسرین، گھوڑی سے کود کر چیخیں مارتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"بھائی جان! مجھے یقین تھا کہ آپ میرے انتظار میں کھڑے ہوں گے۔"

یوسف نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "تم ٹھیک ہو نا؟"

"بھائی جان، میں بہت بدقسمت ہوں کہ زندہ ہوں۔" نسرین بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہی تھی۔

"میری بہن، میری بیٹی! تم تو بہت بہادر ہوا کرتی تھی، خدا کے لئے مجھے بتاؤ کیا ہوا؟"

"بتانے والی کوئی بات نہیں بھائی جان، مجھے اب یہ بھی یقین نہیں آتا کہ میں آپ کے پاس کھڑی ہوں ——— آپا خالدہ، بھائی حسن علی اور عمر شہید ہو چکے ہیں۔ ——— بھائی جان حسن علی کہتے تھے کہ اس تحصیل میں ہماری اکثریت ہے اور ہم پاکستان میں رہیں گے۔ لیکن ابا جی نے لکھا تھا کہ ہم یا تو جالندھر آ جائیں تاکہ وہاں سے اکٹھے لاہور پہنچ جائیں یا دریا عبور کر کے ضلع گورداسپور میں داخل ہو جائیں۔

صبح جب ہم دریا عبور کر چکے تھے تو یہ افواہ مشہور تھی کہ آپ کا گاؤں بھی ہندوستان میں آ چکا ہے۔ پھر کافی دیر ہم یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ہمیں کہاں جانا چاہیئے۔ بھائی حسن علی، عمر اور ہمارے تین نوکر سب مسلح تھے۔ ہمارے خاندان کے باقی گیارہ آدمیوں کے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ ایک بجے کے قریب ہم اس طرف چل پڑے۔ لیکن دو میل آگے ہمارے راستے میں پہلے گاؤں پر حملہ ہو چکا تھا۔ ہم نے گاؤں کے لوگوں کا ساتھ دیا اور سکھ اپنے کئی ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس گاؤں کے ادِ آس پاس فصلوں میں چھپے ہوئے لوگ ہمارے قافلے کے ساتھ شامل ہو گئے اور ہم راستے کے خطرناک علاقوں سے کتراتے ہوئے آگے بڑھے لیکن نہر کے پل پر ڈاک بنگلے میں سکھوں کا ایک بڑا جتھا موجود تھا اور ان کی وجہ سے ہمارے لئے پل کے راستے نہر عبور کرنا ناممکن تھا۔

بھائی جان کی ہدایت پر قافلے کے چار پانچ سو آدمی جن کے پاس لاٹھیوں

کلہاڑیوں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھے تو سکھ جوش و خروش سے نعرے لگاتے ہوئے ہمارے سامنے آ گئے۔ ہمارے بائیں ہاتھ دور تک کماد کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ بھائی جان، عمر اور ان کے ساتھ بندوقوں اور رائفلوں سے مسلح آدمی کماد کے کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے نہر کے کنارے پہنچ گئے اور انہوں نے بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی۔ سکھ کئی لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بھائی جان حسن علی نے دور تک ان کا تعاقب کیا، جب واپس آئے تو وہ زخمی تھے اور عمران کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ کسی ایسی جگہ چلا گیا تھا جہاں پر بھاگنے والے سکھ اس کی تاک میں تھے، بھائی حسن علی فخر سے یہ کہتے تھے کہ میرے بیٹے نے اپنی رائفل اور پستول کی آخری گولیاں چلانے کے بعد یہ ہتھیار نہر میں پھینک دیئے تھے۔"

یوسف نے مضطرب ہو کر پوچھا: "میری بہن! میری بیٹی! خدا کے لئے، مجھے آپا خالدہ اور بھائی حسن علی کے متعلق بتاؤ وہ کہاں ہیں؟"

"وہ بھی شہید ہو گئے ہیں، بھائی جان! نہر سے دو میل آگے ہم پر ان نئے جتھوں نے حملہ کیا تھا جن کے پاس آتشیں اسلحہ تھا، بھائی جان کے آخری الفاظ جو میں نے سنے تھے یہ تھے کہ ـــــ ہمارے مقابلے میں کسی سکھ ریاست کی فوج آ گئی ہے نسرین! خدا کے لئے تم یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر تم یوسف کے گاؤں میں پہنچ گئیں تو تمہاری جان بچ جائے گی۔ تمہاری بہن زخمی ہے اسے اپنے پیچھے بٹھا لو ـــــ بھائی جان! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپا جان کب زخمی ہوئی تھیں۔ بھائی جان، انہیں میرے پیچھے سوار کرواتے ہوئے گولی کھا کر گر پڑے۔ جب میں انہیں لے کر بھاگی تو کسی نے پیچھے سے نیزا مارا اور آپا بھی گر پڑیں۔ بھائی جان! میرا پستول بھرا ہوا تھا اور میں چاہتی تھی کہ میں بھی وہیں شہید ہو جاؤں، لیکن ہمارے ایک

نوکر نے دہائی دی ـــــ بیٹی، خدا کے لئے اپنی جان بچاؤ، تمہیں معلوم نہیں کہ یہ لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں ـــــ اس کے ساتھ ہی اس نے میری گھوڑی کی ٹانگوں پر لاٹھی مار دی۔ گھوڑی تڑپی، اچھلی اور ایک طرف بھاگ پڑی مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں اور میرا رخ کس طرف ہے۔ میں نے اسے کسی جگہ رکنے نہ دیا۔ شام کے وقت ایک گاؤں کے قریب گھوڑی کی رفتار اچانک سست ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک حویلی کے سامنے رکی۔ جس کے پھاٹک سے باہر چند آدمی کھاٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے ـــــ ایک آدمی نے پوچھا:

"کون ہے؟" ـــــ مجھے یہ یقین ہو چکا تھا۔ کہ یہ سردار منگل سنگھ کی حویلی ہے۔ جس نے آپ کو یہ گھوڑی دی تھی۔ پھر بھی ایسے وقت میں میرے لئے کسی پر اعتبار کرنا آسان نہیں تھا میں نے گھوڑی کو ایڑ لگا کر باگ موڑ لی اور کوئی جواب دیئے بغیر گاؤں سے باہر بھاگ نکلی ـــــ بھائی جان! مجھے اس بات کا خوف تھا کہ آپ کا گاؤں بھی سنسان ہو چکا ہو گا۔ لیکن آپ میری بات پر یقین کریں، میں نے یہ دعا نہیں مانگی تھی کہ آپ گاؤں میں موجود ہوں۔ میں بار بار اپنے دل میں کہہ رہی تھی۔ خدا کرے کہ آپ یہاں سے نکل کر پاکستان پہنچ چکے ہوں۔"

"نہیں نسرین، یہ ناممکن تھا ـــــ مجھے ایک وہم سا ضرور تھا کہ شاید وہاں سے کوئی دریا عبور کر کے اس طرف آ جائے، لیکن یہ امید نہیں تھی کہ مجھے اطلاع بھی نہیں کی جائے گی۔ پھر تمہارے متعلق تو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا مجھے لاہور کے قریب پہنچ کر تمہارے پروگرام کا علم ہوا تھا اور میں واپس لوٹ آیا تھا۔"

نسرین بولی: "دو ہفتے قبل آپا خالدہ جالندھر آئی تھیں اور امی اور ابو سے

بضد ہو کر مجھے اپنے ساتھ لے آئیں۔ کہتی تھیں کہ اگر ضرورت پڑی تو ہم گورداسپور کے راستے پاکستان پہنچ جائیں گے۔"

دو سرپٹ سواروں کی چاپ سنائی دی اور یوسف نے جلدی سے نسرین کو درخت کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا: "تم یہاں خاموش کھڑی رہو۔"

نسرین نے سہمی ہوئی آواز میں کہا: "بھائی جان! یہ شاید ہمارے آدمی ہوں۔"

یوسف نے جواب دیا: "نہیں، یہ منگل سنگھ اور اس کا کوئی ساتھی ہو سکتا ہے۔ تمہارے آدمی اس وقت گھوڑے بھگاتے ہوئے اس گاؤں کا رخ نہیں کریں گے۔ تم مجھے بتا سکتی ہو کہ تمہارے ان آدمیوں کے نام کیا ہیں؟"

"بھائی جان! ہمارے تین آدمی جو میرے ساتھ آ رہے تھے ان کے نام رحمت علی، محمد صادق اور عبد الرحمٰن تھے۔"

یوسف نے کہا: "اگر وہ اس طرف آئے ہیں تو میں انہیں تلاش کر لوں گا۔ وہ یہیں کہیں چھپے ہوئے ہوں گے۔"

اچانک یوسف نے محسوس کیا کہ گاؤں کے جوہڑ کی طرف سے کوئی دبے پاؤں اس کی طرف آ رہا ہے۔ اس نے ٹارچ روشن کی اور کہا: "بھلو! تم میری آواز نہیں پہچان سکے۔"

بھلو بھاگ کر آگے بڑھا اور اس نے یوسف کے پاؤں کو ہاتھ لگائے۔

یوسف نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا: "دیکھو بھلو! میں نے تمہیں اس بات سے منع کیا تھا۔"

"میاں جی! آپ کا حکم اس وقت تھا اب تو آپ میرے ٹکڑے بھی کر دیں تو میں آپ کے قدموں کو ہاتھ ضرور لگاؤں گا۔"

"میں اس وقت تمہارے ٹکڑے کرنے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ گاؤں کے

باہر ہمارے چند ساتھی کہیں چھپے ہوئے ہیں تم انہیں آوازیں دو۔ اور انہیں یہ بتاؤ۔ کہ ان کے ساتھ دریا کے پار سے جو بی بی آئی ہے وہ مسجد کے قریب یوسف کے ساتھ کھڑی ہیں —— نسرین! تم ایک بار پھر اپنے ساتھیوں کے نام بتا دو۔ میں بھول گیا ہوں۔"

نسرین بولی، "بھائی جان! وہ رحمت علی، محمد صادق اور عبد الرحمٰن ہیں۔"

بھلو "بہت اچھا جی" کہہ کر ایک طرف چلا گیا۔

نسرین نے آہستہ سے پوچھا: "بھائی جان! آپ کے خاندان کے سب لوگ؟"

یوسف نے جواب دیا: "میں نے ٹیلی فون پر چچا عبد العزیز سے مشورہ کرنے کے بعد ان کو گاؤں چھوڑنے پر آمادہ کر لیا تھا اور انہیں لاہور سے چند میل دور ایک جگہ پہنچا کر واپس آ گیا تھا۔"

"بھائی جان! جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ کا گاؤں خالی ہو چکا ہے تو —— آپ واپس کیوں آ گئے؟"

"مجھے اچانک اس خط کی اطلاع ملی تھی جو آپ نے لاہور بھیجا تھا۔"

اتنے میں چند سوار اندھیرے میں آتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ قریب پہنچے تو یوسف نے آواز دی: "سردار منگل سنگھ! تم ہو؟"

"جی! میں ہوں۔ اور بہادر سنگھ کو بھی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

یوسف نے کہا: "یار، اگر تم نسرین کو آواز دے دیتے تو وہ اس قدر خوف زدہ ہو کر یہاں نہ آتی۔"

"جی، میں نے گھوڑی تو پہچان لی تھی لیکن بی بی کو نہ پہچان سکا —— یہ اس وقت کیسے آ گئیں؟"

بھتی، انہوں نے یہ سمجھ کر دریا عبور کیا تھا کہ ضلع گورداسپور پاکستان میں ہے۔ اُو
یہ اپنی بہن، بہنوئی اور ان کے بیٹے کی لاشیں راستے میں چھوڑ آئی ہیں؟"
بہادر سنگھ بولا: "یار! یہ اندھیر ہو رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ دینا ناتھ
نے ایک بڑے جتھے کو جس میں ریاستوں کے مسلح آدمی بھی شامل ہیں پردیسی درختوں
میں ٹھہرا دیا ہے اور جو قافلے اس راستے آئیں گے ان پر پردیسی درختوں سے
حملہ کیا جائے گا۔ دینا ناتھ کا گھر اب ایک بہت بڑا اسلحہ خانہ بن چکا ہے
میں یہ بات افسروں کے نوٹس میں لا چکا ہوں، لیکن مجھے یہ دھمکی دی گئی ہے
کہ اگر تم نے زیادہ شور مچایا تو تمہیں کسی اور جگہ بھیج دیا جائے گا۔ میں سردار منگل سنگھ
سے پوچھنے گیا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اور یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ ابھی تک
گاؤں میں ہیں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ لاہور پہنچ چکے ہوں گے۔ بھگوان کے لئے
یہاں سے فوراً نکلئے اور بابا جگت سنگھ جی کے پرانے گاؤں میں پہنچنے کے بعد
آپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔"

یوسف نے مغموم لہجے میں کہا: "میں لاہور کے قریب اپنے ساتھیوں
کو ہدایات دینے کے بعد وہاں سے لوٹ آیا تھا اور یہاں پہنچ کر مجھے یہ خیال آیا کہ گاؤں
کی مسجد میں آخری نماز پڑھ لوں

جب میں نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ
نسرین مجھے آوازیں دے رہی ہے۔ میں مسجد سے باہر نکلا تو یہ گھوڑی سرپٹ
دوڑاتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ اب میں نے سنا ہے کہ مسلح بلوائی پردیسی درختوں کے
قریب قافلوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

منگل سنگھ نے کہا: "بھائی صاحب! ان کے متعلق سوچنا اب ہمارا کام ہے۔
آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس بچی کو بچانا آپ کا پہلا فرض ہے، دینا ناتھ اور اس کی
دعوت پر جمع ہونے والے بلوائیوں کا معاملہ اب ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ہم
سے جو کچھ ہو سکے گا وہ ہم ضرور کریں گے، میں اپنے گاؤں کے چند آدمی آپ کے
ساتھ بھیجتا ہوں۔ آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں۔"

جوہڑ کے دوسرے کنارے سے بھلو کی آواز سنائی دی: "میاں جی! آپ کے آدمی مل گئے
ہیں۔؟"

اور تھوڑی دیر بعد وہ ان کے سامنے کھڑے تھے ——

یوسف نے کہا: "تمہارے تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور اپنے گھوڑے
یہیں چھوڑ دو —— ہم نہر کی پٹڑی سے ڈیرہ بابا نانک جانے والی سڑک لیں
گے اور سردار جگت سنگھ کے گاؤں سے دریا عبور کرنے کی کوشش کریں گے۔"

بہادر سنگھ نے کہا: "اگر آپ اپنے لوگوں کو لاہور کے قریب پہنچا آئے
ہیں تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ خبر مشہور ہو چکی ہے کہ گورداسپور
ہندوستان میں آ چکا ہے۔ قافلوں کے لئے یہ دن بہت خطرناک تھا اور رات
اس سے بھی زیادہ خوف ناک ہو گی۔ ——
—— یہ افواہ دینا ناتھ کے گھر سے نکلی تھی کہ تحصیل شکرگڑھ کے سوا باقی سارا
گورداسپور کا ضلع بھارت کو دے دیا گیا ہے اور شام تک اکالیوں اور جن سنگھیوں
کے جتھے پردیسی درختوں کے پاس جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ان کے لیڈر،
دینا ناتھ کے گھر پہلے ہی آ چکے تھے۔ اور میں نے اپنے چند آدمیوں کو جن میں سے
ایک عبدالکریم کے مزارع ہردیال سنگھ کا بیٹا جگجیت سنگھ بھی تھا وہاں بھیج دیا تھا ——
دینا ناتھ نے وہاں تقریر کی تھی اور کہا تھا کہ: "مدتوں سے پردیسی درختوں کی صحیح
گنتی نہیں ہو سکی تھی اب ہم وہ کام کریں گے جو پہلے کسی سے نہیں ہو سکا۔ ہم ہر

درخت کے نیچے ایک ایک آدمی قتل کریں گے اور لاش وہیں چھوڑ دیں گے۔ پھر تمام لاشیں ایک جگہ جمع کی جائیں گی اور گاؤں کے سات معتبر آدمی باری باری اُن کی گنتی کریں گے۔ یہ بھی اچھی طرح دیکھا جائے گا کہ کوئی درخت ایسا نہ رہے جہاں کوئی لاش موجود نہ ہو۔"

اس پر چمن لال برہمن نے کہا: "ان پردیسی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے ہمیں مردوں کے بجائے کنیاؤں کا بلیدان پیش کرنا چاہیئے ـــــ بعض لوگ اس بات پر بہت خوش تھے لیکن پڑوس کے گاؤں کے سردار لچھمن سنگھ نے کہا: "باہر سے جو جتھے آئے ہیں وہ قتل اور لوٹ مار کے بعد چند منٹ بھی یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ رات کے اندھیرے میں کنیاؤں کو کون تلاش کرے گا اور دینا ناتھ جیسے لوگ تو دن کی روشنی میں بھی مرد اور عورت میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اگر باؤنڈری فورس میں سے بلوچ رجمنٹ کا کوئی دستہ ادھر آگیا تو اس گاؤں کے لوگ بھی اپنے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔" پھر ایک ہندو نے یہ کہا، ـــــ "بھئی ہمارا مقصد پردیسی درختوں کو بلیدان پیش کرنا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔"

منگل سنگھ نے کہا: "بھائی صاحب! آپ وقت ضائع نہ کریں۔ ـــــ پردیسی درختوں کے نیچے عورتوں کو قتل کیا جائے یا مردوں کو، لیکن دینا ناتھ، اس کا بیٹا اور اس کے خاص آدمی یہ تماشا دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہیں گے۔ آپ فوراً روانہ ہو جائیں ـــــ بہادر سنگھ! تم بھی ان کے ساتھ جاؤ۔ بھلّو کو بھی آپ کے ساتھ جانا چاہیئے۔ دریا سے آپ اسے واپس کر دیں۔ تو میں اسے اپنے پاس رکھ لوں گا اور ایک بھائی کی یادگار سمجھ کر اس کی خدمت کروں گا۔ کیوں بھلّو! تم میرے ساتھ خوش رہ سکو گے نا؟ ـــــ دیکھو! میں کئی جنم لینے کے بعد

بھی یوسف نہیں بن سکتا، لیکن تمہیں یہ کبھی محسوس نہیں ہونے دوں گا کہ میں تمہیں اپنا بھائی نہیں سمجھتا۔"

یوسف نے کہا: "میرا خیال ہے۔ بھلّو کو یہیں رہنا چاہیئے۔ ہماری کار اس طرف کھڑی ہے۔ ہم نے راتوں رات سردار جگت سنگھ کے گاؤں پہنچنا ہے۔ اس لئے یہ سفر بہت سخت ہوگا۔"

منگل سنگھ نے کہا: "بھائی صاحب! چلو، ہم تمہیں کار کے پاس چھوڑ آئیں۔ اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو میں اپنے گاؤں سے چار سوار اور آپ کے ساتھ بھیج سکتا ہوں۔"

"نہیں سردار جی، چار کی ضرورت نہیں ـــــ میرا گھوڑا دریا تک پہنچانے کے لئے صرف ایک آدمی کی ضرورت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کار کے پاس کھڑے تھے۔ یوسف نے نسرین کو پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ اور کہا:

"بیٹی! تم نے اپنا سر نیچے رکھنا ہے اور سخت ضرورت کے بغیر تمہیں فائر نہیں کرنا چاہیئے۔ ـــــ بہادر سنگھ! میرا خیال ہے۔ اس وقت تک تمہارا نشانہ بہتر ہو گیا ہوگا۔ اس لئے تم میرے ساتھ آگے بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس بارود اتنا ہے کہ وہ سارا راستہ ختم نہیں ہوگا۔" پھر وہ منگل سنگھ سے بغلگیر ہو کر بولا:

ـــــ "میرے دوست! یہ باتوں کا وقت نہیں ہے ورنہ میں تم سے بہت کچھ کہتا ـــــ ہاں! ایک ضروری بات جو اس وقت میرے ہونٹوں پر آگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر کسی بدنصیب کو بچا سکو تو صبح کی اذان سے پہلے دھاریوال میں نہر کے ڈاک بنگلے میں لے آؤ۔ میں وہاں اپنی اور اپنے ساتھ جانے والوں کی حفاظت کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔"

پھر وہ منگل سنگھ کو کوئی بات کرنے کا موقع دیئے بغیر کار میں بیٹھ گیا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

منگل سنگھ کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ سوار کار کے دائیں بائیں اور پیچھے جا رہے تھے۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: "بھگوان! ہم پر کیسا وقت آگیا ہے"۔

پھر وہ وہاں سے چل پڑا۔

چند منٹ بعد منگل سنگھ، عبدالکریم کی حویلی پر اس کے مزارع ہر دیال سنگھ کو آوازیں دے رہا تھا۔ ہردیال سنگھ اور اس کا بیٹا جگجیت سنگھ نکلے اور بوڑھے کسان نے آگے بڑھ کر کہا "سردار منگل سنگھ! آپ؟ بھگوان کتنی جلدی دعائیں سنتا ہے۔ اگر اس وقت میں نے کچھ اور مانگا ہوتا تو وہ بھی مل جاتا۔ آپ نے سُن لیا کہ آج پردیسی درختوں کے نیچے خون کی ندیاں بہائی جائیں گی"۔

"ہاں! میں نے سن لیا ہے۔ کہ لوگوں کو دینا ناتھ نے پردیسی درختوں کی صحیح گنتی کا طریقہ بتایا ہے"——"سردار جی! آپ اندر آجائیں۔ یہاں کئی ایسے لوگ حویلی میں بیٹھے ہوئے ہیں جو اس پاپ میں حصّہ لینا نہیں چاہتے"۔

منگل سنگھ گھوڑے سے اتر کر حویلی کے اندر داخل ہوگیا اور پچیس آدمی جن میں سے آٹھ مقامی عیسائی بھی تھے اس کے گرد جمع ہو گئے۔

منگل سنگھ نے کہا: "ہم ایک بہت بڑے پاپ کو روک تو نہیں سکتے، لیکن میں تم سے ایک وعدہ کر سکتا ہوں کہ: دینا ناتھ اور اس کے لڑکے اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی یہ تماشا نہیں دیکھ سکے گا۔ تم چند رسے اٹھا لو اور میرے پیچھے چلے آؤ۔ اور دیکھو! بھگت رام دوکان دار کو گھر سے نکالو اور اس کی دکان کھلوا کر مٹی کے تیل کے جتنے کنستر بھی وہاں موجود ہیں انہیں نکلوا لو —— ہردیال سنگھ! اگر یہاں مٹی کے تیل کا کوئی ٹین موجود ہے تو وہ بھی اٹھا لو اور باقی آدمی یہاں سے پرالی کا ایک ایک گٹھا اٹھا لیں اور میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں۔ میری طرح ڈھاٹے اس طرح باندھ لو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ سکے"۔

دینا ناتھ کی حویلی مسلح آدمیوں سے بھری ہوئی تھی اور چھ سات آدمیوں نے مشعلیں اٹھا رکھی تھیں۔ اس سے چند قدم دور دوسری حویلی کے بُلند دروازے سے عورتوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی تھی۔ جگجیت نے منگل سنگھ کے قریب جا کر آہستہ سے کہا: "سردار جی! اس جگہ وہ عورتیں ادھر ادھر سے پکڑ کر لا رہے ہیں۔ تین آدمی حویلی کے دروازے پر پہرہ دے رہے ہیں اور چھ سات ہندو اور سکھ اندر موجود ہیں۔ شام کے وقت دینا ناتھ اور اس کا لڑکا اس حویلی کے اندر گئے تھے۔ دینا ناتھ باہر نکل کر لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ: "جب تک مَیں قیمت کا فیصلہ نہ کروں۔ کسی لڑکی کو خریدنے والوں کے سپرد نہ کرو۔ ان سے جو کچھ وصول ہوگا۔ وہ ہم گاؤں کے لوگوں پہ تقسیم کریں گے"۔

منگل سنگھ نے کہا: "جو آدمی دروازے پر کھڑے ہیں۔ انہیں پکڑ کر رسوں سے باندھ دو کسی کو آواز نکالنے کا موقع نہ دو اور دینا ناتھ کی حویلی کے دروازے کے سامنے اور ڈیوڑھی پر پرالی کے ڈھیر لگا دو اور اس کے اوپر مٹی کا تیل چھڑک دو۔ تیل کا ایک عدد کنستر بچا لو۔ شاید ہم اس سے کوئی اور مفید کام لیں۔ کوئی مقابلہ کرے تو تمہیں اپنی برچھیوں اور کلہاڑیوں سے کام لینا چاہیئے"۔

منگل سنگھ اور اس کے ساتھی چند منٹ میں کسی دقت کے بغیر یہ کام سرانجام دے چکے تھے۔ شراب سے بدمست سکھوں کو اس وقت بھی کسی خطرے کا احساس نہ ہوا۔ جب منگل سنگھ کے ساتھیوں نے پرالی کا ایک گٹھا حویلی کے دروازے کے سامنے پھینک کر اس پر تیل چھڑک دیا تھا۔ ایک سرپٹ سوار باہر سے حویلی کے دروازے کے قریب پہنچا۔ منگل سنگھ نے بھاگ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اور کہا: ”بے وقوف! فوج کا دستہ ابھی یہاں سے گزرا ہے۔ اگر انہوں نے یہ شور سن لیا۔ تو وہ واپس آکر سارا گاؤں بھون ڈالیں گے۔“

سوار بولا: ”جی، جتھے دار صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ سیٹھ جی کو بلا لاؤ تاکہ ہم اپنی کارروائی ختم کرکے واپس جائیں۔ جتھے دار صاحب اس بات پر بہت ناراض ہیں کہ سیٹھ آرام سے گھر میں بیٹھا کیا کر رہا ہے؟“

منگل سنگھ نے کہا: ”اس طرف سے دروازے بند ہیں۔ تم حویلی کے پچھواڑے سے چھت پر چڑھ کر دینا ناتھ کو دو چار گالیاں دو تو وہ فوراً باہر نکل آئے گا۔ وہ جتھے دار صاحب سے بہت ڈرتا ہے۔ بھئی! دو آدمی اس کے ساتھ جائیں اور اسے سہارا دے کر پچھواڑے کی دیوار پر چڑھا دیں۔ وہاں سے چھت پر چڑھنا مشکل نہیں ہوگا۔ ورنہ ساری رات کوئی اس کی بات نہیں سنے گا۔“

دینا ناتھ حویلی میں داخل ہونے والے آدمیوں سے باتیں کر رہا تھا: ”بھئی، تھوڑی دیر صبر کرو۔ کارروائی شروع کرنے سے پہلے جتھے دار کا آدمی میرے پاس آئے گا اور ہم سب اس کے ساتھ چلیں گے۔ جتھے دار کے ساتھ یہ بات بھی پکی ہو چکی ہے۔ کہ تم جس عورت کو بچانا چاہو گے وہ معمولی قیمت پر تمہیں

مل جائے گی۔“

چھت کے اوپر سے آواز آئی۔ ”دینا ناتھ! تم جس قدر بدمعاش ہو اسی قدر بزدل ہو۔ تم نے پہرے داروں کے ہوتے ہوئے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ باہر فوج گشت کر رہی ہے۔ اگر تمہارے آدمی میری مدد نہ کرتے تو میں تم سے بات بھی نہ کر سکتا۔“

دینا ناتھ نے فریادی ہو کر کہا: ”مہاراج! وشواس کیجئے، جس فوج کا آپ بتا رہے ہیں وہ پٹیالہ کی تھی۔ بلوچ رجمنٹ کا کوئی دستہ اس علاقے میں نہیں۔“

منگل سنگھ نے بلند آواز میں کہا: ”سیٹھ جی! جتھے دار کا دوسرا آدمی آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم فوراً پردیسی درختوں کے پاس پہنچ جاؤ، ورنہ ہم جانے سے پہلے تمہارے گھر کو آگ لگا دیں گے۔“

دینا ناتھ چلایا: ”کہاں ہے وہ آدمی؟“

”تم اندھیرے میں اسے دیکھ نہیں سکو گے، لو میں روشنی کرتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے تین مشعلیں ڈیوڑھی کے اندر باہر پرالی کے ڈھیروں پر گریں۔ اور آن کی آن میں سارا علاقہ چکا چوند ہو گیا۔ دینا ناتھ اور اس کے ساتھی سکتے کے عالم میں پھیلتی ہوئی آگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایک سکھ نے گرج کر کہا: ”دینا ناتھ! جب پہرے دار موجود تھے تو تم نے دروازے کیوں بند کئے تھے؟“

دینا ناتھ نے انتہائی عجز و انکسار سے جواب دیا: ”جناب! پہرے دار بالکل موجود نہیں تھے۔ سب اندر آ گئے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں یہ ہوا کیا ہے؟“

”بے وقوف کے بچے! انہوں نے پرالی پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی ہے۔“

اور کیا ہوا ہے۔ اب تم بائیں طرف کھُرلی کی طرف بھاگو اور وہاں سے دیوار پھلانگ کر دوسری طرف کوُد جاؤ۔ بچاؤ کی اور کوئی صورت نہیں۔"

بدحواس لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے اور چلاّتے ہوئے دیوار پھلانگنے لگے۔

دینا ناتھ دیوار کے ساتھ لٹک کر کہہ رہا تھا "یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے۔ کہ ہماری عورتیں دوسرے گھر چلی گئی تھیں ——— بھئی! بھگوان کے لئے میری مدد کرو۔"

دو مضبوط آدمیوں نے دینا ناتھ کو دیوار پر چڑھا کر دوسری طرف دھکیل دیا۔ وہاں کھُرلی کے ساتھ مویشی بندھے ہوئے تھے۔ دینا ناتھ اچانک ایک بھینس کی گردن پر گرا۔ اور وہ رسا تڑوا کر ایک طرف بھاگ نکلی۔

چند منٹ بعد جب دینا ناتھ کی تلاش شروع ہوئی تو وہ حویلی کے عین درمیان پڑا کراہ رہا تھا۔ باہر کی جو پہلی اطلاع اس نے سنی وہ یہ تھی کہ جو عورتیں دوسری حویلی میں بند تھیں انہیں نامعلوم حملہ آور نکال کر لے گئے ہیں۔

ایک آدمی نے کہا: "اس بدمعاش کو اٹھاؤ اور پردیسی درختوں میں لے چلو۔ جتھیدار سخت غصّے کی حالت میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔"

دینا ناتھ اُٹھ کر لنگڑاتا ہوا چل دیا۔ "جناب! میں جتھے دار صاحب سے معافی مانگ لوں گا۔ لیکن یہ ہوا کیسے؟"

اس کا لڑکا جو پاس ہی کھڑا تھا بولا: "پتاجی! یہ کسی کو معلوم نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عبدالرحیم اور اُس کے گھر کے لوگ واپس آ گئے ہیں۔"

دینا ناتھ نے پوچھا۔ "بیٹا ہمارا گھر بچ گیا ہے نا؟"

"ہاں پتاجی، انہیں اس طرف آگ لگانے کا خیال نہیں آیا۔"

"تم بھاگ کر جاؤ اور وہ تھیلی جو ہم نے جتھے دار صاحب کے لئے رکھی تھی اُٹھا کر لے آؤ۔"

یوسف کار چلاتا ہوا سیدھا ڈاک بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم وہاں اس کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے کار کے قریب پہنچے۔ اتنی دیر میں سوار بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ یوسف نے کار سے اُتر کر کیپٹن نعیم کے سوالات کے جواب میں اپنی سرگزشت سُنا دی۔

بہادر سنگھ کار سے اُتر کر ایک طرف کھڑا تھا۔ نعیم اور آفتاب انتہائی اضطراب کی حالت میں یوسف کی زبان سے نسرین کی سرگزشت سُن رہے تھے۔ پھر کیپٹن نعیم نے قدرے توقف کے بعد کہا: "آپ اچھے وقت پر آ گئے ہیں۔ اب اگر ہم فوراً روانہ ہو جائیں تو بہت جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔"

یوسف نے جواب دیا: "نعیم صاحب! ہمیں چند منٹ سردار منگل سنگھ کا انتظار کرنا ہوگا۔ وہ ایسے لوگوں کو یہاں پہنچانے کے لئے آئے گا۔ جنہیں پاکستان پہنچنے کے لئے ہماری اعانت کی ضرورت ہوگی، مجھے یقین ہے کہ وہ دیر نہیں کرے گا اگر تم چند قدم ٹہلنا پسند کرو تو ممکن ہے کہ میں اسٹیشن کے پلیٹ فارم سے آپ کو پردیسی درختوں کے آس پاس یا دینا ناتھ کے گھر میں سردار منگل سنگھ کی کارگزاری کا نتیجہ دکھا سکوں۔"

نعیم نے کہا: "میں خود بھی کچھ فاصلہ پیدل چلنا چاہتا ہوں۔"

یوسف نے کار کا پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا: "نسرین بیٹی! آؤ، تم بھی تھوڑی سی سیر کر لو۔ بہادر سنگھ! تم ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔"

انہیں ڈاک بنگلے سے کوئی دو فرلانگ آگے نکلنے کے بعد جنوب مشرق کے افق پر آگ کے شعلے دکھائی دیئے۔ بہادر سنگھ نے کہا: "جناب! دینا ناتھ کے گاؤں میں سردار منگل سنگھ کی کارگزاری کا نتیجہ نظر آ رہا ہے۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچے تو آگ کے شعلے اور زیادہ نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔

یوسف نے کہا: "نعیم صاحب! مجھے یقین ہے کہ اب منگل سنگھ کو یہاں پہنچتے پہنچتے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگے گا، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سے پہلے پہنچ جائے۔ وہ سیدھے اس طرف آئیں گے۔ آپ واپس جا کر تیاری کریں۔ میں انہیں لے کر آتا ہوں۔"

بہادر سنگھ نے کہا: "نہیں ویر جی، یہ کبھی نہیں ہوگا۔ آپ چھوٹی بی بی کو لے کر ان کے ساتھ ڈاک بنگلے چلے جائیں۔ میں یہاں ڈیوٹی دوں گا۔"

یوسف نے نعیم اور آفتاب کے ساتھ چلتے ہوئے نسرین سے کہا: "نسرین! پیچھے مڑ کر مشرق کی طرف دیکھو پھر میں تمہیں ایک دلچسپ بات سناؤں گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ڈاک بنگلے کے کشادہ صحن میں کرسیوں پر بیٹھے ہوتے تھے تو نسرین نے پوچھا: "بھائی جان! وہ دلچسپ بات کیا ہے؟"

"دن کے وقت وہاں سے کانگڑہ کے پہاڑوں کے دلچسپ مناظر نظر آتے ہیں چاند کی سولھویں، سترہویں یا اٹھارہویں رات کو میں نے بارہا اسی پلیٹ فارم سے چاند نکلنے کا ایک دلچسپ منظر دیکھا ہے۔ پہلے ایک برفانی چوٹی کے عقب سے آسمان کی طرف اٹھتی ہوئی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ پھر جب چاند آہستہ آہستہ ابھرتا ہے تو چند لمحات کے لئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے پہاڑ کے برفانی سر پر ایک

چمکتا ہوا تاج رکھ دیا ہے۔ اس چمکتے ہوئے تاج کی روشنی سے آس پاس کی چوٹیاں چمک اٹھتی ہیں۔ میں ایک سکتے کے عالم میں یہ منظر دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن مجھے خیال آیا تھا کہ اگر میرے بس میں ہو تو پہاڑی کی چوٹی سے یہ تاج اتار کر فہمیدہ شہزادی کے سر پر رکھ دوں۔"

وہ کوئی چالیس منٹ باتیں کرتے رہے۔ پھر بہادر سنگھ بھاگتا ہوا آیا اور اس نے کہا: "جی، سردار منگل سنگھ چند عورتوں کے ساتھ آ رہا ہے۔"

دس منٹ بعد منگل سنگھ اور اس کے مسلح آدمی گیارہ لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے تھے جنہیں دینا ناتھ کے گاؤں سے آزاد کروایا گیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی چیخیں اور سسکیاں ضبط کر کے اپنی تباہی اور بربادی کی داستانیں سنا رہی تھیں۔ کسی کے والدین، چچا، ماموں اور بھائی قتل ہو چکے تھے اور اسے اپنے جلتے ہوئے گھر سے نکال کر دینا ناتھ کے گاؤں لایا گیا تھا۔ کسی کے خاندان کے مرد کھیتوں میں قتل ہو چکے تھے اور بوڑھی عورتوں کو گھروں میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ایک جوان عورت کے گھر پر حملہ کرنے والوں نے اس کا دودھ پیتا بچہ چھینا اور ہوا میں اچھال کر اس پر تیغ زنی کی مشق کی تھی۔

کیپٹن نعیم نے کہا: "تمہاری باتیں بہت دردناک ہیں، لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم تمہیں جلد از جلد پاکستان پہنچا دیں۔ تم فوراً ٹرک پر سوار ہو جاؤ، ہمارے پاس بہت تھوڑا وقت ہے۔ اس وقت ہمارے لئے کوئی دوسرا بندوبست کرنا ممکن نہیں۔"

منگل سنگھ نے کہا: "جی، دو آدمیوں کو میں اپنے گھوڑے دے سکتا ہوں۔ جب آپ دریا عبور کریں گے تو سردار جگت سنگھ انہیں سنبھال لے گا۔"

یوسف کار چلا رہا تھا۔ نسرین اور ایک نوجوان لڑکی اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ پچھلی سیٹ پر میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم کے ساتھ بہادر سنگھ کو جگہ دی گئی تھی دو سپاہی سواروں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور باقی ٹرک پر عورتوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ رخصت ہوتے وقت منگل سنگھ نے کہا: "یوسف جی! بڑے میاں صاحب کو بتا دینا کہ جن پردیسی درختوں کے نیچے مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، وہاں ہم سب سے بڑے درخت پر دینا ناتھ اور اس کے بیٹے کو لٹکا آتے ہیں۔ اسے اٹھانا آسان نہ تھا، ہم اسے گھوڑے پر لے گئے تھے اور درخت سے بندھا ہوا رسا اس کے گلے میں ڈال کر گھوڑے کو ہانک دیا تھا، ہم نے دینا ناتھ کا گھر بھی مکمل طور پر جلا دیا ہے اور اس سے پہلے میں نے اپنے ساتھیوں کو وہاں لوٹنے کی اجازت دے دی تھی لیکن دینا ناتھ کا کونڈا کر دینے کے بعد بھی میرا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔"

یوسف نے کہا: "سردار جی، میں ان مظلوم عورتوں کو یہاں پہنچانے کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔"

میجر آفتاب بولا: "سردار منگل سنگھ! ہم سب شکر گزار ہیں۔ اگر ہر گاؤں میں تمہارے جیسا ایک آدمی ہوتا تو ہم شاید یہ تباہی نہ دیکھتے۔"

"اچھا خدا حافظ!" یوسف نے یہ کہتے ہوئے کار اسٹارٹ کر دی اور اس کے پیچھے ٹرک اور گھڑ سوار روانہ ہو گئے۔

ڈیرہ بابا نانک کی طرف جانے والی سڑک کے ایک پل پر انہیں سکھوں کے ایک جتھے نے روک لیا، لیکن جب ان کی گولیوں کا جواب گولیوں سے دیا گیا تو وہ دبک گئے۔ بہادر سنگھ نے کار سے باہر نکل کر بلند آواز میں کہا: "او سکھو! کون ہے۔ تمہارا جتھے دار، جسے پولیس کے افسر سردار بہادر سنگھ پر بھی گولی چلاتے ہوئے

شرم نہیں آئی؟ تمہیں یہ بھی سمجھ نہیں کہ میرے پیچھے جو فوج کے آدمی آ رہے ہیں وہ تمہیں مشین گن کی گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔ فوج کی پوری کمپنی اس طرف آ رہی ہے۔ اور اگر تم نے ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا تو وہ تمہارے گاؤں کے گاؤں جلا دیں گے۔"

پھر کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ حملہ آور کدھر سے آئے تھے اور کدھر بھاگ گئے۔

ان کے سامنے چار مقامات پر مسلح سکھوں کی ٹولیاں آئیں، لیکن وہ بندوقوں کے ہوائی فائر سے ہی بھاگ گئے۔

ایک جگہ لوٹ مار کے سامان سے لدا ہوا ایک گڈا کھڑا تھا یوسف کو سڑک کے کنارے کار کی روشنی میں دو سکھ دکھائی دیئے۔ جو دو لڑکیوں کو بالوں سے پکڑ کر کھیتوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ایک عورت کو گھسیٹا جا رہا تھا۔ گھسیٹنے والے سکھ کا قد کافی لمبا تھا۔

یوسف نے کہا: "نسرین، اگر تم چاہو تو اپنا پستول چلا سکتی ہو۔"

یوسف ہارن بجاتا ہوا کار کو سڑک سے اتار کر کھیت کے کنارے لے گیا اور اس کے ساتھ ہی نسرین نے فائر کر دیا۔ گولی سکھ کے سر پر لگی اور وہ گر پڑا۔ یوسف نے کار کو ذرا موڑتے ہوئے کہا: "بہادر سنگھ! اب تمہاری باری ہے۔"

بہادر سنگھ نے فائر کیا اور دوسرے سکھ نے منہ کے بل گرتے ہوئے عورت کو بھی گرا دیا۔ بہادر سنگھ نے کار سے اتر کر گرے ہوئے سکھ کو پاؤں سے ٹھوکر ماری اور عورت کو جو پانی اور کیچڑ سے لت پت ہو چکی تھی بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ کار کے اگلے پہیئے نرم زمین میں دھنس چکے تھے۔ لیکن ٹرک پر سے جوانوں نے اتر کر مدد کی اور کار باہر نکل آئی۔

یوسف نے عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بہنو! اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں اگر اس گڈے پر تمہارا سامان ہے تو وہ اتار لو۔ اس کے لئے ٹرک میں جگہ ہے۔ ہم تمہیں پاکستان پہنچا دیں گے۔"

"بھائی صاحب! اگر آپ ہمیں پاکستان پہنچا سکتے ہیں۔ تو ہمیں کوئی سامان اٹھانے کی ضرورت نہیں۔"

کیپٹن نعیم نے کہا۔ "نہیں بی بی! اگر کسی بکس میں تمہارے کپڑے یا زیور ہیں تو وہ اٹھاؤ۔ تمہیں ضرورت پڑے گی۔"

یوسف نے ڈیش بورڈ سے ٹارچ نکال کر بہادر سنگھ کو دی اور کہا۔ "بہادر سنگھ یہ لو اور ان کی مدد کرو۔"

تھوڑی دیر میں دو ٹرنک ٹرک پر لادے جا چکے تھے اور یہ قافلہ روانہ ہو گیا۔

ڈیرہ بابا نانک سے نکلتے ہی ان کے راستے میں ایک جتھا کھڑا تھا یوسف نے ہارن دیا اور کار اور ٹرک سے یک دم فائر ہونے لگے تو سکھ حملہ آور "فوج آگئی ——— فوج آگئی ——— بلوچ رجمنٹ آگئی" کہتے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ پھر ڈیرہ بابا نانک سے آگے چند میل تک سڑک پر بکھرے ہوئے لوگ اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہے تھے ——— "مسلمانوں کی فوج آگئی ہے ——— بلوچ رجمنٹ آگئی ہے ——— سڑک سے دور رہو" ——— کوئی بارہ میل انہوں نے بڑی تیز رفتار سے طے کئے۔ پھر سڑک کے کنارے ایک جوہڑ دیکھ کر بہادر سنگھ چلایا "یوسف جی! اب ہم نے دائیں طرف مڑنا ہے۔"

دائیں طرف تین میل چلنے کے بعد بہادر سنگھ نے کہا۔ "ویر جی! اب سب کو ہوشیار ہو جانا چاہیئے۔ گنڈا سنگھ بدمعاش کا گاؤں بہت قریب ہے اور بابا جگت سنگھ

بھی یہ کہتے تھے کہ ہمارے علاقے کے جو لوگ پٹیالہ کی فوج میں ملازم ہیں۔ انہوں نے بہت سا اسلحہ وہاں جمع کر رکھا ہے ——— میجر صاحب! آپ اپنے ساتھیوں سے کہہ دیجئے کہ ہماری پہلی چند گولیاں نشانے پر لگیں تو وہ بھاگ جائیں گے۔"

لیکن گاؤں کے قریب سے گزرتے ہوئے جب انہیں کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو بہادر سنگھ نے کہا۔ "گنڈا سنگھ کے آدمی مار دھاڑ کے لئے کہیں اور گئے ہونگے۔"

گاؤں سے نکلتے ہوئے انہیں ایک حویلی میں عورتوں کی چیخیں سنائی دیں۔ بہادر سنگھ نے کہا۔ "میجر صاحب! یہ گنڈا سنگھ کی حویلی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آس پاس سے عورتیں جمع کرنے کے بعد وہ کسی بڑی مار پر گیا ہے۔"

یوسف نے کار بائیں ہاتھ کماد کے ایک کھیت کے قریب کھڑی کر دی اور اتر کر میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم سے کہا: "شاید آپ اس حملے کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ اپنے جوانوں سے کہہ دیجئے کہ وہ دشمن کو، اس کار اور ٹرک سے دور رکھیں میں اُن مسلح سواروں کو لے جاتا ہوں جو میرے ساتھ آئے ہیں اور بہادر سنگھ میری راہنمائی کرے گا۔"

کیپٹن نعیم نے کہا۔ "اگر مسلح آدمیوں کا کوئی گروہ ہمارے سامنے آگیا تو ہماری ہر گولی نشانے پر لگے گی ——— اگر آپ کسی نقصان کے بغیر عورتوں کو نکال لائے تو ہمیں اس بات سے خوشی ہوگی۔"

تھوڑی دیر بعد بہادر سنگھ، گنڈا سنگھ کی حویلی کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ اندر سے ایک آدمی کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

بہادر سنگھ نے جواب دیا "او بے وقوف کے بچے، پولیس آئی ہے اور فوج بھی آئی ہے۔ دروازہ کھولو۔ جلدی کرو، ورنہ فوجی دو منٹ کے بعد دیواریں پھلانگ کر اندر آجائیں گے۔"

اندر سے آواز آئی: "جناب اگر ہم نے دروازہ کھول دیا تو سردار گنڈا سنگھ ہمارے سر اتار دے گا۔"

"لیکن گنڈا سنگھ سے پہلے ہم تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔" یہ کہتے ہوئے بہادر سنگھ نے پھاٹک پر ایک گولی چلا دی۔ اندر سے دو آدمیوں نے دہائی دی۔ "گولی نہ چلائیے، مہاراج! ہم دروازہ کھولتے ہیں۔"

بہادر سنگھ نے آواز دی۔ "میجر صاحب! اب آپ آسکتے ہیں۔"

مسلح آدمی بھاگتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور جب پھاٹک کھلا وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک کمرے میں بارہ عورتوں کو تلاش کیا گیا۔ اور ایک کوٹھری کا تالا توڑا گیا جو اسلحہ سے بھری ہوئی تھی۔ بیس رائفلوں اور بندوقوں اور بارود کے ایک صندوق کے علاوہ اس کوٹھری سے پانچ ٹامی گنیں برآمد ہوئیں۔

میجر آفتاب نے کہا: "یوسف صاحب! جب آپ تقریریں کیا کرتے تھے۔ تو ہمیں یقین نہیں آتا تھا کہ ہمارے دشمن اس قدر اسلحہ جمع کر چکے ہیں ——— بہادر سنگھ! وہ گاؤں کتنی دور ہے۔ جہاں ہم نے جانا ہے؟"

"جی، وہ ڈیڑھ میل سے زیادہ نہیں، یہاں سے چند قدم آگے سرکنڈوں کا جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ جو دریا تک جاتا ہے۔"

میجر آفتاب نے ایک جوان سے کہا: "بھئی جتنا اسلحہ ہے وہ اٹھوا کر ٹرک میں رکھوا دو۔ آدمی دریا تک پیدل چلیں گے۔ اور جو میرے جوانوں کے پاس

رائفلیں ہیں انہیں ٹرک میں رکھ دو اور یہ ٹامی گنیں اٹھا لو۔ دریا پر پہنچ کر ہم رخصت ہونے والوں کو تحفہ دیں گے۔ ان بیبیوں کو بھی ٹرک میں جگہ دو۔ یوسف صاحب کی کار پر بھی نسرین کے ساتھ صرف عورتیں بیٹھیں گی اور ہم پیدل چلیں گے۔"

بہادر سنگھ نے کہا: "میجر صاحب! گنڈا سنگھ کے آدمی ضرور حملہ کریں گے۔ آپ ہوشیار رہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپ سن کر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ آرہا ہے۔"

ایک سپاہی ایک صندوق کھول کر چلایا: "کپتان صاحب! اس میں دستی بم بھی ہیں۔"

نعیم نے کہا: "یہ سب سے پہلے اٹھا لو۔ اور جو آدمی چلانا جانتے ہیں۔ ان میں تقسیم کر دو اور فوراً ٹرک پر جا کر ہیڈ کوارٹر کو سگنل دے دو کہ قافلے کو بچانے کے لئے ہم یہاں پہنچ گئے ہیں اور آس پاس کے دیہات کے لوگوں کو سکھ بلوائیوں کے قتل عام سے بچانے کے لئے ہمیں کچھ دیر یہاں رکنا پڑے گا۔ اس اہم مہم کو ختم کرتے ہی ہم ڈیوٹی پر پہنچ جائیں گے۔ ہم نے بلوائیوں سے بھی بیس عورتوں کو چھڑا لیا ہے۔"

میجر آفتاب نے کہا: "کیپٹن صاحب! انہیں یہ بھی بتا دوں کہ ہم نے بہت سا اسلحہ اکٹھا کیا ہے۔"

نعیم نے کہا: "بھئی ابھی اس کی ضرورت نہیں، مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ وہ گاؤں جہاں ہم جا رہے ہیں۔ ایک اچھا خاصا مورچہ بن جائے گا۔ ابھی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس مہم میں ہمیں کتنی دیر لگے گی۔"

بہادر سنگھ نے ایک آدمی سے گھوڑی لی اور اس پر سوار ہو کر بولا: "جی میں بابا جگت سنگھ کے گاؤں اطلاع دیتا ہوں تاکہ وہ کشتی تیار رکھیں۔ آپ کے پہنچنے تک وہ دوسرے کنارے سے ماچھیوں کی کشتی بھی منگوا لے گا۔"

صبح کے دھندلکے میں یہ قافلہ جگت سنگھ کے گاؤں پہنچا تو اُس کی حویلی میں گاؤں کی عورتیں پراٹھے پکانے اور دودھ گرم کرنے میں مصروف تھیں۔

جگت سنگھ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔"بھائیو! وقت نہیں، ورنہ میں آپ کے لئے ایک مسلمان باورچی سے اچھے اچھے کھانے تیار کرواتا۔ اب یہ گرم گرم پراٹھے کھاتے جاؤ اور دُودھ ہمارے پاس بہت ہے۔ آپ کے لئے ایک کشتی موجود ہے۔ دوسری پار سے پہنچ جائے گی۔ میرے بیٹے سورن سنگھ نے سارا انتظام کر دیا ہے ہم پر کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ بھگوان کی کرپا ہے کہ آپ کو اسلحہ مل گیا ہے۔"

یوسف نے پراٹھے کے چند نوالے کھانے کے بعد ادھر ادھر دیکھا تو بہادر سنگھ غائب تھا۔

جگت سنگھ نے کہا۔"کاکاجی! بہادر سنگھ اوپر گیا ہے۔ تم بھی چوبارے سے ہو آؤ۔ اور اپنی بہن کو مبارک باد دو —— ہم سب کی خواہش یہ تھی کہ تم اپنے ننھے بھانجے کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔"

یوسف کوئی بات کیے بغیر اوپر پہنچا۔ بہادر سنگھ کو آواز دی۔ بہادر سنگھ نے باہر نکل کر کہا۔"بھائی صاحب! اندر آجاؤ۔ آپ کی بہن اور بھانجا آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

یوسف نے اندر جاکر بیس دن کے بچے کو اجیت کور کی گود سے اٹھا لیا اور اپنی جیب سے چند نوٹ نکال کر بچے کی مٹھی میں دینے کی کوشش کی اور جب وہ خوف زدہ ہو کر رو پڑا تو اس نے وہ نوٹ اجیت کی گود میں ڈال دیئے اور بولا: "اجیت بہن! وقت اتنا تنگ ہے کہ میں تمہارے بیٹے کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں سکوں گا، لیکن اسے یہ نہ بھولنے دینا کہ اس کا ماموں دریا پار چلا گیا ہے۔ کیا نام رکھا ہے بہادر سنگھ نے اس کا؟"

"جی! اس کا نام موہن سنگھ ہے۔"

اجیت نے بہادر سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا:"مائی پارو کو بچے کے پاس بھیج دو میں ویرجی کو دریا پر رخصت کروں گی۔"

یوسف نے کہا۔"بالکل نہیں! تم دریا تک نہیں جاؤ گی۔"

اجیت نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔"ویرجی! میں تھوڑی دُور تو جا سکتی ہوں۔"

بہادر سنگھ نے کہا۔"تھوڑی دور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو میں تمہیں ایک قدم بھی آگے نہیں جانے دوں گا۔"

وہ نیچے اُترے اور جگت سنگھ کے گاؤں کے چند سکھ حویلی میں جمع ہو رہے تھے اور وہ نعیم سے کہہ رہا تھا۔"کپتان صاحب! مجھے اس ظلم سے بہت دُکھ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان خوش قسمت ہیں کہ وہ ہندو کے چنگل سے نکل جائیں گے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوؤں کا ہاتھ سکھوں کی شہ رگ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ آپ لوگ اپنی آزادی کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں لیکن ہمیں ہندوؤں کے غلاموں کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لئے بھی اس سے زیادہ قربانیاں دینا پڑیں گی۔ ہم لڑیں گے تو کسی فتح کی امید پر نہیں لڑیں گے۔ بلکہ یہ سمجھ کر لڑیں گے کہ ہمارے لئے لڑتے ہوئے مرجانے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ ایک مسلمان لڑکے نے چند سال قبل یہ کہا تھا کہ سکھوں کو اس وقت ہوش آئے گا۔ جب وقت گزر چکا ہو گا۔ اور وہ لڑکا یوسف ہے جو اِن بے بس عورتوں کو

بچا کر یہاں لایا ہے ـــــ کاکا یوسف جی! آپ مجھے بہت یاد آیا کریں گے۔"

سورن سنگھ نے کہا۔ "باپوجی! اب باتوں کا وقت نہیں۔ گنڈا سنگھ کسی وقت بھی حملہ کر سکتا ہے۔ جو کشتی کھڑی ہے اس پر ہمیں ان بیبیوں کو سوار کر دینا چاہیئے۔"

یوسف نے کہا۔ "چلو بہنو! جلدی کرو۔ سردار سورن سنگھ! تم آگے آگے چلو۔ ہم پیچھے رہیں گے۔"

جب وہ حویلی سے نکل رہے تھے تو اجیت، نسرین کا بازو تھامے کھڑی تھی اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا۔

یوسف نے مڑ کر دیکھا اور کہا۔ "نسرین! تم بھی اُن کے ساتھ جاؤ۔"

نسرین بولی: "نہیں بھائی جان، میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"

یوسف، اجیت سے مخاطب ہوا۔ "اجیت! تمہیں آرام کرنا چاہیئے تھا۔"

اجیت کور بولی: "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ویرجی، جب تک آپ دوسرے کنارے نہیں پہنچ جاتے میں آپ کو دیکھتی رہوں گی۔ اور پھر میں ہر روز دریا کے پار دیکھا کروں گی کہ کسی دن ادھر سے کوئی کشتی آئے اور اس میں ویرجی ہوں۔ آج آپ میرے سر پہ ہاتھ رکھنا بھی بھول گئے ہیں!"

یوسف نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور نسرین کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "چڑیل! تم میرے ساتھ رہو۔"

وہ دریا سے کوئی تین سو قدم دور تھے کہ سرکنڈوں میں گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ مسلح آدمیوں نے اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں اور عورتیں تیزی کے ساتھ دریا کی طرف بھاگنے لگیں۔ بابا جگت سنگھ اور گاؤں کے کچھ اور سکھ عورتوں کے پیچھے تھے۔ نسرین

تذبذب کی حالت میں کھڑی تھی۔

یوسف چلایا: "نسرین! تم کیا دیکھ رہی ہو۔ خدا کے لئے، بھاگ کر کشتی کی طرف جاؤ۔"

نسرین بھاگی۔ وہ کشتی سے کوئی پچاس قدم دور تھی کہ دائیں طرف سرکنڈوں سے دو سوار نمودار ہوئے۔

سورن سنگھ چلایا۔ "بی بی! اس سے بچو، یہ گنڈا سنگھ ہے۔"

پھر وہ بلند آواز میں بولا۔ "گنڈا سنگھ! رک جاؤ، ورنہ مارے جاؤ گے۔"

نسرین اب تیزی سے بھاگ رہی تھی لیکن اگلا سوار بہت قریب آ چکا تھا۔ نسرین نے اچانک منہ کے بل لیٹ کر نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سرکنڈوں کی طرف سے ایک اور گولی کی آواز آئی اور دوسرا سکھ بھی گھوڑے سے گر پڑا۔ پھر اجیت کور کی آواز سنائی دی۔

"شہزادی بہن! کشتی پر سوار ہو جاؤ۔"

نسرین بھاگی۔ اور جب وہ کشتی پر سوار ہو رہی تھی تو سرکنڈوں سے ایک گولی آئی اور اس کی ٹانگ پر لگی۔ یوسف نے بھاگ کر اسے کشتی میں بٹھا دیا اور کشتی چل پڑی۔ اس کے ساتھ ہی جس طرف سے گولیاں آ رہی تھیں۔ وہاں سٹین گنوں اور رائفلوں سے جوابی فائرنگ ہونے لگی۔

ایک حملہ آور سکھ نے بلند آواز میں کہا: "یہاں سے نکلو، یہ گنڈا سنگھ بدمعاش ہمیں فوج کے سامنے لے آیا ہے۔"

پھر جس طرف سرکنڈے کے پودے ہل رہے تھے وہاں دستی بم گر رہے تھے۔

بابا جگت سنگھ کہہ رہا تھا۔ "کاکا جی! اُس طرف سے کشتی آ رہی ہے۔ اب اگر گنڈا سنگھ مارا جا چکا ہے تو وہ کئی دن تک ادھر کا رُخ نہیں کریں گے۔"

میجر آفتاب نے کہا "سردار جی! آپ اپنے آدمیوں کو آس پاس کے دیہات میں دوڑا دیں۔ ہم دریا پار کرنے والی کشتیوں کی حفاظت کریں گے۔"

اجیت کور آگے بڑھ کر بولی "ویر جی، آپ یہ کشتی پہنچتے ہی اس میں سوار ہو جائیں۔ شہزادی بہن زخمی ہے۔"

نعیم نے کہا "یوسف صاحب! دریا کے پار تھوڑی دور باؤنڈری فورس کا کیمپ ہے۔ ہم وہاں سگنل بھیج دیتے ہیں۔ آپ سے پہلے کوئی ڈاکٹر اس بچی کی مدد کے لئے پہنچ جائے گا۔ یہ سٹین گنیں اور بارود آپ رکھ لیں آپ کے کام آئے گا۔"

یوسف نے کہا "کیپٹن صاحب! وہ ہماری کار دریا کے پار نہیں جا سکتی۔ اس لئے آپ دونوں اسے ہمارا تحفہ سمجھ کر قبول کریں۔"

"شکریہ" میجر آفتاب نے کہا "لیکن ہم اسے موقع ملتے ہی لاہور پہنچا دیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے مویشی بھی وہاں پہنچا دیئے جائیں۔ آپ ان عورتوں کو پار کے کیمپ کمانڈر کے سپرد کر دیں اور اس بچی کو جلد از جلد ہسپتال پہنچانے کی کوشش کریں۔"

یوسف نے کشتی پر سوار ہوتے ہی ایک آدمی کی پگڑی لی اور اسے نسرین کی رگوں پر کس کر باندھ دیا، جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔

نسرین کہہ رہی تھی "بھائی جان! شاید مجھے بھی کوئی گولی لگ گئی تھی، لیکن میں زندہ ہوں اور زندہ رہوں گی۔ آپ کو اور آپا کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ میرا مطلب ہے جب تک آپ مجھے خوشی سے اجازت نہیں دیتے۔"

یوسف نے اس کا سر گود میں رکھتے ہوئے کہا "دیکھو بیٹی! آرام سے لیٹی رہو اور یہ بات دہراتی رہو کہ "میں زندہ ہوں!" دریا کے پار تمہیں فرسٹ ایڈ دینے کے

لئے ڈاکٹر اور لاہور پہنچانے کے لئے ٹرک موجود ہو گا۔"

جب دریا کے دوسرے کنارے پہنچ کر سواریاں اتر گئیں تو یوسف نے نسرین کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور کنارے پر لے آیا۔ چند قدم کے فاصلے پر شیشم کے ایک درخت کے نیچے چند دیہاتی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آوازیں دینے لگے "بابو جی! آپ سائے میں آ جائیں۔"

یوسف آگے بڑھا، دیہاتیوں نے ایک کھاٹ خالی کر دی اور یوسف نے نسرین کو اس کھاٹ پر لٹا دیا۔

ایک آدمی نے کہا "کرم علی! بھاگ کر جاؤ اور ہمارے گھر سے ایک بستر لے آؤ۔"
یہ گاؤں کا نمبردار تھا اور چند منٹ میں اس کے حکم کی تعمیل ہو چکی تھی۔

ایک آدمی نے پانی کا ایک گھڑا لا کر وہاں رکھ دیا۔ اس دوران یوسف کے ساتھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ چند منٹ بعد ایک فوجی ٹرک نمودار ہوا، جس پر ایک فوجی ڈاکٹر اور دو جوان سوار تھے۔ ڈاکٹر نے نسرین کا سرسری معائنہ کرنے کے بعد یوسف سے مخاطب ہو کر کہا "آپ نے یہ اچھا کیا کہ زخم پر کس کر پٹی باندھ دی اور خون بند کر دیا۔ لیکن کوئی گولی یا کوئی موٹا چھرا جو ران کے اندر رہ گیا ہے اسے نکالنے کے لئے ہمیں فوراً ہسپتال پہنچنا چاہیے۔ آپ انہیں ٹرک پر لٹا دیں۔ ہم سیدھے میو ہسپتال جائیں گے۔ اور میرا ایک جوان آپ کے ساتھیوں کو ریلوے اسٹیشن تک لے جائے گا اور وہاں سے ان کو گاڑی پر لاہور کے کیمپ میں پہنچا دیا جائے گا۔"

نمبردار نے ٹرک کے اندر ایک روئی کا گدا بچھوا دیا۔ یوسف، نسرین کے ساتھ بیٹھ گیا اور ڈرائیور نے ٹرک چلا دیا۔ اچانک یوسف نے آواز دی "ڈاکٹر صاحب! یہ بچی بے ہوش ہو گئی ہے۔"

ڈاکٹر نے اپنی سیٹ سے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا: "بھائی! آپ کو یہ اندازہ نہیں کہ اس کا کتنا خون ضائع ہو چکا ہے۔ ویسے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔"

اگلے دن میو ہسپتال کے ایک آپریشن روم سے باہر یوسف، فہمیدہ، منظور امینہ اور بلقیس برآمدے میں کھڑے تھے۔ آپریشن روم کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر جمیل باہر نکل کر فہمیدہ سے مخاطب ہوا:

"فہمیدہ! آپ بہت جلد اپنی شہزادی بہن سے باتیں کر سکیں گی۔ چند منٹ تک انہیں پرائیویٹ وارڈ میں بھیج دیا جائے گا۔ اس لئے آپ سب سے کہیں کہ وہ راستے سے ایک طرف ہٹ جائیں۔"

بلقیس نے آگے بڑھ کر کہا، "بھئی، میں تو تمہارا یہ حکم کبھی نہیں مانوں گی۔"

ڈاکٹر جمیل نے کہا، "آپ کو کون روک سکتا ہے۔ ڈاکٹر کمال الدین آرہے ہیں اور انہیں کامیاب آپریشن پر مبارک باد دینے کے لئے آپ کو یہیں رہنا چاہیئے۔"

بلقیس بولی، "اللہ میری بیٹی کو جلدی صحت دے۔ میں صبح و شام اس کا شکریہ ادا کیا کروں گی۔"

ڈاکٹر جمیل بولا، "آپ شہزادی بیٹی کے اسٹریچر کے ساتھ ہی اُن کے کمرے میں جا سکیں گی۔ لیکن باقی سب کو ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ بعد باری باری اُسے دیکھنے کی اجازت ملے گی اور ڈاکٹر کمال الدین یہ پسند نہیں کریں گے کہ کوئی شہزادی کے ساتھ لمبی چوڑی گفتگو شروع کردے۔ ہماری ایک پریشانی ابھی دور نہیں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ ان کی ٹانگ کی ہڈی پر کتنی ضرب آئی ہے اور انہیں کتنے دن آرام کرنا چاہیئے۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ اگر ہڈی ٹوٹ گئی ہے تو پلستر کرنا پڑے۔ اس معاملے پر وثوق سے کچھ کہنے کے لئے ہمیں کچھ دیر اور انتظار کرنا پڑے گا۔"

چند منٹ بعد نسرین کو اسٹریچر پر پرائیویٹ وارڈ میں پہنچایا جا رہا تھا۔ اور یہ سب ڈاکٹر کمال الدین کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس کے پیچھے جا رہے تھے۔

بلقیس، ڈاکٹر کمال الدین سے کہہ رہی تھی، "ڈاکٹر صاحب! یہ اللہ کا کرم ہے کہ آپ اچانک یہاں پہنچ گئے تھے ورنہ میں بہت پریشان تھی۔ مجھے نسرین کے زخمی ہونے کی اطلاع سنتے ہی یہ خیال آیا تھا کہ کاش! آپ یہاں ہوتے۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا، "جی، میں اتفاقاً یہاں نہیں پہنچا تھا۔ دریائے راوی کے پار فوج کے جن افسروں نے ان کے لئے ڈاکٹر اور ٹرک مہیا کیا تھا، وہ ان کے لاہور پہنچنے سے پہلے مجھے اطلاع بھجوا چکے تھے اور میں اسی وقت وہاں سے چل پڑا تھا۔"

"میں اسے بھی اللہ کا کرم سمجھتی ہوں۔ اگر حالات نے اجازت دی تو کچھ دن بعد باری باری ان کے گھروں میں جا کر ان کا شکریہ ادا کروں گی ــــــ اچھا ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیے کہ اگر پلستر کرنا ضروری ہو گیا تو انہیں کتنی دیر تک بستر پر رہنا پڑے گا؟"

"جی، ہماری کوشش تو یہی ہو گی کہ ان کے بستر پر لیٹا رہنے سے، گھر میں جو اداسی محسوس کی جائے گی وہ کم از کم عرصے کے لئے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے کاموں میں علاج کے ساتھ دعاؤں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! مجھے یقین ہے کہ ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک جتنی دعائیں نسرین نے لی ہیں۔ شاید ہی کسی اور کو ملی ہوں اور مجھے یہ بھی

معلوم ہے کہ آپ بھی اس کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ وہ مریض کتنا خوش قسمت ہوتا ہے جس کے لئے ڈاکٹر دوا بھی دیتا ہو اور دعا بھی کرتا ہو۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں آپ کی شہزادی بیٹی کے لئے واقعی بہت دعائیں کیا کرتا ہوں۔"

نسرین کے آنسو اور سسکیاں

نسرین نے میو ہسپتال کے پرائیویٹ کمرے میں کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ امینہ نے سہارا دے کر اس کا سر اوپر کیا اور فہمیدہ نے پانی کا گلاس اس کے منہ کو لگا دیا۔ دو تین گھونٹ پینے کے بعد وہ بدحواسی سے کمرے کی دیواروں اور چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"آپا! ہم کہاں ہیں؟ مجھے یقین نہیں آتا کہ میں زندہ ہوں۔"

فہمیدہ نے بڑی مشکل سے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا:

"میری شہزادی بہن! تم زندہ ہو اور تمہیں زندہ ہی رہنا چاہیئے، تمہیں پیار کرنے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ تمہارے بغیر یہ دنیا بالکل سنسان ہو جائے گی۔"

نسرین نے امینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "امینہ آپا! تم مجھے بتاؤ کہ ہم سچ مچ زندہ ہیں اور میں ایک خواب نہیں دیکھ رہی۔"

امینہ نے اُس کا سر تکئے پر رکھ دیا اور دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھتے اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا، "شہزادی بہن! تم ہم سے بہت دُور جا رہی تھیں۔ میں سوچا کرتی تھی کہ جب تمہیں ہوش آئے گا تو میں تم سے یہ گلہ کیا کروں گی کہ تم نے ہم سب کو بہت رلایا ہے۔ اپنے والدین کو، میرے

والدین کو، بھائی یوسف اور اس کے اباجی کو بھی۔"

نسرین نے چند ثانیے سوچنے کے بعد کہا، "یوسف بھائی جان نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اس خوفناک رات جب میں انہیں آوازیں دے رہی تھی تو وہ مجھے اپنے اجڑے ہوئے گاؤں کی مسجد کے قریب مل گئے تھے — اور پھر میں ان کے ساتھ موٹر پر بیٹھ کر چل پڑی تھی —— ایک اور آدمی بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گیا تھا —— پھر —— ریلوے اسٹیشن سے آگے —— دو فوجی افسر —— چند اور آدمیوں کے ساتھ ہمارے ہمراہ ہو گئے تھے — بھائی جان نے —— مجھے پلیٹ فارم سے، پہاڑوں سے نکلتا ہوا —— چاند دکھایا تھا —— اس سے پہلے —— شام کے قریب —— جب میں نے پہلی بار —— یہ پہاڑ دیکھے تھے —— تو —— ان کا رنگ —— سنہری تھا —— مجھے وہاں سے ایک طرف —— بہت بڑا الاؤ —— دکھائی دیتا تھا —— بھائی جان نے —— بتایا تھا کہ —— یہ —— ہمارے ایک دشمن کا —— گھر ہے —— موٹر پر —— سفر کرتے ہوئے —— ایک فوجی ٹرک —— اور چند سوار بھی —— ہمارے ساتھ آ رہے تھے —— راستے میں —— لڑائی بھی ہوئی تھی —— ہم نے —— کسی بہت بڑے ڈاکو کے —— گاؤں سے —— مسلمان عورتوں کو —— چھڑایا تھا —— اس کے گھر سے —— ہمیں —— بہت سا اسلحہ —— بھی مل گیا تھا —— دریا کے قریب —— ہم نے —— اس نیک باباجی کو بھی دیکھا تھا —— جو —— بھائی جان کا دوست بن چکا تھا —— آپا جان! —— وہی —— جس نے —— ہمیں اشرفیاں دی تھیں —— دریا کے کنارے —— زخمی ہونے کے بعد —— میں نے بھائی جان کے ساتھ دریا عبور کیا تھا —— اس کے بعد

مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ —— بھائی جان نے مجھے ایک ٹرک میں لٹا دیا تھا۔ —— ہاں!! —— کسی نے ایک اور پٹی بھی باندھ دی تھی —— جب مجھے ہوش آیا تھا —— تو میں نے —— آپ سب کو دیکھا تھا —— سب سے باتیں کی تھیں —— اب مجھے معلوم نہیں کہ کتنے دن کے بعد —— بستر سے اٹھ کر چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تھی —— بھائی جان کہیں چلے جایا کرتے تھے —— لیکن آپا جان —— اور —— امی، ابو اور کوئی دوسرے میرے پاس رہا کرتے تھے ——"

فہمیدہ نے کہا: "نسرین! تمہیں یہ یاد نہیں کہ ڈاکٹر کمال الدین بھی چار دن ہمارے پاس رہا تھا اور اس کے بعد ہر دوسرے تیسرے دن یہاں آجایا کرتا تھا۔"

"مجھے یاد ہے، آپا جان، اور میں ان کی شکر گزار ہوں۔"

"کس بات پر شکر گزار ہو؟"

"آپا جی! آپ نے ہی تو کہا تھا کہ انہوں نے آپریشن کر کے میری گولی نکالی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے یہ سب باتیں خواب میں سنی ہیں —— اور مجھے کوئی بات یاد نہیں آتی کہ —— اس کے بعد کیا ہوا تھا۔"

"اس کے بعد جب تم بالکل تندرست نظر آتی تھیں تو تمہیں بخار ہو گیا تھا اور اگلے روز یہ بخار اس قدر تیز ہو چکا تھا کہ ہم تمہیں بے ہوشی کی حالت میں دوبارہ ہسپتال میں لے آئے تھے۔ تمہارے چچا اور یوسف صاحب ساری ساری رات تمہارے پاس رہا کرتے تھے۔ تمہارے ڈیرہ دون والے چچا بشیر اور ان کے بال بچے ہر روز یہاں آیا کرتے تھے۔ چچا عبدالعزیز کو تو لاہور آنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ لیکن چچی بلقیس، امی جان اور ابا جان کوئی

دو گھنٹے قبل یہاں سے ہو کر گئے ہیں۔ امینہ اور منظور صاحب کو تو تمہاری تیمارداری کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔"

نسرین، امینہ کی طرف دیکھ کر بولی، "آپا امینہ! میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا یقین رہا ہے کہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ آپا جان! کیا چچا جمیل کے ساتھ ڈاکٹر کمال الدین نہیں آیا کرتے تھے؟"

فہمیدہ بولی، "ڈاکٹر کمال الدین پرسوں رات یہاں آئے تھے۔ اور اس کے بعد انہیں تمہارے علاج کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ تمہارے چچا کی طرح ان کے دوست ڈاکٹر بھی تمہیں دیکھ گئے تھے۔ اور آج آدھی رات کے قریب انہوں نے ہمیں یہ خوش خبری سنائی تھی کہ شہزادی کا بخار ٹوٹ چکا ہے۔ اور بہت جلد یہ ہوش میں آجائے گی اور انہیں بہت بھوک محسوس ہوگی، جب تک میں انہیں دوبارہ آکر نہ دیکھ لوں دودھ کے سوا کوئی اور غذا نہ دی جائے۔"

"آپا جان! جب مجھے بخار ہوا تھا تو وہ کہیں چلے گئے تھے؟"

"ہاں! وہ بہت بڑا صدمہ اٹھا چکے ہیں۔ ان کے والدین اپنی دو بیٹیوں اور ان کے بچوں کے ساتھ یہاں آرہے تھے، یہ تمہیں دوبارہ یہاں لائے جانے سے دو دن پہلے کی بات ہے ـــــ وہ، یوسف صاحب، امینہ اور چچی بلقیس کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرنے اسٹیشن پر گئے تھے، لیکن سیکنڈ کلاس کے ایک ڈبے میں ان کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے کفن دفن سے فارغ ہو کر وہ اپنے ایک دوست کے گھر چلے گئے تھے۔ چچی بلقیس اور امینہ نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ ان کے پاس رہیں، لیکن وہ یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ جب میری طبیعت سنبھل جائے گی تو میں خود ہی آپ کے پاس آجاؤں گا۔ بڑا حوصلہ ہے ان میں۔ تمہاری بیماری کے دوران ہم ان کا پتا نہ کر سکے۔ چند دن بعد چچا جمیل کو معلوم ہوا کہ وہ علیل ہیں تو سب اُن کی تیمارداری کے لئے گئے۔ جب ابا جی ان سے اظہارِ ہمدردی کر رہے تھے تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ:

ـــــ "جی، میں اس سے بہت زیادہ المناک حادثات دیکھ چکا ہوں ایک دن میں چند اور ڈاکٹروں کے ساتھ ہندوستان سے آنے والی گاڑیوں میں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے اسٹیشن پر پہنچا تو ایک پوری بوگی لاشوں اور زخمیوں سے بھری ہوئی تھی اور ایک تین سال کا بچہ، جسے ایک زخموں سے کراہتی ہوئی عورت نے سینے سے لگا رکھا تھا، بلک رہا تھا۔ وہ عورت کراہتے ہوئے یہ کہہ رہی تھی: میرے ساتھ اس بچے کی ماں مردہ پڑی ہوئی ہے۔ اس نے گاڑی پر حملہ ہونے سے پہلے مجھے یہ بتایا تھا کہ:

"اُس کے گاؤں پر حملہ ہوا تھا تو وہ رات کی تاریکی میں بچے کو اٹھا کر کھیت میں چھپ گئی تھی۔ جب بلوائی لوٹ مار اور قتل و غارت کے بعد چلے گئے تو اس نے واپس جا کر اپنے گھر کا منظر دیکھا اور چیختی ہوئی ریلوے اسٹیشن کی طرف بھاگ نکلی، جو اس کے گاؤں سے کوئی دو میل دور تھا۔ اسٹیشن پر گاڑی کھڑی تھی اور وہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کچھ سوچے سمجھے بغیر اس میں سوار ہوگئی۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا تھا، "یہ گاڑی پاکستان جا رہی ہے نا؟" میں نے جواب دیا تھا، "ہاں"۔

اس نے پھر پوچھا، "لاہور کی طرف بھی جائے گی؟"

میں نے جواب دیا، "ہاں! لاہور کی طرف بھی جائے گی؟"

اس نے کہا تھا، "بچے کا دادا آنکھوں کے علاج کے لئے لاہور آیا ہوا ہے
میں شاید لاہور پہنچنے سے پہلے مر جاؤں۔ اگر تمہیں وہاں اللہ کا کوئی نیک بندہ
ملے تو اسے کہہ دینا کہ اس بچے کو اس کے دادا کے پاس پہنچا دے۔ وہ
اس ہسپتال میں ہوگا، جہاں غریب لوگوں کی آنکھوں کا علاج مفت ہوتا
ہے۔"

میں نے اس سے پوچھا تھا، "تمہیں معلوم ہے کہ اس کی ماں کون سے
اسٹیشن سے سوار ہوئی تھی؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ کچھ دیر بعد یہ گاڑی ایک
اسٹیشن پر رُکی تھی تو لوگ کہتے تھے کہ "رہتک" آگیا ہے۔"

میں نے اس خاتون کی مرہم پٹی کرنے کے بعد اسے زخمیوں کے کیمپ
میں پہنچا دیا اور اس بچے کو اپنے کمپاؤنڈر کے سپرد کرنے کے بعد کہا کہ اسے
میرے کوارٹر میں لے جاؤ، میں اس کے دادا کا پتا کرنے کی کوشش کرتا ہوں
اور میرے اردلی کو یہ بھی کہہ دینا کہ اس چھوٹے سے مہمان کی ہمیں بہت
تواضع کرنی چاہیئے۔ کوئی آٹھ گھنٹے کوشش کرنے کے بعد میں نے "رہتک"
کے آس پاس رہنے والے اس بوڑھے آدمی کا پتا کر لیا اور میں نے اُسے
بے یار و مددگار دیکھ کر اپنے گھر رکھ لیا۔ مجھ پر بہت بڑا حادثہ گذرا ہے لیکن
میں شکر کرتا ہوں کہ میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوں۔"

امینہ نے نسرین کے منہ میں انگور ڈالنے کی کوشش کی، لیکن اس نے
منہ بھینچ لیا اور اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔ چند ثانیے بعد اس کی آنکھوں
سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ فہمیدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"شہزادی بہن! کمال الدین بھائی زندگی میں بڑے سے بڑا صدمہ برداشت
کرسکتا ہے، لیکن تمہیں آنسو بہاتے دیکھنا شاید اس کے لئے ناقابلِ
برداشت ہو۔ ہم سب یہ محسوس کرتے ہیں کہ اب اسے اپنی زندگی کی
تاریک رات میں صرف ایک ہی تو ستارہ دکھائی دیتا ہے۔ جب وہ
تمہیں ہوش میں دیکھیں گے تو تم یہ محسوس کرو گی کہ ان کی آنکھوں میں یکایک
روشنی آگئی ہے۔ اب تمہیں ان کے سامنے صبر اور حوصلے سے کام لینا
چاہیئے۔"

"آپا جان! جب اس کا گھر اجڑ چکا ہے تو میرا صبر اور حوصلہ اسے کیا
فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ میں یہ ثابت نہیں کرسکتی کہ میں پتھر کی بنی ہوئی ہوں۔"

"شہزادی بہن! تمہیں یہ ثابت بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ تم اسے یہ تو کہہ
سکتی ہو کہ آپ اِس دنیا میں تنہا نہیں ہیں۔"

"آپا جان! میرے لئے سب کے سامنے یہ کہنا زیادہ آسان ہوگا کہ میں
اپنی تمام حماقتوں کے لئے ان سے معافی مانگتی ہوں۔"

امینہ بولی "شہزادی بہن! ایسا نہ کرنا۔ یہی حماقتیں تو ماضی کا وہ سرمایہ ہیں
جن کے ذکر سے کبھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ آجایا کرتی ہے۔۔۔۔
مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بھائی کمال الدین جو دوسروں کے لئے زندگی
کی خوشیاں تلاش کرتے ہیں تمہیں اپنے غم میں شریک نہیں کریں گے۔"

نسرین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا، "آپا جی! آپ کو معلوم
ہے کہ وہ لوگ کس جگہ دفن ہیں؟"

فہمیدہ بولی "ہاں، تمہارے بھائی جان، امینہ اور منظور صاحب، ڈاکٹر
کمال الدین کے ساتھ فاتحہ کے لئے قبرستان جایا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ اباجی

امینہ اور منظور صاحب کے والدین اور چند رشتہ دار بھی ہمارے ساتھ گئے تھے۔ لیکن تم آرام سے لیٹی رہو۔"

"آپا جی! میں چلنے پھرنے کے قابل ہوتے ہی سب سے پہلے وہاں جاؤں گی ـــــ مجھے اپنے آپ پر بہت غصہ آتا ہے کہ میں نے آپریشن کے بعد اُن کا شکریہ تک ادا نہیں کیا۔"

"تمہاری جگہ میں کئی بار اُن کا شکریہ ادا کر چکی ہوں۔ اور وہ اتنا ضرور سمجھ گئے ہیں کہ تمہیں ان کے ساتھ گفتگو کرنے میں جھجک محسوس ہوتی ہے۔"

"اب میں جھجک محسوس نہ کروں تو آپ میرا مذاق تو نہیں اڑائیں گی؟"

"میں اپنی شہزادی بہن کا مذاق کیسے اڑا سکتی ہوں۔"

امینہ بولی، "ٹیلی فون پر ڈاکٹر کمال الدین کی زیادہ باتیں مجھ سے ہوا کرتی ہیں جب تم تندرست ہو جاؤ گی تو میں تمہیں یہ بتا سکوں گی کہ وہ تمہارے متعلق کیا سوچ سکتے ہیں۔"

ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے امینہ سے مخاطب ہو کر کہا، "جی! آپ کا فون آیا ہے۔"

امینہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔ اور چند منٹ بعد اس نے واپس آکر کہا "چچا جان کا فون تھا میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ شہزادی بہن کا بخار اتر گیا ہے۔ ڈاکٹر کمال الدین سے بھی میری بات ہوئی ہے۔ ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ ٹمپریچر کیا ہے؟ ـــــ وہ آ رہے ہیں اور کہتے تھے کہ اب انہیں دودھ کے سوا کوئی اور غذا مجھ سے پوچھے بغیر نہ دی جائے۔"

چند منٹ بعد ایک نرس اور امینہ گرم پانی میں بھیگے ہوئے تولیے

سے نسرین کا چہرہ، ہاتھ پاؤں اور گردن صاف کر رہی تھیں تو فہمیدہ نے کہا "امینہ! تم نے میری بہن کے جسم سے مہک محسوس نہیں کی۔"

امینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور نرس بولی:

"بی بی جی! آپ تو اس کی بہن ہیں۔ میں بھی یہ کہنے والی تھی کہ یہ بی بی خاص مٹی سے بنی ہوئی ہے۔"

امینہ بولی، "آپا فہمیدہ! آپ کو یاد ہے۔ چچی بلقیس کہتی تھیں کہ جن بچوں میں ایمان کا نور ہوتا ہے۔ ان کے جسم سے مہک آتی ہے۔"

نسرین مسکرائی، "آپا! میری خوش قسمتی یہ ہے کہ آپ سب مجھ سے پیار کرتے ہیں اور میرے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا، "نسرین! ڈاکٹر کمال الدین یہ تاکید کر گئے تھے کہ ہوش میں آنے کے بعد انہیں زیادہ سے زیادہ دودھ پینے پر آمادہ کیا جائے۔ تم ٹھنڈا دودھ پیو گی یا گرم؟"

"آپا جی! ابھی تو میں نے پیا تھا۔"

"شہزادی صاحبہ! ہم یہ چاہتی ہیں کہ آپ اطمینان سے باتیں کرتی رہیں اور آپ کو تھکاوٹ نہ ہو۔"

امینہ بولی، "شہزادی بہن! تمہارے بارے میں انکل جمیل اور کمال الدین صاحب کی ہدایات یہی ہیں کہ جہاں تک ہو سکے آپ تھوڑا تھوڑا دودھ پیتی جائیں۔ اب وہ جو دوائی آپ کو دیں گے، اس سے آپ کو بھوک زیادہ لگے گی۔"

"آپا! جو آپ نے دودھ پلایا تھا، وہ اچھا نہیں لگا۔ شاید ٹھنڈا میرے لئے زیادہ بہتر ہو۔"

فضل دین نے دودھ کا ایک گلاس لا کر پیش کر دیا اور نسرین آہستہ آہستہ

دودھ پینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا:

"آپا جی! اگر یہ صرف ایک ڈاکٹر کا مشورہ ہوتا تو میں شاید صرف آدھا گلاس پیتی، لیکن دو ڈاکٹروں کی خاطر میں پورا گلاس ختم کروں گی۔"

فہمیدہ نے کہا، "ننھی شہزادی! اگر دونوں ڈاکٹروں کو خوش کرنا چاہتی ہو تو تھوڑی دیر بعد دوسرا گلاس بھی پی لینا۔"

نسرین نے گلاس ختم کرکے آنکھیں بند کرلیں اور کہا، "آپا امینہ! یہ ٹیک ذرا نیچے کردو۔" اور وہ چند منٹ خاموشی سے پڑی رہی۔ پھر اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا، "آپا! آج میں بہت رونا چاہتی ہوں۔ اور زور زور سے رونا چاہتی ہوں۔ مجھے بہت سی باتیں یاد آرہی ہیں۔ اور میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے رونا کیوں بھول گیا تھا۔ جب مجھے بھائی جان کے اجڑے ہوئے گاؤں کا منظر یاد آتا ہے اور یہ بھی خیال آتا ہے کہ اگر بھائی یوسف میرے ساتھ واپس نہ پہنچ سکتے تو آپ کیا کرتیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ سے لپٹ کر رونے لگ جاؤں اور روتے روتے بے ہوش ہوجاؤں۔ مجھے اس بات پر بھی غصہ آتا ہے کہ بھائی یوسف لاہور کے راستے سے واپس کیوں لوٹ آئے تھے اور اگر میں بھی آپا خالدہ کے ساتھ مرگئی ہوتی تو بھائی جان پر کیا گزرتی۔ پھر میرا دل اس بات پر بھی لرز اٹھتا ہے کہ اگر بھائی جان زندہ اور سلامت واپس نہ پہنچ جاتے تو آپ سب پر کیا گزرتی۔ ان کے ابا جان، ان کی بہن، ان کے بھائی پر کیا گزرتی اور جب میں سوچتی ہوں کہ آپا فہمیدہ پر کیا گزرتی تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔ دریائے بیاس عبور کرنے کے بعد میں نے جو قیامت دیکھی تھی، وہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ یہ بات مجھے خواب محسوس ہوتی ہے کہ مجھے ایک اور گاؤں پہنچ کر ہوش آیا تھا کہ یہ بھائی جان کا گاؤں نہیں ہے اور

میں نے اچانک گھوڑے کی باگ موڑ لی تھی۔ اب میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر مجھے وہاں بھائی جان نہ ملتے تو کیا ہوتا۔ اس وقت میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میرے دل کی حرکت بند ہوگئی ہے۔ جب ہم گاؤں سے نکلے تھے تو میں راوی عبور کرنے تک اپنے دل میں بار بار یہ کہہ رہی تھی کہ کاش! وہ مجھے اس قدر اہم نہ سمجھتے۔ اور کوئی انہیں یہ کہہ کر گاؤں کی طرف واپس مڑنے سے روک لیتا کہ لاہور میں آپا فہمیدہ، چچی بلقیس، چچا جان اور باقی سب تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے تم واپس کیوں جا رہے ہو۔ اور یہ بات اب میرے لئے کتنی صبر آزما ہے کہ ڈاکٹر کمال الدین صاحب کو اس سے بھی بڑا المیہ پیش آچکا ہے۔ اگر میں صبح شام روتی رہوں تو بھی میرے آنسو ختم نہیں ہوں گے۔"

نسرین یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگئی اور پھر دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔ اس کی سسکیاں کبھی کبھی ایسی چیخوں میں تبدیل ہو جاتی تھیں، جنہیں ضبط کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ فہمیدہ نے اس کے سرہانے کی طرف بیٹھ کر اُس کا سر اپنی گود میں لے لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

"نسرین! ہم میں سے جو اس طوفان سے بچ گئے ہیں، انہیں ایک دوسرے کے لئے زندہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جو اپنی بہت سی پونجی لٹا بیٹھنے کے بعد صبر کرتے ہیں ان پر قدرت کے انعامات کی بارش ختم نہیں ہوتی۔ دیکھو نسرین! تمہارے بھائی، ابا، امی، چچا، چچی اور سب ان لوگوں کو جو تمہاری آواز سن کر یا تمہیں مسکراتے اور ہنستے دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے ہیں ان کے لئے زندہ رہنا چاہیئے۔ کئی اجڑے ہوئے گھروں میں ننھے ننھے بچوں کو تمہارے پیار کی ضرورت ہوگی۔ دیکھو نسرین! میں اس وقت

نہیں، جب تم بہت چھوٹی تھیں تو بھی میں یہ محسوس کرتی تھی کہ تم میرے لئے ہی نہیں بلکہ ہم سب کے لئے اللہ کا بہت بڑا انعام ہو۔ تم نے ہمارے لئے زندگی کو ایک نہ ختم ہونے والا دلکش قہقہہ بنا دیا تھا۔ ذرا بڑی ہو کر تم چھپ جایا کرتی تھیں اور میں تمہیں گھر میں اوپر نیچے تلاش کرتی تھی اور جب تم نہیں ملتی تھیں تو میں رونے لگ جاتی تھی۔ کبھی کبھی غصے میں آکر میں تمہیں پیٹ لیا کرتی تھی اور پھر بہت پیار کیا کرتی تھی۔ دیکھو نسرین اب ہم دونوں بڑی ہو گئی ہیں اور دوسروں کو زندہ رہنے کا حوصلہ دے سکتی ہیں دوبارہ بیمار ہونے سے پہلے جب تمہیں ہوش تھا تو تم اکثر خاموش رہا کرتی تھیں اور میں یہ کہا کرتی تھی کہ میری بہن کو اللہ نے بہت بڑا حوصلہ دیا ہے۔ مَیں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم کسی دن اس طرح پھوٹ پڑو گی۔"

"آپا جان! میں ایسا محسوس کرتی ہوں کہ مجھے بولنا، مسکرانا یا ہنسنا بالکل بھول گیا تھا۔ جیسے میں گہرے پانی میں ڈوبتی چلی جا رہی تھی۔ میں خواب کی سی حالت میں سنتی یا بولتی تھی۔ شاید مجھے یہ خوف آتا تھا کہ اگر میں نے چیخنا یا رونا شروع کر دیا تو پھر عمر بھر کے لئے روتی یا چیختی رہوں گی۔ آپا! کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی کسی بہت بڑے حادثے میں اس قدر خوف کھا جائے کہ اسے اپنے وجود سے بھی خوف آنے لگے؟"

فہمیدہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، "میری شہزادی بہن! ہم پر ایک قیامت گذر چکی ہے۔ اگر شروع میں ہی تمہیں کھل کر رونے کا موقع مل جاتا تو آج تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔"

"آپا! آپ یونہی بیٹھی رہیں ——— آج میں آپ کی گود میں سر رکھ کر بہت دیر سونا چاہتی ہوں۔ آپا امینہ! آپ بھی میرے پاس بیٹھی رہیں۔"

چند منٹ بعد نسرین گہری نیند سو رہی تھی۔

نسرین دیر تک سوئی رہی۔ پھر اسے کمرے میں بلقیس کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ بہت دیر سے آئے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل اور یوسف کہاں ہیں؟"

"جی! وہ والٹن کیمپ سے میرے ساتھ ہی آ گئے تھے۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ اور صبح کی نماز پڑھتے ہی اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے تھے۔ مجھے نیند نہیں آتی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ سونے سے پہلے آپ کی شہزادی بیٹی کو دیکھ آؤں۔ آپ نے ساری رات یہاں گذاری ہے؟"

"جی نہیں! یہاں ساری رات فہمیدہ اور امینہ نے نسرین کی تیمارداری کی ہے۔ منظور صاحب کافی رات ڈاکٹروں اور نرسوں کو ادھر ادھر پہنچانے میں مصروف رہے تھے اور ابھی کوئی آدھ گھنٹہ قبل وہ امینہ اور فہمیدہ کو گھر پہنچا کر مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ فہمیدہ کے امی اور ابو گہری نیند سو رہے تھے۔ اس لئے میں نے انہیں جگانے سے منع کر دیا تھا۔"

"شہزادی صاحبہ کا کیا حال ہے؟ ڈیوٹی پر جو نرس تھی، اس نے مجھے آتے ہی بتایا تھا کہ نسرین نے دیر تک فہمیدہ اور امینہ سے باتیں کی ہیں اور مجھے اس بات کا افسوس ہو رہا ہے کہ میں اس کی باتیں نہیں سن سکی۔"

کمال الدین نے بستر کی دوسری طرف کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، "میرا خیال ہے کہ میں جگائے بغیر اس کی نبض کی رفتار دیکھ سکتا ہوں۔"

وہ کچھ دیر آہستہ سے نسرین کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اپنی گھڑی کی طرف

دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بلقیس سے مخاطب ہو کر کہا، "چچی جان! رات کے وقت میں ان کو بہت دودھ پلانے کے لئے تاکید کر کے گیا تھا، لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھوک ہے۔"

بلقیس بولی، "بیٹا! فہمیدہ کہتی تھی کہ دودھ انہیں کافی پلایا ہے۔ ان کے لئے یخنی بھی تیار ہے۔ میں صرف آپ کی آمد کا انتظار کر رہی تھی تاکہ پوچھ لیا جائے۔"

"چچی جان! جب یہ باتیں کر رہی تھی تو یخنی انہیں فوراً پلا دی جاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ انہیں میری توقع سے پہلے ہوش آگیا تھا۔"

"اگر یخنی پلانا بہت ضروری ہے تو بیٹی کو جگایا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں شاید کمزوری کی وجہ سے غنودگی سی محسوس ہو رہی ہے ورنہ جب یہ باتیں کرتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ بالکل تندرست ہو گئی ہے۔"

کمال الدین نے آہستہ سے کہا، "ننھی شہزادی! ـــــ ننھی شہزادی!!"

نسرین نے کروٹ بدل کر دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے اور بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرنے لگی۔

کمال الدین نے بلقیس کی طرف دیکھ کر پوچھا، "چچی جان! انہیں کیا ہوا؟ ان کی لڑائی تو نہیں ہوئی کسی کے ساتھ؟"

بلقیس بولی، "بیٹا! اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فہمیدہ اور امینہ کی بے احتیاطی سے انہیں آپ کے والدین اور بہنوں کو پیش آنے والے حادثے کا علم ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ دونوں یہ کہتی تھیں کہ جب اس کو ہوش آیا تھا تو یہ بالکل تندرست معلوم ہوتی تھی۔ جب تک آپ کو پیش آنے والے حادثے کا ذکر نہیں ہوا تھا تو بڑے آرام سے باتیں کر رہی تھی۔ کبھی جب وہ یوسف کے گاؤں پہنچنے اور وہاں سے واپس آنے کے دلخراش واقعات کا ذکر کرتی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ لیکن یہ جلد ہی سنبھل جاتی تھی۔ لیکن آپ کو جو صدمہ پہنچا ہے، اس کا ذکر سننے کے بعد اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔"

کمال الدین نے نسرین کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا، "دیکھئے شہزادی صاحبہ! جب آپریشن کے بعد آپ کو ہوش آرہا تھا تو آپ بار بار یہ الفاظ دہرا رہی تھیں: "میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔" اور یوسف یہ کہتا تھا کہ میں نے نسرین کو زخمی حالت میں ٹرک پر ڈالنے کے بعد کہا تھا کہ تم یہ الفاظ دہراتی رہو اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ لاہور پہنچنے سے پہلے خواب کی سی حالت میں بار بار یہ الفاظ دہرا رہی تھی ـــــ شہزادی نسرین! تم بہت بہادر ہو۔ اگر تم نے ہمت ہار دی تو تمہیں پیار کرنے والوں کے حوصلے بھی ٹوٹ جائیں گے۔"

نسرین چہرے سے ہاتھ اٹھا کر ڈاکٹر کمال الدین کی طرف دیکھنے لگی۔ اپنی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کے پردوں کے باوجود اسے کمال الدین اس آدمی سے مختلف نظر آرہا تھا۔ جسے اس نے بارہا بے پرواہی سے دیکھا تھا۔

"چچی جان!" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا، "میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ میں ڈاکٹر صاحب سے بہت نادم ہوں۔ اور میں اپنی تمام کوتاہیوں پر ان سے معافی مانگتی ہوں۔"

کمال الدین نے جلدی سے اپنا رومال نکال کر نسرین کے آنسو پونچھنے کے بعد کہا، "نہیں! نہیں!! شہزادی صاحبہ، چچی صاحبہ، بھائی یوسف، آپا فہمیدہ اور بہن امینہ سب اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں تمہاری ہر بات پر خوش

ہوا کرتا تھا اور میں چاہتا تھا کہ تم اسی طرح کی باتیں کرتی رہو۔ اب مستقبل کی زندگی میں میرے لئے وہ دن بہت تابناک ہوگا، جب تم میرا مذاق اڑاؤگی مجھ پر ہنسوگی اور مجھے چونچ کہوگی۔ تمہارے قہقہے سن کر میں یہ محسوس کروں گا کہ میری اجڑی ہوئی دنیا کی زندگی اور دلکشی پھر لوٹ آئی ہے۔ شہزادی صاحبہ! میں نے زندگی میں بہت بڑا صدمہ برداشت کیا ہے اور شاید اور صدمے بھی برداشت کرسکوں لیکن تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے سے مجھے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اب تم جس قدر جلدی تندرست ہوگی، اسی قدر جلدی تم سے بے شمار پیار کرنے والوں کی زندگی واپس لوٹ آئے گی۔ خدا کے لئے یہی کہتی رہا کرو کہ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ میں ان سب کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہوں جو مجھ سے پیار کرتے ہیں۔"

نسرین نے اچانک ایک سکون سا محسوس کرتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ کمال الدین نے کہا، "اب میں ایک ڈاکٹر کا فرض پورا کرنا چاہتا ہوں۔" اور یہ کہہ کر اس نے تھرمامیٹر نکال کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ اس کے بعد اٹھ کر بلڈ پریشر دیکھنے میں مصروف ہوگیا۔

فضل دین ٹرے میں یخنی کا پیالہ لے آیا۔ بلقیس ٹرے سے پیالہ اٹھا کر نسرین کے ساتھ بیٹھ گئی اور چمچ سے اس کو پلانے لگی۔ نسرین نے قدرے بے توجہی کے ساتھ بہت آہستہ آہستہ چند گھونٹ حلق سے اتارے تو ڈاکٹر کمال نے کہا، "دیکھئے محترمہ! مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھوک محسوس ہو رہی ہے، لیکن میری وجہ سے آپ جھجک محسوس کر رہی ہیں۔ اس لئے میں تھوڑی دیر کے لئے چلا جاتا ہوں۔ چچی جان! آپ اس کے بعد انہیں ایک اور پیالہ پلا دیں۔"

نسرین بولی، "نہیں، ڈاکٹر صاحب! آپ نہ جائیں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں یہ پیالہ منہ کو لگا کر فوراً ختم کرسکتی ہوں۔"

فضل دین نے کرسی آگے کر دی اور کمال الدین مسکراتا ہوا اس پر بیٹھ گیا اور بولا، "شہزادی صاحبہ! میں اس وقت آپ کو یہ حکم نہیں دے سکتا۔ لیکن جب آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی اور میں آپ کو ایک صحت مند بچی کی طرح کھانا پیتا دیکھوں گا تو مجھے خوشی ہوا کرے گی۔"

نسرین نے بلقیس کے ہاتھ سے چمچ پکڑتے ہوئے کہا، "چچی جان! اب آپ تکلیف نہ کریں۔ یہ کام میں خود کرسکتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میرے لئے یہ چند گھونٹ پیالے کو منہ لگا کر پی لینا زیادہ آسان ہوگا۔"

پھر چند سیکنڈ کے اندر اندر وہ پیالہ ختم کرچکی تھی۔

"شکریہ، شہزادی صاحبہ! اگر تھوڑی دیر تک آپ ایک اور پیالہ بھی پی لیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

نسرین بولی، "آپ آرام سے بیٹھے رہیں۔ میں آپ کو ناراض نہیں کروں گی۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا، "جب آپ سو جائیں گی تو میں دبے پاؤں اٹھ کر چلا جاؤں گا اور میرا خیال ہے کہ آپ کو جلد ہی نیند آجائے گی۔ کھانے میں آپ کو دو تین دن کافی پرہیز کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ چونکہ آپ کے چچا جان ایک ہفتہ تک یہیں ہیں۔ اس لئے مجھے آپ کی دیکھ بھال کے بارے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"چچا جان کہیں جا رہے ہیں؟"

"میرا خیال تھا کہ آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان کی تبدیلی ایبٹ آباد ہو

گئی ہے۔ مجھے آج راولپنڈی کی طرف روانہ ہونا تھا لیکن آپ کی تیمار داری کے لئے مجھے تین دن کی مہلت مل گئی تھی۔ اب انشاء اللہ! میں پرسوں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ میں ہر دوسرے یا تیسرے دن چچی جان کو ٹیلی فون کر کے آپ کے متعلق پوچھ لیا کروں گا۔"

نسرین چند ثانیے اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

"ڈاکٹر صاحب!" اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا، "ڈاکٹر صاحب! جو آپ پر گزری ہے۔ وہ میں سن چکی ہوں۔ کاش! میں آپ سے کچھ کہنے کے لئے موزوں الفاظ سوچ سکتی۔"

کمال الدین نے جواب دیا، "اس معاملے میں ہم بے بس ہیں۔ یوسف صاحب کہا کرتے ہیں، ہمیں دنیا کے آلام و مصائب میں صرف صبر اور شکر سے زندہ رہنے کا حوصلہ مل سکتا ہے۔"

نسرین بولی، "بھائی جان یوسف کی دنیا جتنی وسیع ہے، اسی قدر ان کے غم زیادہ ہیں ——— ڈاکٹر صاحب! میں بستر سے اٹھتے ہی ان کی قبروں پر جاؤں گی۔"

کمال الدین نے کہا، "آپ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ اس لئے آپ کو چند دن آرام کرنا چاہیئے۔"

پھر وہ بلقیس سے مخاطب ہوا، "چچی جان! حیدر آباد سے میرے کئی رشتہ داروں کے خط ملے ہیں۔ وہ اظہارِ ہمدردی کے لئے یہاں آنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں نے انہیں سختی سے منع کر دیا ہے اور جواب میں یہ لکھ دیا

ہے کہ ان دنوں سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ میں حالات ذرا بہتر ہوتے ہی ہوائی جہاز پر حیدر آباد پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

بلقیس نے کہا، "بیٹا! اگر کوئی یہاں آگیا تو اسے یہاں قیام میں پریشانی نہیں ہوگی۔ ہم ہمیشہ کسی مہمان کے منتظر رہتے ہیں۔"

"مجھے یہ معلوم ہے چچی جان! لیکن فی الحال، انہیں مطمئن کرنے کے لئے میں باقاعدگی سے خط لکھتا رہوں گا۔ وہ در اصل میرے ساتھ ہمدردی کے بہانے یہاں آکر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میں کن حالات سے گزر رہا ہوں اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں انہیں یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے کہیں جانا پڑے یا میرے خط میں تاخیر ہو جائے تو آپ چچا جان عبدالعزیز کو خط لکھ کر میری خیریت پوچھ سکتے ہیں۔ چچی جان! یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ایسے خطوط کا جواب لکھنے کی تکلیف آپ کو اٹھانا پڑے گی۔"

"بیٹا، تم اطمینان رکھو۔ کہ میرے جواب سے ان کا اطمینان ہو جائیگا۔"

ڈاکٹر کمال نے تھوڑے توقف کے بعد نسرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"شہزادی صاحبہ! میں آپ کو اپنے زندہ ہونے کی اطلاع دیتا رہوں گا۔"

"ڈاکٹر صاحب! میں آپ کے خطوط کا انتظار کیا کروں گی۔"

یوسف کمرے میں داخل ہوا۔ وہ چہرے سے بہت تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

بلقیس نے پوچھا، "بیٹا! صبح تک تمہارے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی تھی اور میں سمجھ رہی تھی تم ساری رات کی بھاگ دوڑ کے بعد سو گئے ہو

گئے ۔ جمیل تمہارے ساتھ نہیں آیا ؟"

"چچی جان ! وہ بستر پر پڑے تھے ۔ مجھے بھی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی لیکن نسرین کو دیکھے بغیر مجھے نیند نہیں آسکتی تھی ۔"

کمال الدین نے کہا ، "بھائی جان ! آپ کی شہزادی بہن سو گئی ہے ۔ آپ اب میرے ساتھ چلیں ـــــ چچی جان ! ہمیں اجازت ہے ؟ ـــــ میں گھر پہنچتے ہی نسرین کی دیکھ بھال کے لئے دوسرے تیمار داروں کو بھیج دوں گا ۔ تاکہ آپ کو آرام کا موقع مِل جائے ۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ چند دِن تک اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ مجھے مستقل طور پر مظفر آباد ہی رہنا پڑے گا یا راولپنڈی تبدیل کر دیا جائے گا ۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ مجھے جمیل صاحب کی طرح ایبٹ آباد بھیج دیا جائے ۔"

بلقیس بولی ، "بیٹا ! مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا دُعا کروں ۔ میرا مطلب ہے ، تم کس جگہ جانا پسند کرتے ہو ؟"

"چچی جان ! مجھے جمیل صاحب کے ساتھ ایبٹ آباد میں رہ کر زیادہ خوشی ہوگی ۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جمیل صاحب کے اصرار پر بھائی یوسف نے اپنی نئی کتاب ایبٹ آباد میں مکمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔ اگر مجھے وہاں نہ بھیجا گیا تو میرے لئے ہر جگہ ایک جیسی ہے ۔ میں راولپنڈی یا مظفر آباد رہ کر یہ اطمینان محسوس کیا کروں گا کہ یوسف اور جمیل مجھ سے قریب ہیں اور جب چاہوں اُن سے مل سکتا ہوں ۔ آپ دعا کریں کہ آپ کی شہزادی بیٹی جلد ٹھیک ہو جائے ۔ ورنہ ان کے متعلق پورے اطمینان کے بغیر مجھے مزید چھٹی لینی پڑے گی ۔"

"بیٹا ، میں ہر وقت اس کے لئے دُعا کیا کرتی ہوں ۔ اور مجھے ایسا محسوس

ہوتا ہے ، سب اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں ۔ گذشتہ چند دنوں سے تمہاری دعائیں زیادہ قبول ہو رہی ہیں ۔"

"چچی جان ! یہ دعائیں ہی تو ہیں جن سے میرے دِل میں زندہ رہنے کا عزم پیدا ہوا ہے ۔"

پندرہ دِن بعد نسرین اپنی چچی بلقیس کے گھر منتقل ہو گئی تھی ـــــ شام کے وقت چائے پیتے ہوئے فہمیدہ بولی : "ایبٹ آباد شمال کی طرف ہے نا ؟"

یوسف نے جواب دیا : "ہاں ، قریباً شمال ہی کی طرف ہے ۔"

فہمیدہ ، بلقیس کی طرف متوجہ ہوئی : "چچی جان ! میں نے بار بار ایک خواب دیکھا ہے اور اس وقت سے دیکھ رہی ہوں جبکہ میں نے یوسف صاحب کا گاؤں بھی نہیں دیکھا تھا ۔ اور وہ خواب عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ میں شمال کے پہاڑوں کی طرف جا رہی ہوں ۔ وہاں مجھے ایک خوب صورت دو منزلہ مکان دکھائی دیتا ہے ۔ جس میں پھل دار پودے لگے ہوئے ہیں ۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ میرا گھر ہے ۔ میں اس باغ سے پھل توڑ توڑ کر لوگوں میں تقسیم کرتی ہوں ۔ بہت خوشبودار اور میٹھے پھل ۔"

صفیہ نے کہا : "بھئی ، میری بیٹی کا کوئی خواب غلط نہیں ہوتا ۔ مجھے یقین ہے کہ ایبٹ آباد یا راولپنڈی میں میری بیٹی کا گھر ضرور بنے گا اور ہم ہر سال وہاں جایا کریں گے ۔"

یوسف نے کہا : "میں موسم گرما کے آغاز سے پہلے ہر صورت یہ کام

ختم کروں گا اور اس کے بعد فہمیدہ اور نسرین کے ساتھ کاغان کی سیر کروں
گا اور مجھے سیر کے دوران کام کے لئے جو وقت ملے گا وہ میں قوم کے نام
ایک اہم پیغام کی تکمیل پر صرف کروں گا۔ جمیل صاحب! دراصل اس ملک
میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ابھی تک ہندوؤں کے عزائم کے متعلق خوش فہمی
میں مبتلا ہیں۔ میں اس سے بہت ڈرتا ہوں کہ ہم اپنی مسلسل غفلتوں کے
باعث کہیں ایسے حالات کا سامنا نہ کریں جو صدیوں کے اقتدار کے بعد
اندلس کے مسلمانوں کو پیش آئے تھے۔ اور میرے بھائی! کبھی کبھی میں یہ سوچتا
ہوں کہ میں نے کتنا بڑا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے اور میرے پاس اتنا
تھوڑا وقت ہے۔ اگر زندگی کے آخری لمحات میں مجھے یہ اطمینان ہو کہ
جو کام میں نے اپنے ذمہ لیا تھا اسے میں اپنی اس ہمت، عقل اور دانش
کے ساتھ اس سے بہتر نہیں کر سکتا تھا، تو تم موت کے وقت بھی میرے
چہرے پر مسکراہٹ دیکھو گے۔"

———

نسرین تیزی سے رو بصحت ہو رہی تھی اور اس نے اپنی بہن اور سہیلی
کے ساتھ گھومنا پھرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ یوسف صبح نماز پڑھتے ہی لمبی سیر
کے لئے نکل جایا کرتا تھا۔

ایک دن وہ سیر سے واپس آیا تو اسے گھر میں مکان سے باہر دو موٹریں
اور اندر مہمانوں کی چہل پہل دکھائی دی۔ وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو وہاں عبدالعزیز
کے پاس دو فوجی افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا اور پھر
"السلام علیکم" کہہ کر باری باری ان سے بغل گیر ہوا۔ عقب کے دروازے
سے نسرین نمودار ہوئی اور اس نے کہا:

"بھائی جان! آپ کو معلوم ہے، یہ کون ہیں؟"

یوسف مسکرایا اور اس نے کہا: "دیکھو نسرین! جو مہمان کو پہچان لے
اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس کا دوسروں سے تعارف کرائے، ویسے
اپنے محسنوں کو کیا کبھی کوئی بھول بھی سکتا ہے؟" اور یہ کہتے ہی وہ میجر
آفتاب اور کیپٹن نعیم سے دوبارہ بغلگیر ہو گیا ———

"بھائی جان!" نسرین بولی: "یہ ہماری گاڑی بھی لے آئے ہیں۔ جو ہم
راوی کے پار ان کے پاس چھوڑ آئے تھے اور وہ آپ نے دروازے
کے باہر دیکھی ہو گی۔"

"نسرین! ان کو تو دیکھتے ہی میں نے تھوڑا تھوڑا پہچان لیا تھا، لیکن
باہر جو گاڑیاں کھڑی تھیں ان کی طرف میں نے غور سے نہیں دیکھا۔"

نسرین بولی: "بھائی جان! میں سوچ رہی تھی جب آپ سیر سے واپس
آئیں گے تو تھوڑی دیر بعد آپ اور ان معزز مہمانوں کے قہقہے سنائی دیتے
رہیں گے۔ لیکن جب کمرے سے کوئی آواز نہ آئی تو میں سمجھی آپ نے
انہیں بالکل نہیں پہچانا۔"

"بھئی، آرام سے بیٹھو، تھوڑی دیر تک تمہیں یہ شکایت نہیں رہے
گی کہ میں اور میرے محسن قہقہے لگانا بھول گئے ہیں ——— میجر صاحب!
آپ کو یہ مکان تلاش کرنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟"

میجر آفتاب نے کہا: "قطعاً نہیں، جب ہم آپ کی تلاش میں نکلے
تھے تو خوش قسمتی سے پہلا آدمی جس سے ہم نے آپ کے گھر کا پتا پوچھا تھا
وہ اسلامیہ کالج میں آپ کا کلاس فیلو رہ چکا تھا اور وہ سیدھا ہمیں یہاں
لے آیا تھا۔"

یوسف نے کہا: "آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور جتنے دن آپ لاہور میں ہیں۔ آپ میرے ہاں مہمان رہیں گے۔"

میجر آفتاب نے کہا: "ہم بہت مصروف رہے ہیں۔ آپ کو راوی کے پار پہنچانے کے تقریباً دس پندرہ روز بعد ہمیں کانگڑہ اور چھوٹی چھوٹی پہاڑی ریاستوں سے لے کر کلو تک سے آنے والے قافلوں کی حفاظت پر متعین کر دیا گیا تھا۔ اِن قافلوں میں ایسے لوگوں سے بھی ہمارا تعارف ہوا جنہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ اپنے پہاڑوں اور وادیوں سے نکلنے کے بعد وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کا ہر قدم پاکستان کی منزل کی طرف اٹھ رہا ہے لیکن جب وہ ضلع گورداسپور کی حدود میں داخل ہو جاتے تھے تو انہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمین کا یہ خطہ جسے وہ اپنا وطن سمجھتے تھے، ریڈکلف ماؤنٹ بیٹن اور ہندو کانگرس کی ملی بھگت کے باعث سیوا سنگھیوں اور سکھوں کے مورچوں میں تبدیل ہو چکا ہے اور یہاں قدم قدم پر تباہی اور موت ان کا انتظار کر رہی ہے۔"

کیپٹن نعیم بولا: "جو کچھ ہم نے دیکھا ہے اگر آپ دیکھتے تو اپنی قوم کی خواتین، بچوں اور بوڑھوں کے آلام و مصائب کی داستانوں کے سوا اور کچھ لکھنے کے لئے آپ کو بہت تھوڑی فرصت ملتی۔ کبھی کبھی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اتنا کچھ دیکھنے کے بعد بھی میں زندہ ہوں؟ کتنے دریا اور نالے تھے جنہیں عبور کرتے ہوئے بعض لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ تند و تیز لہروں کا شکار ہو گئے تھے۔ کتنے قافلے ہلاک ہوتے تھے، جن کا ہمیں کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہ تھکے ہارے لوگ رو بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ان میں آواز نکالنے کی سکت نہیں تھی لیکن جب میں ہلکی ہلکی سسکیوں اور خاموشی سے بہتے ہوئے آنسوؤں کا تصور کرتا

ہوں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے ——— یوسف صاحب! ہمارا یہ المیہ ہے کہ جن علاقوں پر ہمارا حق تھا، انہیں آج ہندو اپنی شکار گاہ سمجھتا ہے اور ہم زندہ رہنے کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کئے بغیر زندہ رہنے کا حق نہیں منوا سکتے ——— ہماری پہلی ذمہ داری یہ سمجھنا اور یہ جاننا ہے کہ ہمارا ازلی اور ابدی دشمن کون ہے؟ اس کے عزائم کتنے ہولناک ہیں؟ اور اس کا منہ پھیرنے کی ذمہ داریوں سے ہم کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ میں خوش ہوں کہ مجھے میجر آفتاب جیسا ایک رفیق مل گیا ورنہ میرے کانوں نے جو چیخیں سنی ہیں اور جو کچھ ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔ وہ یقیناً ایک انسان کو پاگل کر دینے کے لئے کافی ہے۔ کبھی کبھی میں یہ سوچا کرتا تھا کہ جب ہم سوچنا چھوڑ دیں گے تو ہمیں ماضی کی کوئی یاد تکلیف نہیں دے گی لیکن ایک انسان کی یہ کتنی بڑی بدقسمتی یا خوش قسمتی ہے کہ وہ سوچنے کی عادت ترک نہیں کر سکتا ——— یوسف صاحب! آپ ایک ادیب ہیں اور میں آپ سے انتہائی اہم بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہمیں زمین مل گئی ہے۔ لیکن ابھی اپنا گھر ہم نے بنانا ہے، جسے دیکھنے والے یہ محسوس کریں کہ یہاں کوئی باشعور قوم بستی ہے۔ ایسے گھروں کے نقشے قوموں کے اذہان اور قلوب میں بنتے ہیں اور قوموں کے ذہن اُن کے مکتب اور مدرسہ میں تیار ہوتے ہیں ——— جب میں ادھر ہندوستان سے آنے والی گاڑیوں کا خیر مقدم کرنے والے، اُن کے اندر زندہ لوگوں کی بجائے لاشیں دیکھا کرتے تھے اور ہر دوسرے تیسرے گھر میں کسی عزیز کا ماتم ہو رہا ہوتا تھا تو یہاں میں نے دیکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں آدھی آدھی رات تک مشاعرے ہوتے تھے اور ان کا کلام سننے والوں کے ذہن میں یہ خیال تک نہیں آتا تھا کہ ہم پر کوئی عبرت ناک دور گذر چکا ہے ——— یوسف صاحب! میں آپ کی ہر کتاب کئی کئی بار پڑھ چکا ہوں اور میں آپ کو

یہ بتانے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔ ان حالات میں اگر آپ مجھ ایسے سادہ آدمی کا مشورہ قبول کرسکتے ہیں تو میں بار بار یہ کہوں گا کہ یہ چیخ پکار کا وقت ہے، پوری قوت سے چلّائیے اور پوری طاقت سے چیخیئے اور اس قدر چیخیئے کہ ہزاروں انسان چونک کر آنکھیں کھول دیں اور پھر ان کی آوازیں آپ کی آواز میں شامل ہو جائیں۔"

میجر آفتاب نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ یوسف صاحب ہم دونوں کی نسبت کہیں زیادہ یہ جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ اور میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب ان کے منہ سے چیخیں نکلیں گی تو ہمیں چاروں اطراف بے شمار حساس لوگوں کی چیخیں سنائی دیں گی۔ ہم یوسف صاحب کو یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ کس وقت انہیں کیا کام کرنا چاہیئے۔ ——— یوسف صاحب! کبھی کبھی میں اور نعیم صاحب، آپ کے متعلق اس بات پر تعجب کیا کرتے تھے کہ: ایک انسان کی کون سی خوبی ہے، جو آپ میں نہیں۔"

یوسف نے جواب دیا: "مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا ہوں لیکن جن حالات کا میں سامنا کر رہا ہوں مجھ سے وہ جو تقاضا کرتے ہیں۔ میں اس سے منہ نہیں پھیر سکتا۔ اگر میرا مقدر یہی ہے کہ میں اپنے راستے کے انگاروں پر بھی ثابت قدمی سے چلتا رہوں تو میں کسی جگہ ڈگمگانا یا گر پڑنا گوارا نہیں کروں گا۔"

چند ثانیئے کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ پھر میجر آفتاب نے عبدالعزیز سے مخاطب ہو کر کہا: "جناب! جب ہم کالج کے طالب علم تھے تو ہم بڑے شوق سے یوسف صاحب کی تقریریں سنا کرتے تھے۔ لیکن ہمیں چند سال بعد یہ پتا چلا کہ یوسف صاحب جب اپنی تقریر کے دوران کوئی روح پرور قصہ بیان کیا کرتے تھے تو یہ خود ہی اس کا مرکزی کردار ہوتے تھے۔ اس روز جب انہوں

نے اپنے قافلے کو چھوڑ کر اچانک واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا تو یہ اتفاق تھا کہ ہم ان سے مل گئے تھے۔ ان کی باتیں بہت مختصر تھیں لیکن ان کا انداز ایسا تھا کہ یہ اپنے سپاہی ساتھیوں سے کوئی مشورہ لینے کی بجائے اپنا فیصلہ خود صادر کرتے مجھے یقین ہے اور ایسی کئی باتیں ہوں گی جنہیں یوسف صاحب نے غیر اہم سمجھ کر ان کا ذکر تک نہیں کیا ہوگا۔ اب وقت نہیں۔ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے امرتسر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ بعض ضروری باتیں رہ جائیں گی۔ پہلی تو یہ ہے کہ آپ کے مویشی بمع دو خوب صورت گھوڑیوں کے راوی کے پار چودھری عزیز دین نمبردار کے ہاں پہنچا دیئے گئے ہیں۔ آپ کے آدمی جب چاہیں جا کر انہیں لے آئیں۔ اگر ہم مصروف نہ ہوتے تو ہم انہیں بہت پہلے روانہ کر دیتے

اور بھائی صاحب! آپ کا سردار جگت سنگھ ایک عجیب و غریب آدمی ہے۔ وہ چند گھنٹوں کے اندر اندر ہمارا دوست بن گیا تھا۔ جب ہم اس کے گاؤں میں اپنا کام ختم کر کے گورداسپور کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو اس نے ہمیں آپ کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا۔ آپ جلدی سے یہ پڑھ لیں اور اگر جواب دینا چاہیں تو بھی لکھ دیں۔ آج کل بذریعہ ڈاک کسی چیز کا ملنا بہت مشکل ہے۔ سردار جگت سنگھ یہ بھی کہتا تھا کہ وہ ایک بہت اچھی نسل کی گائے کا تحفہ آپ کو بھیجنا چاہتا ہے۔ کیا ہم اسے یہ کہہ دیں کہ آپ نے یہ تحفہ خوشی سے قبول کر لیا ہے۔ لیکن ایک شرط رکھی ہے کہ ان کے مویشیوں میں سے جو جانور آپ کو پسند آئے وہ آپ رکھ لیں۔"

یوسف نے کہا: "یہ بہت اچھی بات ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ سردار صاحب میری پیشکش رد نہیں کریں گے۔"

چند منٹ بعد یوسف، جگت سنگھ کا خط پڑھ رہا تھا۔

سردار جگت سنگھ نے لکھا تھا:

"سوہنے کاکا جی!

آج آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو تمام اچھی باتیں جو میرے دل میں تھیں اچانک بھول گئیں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن آپ کی شہرت تمام سرحدوں سے آگے نکل جائے گی اور میں بڑے فخر کے ساتھ آپ کی کامیابیوں کے قصے سنا کرونگا۔

کاکا جی! یہ کوئی فرضی بات نہیں میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ میرا دل یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو میرے اور بہادر سنگھ کے گھر کا چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی آپ کو سلام کہے گا تو آپ اسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔ آپ بہت بڑے ہو کر بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کیا کریں گے کہ آپ ایک عام آدمی سے کسی صورت بڑے نہیں، لیکن پہچاننے والے آپ کو دور ہی سے دیکھ کر پہچان لیا کریں گے۔ اس وقت شاید میری آنکھیں کام نہ کریں۔ لیکن کسی جگہ دو آدمیوں کو ایک بڑے آدمی کے متعلق باتیں کرتے ہوئے سُن کر ہی میں یہ سمجھ جایا کروں گا کہ وہ بڑا آدمی آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

کاکا جی! میں کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ دنیا میں اگر آپ جیسے آدمیوں کی تعداد زیادہ ہوتی، میرا مطلب ہے کہ جس جگہ وہ ایک یا دو لاکھ ہیں وہاں وہ پچاس یا ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہوتے تو شہروں اور بستیوں میں کتنا سُکھ ہوتا۔ آپ کے مویشی پار پہنچا دیئے گئے ہیں اور نمبردار عزیز دین یا تو آپ کے آدمیوں کے حوالے کردے گا یا خود پہنچانے کا انتظام کرے گا۔ ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا تحفہ میں اپنی طرف سے بھی بھیجنا چاہتا تھا لیکن آپ کے فوجی دوست یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ یہ تحفہ قبول کرنے پر رضامند ہوتے تو یہ گائے دوسرے مویشیوں کے ساتھ بھیج دی جائے گی۔

بہادر سنگھ اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔ شاید یہ آپ کی کسی دعا کا اثر ہے کہ وہ تھانے دار بھی ہو گیا ہے اور اس کا تبادلہ لدھیانہ میں ہو گیا ہے۔ میں اس لئے بھی خوش ہوں کہ وہاں اس کے دشمن نہیں ہوں گے۔ سردار منگل سنگھ ایک دن آیا تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ اگر میں آپ سے کبھی ملوں تو اُس کا سلام بھی کہہ دوں۔

کاکا جی! ان حالات میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ مجھے آپ سے دور ہو جانے کا بہت دُکھ ہے۔ کسی کا ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانا تو ایک عام سی بات ہے۔ لیکن جب جدائی کے ساتھ انسانوں کے درمیان پریم کے بندھن بھی ٹوٹ جاتے ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے ——— کاکا جی! جو کچھ ہماری طرف سے آپ کی قوم کے ساتھ ہوا ہے اس کا مجھے بہت دُکھ ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ کسی دن بہت سے لوگ یہ دکھ محسوس کریں گے۔ لیکن وقت اتنا آگے جا چکا ہو گا کہ ان کے لئے ماضی کی کسی غلطی کی تلافی کرنا ممکن نہیں ہو گا۔

کاکا جی! میری عمر کے آدمی کو زندہ رہنے کا ایک ہی فائدہ ہے کہ اگر وہ اچھے لوگوں کے لئے کچھ اور نہ کر سکے تو مرتے وقت تک ان کے لئے اچھی دعا ہی کر سکتا ہے۔

کاکا جی! میں آپ کے لئے بہت دعائیں کرتا ہوں۔ بھگوان تمہیں اور تمہارے عزیزوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آپ کے جو لوگ مارے گئے تھے۔ ان کا مجھے بہت افسوس ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ان میں سے کسی کے ساتھ میں نے باتیں کی تھیں یا نہیں لیکن سیانے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب ایک مرد اُٹھ جاتا ہے، جہان سنسان ہو جاتا ہے اور آپ کے خاندان کے متعلق تو میں نے یہ سنا

تھا کہ ان میں سے پورے گیارہ قتل ہو گئے تھے۔

کاکاجی! بہت سی باتیں ہیں۔ جو خط میں لکھنا مشکل ہے اور آپ نے یہ دیکھ لیا ہو گا کہ قلم پکڑتے ہوئے میرا ہاتھ کانپتا ہے۔ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم ایک بار پھر گاڑی پر سفر کر رہے ہوں، سفر بہت لمبا ہو۔ راستے میں ایسے بے شمار واقعات پیش آئیں کہ جب یہ سفر ختم ہونے کے قریب آئے تو ہم دوست بن چکے ہوں۔ کاکاجی! بڑی سادہ سی خواہش ہے یہ، لیکن اس دنیا میں یوں ہی کوئی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ انسان کو ہمیشہ کسی نیکی کا صلہ ملتا ہے۔ زیادہ نیکی ہو تو زیادہ صلہ ملتا ہے۔

فقط آداب۔ آپ کا بابا جگت سنگھ

تھوڑی دیر بعد میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم، یوسف کے خاندان کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانے کے بعد میجر آفتاب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا:

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔ اگر آپ کے آدمی دریا کے اس پار چودھری عزیز دین نمبردار کے پاس پہنچ گئے تو مویشی اسی وقت اُن کے حوالے دیئے جائیں گے۔ شاید وہاں ہمارا کوئی آدمی آپ کی مدد کے لئے موجود ہو۔ دوسری صورت میں یہ مال مویشی چودھری عزیز دین چند میل دور گاؤں میں پہنچا دے گا۔ جہاں پولیس کی چوکی موجود ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہمارا بھی کوئی آدمی اُس سے تعاون کے لئے موجود ہو گا۔"

یوسف نے کہا: "میجر صاحب! میں آپ کا مشکور ہوں۔ اتنا کچھ کھونے کے بعد ہم نے مویشیوں کے مسئلے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن لائل پور کے

ایک چک میں پہنچ کر ہمارے خاندان کے لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ ہم اپنی گائے بھینسوں کے بغیر نہ تو دودھ کی ضرورت پورا کر سکتے ہیں اور نہ اپنے بیلوں کے بغیر کھیتوں میں فصلیں کاشت کر سکتے ہیں۔"

پھر وہ کہنے لگا: "موٹر یہاں پہنچا دینے کے لئے میں اپنی طرف سے اور اس سے زیادہ چچا عبدالعزیز صاحب کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ان کی طرف سے اس لئے کہ موٹر ان کی تھی اور میں صرف ضرورت کے وقت استعمال کیا کرتا تھا۔ اور اب بھی ایسا نظر آتا ہے کہ میں ضرورت کے وقت استعمال کیا کروں گا۔"

دو منٹ بعد میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم کار پر بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔

عبدالعزیز نے غور سے موٹر کو دیکھتے ہوئے کہا: "بیٹا یوسف! مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ آپ کے دوست نہ صرف موٹر کو یہاں پہنچا دیں گے بلکہ پہلے سے بھی بہتر حالت میں پہنچائیں گے۔ مجھے اب بیگم صاحبہ کے والد کو فون کر کے ان کے پرانے ڈرائیور کو یہاں بلانا پڑے گا اور اس کے رہے سہے نقص دور کرنے کے لئے اسے ورکشاپ بھیج دوں گا۔ جب یہ ٹھیک ہو کر بالکل نئی بن جائے گی تو اسے شادی کے تحفہ کے طور پر بیٹی فہمیدہ کو پیش کر دیا جائے گا اور یہ تمہارے استعمال میں رہے گی۔"

یوسف نے کہا: "لیکن چچا جان! چچی جان کو بھی تو اس کی ضرورت ہو گی اور انہیں تکلیف دینے کی بجائے، میں ذاتی کار خریدنے کے لئے دو سال مزید انتظار کر سکتا ہوں۔ اور اگر میں ایک کتاب اور لکھ لوں تو ڈیڑھ سال میں کار میرے پاس ہو گی۔"

عبدالعزیز نے کہا: "اس بات کا فیصلہ تمہاری چچی ہی کریں گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی صورت یہ پسند نہیں کریں گی کہ اس نے اپنی لاڈلی بھتیجی کو جو تحفہ دیا ہے اسے رد کر دیا جائے۔ اب آئیے! ذرا بیگم صاحبہ سے پوچھ لیتے ہیں کہ وہ اپنا تحفہ رد کئے جانے پر کیا محسوس کریں گی۔"

صحن سے فہمیدہ کی آواز سنائی دی: "چچا جان! چچی جان کا تحفہ بھلا کون رد کر سکتا ہے؟"

عبدالعزیز نے جواب دیا: "بیٹی! یوسف کچھ تذبذب میں ہے۔"

"چچا جان! یہ میری وجہ سے تذبذب میں ہوں گے۔ چچی جان کا تحفہ میں ایک مدت سے قبول کر چکی ہوں اور میں اسے دنیا کی بہترین کار پر ترجیح دوں گی۔"

عبدالعزیز نے کہا: "بیٹی! یوسف صاحب کے دوست اسے بہتر حالت میں واپس لائے ہیں۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اس میں کوئی نقص باقی نہ رہے۔ تم اپنی چچی سے کہو کہ وہ اپنے ابا جان کو فون کر کے ڈرائیور کو منگوا لیں تاکہ وہ کار کو ورکشاپ میں لے جائے۔"

فہمیدہ بولی: "چچا جان! وہ فون کر چکی ہیں۔"

"کب؟"

"چچا جان! جب اندر یہ اطلاع پہنچی تھی کہ فوج کے دو افسر ہماری کار لے آئے ہیں تو چچی جان نے پہلے شکرانے کے نفل پڑھے تھے اور پھر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد اپنے اباجی کو فون کیا تھا اور کہا تھا کہ ـــــ "اباجی! وہ کار، جو میں فہمیدہ کو دینا چاہتی تھی، ہندوستان سے واپس آ گئی ہے ـــــ جی! واپس لانے والے یوسف صاحب کے وہی فوجی دوست ہیں۔ جنہوں نے نسرین کو دریا عبور کرنے میں مدد دی تھی اور پھر زخمی حالت میں لاہور پہنچایا تھا۔ اب کار پہلے سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ اس میں معمولی سا نقص بھی نہ رہے اور اس طرح رنگ کر دیا جائے کہ بالکل نئی معلوم ہو ـــــ انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ ڈرائیور ابھی پہنچ جائے گا اور میں اسے یہ ہدایت بھی کر دوں گا کہ سارے خراب یا گھسے ہوئے پرزے تبدیل کر دیئے جائیں۔ میں خود بھی ورکشاپ جاؤں گا۔"

پھر فہمیدہ نے یوسف سے مخاطب ہو کر پوچھا: "اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں! بالکل نہیں!! اب تو میں یہ محسوس کروں گا کہ جب میرے پاس اتنے پیسے ہو جائیں گے کہ میں دنیا کی بہترین کار خرید سکوں تو بھی میں یہ کار تبدیل نہیں کروں گا۔ اگر دینے والے کے خلوص اور پیار سے اس کے تحفے کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے تو میری نگاہ میں یہ کار دنیا کی بہترین کار ہوگی۔ چچا جان! میں آپ کا اور چچی جان کا شکر گزار ہوں۔"

عبدالعزیز مسکرایا: "بیٹا! جو چیز پیار سے دی جائے اس کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا۔ زندگی میں بعض اتفاقات بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں ایبٹ آباد پہنچانے کے لئے مجھے کسی سے کار مانگنا پڑے گی۔ اور بیگم صاحبہ کبھی یہ گوارہ نہیں کریں گی کہ میں ان کے والد کے سوا کسی اور سے کار کے لئے کہوں۔ مجھے یہ ڈر تھا کہ اگر انہوں نے کوئی کار یہاں بھیج دی تو پھر وہ واپس نہیں لیں گے۔ بلقیس مجھے پریشان دیکھ کر ہنس پڑی تھی اور اس نے کہا تھا: "کہ جب کوئی معاملہ میرے اور اباجی کے درمیان ہو تو آپ کوئی دخل نہ دیا کریں۔ ہم ایک دوسرے کو بہت سمجھتے ہیں اور یہ بعید از قیاس نہیں کہ جب یوسف، فہمیدہ اور نسرین ایبٹ آباد جانے کا فیصلہ کریں گے تو چند گھنٹے پہلے اباجی کی بہت اچھی کار یہاں پہنچ

جائے ـــــــ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ان سے دوسری کار لینے کی شرمندگی نہیں اٹھانی پڑی"۔

فہمیدہ بولی: "چچا جان! جب آپ مہمانوں سے باتیں کر رہے تھے تو مظفر آباد سے ڈاکٹر کمال الدین کا فون آیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ میں ہر دوسرے ہفتے جمیل بھائی سے ملنے جایا کرتا ہوں اور ٹیلی فون پر ان سے اکثر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ وہ آپ کو بہت سلام کہتے تھے۔ ان کے فون کے تھوڑی دیر بعد چچا جمیل کا فون آیا تھا کہ "یوسف صاحب کو تاکید کرو کہ وہ یکم ستمبر تک ایبٹ آباد ضرور پہنچ جائیں۔ کیونکہ تین چار دن بعد جہادِ کشمیر کے لئے ایک اہم جلسہ ہوگا اور بعض معروف لیڈر وہاں تقریریں کریں گے! میں نے چائے کی دعوت پر یوسف صاحب کے چند قدر دانوں کو بھی بلایا ہے۔ میں نے انہیں یہ خبر سنادی تھی کہ آپ اپنی آئندہ کتاب ایبٹ آباد آکر لکھیں گے۔ اور میرے پاس ٹھہریں گے۔

اس پر کسی نے پوچھا تھا کہ یوسف صاحب سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟ ـــ میں نے جواب دیا تھا۔ یوسف صاحب، میری بھتیجی کے شوہر ہیں اور اگر ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہ ہوتا تو بھی وہ میرے بہترین دوست ہوتے۔ پھر یوسف صاحب کے متعلق بہت سی باتیں ہوئیں۔ ایک پروفیسر نے کہا کہ جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں بڑا اہم جلسہ ہو رہا ہے۔ ہماری جواں نسل یوسف صاحب کی بہت دلدادہ ہے۔ اگر وہ اس جلسہ میں حصہ لے سکیں تو ہمارے مقصد کو بڑی تقویت ملے گی۔ اور یوسف صاحب کو یہ کہہ دیجئے کہ وہ ضرور آئیں کیونکہ میں اس بات کی ذمہ داری لے چکا ہوں کہ آپ مجاہدینِ کشمیر کے اس جلسہ میں شرکت کے لئے پہنچ جائیں گے ـــ انہوں نے نسرین سے بھی بات کی تھی"۔

یوسف نے پوچھا: "تو بیگم صاحبہ! آپ نے کیا جواب دیا ہے؟"

فہمیدہ بولی: "میں اس کے سوا کیا جواب دے سکتی تھی کہ یوسف صاحب جہادِ کشمیر سے دلچسپی رکھنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کریں گے۔ ہم انشاء اللہ تین ستمبر سے پہلے ہی یہاں سے چل پڑیں گے۔ چچی جان نے بھی ان سے چند باتیں کی تھیں اور پھر اپنے ابا جان کو فون کیا تھا کہ یوسف صاحب کا اگلے مہینے کی ابتدا میں ایبٹ آباد پہنچنا ضروری ہے کیونکہ انہوں نے جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں ایک جلسہ میں تقریر کرنی ہے، ان کا جواب آیا تھا کہ ڈرائیور آج ہی کار ورکشاپ میں پہنچا دے اگر مجھے پورا اطمینان نہ ہوا کہ کار سو فی صد ٹھیک ہے تو میں اپنی کار بھیج دوں گا"۔

یکم ستمبر کی صبح فہمیدہ اور نسرین، چچا اور چچی کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ فہمیدہ چچی سے مل کر کار میں بیٹھ گئی۔ لیکن نسرین تذبذب کی حالت میں کبھی چچا اور کبھی چچی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بلقیس بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

نسرین بولی: "چچی جان! اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ چچا جان نے آپ کو یہ حکم تو نہیں دیا کہ آپ ہمارے ساتھ نہ جائیں؟"

بلقیس نے جلدی سے آنسو پونچھ کر عبدالعزیز کی طرف دیکھا۔ عبدالعزیز نے مسکراتے ہوئے کہا: "بیگم صاحبہ! آپ بلا وجہ تاخیر کر رہی ہیں۔ جب یوسف جیسے بیٹے اور فہمیدہ اور نسرین جیسی بیٹیاں سفر پر جا رہی ہوں اور آپ ان سے جدا نہ ہونا چاہیں اور ان کی کار میں جگہ بھی ہو تو آپ کو آرام سے ان کے ساتھ بیٹھ جانا چاہیئے"۔

بلقیس نے کہا: "مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سب کے ذہن میں کوئی ڈرامہ رچا ہے۔ مجھے تیاری میں صرف پانچ منٹ چاہئیں"۔

نسرین نے ان کا بازو پکڑ کر کار کی طرف کھینچتے ہوئے کہا: "نہیں، چچی جان! آپ کو ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ ایبٹ آباد پہنچ کر آپ جس چیز کی

ضرورت محسوس کریں وہ آپ کو میرے اور آپا فہمیدہ کے سوٹ کیسوں میں مل جائے گی۔"

بلقیس نے مڑ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور کہا: "میں ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ٹھہروں گی اور ہر روز سونے سے پہلے آپ کو فون کر لیا کروں گی۔"

عبدالعزیز نے کہا: "بیگم صاحبہ! اب مزید وقت ضائع نہ کریں۔ ورنہ جمیل کو چائے پینے کے لئے دیر تک آپ کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں نے آپ کی پسند کے کچھ بسکٹ بھی سامان کے ساتھ رکھوا دیئے ہیں۔"

بلقیس نے کار کے قریب جھک کر نسرین سے کہا: "میری ہوشیار بیٹی! جب تمہیں یہ معلوم تھا کہ میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں تو تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ فہمیدہ کو اگلی سیٹ پر اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے ——— اور یوسف! تم کیا سوچ رہے ہو؟"

یوسف نے جلدی سے آگے بڑھ کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور فہمیدہ پچھلی سیٹ سے نکل کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ بلقیس نے پیار سے نسرین کو اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا: "ہوشیار لڑکی! تمہیں میری چیزیں رکھوانے کا کب خیال آیا تھا؟"

"رات سونے سے پہلے، چچی جان۔"

"اور تمہارے چچا جان کو معلوم تھا کہ تم میرا سامان رکھوا رہی ہو؟"

"انہیں معلوم نہیں تھا، چچی جان! لیکن میں نے انہیں بتا دیا تھا۔ اس لئے بتا دیا تھا کہ ان کا ردِ عمل معلوم کئے بغیر مجھے یہ اطمینان نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ واقعی ہمارے ساتھ جا رہی ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ آپ ہمارے ساتھ نہ جا سکیں اور پھر میرا مذاق اڑایا جائے۔"

بلقیس بولی: "بیٹی دیکھو، جب میں مغموم کھڑی تھی تو کبھی تمہاری شرارت آمیز آنکھیں

اور کبھی تمہارے چچا کی مسکراہٹ دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی ایسی بات ہو گی کہ میں تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں گی۔"

یوسف نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا: "چچی جان! اگر کوئی بات نہ ہوتی تو میں ایک منٹ بعد یقیناً چچا جان سے کہنے والا تھا کہ آپ کو چند دن ہمارے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے۔"

اچانک باہر سے کار کا ہارن سنائی دیا اور نسرین چلائی: "بھائی جان، رک جائیے! آپا امینہ اور بھائی منظور آ گئے ہیں۔"

منظور نے اچانک کار روکنے کے بعد اسے چند قدم پیچھے ہٹا لیا اور منظور اور امینہ اپنی کار سے اتر کر قریب آ گئے۔ منظور نے کہا: "یوسف بھائی! ہم نے نماز پڑھنے کے بعد اچانک آپ کے پاس آنے کا پروگرام بنایا تھا۔ امینہ کا خیال تھا کہ کار کے بغیر آپ کو سفر میں تکلیف ہو گی۔ میں نے آپ کو فون پر بتانے کی کوشش کی تھی کہ ہم اپنی کار آپ کے حوالے کرنے آ رہے ہیں۔ لیکن آپ کا نمبر مصروف تھا۔ امینہ آپ کے لئے راستے میں کھانے کی کوئی چیز تیار کروا رہی تھی جب دیر ہو گئی تو ہم نے آپ کی طرف بھاگنے کا فیصلہ کیا۔ اب آپ کو راولپنڈی کا رخ کرنے سے پہلے ہمارے گھر کا چکر لگانا پڑے گا۔ آپ وہاں سے کھانا اٹھاتے ہی چل پڑیں۔ صرف آٹھ دس منٹ کا فرق پڑے گا۔"

بلقیس نے کار سے اتر کر امینہ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا: "بیٹی تم نے یہ کیسے خیال کیا کہ میں نے روانہ ہونے سے پہلے یہ نہیں سوچا ہو گا، کہ انہیں راستے میں بھوک بھی لگے گی۔ میں ان کے ساتھ چند دن کے لئے ایبٹ آباد جا رہی ہوں، ورنہ میں انہیں رخصت کر کے آپ کے ساتھ چل پڑتی اور تمہارے باورچی کے لذیذ کباب بڑے شوق سے کھاتی ——— کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم

دونوں ہمارے ساتھ ہی چل پڑو۔"

"چچی جان! اس دعوت کا شکریہ! لیکن ہم چند دن بعد آئیں گے۔ اور میں آپ کے ساتھ کاغان کی خوب سیر کروں گی۔"

"بیٹی! تم دونوں کو آنا چاہیئے۔"

نہیدہ نے کہا: "چچی جان! جب امینہ کوئی بات کرتی ہے تو وہ میاں بیوی دونوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ امینہ کسی دن منظور بھائی کو یہاں چھوڑ کر خود ایبٹ آباد پہنچ جائے گی۔

امینہ بہن! میں کار کی پیش کش کے لئے تمہاری شکرگزار ہوں۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی۔ کہ یوسف اور نسرین جو کار دریائے راوی کے اس کنارے چھوڑ آئے تھے وہ اچانک ہمارے پاس پہنچ گئی ہے۔"

امینہ نے غور سے کار کی طرف دیکھا: "آپا! میں یہ کیسے مان سکتی ہوں کہ یہ کار وہی ہے جو بھائی یوسف بے تحاشا بھگایا کرتے تھے ـــــ یہ تو بالکل نئی معلوم ہوتی ہے۔"

"اس کی وجہ کچھ تو ان فوجی دوستوں کی مہربانی ہے۔ جن کے پاس وہ یہ کار چھوڑ آئے تھے اور کچھ لاہور کی ورکشاپ کا کمال ہے، جس نے رنگ روغن سے اس کی شکل بدل دی ہے۔"

نسرین بولی: "آپا امینہ! کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ آپ ایک منٹ کے لئے کار ہمارے راستے سے ہٹا لیں اور ہم نکل جائیں۔"

وہ سب ہنس پڑے۔ اور امینہ نے کہا: "شہزادی بہن! اس کوتاہی کے لئے میری معذرت قبول فرمائیے۔"

نسرین بولی: "نہیں آپا، میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ نے کوئی کوتاہی کی ہے لیکن آپ شاید یہ بھول گئی تھیں کہ جب تک آپ کی کار راستہ روکے ہوئے ہے ہم آگے نہیں جا سکتے۔"

"اچھا، خدا حافظ! جب تک ایبٹ آباد سے تمہارا یہ فون نہیں آتا کہ تم بخیریت پہنچ گئی ہو۔ میں آپ سب کے لئے دعا کرتی رہوں گی ـــــ چچی جان! اگر نسرین بھول جائے تو آپ ہمیں فون کر دیں۔"

کشمیر کی رزمگاہ

عشاء کی نماز کے بعد ایبٹ آباد کے لوگ کمپنی باغ میں جمع ہو رہے تھے۔ ایک بزرگ صورت آدمی کرسیٔ صدارت پر رونق افروز تھے۔ جلسہ قرآنِ حکیم کی تلاوت سے شروع ہُوا تو، جلسے کے منتظمین میں سے ایک نوجوان نے اسٹیج پر آکر سامعین سے مخاطب ہو کر کہا:

"حضرات! آپ کو یہ سن کر یقیناً خوشی ہوگی کہ ہمارے ملک کے نامور ادیب جناب محمد یوسف صاحب، جن کا آپ کو ایک عرصے سے انتظار تھا، وہ یہاں تشریف فرما ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ انہیں خطاب کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت دیا جائے۔ اس لئے میں محمد یوسف صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسٹیج پر تشریف لے آئیں۔"

یوسف عقب سے نمودار ہوا اور اسٹیج پر پہنچتے ہی ایک مختصر سا خطبہ پڑھنے کے بعد اس نے تقریر شروع کی:

"میرے دوستو اور ساتھیو!

کشمیر کی آزادی کے لئے جہاد کرنا ہماری پسند یا ناپسند کا مسئلہ نہیں ہے ——— اس سے فرار کا ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے اور اس کی اہمیت کا احساس نہ کرنے کا مطلب ہے کہ: ہم نے لاکھوں انسانوں کی قربانی دینے اور

کروڑوں بھائیوں کی ہجرت کے بعد بھی کوئی سبق نہیں سیکھا ——— اور ہم نے اُن سازشوں سے بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا، جو ہندوؤں اور انگریزوں نے ہمارے خلاف کی ہیں۔

میرا گاؤں ضلع گورداسپور میں تھا اور میں اپنے گھر سے کانگڑہ کے پہاڑوں کے دلکش مناظر دیکھ سکتا تھا۔ انگریز کے اپنے اعلانات کے مطابق گورداسپور ہر لحاظ سے پاکستان کا حصہ تھا، لیکن ہندوؤں نے ماؤنٹ بیٹن کو جو لالچ اور ذہنی رشوت دے کر بددیانتی پر آمادہ کیا، وہ یہ تھی: "کہ اگر ہندو سامراج کو کشمیر کا راستہ مل جائے تو وہ ایک ڈومینین کا درجہ قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔"

ہندوؤں کی طرف سے یہ پیغام وی۔ پی مینن نے شملہ پہنچ کر ماؤنٹ بیٹن کو دیا تھا اور وہ یہ سن کر کرسی سے اچھل پڑا ——— بندر ہمیشہ خوشی کے عالم میں اچھلتا ہے اور ہندوؤں نے بڑی کامیابی سے اسے بندر بنا لیا تھا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ماؤنٹ بیٹن اچانک لندن گیا تھا اور چند دن مشورہ کرنے کے بعد واپس آیا تھا ——— حضرات! ——— میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت کے ساتھ اس کا یہ مشورہ گورداسپور کو ہندوؤں کی جھولی میں ڈال کر انہیں کشمیر کا راستہ مہیا کرنا تھا ——— اس بددیانتی اور بے انصافی کے سوا کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملانے کی کوئی اور دوسری صورت نہ تھی۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مہاتما گاندھی جی مہاراج جو کسی زمانے میں ہٹلر کو خطوط لکھا کرتے تھے کہ: "تمہیں لندن پر بمباری کرنے کی بجائے عدمِ تشدد سے کام لینا چاہیئے۔" وہ اپنے سوکھے ہوئے وجود پر نازیوں کی وردی کس کر میدان میں آجاتے ہیں۔ نہرو ڈاکٹر گوئبلز بن جاتا ہے۔ اور پٹیل، فیلڈ مارشل گوئرنگ بن کر دنیا کے سامنے آجاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کانگرس کے ہر بڑے لیڈر میں کسی بدنام نازی

کی رُوح آ گئی ہے۔ یہ آخر سب کچھ کیا تھا، میرے دوستو! ——— یہ حکومت برطانیہ اور اس کے ہندو دلالوں کا معجزہ تھا۔

میرے بھائیو!

ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ کشمیر ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے ——— کشمیر سے ہی وہ آبِ حیات آتا ہے، جس سے پاکستان کو زندگی ملتی ہے۔ کشمیر ہماری شہ رگ ہے اور کوئی بے وقوف بھی اپنی شہ رگ پر دشمن کا چھرا برداشت نہیں کرسکتا۔

ہندو ہمارے ساتھ گذشتہ ایک ہزار سال میں کئی جنگیں لڑ چکا ہے اور اس کے نتائج دیکھ چکا ہے! اب اس کی آخری خواہش یہ ہے کہ: اگر وہ پاکستان کو پیاس سے مارنے کی سازش میں کامیاب ہو جائے تو وہ اپنی تمام گذشتہ ناکامیوں کا بدلہ لے سکے گا ——— اور اس سازش کی ابتداء دراصل اس وقت ہوئی تھی جب انہوں نے بھاکڑہ بند باندھ کر ستلج کے پانی کا رُخ بدل دیا اور بہاولپور اور چولستان کے وسیع صحرائی خطوں کو اس کے پانی سے یکسر محروم کر دیا! کشمیر سے نکلنے والے دوسرے دریاؤں کا رُخ بدلنے کی وجہ ایک اس سے کہیں زیادہ اور خوفناک پروگرام کی تکمیل ہے۔

حضرات!

ہمیں اپنے دائمی دشمن کو اس پروگرام کی تکمیل کا موقع نہیں دینا چاہیئے۔ یہ وہ مسئلہ ہے۔ جسے کل پر ملتوی کرنا ہمارے لئے خودکشی کے مترادف ہو گا۔ ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ بنیا ہمارا دائمی دشمن ہے اور اس کے ہاتھ میں جو بھی ہتھیار ہو گا وہ ہم پر آزمایا جائے گا۔ اگر ہم اس کے ساتھ آج نپٹ سکتے ہیں تو آگے بڑھیں یہ معاملہ کل پر ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے ———

ہماری کوتاہیوں کی سزا ہماری آئندہ نسلوں کو نہیں ملنی چاہیئے اور اگر آج ہم چند سو یا چند ہزار جانوں کی قربانی دے کر ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو ہمیں اسے اس بات کا موقع نہیں دینا چاہیئے۔ کہ کل کلاں وہ تلوار نکال کر ہماری آئندہ نسلوں کو للکارتا پھرے۔ جب کہ وہ پہلے ہی پیاس اور بھوک سے مر رہی ہوں گی۔

میرے بھائیو اور بزرگو!

آپ ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہندو ہمیں تباہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے گا یہ وہ لوگ ہیں، جو کمزور کا گلا گھونٹتے ہیں اور طاقتور کے پاؤں پر گرتے ہیں! آپ باور کریں کشمیر میں آپ کے بھائی اور بہنیں کسی محمد بن قاسم، کسی محمود غزنوی اور کسی احمد شاہ ابدالی کو آوازیں دے رہے ہیں۔ اور وقت انتظار کر رہا ہے کہ ان مجاہدوں کے بیٹے آخر کب بیدار ہوتے ہیں؟ ——— اور یہ آوازیں اس وقت تک کشمیر کی فضاؤں میں گونجتی رہیں گی جب تک ہم پورے عزم و یقین کے ساتھ حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتے۔

معزز خواتین و حضرات!

اس دنیا کے تمام کام اہم ہوتے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جب جہاد کا مرحلہ آجاتا ہے تو کسی اور کام کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اس اجتماع کی اطلاع ملنے سے پہلے میں ایبٹ آباد میں ٹھہرنے کے لئے ایک لمبا چوڑا پروگرام بنا چکا تھا، لیکن آج میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ ——— آئندہ جو قافلہ جہادِ کشمیر میں حصہ لینے کے لئے یہاں سے روانہ ہو گا۔ آپ مجھے اس کے ہراول دستے میں پائیں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ قافلہ ابھی کتنے دنوں میں یہاں سے روانہ ہو گا۔ لیکن میں آج ہی سے اپنی تیاری شروع کر دوں گا۔

میرے عزیز ہم وطنو!

خدا آپ میں سے ہر ایک کو یہ توفیق دے کہ وہ جہاد کشمیر میں اپنے اپنے

حصے کی ذمہ داری پوری کر سکے۔"

جلسے کے اختتام پر یوسف گھر کی طرف روانہ ہوا۔ چند لوگ باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑے۔ ڈاکٹر جمیل کے بنگلے کے قریب پہنچ کر اس نے ایک معمر آدمی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا:

"جناب! جب بھی یہاں سے مجاہدین کا قافلہ تیار ہو جائے تو مجھے ڈیڑھ گھنٹہ قبل اطلاع بھیج دیں۔"

ایک نوجوان نے کہا: "جناب! طلبہ کی خواہش ہے کہ آپ کسی دن انہیں بھی خطاب کریں۔"

یوسف نے جواب دیا: "مجھے طلبہ سے باتیں کر کے خوشی ہوگی۔ آپ جب چاہیں آکر مجھے یہاں سے لے جائیں۔"

یوسف نے یکے بعد دیگرے ان سے گیٹ کے باہر مصافحہ کیا اور اندر چلا گیا۔

نسرین کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور بولی: "بھائی جان! ہم نے آپ کی ساری تقریر سن لی تھی۔ میں نے اور آپا فہمیدہ نے بھی: چند خواتین آئی تھیں۔ اور بڑے اصرار کے ساتھ ہمیں اپنے گھر لے گئی تھیں۔ جہاں سے ہمیں آپ کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ اور مجھے اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ چچی بلقیس ہمارے ساتھ نہیں تھیں، ورنہ وہ بہت خوش ہوتیں۔ بھائی جان! جب وہ عورتیں آپ کو "میرا بھائی" کہتی تھیں تو مجھے بڑا فخر محسوس ہوتا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مجھے یہ سن کر کوئی پریشانی نہیں ہوئی کہ آپ کشمیر جا رہے ہیں۔ بلکہ مجھے اس سے خوشی ہوئی ہے۔ میں آپ کے لئے فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کروں گی۔ جب بھی میں آپ کے

لئے دعا کیا کرتی تھی تو مجھے بہت سکون ملتا تھا۔ اب میں آپ کے لئے اور زیادہ دعائیں کیا کروں گی اور مجھے اور زیادہ سکون ملے گا۔" آپا جان کی طبیعت دوپہر کے وقت کچھ خراب تھی، میں نے نوکر کو چچا جان کے پاس بھیج دیا تھا اور چچا جان نے اس کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر کو بھیج دیا تھا۔ اس نے آپا جان کا معائنہ کرنے کے بعد تسلی دی تھی کہ —— "آپا بالکل ٹھیک ہیں۔ میں واپس جا کر ایک دوائی بھیجتی ہوں۔ اور باقی باتیں آپ کے چچا کو بتا دوں گی۔ میرا خیال تھا کہ میں ہفتے میں دو بار ضرور آیا کروں گی لیکن آپ کی آپا جان اتنی پیاری لگتی ہیں کہ میں بلاناغہ یہاں آیا کروں گی"۔ ——

نوکر دوائی لینے کے لئے ان کے ساتھ گیا تھا اور ڈاکٹر صاحبہ نے دوائی کے ساتھ خوب صورت پھولوں کا ایک گلدستہ اور شہد کی ایک بوتل بھی بھیج دی ہے —— بھائی جان! یہاں کے ڈاکٹر بہت اچھے ہیں کہ کڑوی دوائی کی بجائے شہد دیتے ہیں۔"

یوسف نے فہمیدہ کے کمرے میں داخل ہو کر "السلام علیکم" کہا اور فہمیدہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نسرین نے پوچھا:

"بھائی جان! آپ کا کھانا لے آؤں۔"

"ہاں، ہم دونوں کا کھانا یہیں لے آؤ۔"

"بھائی جان! آپا جان کہتی ہیں کہ آج میرا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا۔"

"بھئی، ممکن ہے کہ میری وجہ سے وہ تھوڑا بہت کھالیں۔ ورنہ گرم پانی میں تھوڑا سا شہد ملا کر پلا دیں گے۔ نوکر سے کہیں گھر میں جو سیب کا رس نکالنے کی مشین ہے وہ گرم پانی سے اچھی طرح صاف کرلے اور بازار سے اچھے سے سیب لے آئے۔"

"بھائی جان! آپ پریشان نہ ہوں آپا جی بالکل ٹھیک ہیں۔"

"شہزادی بہن! میں نے کب کہا ہے کہ میں پریشان ہوں۔"

"میں آپ کی پریشانی آپ کے چہرے سے دیکھا کرتی ہوں۔"

"چڑیل! میں تمہیں خوش نظر نہیں آتا۔"

"بھائی جان! کبھی کبھی میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

یوسف نے فہمیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ میں کوئی اچھی خبر سننے والا ہوں۔"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "آپ کا خیال ہے کہ میں اتنا بھی نہیں سوچ سکتی کہ ڈاکٹر صاحبہ سے آپ نے کتنے سوال پوچھے ہوں گے۔"

"ڈاکٹر صاحبہ ایک نیک خاتون ہیں اور میں اُن کا شکر گزار ہوں۔"

فہمیدہ نے کہا: "آپ کا ناول پڑھتے ہوئے میں سوچا کرتی تھی کہ جب کوئی جہاد میں حصہ لینے کا اعلان کرتا ہے تو اس کی بیوی پر کیا گزرتی ہے؟"

"اچھا، یہ بھی بتا دیجئے کہ کیا گزرتی ہے۔ بیگم صاحبہ پر؟"

"جی، ایسی صورت میں بیگم اس کی سلامتی کے سوا کوئی اور دعا نہیں کر سکتی۔"

یوسف بولا: "فہمیدہ! جب میں نے تقریر کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا تھا تو مجھے اس بات کا یقین تھا کہ رخصت ہوتے وقت تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھوں گا۔"

فہمیدہ کے چہرے پر پھیلتی ہوئی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا: "یوسف! مجھے یقین ہے کہ آزمائش کے وقت میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔"

یوسف نے کہا: "فہمیدہ! اگر میں تمہاری تصویر میں تمہاری مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے ہلکے آنسو بھی دکھا سکتا تو وہ میرا شاہکار ہوتی۔"

فہمیدہ بولی: "جناب! آپ میری تصویریں بنانے کی بجائے کئی اور

اہم کاموں کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔"

پانچویں دن یوسف کشمیر کے جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدوں کے ایک قافلے کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا اور فہمیدہ دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کر رہی تھی:

"یا اللہ! وہ جس طرح مسکراتے ہوئے گئے ہیں، اسی طرح مسکراتے ہوئے واپس آئیں اور میں اُن کے ساتھ جانے والوں کی بیویوں کی زبانی اُن کے کارنامے سنا کروں۔"

چھ ماہ گزر گئے۔

پہلے چار مہینوں میں یوسف کے تین خطوط ملے تھے۔ آخری خط میں اس نے لکھا تھا کہ:

"شاید کچھ دیر میں آپ کو نہ لکھ سکوں لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں ایک ایسے محاذ پر جا رہا ہوں جہاں سے کوئی پیغام بھیجنا آسان نہیں ہوگا۔ بہرصورت، میرے دوست آپ کو میری خیریت کی اطلاع دیتے رہیں گے اور جب میں واپس آؤں گا تو میری باتیں آپ کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہوں گی کہ میرے لئے خط بھیجنا واقعی مشکل تھا۔ میں نے گھر سے آتے ہی چچی جان کو لکھا تھا کہ انہیں میری غیر حاضری میں ایبٹ آباد رہنا چاہیئے۔ امید ہے کہ وہ پہنچ گئی ہوں گی۔ میرا ان کو سلام کہہ دیجئے اور بہت سی دعاؤں کے لئے التجا کیجئے۔ نسرین ——— میرا مطلب ہے شہزادی نسرین صاحبہ کو بے حساب دعائیں اور اگر آپ کے ابا جان اور امی جان بھی ایبٹ آباد میں ہوں تو انہیں بھی میرا سلام کہہ دیجئے۔ مجھے امید ہے کہ میرے واپس آنے سے پہلے میری نئی کتاب "گمشدہ قافلے" شائع ہو چکی ہوگی۔

خوشی کی بات ہے کہ ڈاکٹر کمال الدین بھی یہاں پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے پہلے ہفتے ہی میں تین انتہائی اہم آپریشن بہت کامیابی سے کئے ہیں۔ وہ عام طور پہ ایسی جگہ ہوا کریں گے۔ جہاں سے فون پہ بات کرنا آسان ہوگا اور میرے متعلق آپ کو ان سے اطلاع ملتی رہے گی۔ وہ آپ کو، چچا جان ڈاکٹر جمیل اور شہزادی نسرین کو سلام کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ کسی دن ایبٹ آباد بھی آئیں۔ میں اپنے ساتھ بہت سی کتابیں لایا تھا اور وہ مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتیں۔ میں لکھنے کے لئے بھی کافی وقت نکال لیتا ہوں۔ جب کسی کتاب کا مسودہ مکمل ہو جایا کرے گا، تو کسی نہ کسی طرح آپ کے پاس بھیج دیا کروں گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی دن خود ہی لے کر آجاؤں۔ ڈاکٹر جمیل صاحب کی وجہ سے مجھے آپ کی صحت کے بارے میں کوئی تشویش نہیں ہوتی۔ اور میں ڈاکٹر فرحت صاحبہ کا شکر گزار ہوں کہ وہ آپ کا اس قدر خیال رکھتی ہیں۔ یہاں شہد بہت ملتا ہے اور میرے پاس دو چھوٹے مٹ جمع ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی ایبٹ آباد آنے والا آدمی مل گیا تو آپ کو بھیج دیئے جائیں گے ان میں سے ایک ڈاکٹر صاحبہ کو میرے شکریہ کے ساتھ پہنچا دیجئے۔

میں کبھی کبھی اصل موضوع سے بہت دور نکل جاتا ہوں لیکن ایبٹ آباد ہمیشہ میرے قریب ہوتا ہے۔ اس کے مناظر کبھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتے۔ جب فرصت ملے گی تو ہم سب بہت لمبی سیر کیا کریں گے۔ میں اس وقت بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ چیلوں والی پہاڑی پر گھوم رہا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ آپ میرے ابا جان اور اپنے والدین کو باقاعدگی سے خط لکھتی ہوں گی۔ ہر خط میں انہیں میرا سلام بھی لکھ دیا کریں اور یہ درخواست بھی کیا کریں کہ مجھے ان کی دعاؤں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔"

یوسف کو گئے ہوئے ایک مدت ہوچکی تھی اور فہمیدہ نے اب یہ سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا کہ کتنے مہینے اور کتنے ہفتے گذر چکے ہیں۔ اس کی زندگی کی تمام راحتیں کمسن ضیاء الدین کے وجود میں جمع ہوچکی تھیں، جسے دیکھنے والے یوسف کی تصویر کہتے تھے۔ تین ماہ کا یہ خوب صورت بچہ اپنی ماں اور خالہ کے بعد بلقیس سے زیادہ مانوس تھا۔ جب کبھی وہ رو پڑتا تھا تو اس وقت تک چپ نہیں ہوتا تھا، جب تک کہ بلقیس اسے اُٹھا کر لان میں ٹہلنا نہیں شروع کر دیتی تھی۔ جب فضا میں اڑتی ہوئی ابابیلیں دکھائی دیتی تھیں تو ضیاء الدین ان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا تھا اور جس طرف کوئی پرندہ جاتا تھا۔ اس کی گردن اسی طرف گھوم جاتی تھی۔ نسرین اسے اپنے سامنے بستر پہ لٹا کر پاس بیٹھ جاتی تھی اور جب اپنے بال کھول کر سر نیچا کرکے ہلاتی تھی تو وہ دونوں ہاتھوں سے اس کے بال پکڑ کر ہنستا تھا۔ یوسف کے والد میاں عبدالرحیم شروع شروع میں کوئی ایک مہینہ کے بعد ایبٹ آباد چند دن کے لئے آیا کرتے تھے، لیکن ضیاء الدین کی پیدائش کے بعد وہ ہر دس پندرہ دن کے بعد اور کبھی اس سے بھی پہلے ایبٹ آباد پہنچ جاتے تھے۔

ایک دن وہ کرسی پر بیٹھے ضیاء الدین کو آہستہ آہستہ اچھال رہے تھے۔ فہمیدہ نماز پڑھ کر کمرے سے نکلی تو میاں عبدالرحیم نے کہا:

"بیٹی! ادھر آؤ!"

فہمیدہ قریب آکر ادب سے کھڑی ہوگئی تو عبدالرحیم نے کہا:

"بیٹی! تمہیں یاد ہے نا ایک دفعہ میں نے کہا تھا کہ تمہارے ساتھ ہمارے گھر میں بہت سی خوشیاں آئی ہیں۔ بیٹی! اب میں سوچ رہا تھا کہ اس گھر میں ضیاء الدین سے بڑھ کر اور کوئی خوشی نہیں ہوسکتی۔ نسرین کو بلاؤ۔"

فہمیدہ نے آواز دی۔ "نسرین، اِدھر آؤ! ابا جی بلاتے ہیں۔"

وہ بھاگتی ہوئی قریب آئی تو عبدالرحیم نے کہا:

"نسرین بیٹی! میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ جب میں یہاں نہیں ہوتا تو ضیاالدین کی طرح تم بھی مجھے بہت یاد آتی ہو۔ ہاں! ذرا اندر جا کر دیکھو کہ میرے کوٹ کی نچلی جیب میں کتنے پیسے ہیں، وہ سب نکال لو۔ اور جن لوگوں کو تم غریب سمجھتی ہو ان میں تقسیم کر دو۔"

نسرین اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے باہر آکر نوٹ گنتے ہوئے کہا:

"ابا جی! یہ کوئی بیالیس روپے ہیں۔"

"بیٹی جاؤ، اور یہ ابھی پڑوس کے غریب لوگوں میں تقسیم کر آؤ۔"

پھر وہ فہمیدہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "بیٹی! کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تم یوسف کے بچپن اور جوانی کی تمام تصویریں اپنے سامنے رکھ کر ضیاالدین کی طرف دیکھو تو تمہیں کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔"

فہمیدہ بولی: "چچی بلقیس کہتی ہیں، تھوڑا سا فرق ہے۔"

"بھئی، مجھے تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔"

"دیکھئے ابا جان، وہ آرہی ہیں۔ آپ خود ان سے پوچھ لیجئے۔ وہ یہ کہتی ہیں کہ یوسف ان کا بیٹا ہے، اس لئے وہ زیادہ خوب صورت ہے۔"

عبدالرحیم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "بیٹی! اگر ضیاالدین کی دادی زندہ ہوتیں تو وہ کہتیں کہ ——— جو لوگ کسی کو میرے پوتے سے زیادہ خوب صورت سمجھتے ہیں، ان کی نظر کمزور ہے۔"

نسرین بولی: "ابا جان! اگر بھائی جان یہاں ہوتے تو میں انہیں تمام رشتہ داروں کے سامنے بٹھا کر سب سے پوچھتی کہ آپ فیصلہ کریں کہ ان میں سے کون اچھا ہے؟

اور ——— پھر ان سب کا یہی فیصلہ ہوتا کہ یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ ہمیں باپ، بیٹے سے زیادہ اور بیٹا باپ سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔"

عبدالرحیم نے فہمیدہ سے پوچھا: "بیٹی! تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ جب اس نے اڑتے ہوئے پرندوں کی طرف دیکھنا شروع کیا تھا تو یہ کتنے روز کا تھا؟"

"ابا جی! مجھے اچھی طرح یاد نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ شروع ہی سے ایسا تھا اور پرندوں کو دیکھ کر اچھلنا شروع کر دیتا تھا۔"

"یوسف کی ماں بھی یہی کہا کرتی تھی کہ: "میرا بیٹا ابھی چند ہی دنوں کا تھا کہ وہ پرندوں کو پہچاننے لگا تھا اور دیر تک ٹکٹکی باندھ کر ان کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔"

———

آخری خط میں یوسف نے لکھا تھا:

"ڈاکٹر کمال الدین غیر متعینہ عرصہ کے لئے مظفر آباد چلے گئے ہیں اور میں پرسوں ایک بڑی مہم پر روانہ ہو جاؤں گا۔"

اس کے بعد ایک ماہ تک یوسف کے متعلق کوئی اطلاع نہ آئی۔ جن لوگوں کے متعلق یہ سوچا جا سکتا تھا کہ وہ یوسف کی خبر دے سکتے ہیں ان کی طرف سے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ آیا۔ ان کے ہر خط کا آخری فقرہ تقریباً یہی ہوتا کہ: "آپ ایک بہادر آدمی کی بیوی ہیں۔ جنگ میں ایسی باتیں غیر متوقع نہیں ہوتیں۔ آپ کو صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیئے۔"

وہ اپنے دل کو اسی طرح تسلی دیتی رہی کہ یوسف صاحب کے ساتھ جو رضا کار مہم پر گئے ہیں۔ وہ انتہائی بہادر قبائل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں کا اچانک اس طرح گم ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں امید ہے کہ ان کے متعلق جو خبر آئے گی۔ پاکستان اور کشمیر کے عوام کے لئے خوشی کی خبر ہوگی۔

———

ایک سرد رات ڈاکٹر جمیل نے ٹیلی فون سننے کے بعد آواز دی:

"نسرین بیٹی! ادھر آؤ۔"

نسرین بستر پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، وہ بھاگ کر اپنے چچا کے کمرے میں داخل ہوئی اور بولی: "کیا ہے چچا جان؟"

ڈاکٹر جمیل نے کہا: "ابھی مظفر آباد سے ڈاکٹر کمال کا فون آیا ہے کہ وہ مجاہدین جو کئی دنوں سے لاپتہ تھے۔ طویل اور دشوار گذار برفانی راستے طے کرنے کے بعد گلگت پہنچ گئے ہیں۔ ان کے ساتھ انڈیا کے جنگی قیدیوں کی تعداد ۲۰ ہے۔ مجاہدوں میں سے زیادہ آدمی بیمار تھے اور چوبیس گھنٹے کی نگہداشت کے بعد وہ روبصحت ہو رہے ہیں۔

ان کی گفتگو میں انتہائی دلچسپ بات یہ تھی کہ ہندوستانی قیدیوں کے ساتھ ایک جنوبی ہند کا آدمی بھی تھا جس نے پہلی بار برف گرتی دیکھ کر دہائی دینا شروع کر دی تھی اس کا گلگت پہنچتے ہی پہلا بیان یہ تھا کہ ——— بھارتی حکومت نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ میں مدراس کا باشندہ ہوں اور بھارت کو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ میں زیادہ سردی برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے انہوں نے یہ کہہ کر دھوکہ دیا تھا کہ کشمیر کی آب و ہوا بہت اچھی ہے اور تمہاری صحت اتنی اچھی ہو جائے گی کہ تم آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر پہچان نہیں سکو گے۔ میں نے گلگت پہنچتے ہی آئینہ دیکھا تھا تو معلوم ہوا کہ میرا وزن اٹھارہ پونڈ کم ہو جانے کے باعث میری شکل و صورت واقعی بدل گئی ہے۔ میں اپنے باقی بھائیوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ جو لوگ کشمیر کی آب و ہوا کی تعریفیں کر کے ہمیں جنگ کے میدان میں بھیج دیتے ہیں، ان کی کم از کم سزا یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہو جائیں تو انہیں گرفتار ہونے کے بعد بلتستان، گلگت، ہنزہ اور اسکردو کی سیر کرائی جائے میرے بھائیو! میں ساری دنیا کے سامنے دہائی دیتا ہوں کہ ہمارا کشمیر کے ساتھ کوئی

تعلق نہیں ہے۔ کشمیر کی جنگ، ہندوستان کی جنگ نہیں، بلکہ صرف برہمن کی جنگ ہے۔ کشمیر کو اس بات کی سزا مل رہی ہے کہ کسی زمانے میں کشمیر کا ایک برہمن خاندان جس سے نہرو خاندان کا کوئی تعلق تھا کشمیر کی طوفانی سردی سے ٹھٹھرتا ہوا الٰہ آباد پہنچ گیا تھا۔ ہمیں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے، جب تک بھارت میں برہمن موجود ہے، ہم پر اس طرح کے ظلم ہوتے رہیں گے۔ بھائیو! مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ میں کشمیر کے محاذ پر سینکڑوں بھارتیوں سے ملا تھا۔ جن میں سے بعض نے انعامات بھی حاصل کئے تھے۔ لیکن اُن میں سے سب میرے جیسے مدراسی یو پی یا سی پی کے کالے لوگ تھے، ایک بھی سفید چمڑی والا برہمن نہیں تھا۔"

جمیل کی گفتگو کے دوران فہمیدہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے کہا: "چچا جان! میں آپ کی باتیں سن چکی ہوں کہ نسرین کے بھائی جان جلد گھر آئیں گے۔ اور وہ مدراسی سپاہی، جس نے اپنے بیان میں برہمنوں کا ذکر کیا ہے۔ یقیناً اپنے سفر کے دوران یوسف صاحب کے زیر اثر رہ چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کی آئندہ تحریریں برہمن سے نفرت کے باعث پہچانی جائیں گی۔"

ڈاکٹر جمیل نے کہا: "یوسف اپنے وقت سے بہت پہلے دیکھتا ہے۔ اور آنے والے دور میں اس کی باتیں لوگوں کے لئے ایک دائمی صداقت بن جائیں گی۔ میرا دل یہ گواہی دیتا ہے: "اگر یوسف ان مجاہدین کے ساتھ نہ ہوتا تو اس ہندو قیدی کے منہ سے ایسی دلچسپ باتیں نہ نکلتیں۔"

تین دن بعد فہمیدہ، نسرین اور بلقیس خوشگوار دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھیں اور اُن کے درمیان ضیاء الدین لیٹا ہوا تھا۔ نسرین اچانک "بھائی جان! بھائی جان!!" کہتی ہوئی گیٹ کی طرف بھاگی۔ جہاں جیپ کھڑی تھی۔ اور تین فوجی افسر بیٹھے

بعد دیگرے یوسف سے مصافحہ کر کے اس سے جدا ہوتے تھے۔ انھوں نے
جیپ سے یوسف کا سامان نکال کر باہر رکھ دیا تھا۔

نسرین قریب آکر چند ثانیے تذبذب میں کھڑی رہی اور پھر یوسف سے لپٹ
کر بولی: "بھائی جان! میں سوچ میں پڑ گئی تھی کہ آپ شاید کوئی اور ہیں۔ آپا جان دو
دن پہلے یہ کہہ رہی تھیں کہ آپ آرہے ہیں اور مجھے یقین ہو گیا تھا کیونکہ آپ کے
متعلق اُن کی ہر بات صحیح ہوتی ہے۔ چچا جان سے پوچھ لیجئے!"

یوسف آگے بڑھا۔ اس نے "السلام علیکم" کہہ کر بچے کے چہرے پر
نگاہیں گاڑ دیں۔ پھر اچانک جھکا اور اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

نسرین نے کہا: "بھائی جان! ہمیں یہ اطلاع مل گئی تھی کہ آپ کوئی لمبا سفر کرنے
کے بعد گلگت پہنچ گئے ہیں اور آپ بھارت کے جن جنگی قیدیوں کو پکڑ کر لائے
تھے، انہیں خوب سیر کرائی ہے۔ جب ہم نے ایک قیدی کا بیان سنا تھا تو سب
کا یہی خیال تھا کہ اس پر برہمن کے متعلق آپ کے خیالات کا بڑا اثر ہے۔ بعد میں
یہ سب مجھے ڈانٹیں گے کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی کیا واہیات گفتگو شروع کر دی
تھی، لیکن اس وقت ان سب کے ذہن میں یہی سوال ہے۔"

یوسف نے کہا: "اگر میرے پاس وہاں ٹیپ ریکارڈر ہوتا تو میں آپ کو بڑی
دلچسپ گفتگو سنا سکتا تھا۔ شمبو داس وقت بے وقت میرا دماغ چاٹا کرتا تھا۔ مجھے
راولپنڈی پہنچ کر پتہ چلا کہ مظفر آباد میں اس نے رہا ہونے سے پہلے ہمارے ریڈیو
کو ایک خصوصی انٹرویو دیا ہے۔ جس میں اس نے برہمنوں کے متعلق وہ تمام باتیں کہہ
دی ہیں، جو وہ مجھ سے سنا کرتا تھا۔ جب اسے مظفر آباد بھیجا جا رہا تھا تو اس نے ہاتھ
جوڑ کر التجا کی تھی کہ: بھارت میں ابھی تک برہمنوں کی حکومت ہے! بھگوان کے
لئے مجھے کہیں اور بھیج دیں، وہاں نہ بھیجیں ——— برہمنوں کے ساتھ جو تباہی آیا کرتی

ہے، وہ نہرو خاندان کی موجودگی تک اور اس کے بعد بھی مدت تک آتی رہے گی
کیونکہ وہ ایسی فصل کے بیج ہیں جو ہر موسم میں پھل اور پھول دیتے رہیں گے ———"

نوکر نے کرسی لا کر رکھ دی۔ اور یوسف اطمینان سے بیٹھ گیا۔ فہمیدہ نے پوچھا:
"ہمارے لئے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آپ راولپنڈی کب پہنچے تھے؟"

"میں پرسوں صبح ہوائی جہاز پہ پہنچا تھا۔ اور راولپنڈی آتے ہی میرا میڈیکل چیک اپ
شروع ہو گیا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ چائے پی رہے تھے کہ مظفر آباد سے ڈاکٹر کمال الدین کا فون آیا
بلقیس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگانے کے بعد کہا: "یوسف! تمہارا فون ہے۔ وہ
کہہ رہا ہے کہ کمانڈر نے تمہارے لئے کسی ایوارڈ کی سفارش کی ہے۔"

یوسف نے اٹھ کر ریسیور پکڑ لیا: "آپ کا شکریہ! لیکن مجھے بہت پہلے معلوم
ہو گیا تھا۔ اور میں نے کمانڈنگ افسر کو یہ لکھ دیا تھا کہ میں اپنے ساتھیوں میں سے
شہباز خان کو بھی انعام کا مستحق سمجھتا ہوں ——— کیا کہا؟ دو اور ساتھیوں کی سفارش
کی گئی ہے۔ اگر دوسرے کا نام آفتاب خان ہے تو مجھے اس سے بھی بہت خوشی ہو گی
شکریہ! ——— میرے ساتھیوں میں سے کسی سے ملاقات ہو تو اسے یہ خوشخبری
سنا دیجئے گا۔"

"بیٹا! کیا ملا ہے تمہارے ساتھیوں کو اور تمہیں؟" بلقیس نے تنگ سی ہو کر پوچھا۔

"چچی جان! مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو شجاعت کے تمغے ملے ہیں۔"

"میں سب سے پہلے تمہاری کارگزاری سننا چاہتی ہوں۔"

"کوئی خاص کارگزاری نہیں تھی، چچی جان۔ چند آدمی بدحواسی کی حالت میں بھاگتے
ہوئے آرہے تھے۔ ان میں سے تین جوان جو سب سے آگے تھے، اچانک میرے
سامنے آنکلے۔ ایک کی ٹانگ پر میری گولی لگی اور باقی دو نے اپنی رائفلیں پھینک دیں

ان کی دیکھا دیکھی پیچھے آنے والے آٹھ آدمیوں نے بھی ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں چند دھماکے سنائی دیئے اور پھر ہمارے پانچ ساتھی، سولہ ہندوستانیوں کو اپنی رائفلوں اور پستولوں کے ساتھ ہانکتے ہوئے آرہے تھے۔ اس وقت ہمیں ستائیس قیدیوں کی بجائے ستائیس رائفلوں کی زیادہ خوشی تھی! ہمیں شمال کی طرف بھاگنے والے مزید آدمیوں کی اطلاع ملی تو ہم نے ان کا تین دن تک پیچھا کیا اور آخر ان میں سے سات اور کو پکڑ لیا۔ ہم نے واپس مڑنے کی بجائے شمال مغرب کے جنگلات میں اپنی جستجو جاری رکھی۔ دشمن نے ایک جگہ ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن چند گھنٹے مقابلہ کرنے کے بعد وہ تین لاشیں اور چار زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ زخمیوں میں سے ایک گلگت تک سفر کے دوران مر گیا تھا اور تین کو ہم نے علاج کے لئے گلگت چھوڑ دیا تھا۔ اگر ان قیدیوں کو گلگت پہنچانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہمارے متعلق شاید آپ کو یہ اطلاع ملتی کہ ہم چند بڑی کامیابیوں کے بعد جنگ کے کسی اور محاذ پر پہنچ گئے تھے۔"

بلقیس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "بیٹا! مجھے معلوم ہے کہ جب تم مرنے مارنے پر آجاتے ہو تو تمہارے دل میں کسی کا خوف نہیں رہتا۔ لیکن جب تمہیں معلوم تھا کہ گھر میں یہ ننھی سی جان تمہارا انتظار کر رہی ہے، تمہیں پھر بھی واپس لوٹنے کا خیال نہیں آیا؟"

یوسف نے ضیاء الدین کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "چچی جان! کسی دن یہ ننھی سی جان بڑا ہو کر آپ کو یہ بتائے گا کہ اس کے ملک کی آزادی کے لئے میں بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا تھا!"

نسرین بولی: "چچی جان، غور سے دیکھیں! ضیاء الدین مسکرا رہا ہے۔"

بلقیس نے کہا: "اپنی شریر خالہ کو دیکھ کر اسے مسکرانے کی عادت سی ہو گئی

ہے۔"

"چچی جان! آپا فہمیدہ کہتی ہیں کہ میری باتوں پر بھائی جان بھی مسکرایا کرتے تھے۔"

فہمیدہ نے کہا: "امی جان کہا کرتی ہیں کہ مسکراہٹیں ہمارے گھر میں نسرین کے ساتھ آئی تھیں۔ نسرین! آؤ، میرے پاس بیٹھ جاؤ۔"

نسرین، فہمیدہ کے ساتھ بیٹھ گئی اور وہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

یوسف نے کہا: "نسرین! میں سوچا کرتا تھا کہ ضیاء الدین اپنی ننھی اور پیاری خالہ کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتا ہوگا۔"

نسرین بولی: "بھائی جان! میں صبح آنکھ کھلتے ہی بھاگ کر ضیاء الدین کو دیکھا کرتی ہوں اور اکثر یہ سوچتی ہوں کہ ضیاء الدین کل کی نسبت آج اور بڑا ہو چکا ہوگا۔ مجھے اس سے اتنی مہک آتی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں۔ میں دعا کیا کرتی ہوں کہ لوگ جس قدر بھائی جان یوسف سے پیار کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ وہ ضیاء الدین سے محبت کریں۔"

بلقیس بولی: "ضیاء الدین سے تو اب بھی زیادہ کرتے ہیں۔"

"چچی جان! میرا مطلب ہے، اب نہیں، جب بڑا ہو جائے گا تو!"

بلقیس بولی: "لڑکیو! تم ضروری بات کرنا ہمیشہ بھول جاتی ہو۔ میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں کتنی دیر کے بعد یوسف کو اس کی نئی کتاب "گمشدہ قافلے" پر مبارک باد دینے کا خیال آئے گا؟"

نسرین بولی: "چچی جان! بھائی جان کی نئی کتاب کی اشاعت پر ہم نے مبارک باد کے اتنے خطوط اور پیغامات وصول کئے ہیں۔ کہ ان کا تذکرہ کرنے کیلئے کافی وقت کی ضرورت ہوگی۔"

فہمیدہ بولی: "نسرین درست کہتی ہے۔ رات کھانے پر بیٹھتے ہوئے نسرین اس گفتگو کی ابتدا کرنے اور جس کو جتنا یاد ہے، بتاتا جائے۔"

بلقیس بولی: "بیٹا! میں تمہیں سب سے پہلے مبارک باد دیتی ہوں کہ تمہاری یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔ جمیل سے جب بھی گفتگو ہوتی ہے، وہ دو چار ایسے آدمیوں کا ذکر ضرور کرتا ہے جو آپ کی نئی کتاب 'گمشدہ قافلے' دیکھ کر آپ سے متعارف ہوئے ہیں۔ کئی مشہور و معروف لوگوں کے آپ کے نام خطوط بھی آئے ہیں۔"

فہمیدہ بولی: "میں سوچا کرتی تھی کہ کسی دن میں آپ کے بہت سے چاہنے والوں کو خط لکھ کر ایبٹ آباد آنے کی دعوت دوں گی۔ اپنی طرف سے بھی اور آپ کی طرف سے بھی۔"

یوسف بولا: "آج سے چار ماہ تک میں سخت مصروف رہوں گا اور اس کے بعد جب چاہیں، انہیں دعوت دے سکتی ہیں۔"

فہمیدہ بولی: "دیکھ لیجئے، مہمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی۔"

یوسف بولا: "آپ بہت جلد یہ سمجھ جائیں گی کہ میں مہمان کا انتظار کیا کرتا ہوں اور ان کے ساتھ خوش رہا کرتا ہوں۔"

فہمیدہ بولی: "مجھے یقین ہے کہ صاحبزادہ بھی اسی طرح کا ہوگا۔ جب تک اس کے قریب رونق رہتی ہے اس کا موڈ ٹھیک رہتا ہے۔ لیکن نسرین اور چچی جان اچانک کہیں چلی جائیں تو یہ شور مچاتا ہے اور اگر کوئی متوجہ نہ ہو تو پھر رونے لگ جاتا ہے۔"

یوسف نے کہا: "چچی جان! جب میں نے آپ کو خط لکھا تھا کہ آپ ایبٹ آباد پہنچ جائیں تو مجھے یہ احساس تھا کہ جو مہمان آرہا ہے اس کی نگاہیں اس گھر میں چچی جان کو ضرور تلاش کریں گی۔"

بلقیس نے کچھ سوچ کر کہا: "بیٹا! جب بھی تم کوئی ایسی بات کرتے ہو تو مجھے تمہارا یہ فقرہ ضرور یاد آجاتا ہے کہ: بعض لوگ دنیا میں خوشیاں بانٹنے کے لئے آتے ہیں اور میری دنیا میں سب سے زیادہ خوشیاں تم نے بانٹی ہیں۔ میں ضیاء الدین کو بھی اس لئے سینے سے چمٹائے پھرتی ہوں کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔"

"چچی جان! میں آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ میرا اور فہمیدہ کا یہ بیٹا ناشکر گزار نہیں ہوگا۔ میں بھی آپ کو بہت یاد کیا کرتا تھا اور جب میں بہت تھک جاتا تھا تو آپ کی یاد سے میرے اندر نئی زندگی آجاتی تھی۔"

"کل رات تمہارے چچا کا فون آئے گا اور ان سے یہ پوچھ لینا کہ وہ تمہیں کتنا یاد کرتے ہیں!"

"چچی جان! مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے بہت یاد کرتے ہیں۔"

شدید گرمیوں کے بعد پہلی موسلا دھار بارش سے موسم اچانک خوشگوار ہو گیا تھا۔ ایک دن فہمیدہ اور یوسف ہوا کے خوشگوار جھونکوں کے ساتھ ہلکی سی بونداباندی دیکھ رہے تھے۔

فہمیدہ نے کہا: "اگر اجازت ہو تو میں کل سے باقاعدہ آپ کا نیا مسودہ پڑھنا شروع کر دوں؟"

یوسف نے کہا: "اس کتاب کا اہم ترین حصہ مکمل کرنے کے لئے مجھے کوئی بیس چالیس صفحات اور لکھنے پڑیں گے اور یہ کام دو تین دن تک ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب چاہیں پڑھنا شروع کر دیں۔ لیکن اس کے متعلق ہماری گفتگو

اس وقت شروع ہوگی جب میں اسے ختم کر لوں گا۔"

"جی! مجھے یہ معلوم ہے کہ جب تک آپ کی پوری کتاب سامنے نہ آجائے تو آپ مجھے کسی مسئلے پر بحث نہیں کرنے دیتے۔"

"بھئی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہاری بحث سے لطف اندوز نہیں ہوتا لیکن لکھنے کے موڈ پر اس سے ضرور اثر پڑتا ہے۔"

"جی مجھے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ جب آپ موڈ میں نہ ہوں تو کسی کے ساتھ بھی گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے۔"

"صرف کتاب کے متعلق، ہر بات پر نہیں!"

"جی، آپ کسی بات پر بھی گفتگو کرنا پسند نہیں فرماتے،"

"بھئی، یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ میں کسی بات پر بھی آپ سے ناراض نہیں ہوتا۔"

"جی، مجھے یہ تھوڑی سی دیر کے لئے یاد رہتا ہے۔ پھر میں بھول جاتی ہوں۔ کوئی مسودہ میں نے دیکھ لیا تھا۔ اس لئے میں بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں کہ یہ ختم ہو اور ہم اطمینان سے اس کے متعلق باتیں کریں۔"

یوسف بولا: "فہمیدہ! میں اطمینان سے باتیں کرنے کے لئے اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ ایونکہ ایک کتاب ختم ہوگئی تو دوسری شروع ہو جائے گی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ مجھے کتاب شروع کرنے سے پہلے اس کا سارا پلان آپ کو بتا دینا چاہیئے تاکہ آپ کے دل میں کوئی الجھن نہ رہے۔"

"ایسا تو میں کبھی بھی نہیں سوچ سکتی۔ میں یہ جانتی ہوں کہ جو کتاب آپ شروع کرتے ہیں اس کا پورا ڈھانچہ آپ کے ذہن میں موجود ہوتا ہے اور اس کے تمام اجزا اس قدر مربوط ہوتے ہیں کہ ان میں مشکل سے کوئی ترمیم ہو سکتی ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں

کہ کوئی دوسرا آپ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کتاب کے فلاں فلاں حصے اس طرح بدل دیں اور باقی حصوں کو اسی طرح رہنے دیں۔ کوئی بڑے سے بڑا دماغ رکھنے والا اگر کوئی ایسی بات کہے تو میں اس سے لڑ پڑوں گی۔ کیونکہ ناول نگاری آپ نے کسی سے سیکھی نہیں بلکہ یہ ایک عطیہ خداوندی ہے۔ پڑھتے وقت کوئی یہ تو سوچ سکتا ہے کہ آپ کے ناول کے اگلے حصوں میں کیا تبدیلی ممکن ہے۔ لیکن کوئی یہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ آپ کا ذہن ایک کارخانہ ہے جو ہمہ وقت کہانیوں کے ڈھانچے تیار کرنے میں مصروف رہتا ہے اور جب کوئی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے۔ تو آپ اطمینان سے اس میں رنگ بھر دیتے ہیں۔"

"میں اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی کام لیا جا رہا ہے۔ اور میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ مجھے اپنے کام سے اس کی خوشنودی حاصل ہو۔ میری دنیا میں کتنے قافلے کسی منزل کی طرف قدم اٹھانے کے لئے میری آواز کے منتظر ہیں۔ کتنے انسانوں کے دلوں کی باتیں ہیں جو میں پوری دنیا کو سنا سکتا ہوں۔ فہمیدہ! جب مجھے لکھتے وقت بھوک، تھکاوٹ اور نیند کا احساس تک نہیں رہتا تو بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ میں جس عظیم دریا کے کنارے کھڑا ہوں اس کی موجیں بھی میری ہیں اور طوفان بھی میرے ہیں۔ اور وہ دلفریب جزیرے جو حدِ نگاہ تک پھیلے ہوتے ہیں۔ وہ بھی میرے ہیں۔ میں جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔ میرے دل میں کسی بھنور کا خوف نہیں ہوتا۔

فہمیدہ! کبھی کبھی میں احساس و شعور کی حدود سے بہت دور نکل جاتا ہوں لیکن جس طرح ایک پرندہ فضائے نیلگوں میں گم ہو جانے کے بعد اپنے نشیمن کی طرف واپس آجاتا ہے تو میں بھی واپس آجاتا ہوں۔ میرے ذہن پر اُن بے شمار گمشدہ قافلوں کا دھندلا سا عکس رہ جاتا ہے جو اس زمین پر اپنی آزادی اور بقاء کے راستے تلاش کر رہے ہیں۔

فہمیدہ! میں خواب دیکھا کرتا ہوں۔ انجانی اور ان دیکھی بستیوں کے خواب۔ جن کے گرد بھیانک عفریت گھیرے ڈال رہے ہیں۔ میں ان بہنوں اور بچیوں کی دلخراش چیخیں سنا کرتا ہوں، جنہیں وہ خوفناک اژدھا ہڑپ کرنا چاہتے ہیں جو موقع کے انتظار میں صدیوں سے کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔

ہم جس راستے پر سفر کر رہے ہیں۔ اس کی دشواریاں اور ہولناکیاں ہماری میراث ہیں۔ اگر میں نے کسی سوئے ہوئے قافلے کو بروقت بیدار کر دیا ہے اور میری قوم یہ احساس لے کر آگے بڑھ رہی ہے کہ یہ اژدھا پہلے بھی گذر چکے ہیں ہم اس سے خوف نہیں کھاتے، تو میں سمجھوں گا کہ میں نے ایک بڑا فرض ادا کر دیا ہے۔

مجھے یہ پریشانی نہیں کہ یہ وقت کیسا ہے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وقت جلتے ہوئے قافلوں کا عزم سفر زندہ رکھنے اور انہیں راستے کے ہر پتھر کو پیس کر آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔

میں بہت چھوٹا تھا، جب میں نے اپنے پروردگار سے یہ عہد کیا تھا کہ میں اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دوں گا اور اس عہد پر میں ہمیشہ قائم رہوں گا۔"

فہمیدہ نے کہا: "یوسف! اس پرچم کو بلند رکھنے میں میں آپ کے ساتھ ہوں اور یہ ننھا سا سپاہی بھی کسی دن ہمارے ساتھ ہوگا۔ اگر یہ آپ کے نقش قدم پر چلا اور اللہ نے اس کے لئے میری دعائیں قبول فرمائیں تو اس کے آہنی ہاتھ کسی دن اس اژدھا کے جبڑے چیر ڈالیں گے، جسے آپ مسلمانوں کے مستقبل کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ آپ کی تحریروں سے اب صرف برصغیر ہی میں نہیں پوری دنیا کے لوگ برہمنی سامراج کے کالے بھوت کو پہچاننے لگ گئے ہیں۔"

یوسف نے کہا: "ایشیا میں اس وقت تک امن نہیں آ سکتا۔ جب تک کہ اس کالے بھوت کا طلسم ٹوٹ نہیں جاتا۔ اس دنیا میں انسانوں پر خدائی کی خواہش کبھی

نازیوں اور کبھی فاشسٹوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن جبر و استبداد کا یہ عفریت جس نے برہمنی سامراج کی کوکھ سے جنم لیا ہے، اس قدر خوفناک اور مہلک ہے کہ اگر اس کے جراثیم ختم نہ کئے گئے تو دنیا کو صدیوں تک امن اور چین نصیب نہیں ہوگا۔ اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ہم مشرقی پنجاب میں سکھوں کے مظالم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اب آہستہ آہستہ ہندوؤں کے ہاتھ سکھوں کی گردن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جب وہ دبوچ لئے جائیں گے تو ان کے منہ سے چیخ بھی نہیں نکل سکے گی۔ ہندو جب انہیں مسلمانوں کا خون بہانے کے لئے میدان میں لے آتے تھے تو ماسٹر تارا سنگھ کی کرپان سے اُن کے مستقبل کی تاریخ کے نئے عنوان بھی لکھے جا رہے تھے۔ آہ! شاہراہِ حیات کے کتنے قافلے نفرتوں کی اس آگ کے الاؤ میں جل گئے اور کتنی چیخیں ہیں جو فضاء کی ان وسعتوں میں گم ہو چکی ہیں۔ اگر اس وقت کسی کو اس بات کا یقین نہیں آتا کہ برہمنی سامراج کا آخری دن بھی معین ہو چکا ہے تو اسے ماضی کی جلی ہوئی بستیوں اور بوسیدہ ہڈیوں سے ان ارواح کی فریاد سننی چاہیئے جو صدیوں سے انتقام! انتقام!! پکار رہی ہیں۔"

جنوری کے دن تھے۔ یوسف کھڑکی کے قریب بیٹھا کچھ لکھنے میں مصروف تھا کہ فہمیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اور اس نے پوچھا: "آپ چچا جان کا انتظار کریں گے یا میں صرف آپ کا کھانا لے آؤں؟"

"بیگم صاحبہ! ابھی کھانے کا وقت نہیں ہوا۔"

فہمیدہ مسکراتی ہوئی دوسری کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور بولی: جی آج سردی بہت ہے اور نوکر کہتا تھا: "ایسے لگتا ہے کہ برف باری کسی وقت بھی شروع ہو سکتی ہے۔" اور آپ نے مجھے بتایا تھا کہ سردیوں میں بھوک بہت لگتی ہے۔"

"یہ کب کہا تھا میں نے؟"

"جناب! جب آپ مجھے اپنے گاؤں سے لاہور چھوڑنے گئے تھے تو امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر آپ نے یہ بات کہی تھی، مجھے آپ کی ہر بات ہمیشہ یاد رہتی ہے۔"

یوسف نے کہا: "یہ بات میں نے کھانے کے وقت ہی کہی ہوگی!"

"جی نہیں! ابھی گیارہ نہیں بجے تھے کہ آپ مجھ سے یہ بات منوانے پر مصر تھے کہ مجھے بھی بھوک محسوس ہو رہی ہے ——— اب ایبٹ آباد میں بھی میرے متعلق آپ کو یہی پریشانی رہتی ہے کہ میں بھوکی رہتی ہوں۔ چچا جمیل ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں کہ میری صحت یہاں آکر بہت اچھی ہوگئی ہے۔ اب موٹاپے سے بچنے کے لئے مجھے بہت سیر کرنی چاہیئے۔ نسرین نے تو ان کی باتوں سے متاثر ہو کر ورزش بھی شروع کر دی ہے۔"

یوسف نے کہا: "میرا خیال تھا کہ نئی کتاب ختم کرنے کے بعد میں تمہارے ساتھ صبح و شام لمبی سیر پر نکل جایا کروں گا۔ لیکن قارئین کے اتنے خطوط جمع ہو گئے تھے کہ میں ان کے جواب لکھنے میں مصروف ہو گیا اور اب یہ آخری خط ہے جس کا میں جواب لکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد ہم چند دن کے لئے لاہور اور لائل پور جائیں گے! اباجان اپنی تکلیف کسی پر ظاہر نہیں کیا کرتے، لیکن مجھے ان کے خط سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں اُن کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے بعض رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے ملتان اور بہاول پور بھی جانا پڑے گا اور اس کے بعد جب ہم واپس آئیں گے تو یہاں کا موسم خاصا خوش گوار ہو چکا ہوگا۔ اگر اباجان ایبٹ آباد آنے پر رضا مند ہو گئے تو مجھے علیحدہ مکان لینے کے لئے ایک معقول بہانہ مل جائے گا۔"

فہمیدہ بولی: "علیحدہ مکان لینے کے لئے آسان ترین بہانہ تو یہ بھی ہے کہ ہم

چچا جمیل کو کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کرنے پر رضامند کرلیں۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں آپ اور نسرین کی پسند بہتر ہوگی۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی تو فہمیدہ نے کہا: "دیکھو نسرین، تمہارے بھائی جان نے تمہارے چچا جان کے لئے ایک خوب صورت سی لڑکی تلاش کرنے کی ذمہ داری تمہیں سونپ دی ہے۔ یوسف صاحب یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پسند، میری پسند سے بہتر ہوگی۔"

نسرین نے بلا توقف جواب دیا: "بھائی جان! آپ نے جسے پسند کیا ہے وہ اس دنیا میں کسی سے کم تو نہیں۔"

یوسف نے نسرین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بھئی میری خوش قسمتی یہ تھی کہ میں نے اپنی آنکھوں کی بجائے تمہاری آنکھوں سے تمہاری باجی کو دیکھ لیا تھا۔"

"بھائی جان، یہ تو نہیں ہوگا کہ میں چچا جان کے لئے کسی کو پسند کروں اور آپ یا آپا جان میری حمایت نہ کریں۔"

"بھئی میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"بھائی جان! آپ کہتے تھے کہ نئی کتاب ایک دو دن شائع ہو جائے گی۔"

یوسف بولا: "میں اب ڈاک کا انتظار کر رہا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ پبلشر صاحب کتابوں کا بنڈل یا تو اپنے کسی ملازم کے ہاتھ بھیج دیں گے۔ یا انہیں وہ بذریعہ ریلوے آؤٹ ایجنسی یہاں ارسال کر دیں گے۔"

نسرین نے کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانکتے ہوئے کہا: "بھائی جان! دیکھئے! برف گر رہی ہے۔ اگر برف بہت زیادہ پڑی تو کتابیں پہنچنے میں دیر تو نہیں لگ جائیگی؟"

"بالکل نہیں"

بیرا ایک بنڈل اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ اور اس نے کہا:

"جناب! یہ کتابوں والے دکاندار نے بھیجا ہے۔ اور ان کا نوکر کہتا ہے کہ شیخ صاحب آپ کو مبارک باد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کل تک آپ کی کتاب کے پوسٹر بھی ہر جگہ لگا دیئے جائیں گے۔"

نسرین نے جلدی سے بنڈل پکڑ لیا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ایک منٹ بعد فہمیدہ اور یوسف بھی اسی کمرے میں داخل ہوئے تو نسرین بنڈل سے ایک بڑے سائز کا پوسٹر نکال کر دیکھ رہی تھی اور اس کا چہرہ مسرت سے لبریز تھا:

"آپا جان! یہ دیکھیے" اس نے ایک پوسٹر فہمیدہ کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا: "بھائی جان کی تصویر کتنی اچھی لگتی ہے!"

فہمیدہ نے پوسٹر پڑھنا شروع کر دیا۔ اوپر جلی حروف میں کتاب کا نام لکھا ہوا تھا، بائیں جانب کاغذ کے ایک تہائی حصے پر یوسف کی تصویر تھی اور دائیں جانب چند سطور اس طرح لکھی ہوئی تھیں:

ماؤنٹ بیٹن اور ریڈ کلف ایوارڈ کی سازش

—— ان گمشدہ قافلوں کی دردناک داستان ہے جو ہوشیار پور، کانگڑہ اور ان سے ملحق ریاستوں سے گورداسپور کی طرف روانہ ہوئے۔

لیکن ——

راستے کے ندی نالوں اور دریاؤں میں وہ ایسے گم ہوئے کہ آج تک ان کا کہیں سراغ نہیں مل سکا اور ——

در اصل یہی وہ سازش تھی جو انگریز نے کمال چالاکی سے تیار کی اور جسے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے نہایت خوب صورتی سے عملی جامہ پہنایا۔

—— ——

فہمیدہ نے بنڈل سے ایک کتاب نکال کر آنکھوں سے لگانے کے بعد نسرین کی طرف دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "نسرین! تمہیں بہت خوش ہونا چاہیے۔ اس دن کے لئے تمہارے بھائی جان نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔"

"آپا جان! جب مجھے دنیا کا کوئی ہوش نہیں تھا تو بھی مجھے اس بات کا یقین تھا کہ یہ دن ضرور آئے گا اور اب تو میں اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب میں کسی بہت بلند پہاڑ پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کروں گی کہ میرے بھائی جان سے بہتر کوئی نہیں لکھ سکتا۔"

"فہمیدہ! دیکھا تم نے میں کتنا خوش نصیب ہوں اور —— کبھی کبھی تو میں یہ سوچتا ہوں کہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو بچوں کے لئے کتابیں لکھا کروں گا اور ان کتابوں میں بار بار نسرین جیسی ایک ذہین بچی کا ذکر ضرور آیا کرے گا۔"

نسرین بولی: "آپا جان! جب تک چچا جان نہیں آتے، میں اپنے کمرے میں جا کر کتاب پڑھتی ہوں۔ آپ بھائی جان سے باتیں کریں۔"

اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے قبل اس نے ایک بار مڑ کر اپنے بھائی یوسف کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی اوٹ میں چلی گئی۔

"کتنی بے قرار روح ہے!" یوسف بولا: "فہمیدہ! تمہاری بہن تو اس کتاب کو چٹ کر جانا چاہتی ہے۔"

"وہ اپنے بھائی جان کی شیدائی ہے۔ اور آپ کی تحریر پر تو جان دیتی ہے۔" فہمیدہ بولی: "کتنی دیر سے اسے اس کتاب کا انتظار تھا —— اور یہ انتظار آپ ہی کی وجہ سے تو تھا۔"

فروری کے آخری دن تھے، خوب بارش ہوئی۔ اور کبھی کبھی برف بھی گرتی رہی لیکن ۲۶ فروری کے بعد آسمان صاف ہوگیا۔ یوسف، فہمیدہ، نسرین اور ڈاکٹر جمیل فیصل آباد سے چند میل دور ایک گاؤں کی کشادہ حویلی میں میاں عبدالرحیم کی تیمارداری کر رہے تھے۔ یوسف، فہمیدہ اور گھرانے کے چند افراد صحن کی دھوپ میں عبدالرحیم کے بستر کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ یوسف کی تینوں کتابیں عبدالرحیم کے سامنے پڑی تھیں اور وہ کہہ رہے تھے: "بیٹا! جلدی جلدی کتاب ختم کیا کرو۔ جب تمہاری کتاب ختم ہوجاتی ہے۔ تو میرے لئے دلچسپی کی اور کوئی چیز نہیں رہتی۔ میری وجہ سے تمہارا بہت سا وقت ضائع ہوا ہے۔ ورنہ اب تک تمہاری پانچ چھ کتابیں اور شائع ہوچکی ہوتیں۔"

یوسف نے کہا: "اباجان! ہر کام اپنے وقت پہ ہوتا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ ہم یہاں رہ کر آپ کی خدمت کرتے۔ لیکن یہاں رہ کر کچھ لکھنا پڑھنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ اس لئے میں یہاں سے دور چلا گیا ہوں۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا! یہ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ تم ایبٹ آباد رہ کر اس خاندان کی زیادہ خدمت کرسکتے ہو۔ تمہاری وجہ سے اب ضلع کے بڑے بڑے افسر خود ہمارے پاس آتے ہیں۔ بیٹی فہمیدہ! تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ یوسف کو بہت سی الجھنوں سے دور رکھا جائے تاکہ یہ اطمینان سے اپنا کام کرتا رہے۔"

"اباجی! میری طرف سے ان کو کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی۔ چچا عبدالعزیز کہتے تھے کہ میں خود بھی اس گاؤں میں رہنے والوں کا خیال رکھوں گا اور انشاءاللہ! انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اباجی! ایک ماہ تک ایبٹ آباد کا موسم بہت اچھا ہوجائے گا اور ہم کسی اچھے سے مکان کا بندوبست ہوتے ہی آپ کو وہاں لے جائیں گے۔"

"بیٹا! میں ضرور آؤں گا تمہارے پاس اور جب پہاڑوں کی سیر کروں گا تو انشاءاللہ! میری صحت بھی بہت اچھی ہوجائے گی۔"

"اباجی! جب بچوں کی تعلیم کا بندوبست ایبٹ آباد میں ہوجائے گا تو میں انہیں بھی ایبٹ آباد لے جاؤں گا۔"

عبدالرحیم نے غور سے یوسف کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بیٹا! مجھے تمہاری بہت سی باتوں پر فخر ہے۔ لیکن یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ جن باتوں پر تم نے پردہ ڈال رکھا تھا وہ مجھے چراغ بی بی نے خود ہی بتادی تھیں۔ اور اس روز بتائی تھیں۔ جب مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم قافلے کو چھوڑ کر گاؤں واپس چلے گئے ہو۔ وہ اس بات پر رو رہی تھی کہ شاید تم وہاں سے کبھی بھی واپس نہ آؤ اور پھر وہ باتیں جنہیں وہ مرتے دم تک چھپانا چاہتی تھی۔ اس کے منہ سے خود بخود نکلنے لگیں۔ بیٹا! میں دیر سے محسوس کیا کرتا تھا کہ تمہارے دل پر بہت بڑا بوجھ ہے۔ کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے درمیان کوئی دیوار آگئی ہے۔ میں تم پر بہت خوش ہوں اور تمہارے لئے بہت دعائیں کرتا ہوں، لیکن ہم کمزور انسانوں کو اس دنیا میں فرشتے بن کر دکھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ بہرحال تم اس امتحان سے سرخرو ہوکر نکلے ہو اور میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ ایسی نیکیوں کا اجر صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔"

یوسف نے کہا: "اباجی! اگر آپ اجازت دیں تو میں آج واپس چلا جاؤں۔ کیونکہ میں نئی کتاب شروع کرچکا ہوں۔"

"اچھا! جاؤ بیٹے! خدا تمہیں کامیابی دے۔"

یوسف اور فہمیدہ نے باری باری اٹھ کر اپنے سر جھکا دیئے اور عبدالرحیم نے ان دونوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے خدا حافظ کہا۔

وہ وہاں سے نکلے تو چراغ بی بی سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھے اور یوسف نے کہا: "امی جان! اپنی بہو کے لئے دعا کریں اور ہمیں اجازت دیں"

چراغ بی بی نے فہمیدہ کو گلے لگا کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا "بیٹی! خدا تم پر موتیوں کی بارش کرے اور یوسف کا نام رہتی دنیا تک زندہ رکھے —— یوسف! میرے والدین اور ان کے پیر کے متعلق تم نے سن لیا ہوگا کہ وہ اپنے گاؤں سے امرتسر کی طرف بھاگ گئے تھے لیکن راستے میں مارے گئے —— پیر کو کے شاہ اور اس کا ایک ساتھی پہلے مارا گیا تھا اور باقی بھی مارے جا چکے ہیں۔ بُرائی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلا"

یوسف نے کہا: "یہ سبق ہم نے بہت دیر کے بعد سیکھا ہے۔ اب آپ صبر اور حوصلے سے کام لینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتیں"

جب یوسف اور فہمیدہ موٹر پر سوار ہو کر لاہور کا رخ کر رہے تھے، تو چراغ بی بی سربسجود ہو کر یہ دعا مانگ رہی تھی:

"یا اللہ! یوسف کو اپنی زندگی کے ہر سانس کے ساتھ ایک نئی کامیابی عطا فرمائیو اور فہمیدہ کی جھولی خوشیوں سے بھر دیجیو، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو مجھ جیسی گناہگار کیسے سمجھ سکتی تھی کہ تیری دنیا میں فرشتے بھی ہوتے ہیں"

———— ————

عنبرین

ایک دن یوسف ایبٹ آباد میں ایک لمبی سیر کے بعد گھر آیا تو برآمدے میں فہمیدہ اور نسرین کے ساتھ دو اجنبی خواتین دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھیں وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا اور پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نسرین نے آواز دی:

"بھائی جان! آپ کے مہمان آئے ہوئے ہیں"

یوسف باہر نکل کر جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور ایک معمر خاتون اور ایک نوجوان لڑکی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ یوسف السلام علیکم کہہ کر تذبذب کی حالت میں فہمیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بولی:

"یہ محترمہ بیگم رابعہ عزیز ہیں اور یہ ان کی صاحبزادی عنبرین ہیں اور کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں"

یوسف نے کہا: "معاف کیجئے! میں نے آج اپنی سیر معمول سے زیادہ لمبی کر دی تھی اور واپسی پر راستے میں مجھے دو پروفیسر مل گئے تھے"

عنبرین بولی "جناب! اگر انہوں نے بھی آپ کی وہ کتابیں پڑھ لی تھیں جو ہم پڑھ چکے ہیں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ انہوں نے آپ کو کافی دیر روکا ہوگا"

یوسف مسکرایا "نہیں، انہوں نے میرا زیادہ وقت نہیں لیا تھا لیکن وہ کسی چھٹی

کے دن طویل ملاقات کے لئے میرے پاس ضرور آئیں گے۔"

عنبرین بولی! "مجھے ایک کتاب پر آپ کے آٹوگراف لینے کے بہانے یہاں آنے کا موقع ملا تھا اور آپ کی بیگم صاحبہ سے ملاقات کے بعد میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ مجھے یہاں آنے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یوسف صاحب! میرے اباجی، امی اور میں نے گزشتہ تین دنوں میں آپ کی کتاب پڑھنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کیا۔ مجھے تو بار بار ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں خود ایک "گمشدہ قافلے" کے ساتھ سفر کر رہی ہوں۔ گزشتہ شام اباجی نے یہ بتایا کہ اس کتاب کے عظیم مصنف ہمارے پڑوس میں رہتے ہیں۔ آپ کو دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا لیکن اس وقت ہم اس مقصد سے آئے ہیں کہ آپ سب اتوار کو ہمارے ہاں کھانا کھائیں۔ اباجی کو آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ اگر اُن کے گھٹنوں میں درد نہ ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ آتے ہم اتوار کی شام آپ کے پاس اپنا ڈرائیور بھیج دیں گے۔ آپ چائے بھی وہیں پئیں اور پھر کھانا بھی وہیں کھائیں۔ بیگم صاحبہ کی عزت افزائی کے لئے چند معزز خواتین ہمارے گھر میں موجود ہوں گی۔ آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ جو خواتین آپ کی کتابوں سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ ان میں سے اکثر یہ سمجھتی ہیں کہ آپ کے ہر ناول کی ہیروئن بیگم فہمیدہ صاحبہ ہوتی ہیں اور آج انہیں دیکھ کر مجھے یہ یقین ہو گیا ہے۔ کہ ان کا یہ خیال غلط نہیں ہے۔"

یوسف نے فہمیدہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ میرے جس ناول کی ہیروئن ہوگی۔ اس کا آپ کو کئی برس انتظار کرنا پڑے گا۔ ابھی ہمارا سفر شروع ہو رہا ہے اور ہماری اپنی داستانیں بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھنے سے پہلے نہیں لکھی جائیں گی۔"

رابعہ عزیزہ بولیں۔ "بیٹا! ہم تو صبح و شام یہی دعا کیا کریں گے کہ آپ کبھی بوڑھے

نہ ہوں۔ داستان لکھنے کے لئے بوڑھا ہونے کی شرط ہمیں منظور نہیں۔ ہم جب کوئی اچھی داستان سنا کریں گے تو اسے آپ سے منسوب کر دیا کریں گے۔"

نسرین نے عنبرین سے پوچھا۔ "آپاجان! آپ کے اباجان کون سے محکمے میں ہیں؟"

عنبرین نے جواب دیا۔ "وہ ایک کالج کے ریٹائرڈ پرنسپل ہیں۔ یہاں ہماری کچھ زمین اور ایک سیب کا باغ ہے۔ سیب کے باغ میں ہماری دو کوٹھیاں ہیں۔ جن میں سے ایک میں ہم رہتے ہیں۔ اچھا، اب ہم اجازت لیتے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "یہ تو اب نہیں ہو سکتا۔ کھانے کے وقت ہم کسی مہمان کو گھر سے رخصت نہیں کیا کرتے۔ اور چچا جان جب آ کر یہ سنیں گے کہ ان کی غیر حاضری میں مہمان آئے تھے اور کھانے سے چند منٹ پہلے اُٹھ کر چلے گئے تھے تو وہ بہت برا مانیں گے۔"

رابعہ عزیز نے پوچھا۔ "بیٹی! ڈاکٹر جمیل آپ کے چچا ہیں؟"

نسرین بولی۔ "جی! ہم دونوں کے چچا ہیں۔"

"بیٹی! تمہارے چچا والی بات تو سمجھ میں آ سکتی ہے۔ لیکن فہمیدہ کے چچا کو تو ذرا بڑی عمر کا ہونا چاہیئے تھا۔"

فہمیدہ بولی! "جی، جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ چچا جان اسی طرح نظر آتے ہیں۔ ویسے ہماری عمروں میں بھی بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔"

نسرین نے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ آ گئے چچا جان" اور پھر صحن کے درمیان جمیل کو روکتے ہوئے بولی۔ "چچا جان! چچا جان!! آپ کے مہمان آئے ہیں بہت ہی خاص مہمان۔ شکر ہے کہ ہم نے انہیں جانے نہیں دیا۔ وہ کھانا یہیں کھائیں گے۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔ اتوار کی شام کو انہوں نے ہمیں اپنے گھر دعوت

دی ہے۔ آپ کوئی اور پروگرام نہ بنالیں۔"

جمیل آگے بڑھا اور السلام علیکم کہہ کر ان کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فہمیدہ بولی۔ "چچا جان! یہ بیگم رابعہ عزیز ہیں اور یہ ان کی صاحبزادی عنبرین ہیں عنبرین صاحبہ بی۔اے کر چکی ہیں اور اگلے سال ایم۔اے کا امتحان دے رہی ہیں آپ یوسف صاحب کو اس بات کی مبارک باد دے سکتے ہیں کہ یہ سب ان کے نئے قدر دانوں میں سے ہیں۔ انھیں کل ہی معلوم ہوا تھا کہ ہم یہاں رہتے ہیں اور آج یہ آپ کو دعوت دینے کے لئے تشریف لے آئی ہیں۔"

جمیل نے مسکراتے ہوئے کہا: "بھئی، نسرین مجھے اتنا کچھ بتا چکی ہے کہ آپ کو یاد کرنے میں چند منٹ اور لگ جائیں گے۔ اب کھانا لگوائیے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ اطمینان سے کھانا کھا رہے تھے۔ گفتگو کا موضوع یوسف کی نئی کتاب تھا۔ عنبرین بولی: "کالج کی ایک لیکچرار ہمارے ہاں آئی تھی اور یہ کہتی تھی کہ 'یوسف صاحب کی تمام تصانیف ہمارے اردو ادب میں ایک نیا اضافہ ہیں۔ اور ان کی نئی کتاب پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ہر قدم نئی بلندیوں کی طرف اٹھ رہا ہے۔ ہمارے نام نہاد ترقی پسندوں کے سوا بعض نقادوں نے انہیں بہت داد دی ہے۔"

یوسف نے کہا: "محترمہ! میرے اہم ترین تین نقاد یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پہلی نسرین، دوسری نسرین کی آپا اور تیسرے ان کے چچا جان جمیل صاحب اور میں اُن کی رائے کو ہر نقاد کی رائے پر ترجیح دیتا ہوں۔"

"پھر تو جی، یہ بہت اچھا ہے۔ ہماری دعوت کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہاں کے لوگ بالخصوص خواتین، آپ کو جاننے اور سمجھنے والوں کے خیالات سنیں اور میں نہیں

سمجھتی کہ آپ جیسی ذہین بیوی سے زیادہ کوئی اپنے شوہر کے متعلق بہتر کہہ سکتی ہے۔"

فہمیدہ مسکرائی۔ "جی مجھے ڈر ہے کہ ان کے متعلق آپ کو میری ہر بات ناقابلِ یقین محسوس ہوگی۔"

"جی نہیں، جو لوگ آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں وہ آپ کی کسی بات پر شک نہیں کرینگے۔ ہمارا خیال تھا کہ کالج کی پرنسپل خواتین کے سامنے یوسف صاحب کے متعلق کوئی تقریر کریں گی۔ اب مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ خواتین کے ایک چھوٹے سے اجتماع کے لئے ہمیں ایک بہترین مقرر مِل جائے گی۔"

اتوار کے روز عظیم صاحب ایبٹ آباد کے کوئی بائیس چیدہ چیدہ آدمیوں کے ساتھ ایک کشادہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مکان کے سامنے ایک طویل و عریض برآمدہ اور اس کے پیچھے وسیع ڈرائینگ روم خواتین سے بھرا پڑا تھا۔ کئی لڑکیاں جنہیں وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملی تھی پچھلی کھڑکیوں سے اندر جھانک رہی تھیں۔ عنبرین اٹھ کر مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے بولی: "معزز خواتین اور میری بہنو! آپ کو یہاں آنے کی تکلیف دینے کا مقصد اس کامیاب مصنف کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہے۔ جو اِن دنوں ہمارے شہر میں مقیم ہے۔ آپ نے جناب محمد یوسف صاحب کی ابتدائی دو کتابیں پڑھی ہوں گی۔ چند دِن قبل میرے ابا جان شہر گئے اور ان کی نئی کتاب خرید لائے۔ ابا جان کی عادت ہے کہ جب تک وہ خود نہ پڑھ لیں وہ کتاب کسی کو نہیں دیا کرتے۔ میں نے نوکر کو بازار بھیج کر یہ کتاب منگوالی۔ اب امی جان کا حال سنیئے۔ جب میں اور اباجی اپنے کمرے میں رات کے وقت کتابیں پڑھ رہے تھے تو انہوں نے اسی وقت نوکر کو حکم دیا "تم فوراً بازار جاؤ اور اگر کتب

فروش کی دوکان کھلی ہو تو یہ ناول لیتے آؤ۔ ورنہ اسے گھر سے تلاش کر کے دوکان کھلواؤ اور اس سے ایک کی بجائے دو کتابیں لیتے آنا۔ ایک میں اپنے پاس رکھوں گی اور دوسری کسی پڑھی لکھی سہیلی کو بھیج دوں گی۔ یہ باپ بیٹی جب کوئی خریداری کرتے ہیں تو مجھے بالکل بھول جاتے ہیں" —— اباجان ابھی اپنی کتاب سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ امی جان نے ان کے ساتھ کتاب کے متعلق بحث شروع کر دی اور انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمہیں پڑھے بغیر یہ باتیں کیسے معلوم ہو گئیں؟ امی جان نے جواب دیا۔ "جی میں پڑھ چکی ہوں اور میرے پاس اس کتاب کی ایک فالتو کاپی بھی ہے۔ میں نے اسی رات منگوالی تھی" میرا خیال تھا کہ اباجان اسے فضول خرچی کہیں گے۔ لیکن انہوں نے کہا۔ "بیگم صاحبہ! آپ نے بہت اچھا کیا ایسی کتاب خرید کر لوگوں میں تقسیم کرنا ایک طرح کی نیکی ہے۔ میں بھی یہ سوچ رہا ہوں کہ میں چند جلدیں خرید کر اپنے دوستوں کو بھیج دوں۔"

معزز خواتین! آپ میں سے جو یہ کتاب پڑھ چکی ہیں ان میں سے کوئی یہ محسوس نہیں کرے گی کہ میں نے کوئی مبالغہ کیا ہے۔ میں نے جب یوسف صاحب کی ابتدائی دو کتابیں پڑھیں تو میں نے نئی کتاب کا انتظار شروع کر دیا تھا۔ اب میں اس خوش قسمت خاتون کو کچھ کہنے کی دعوت دیتی ہوں، جو یوسف صاحب کی رفیقۂ حیات ہونے کے ناطے یہ کہنے کا حق رکھتی ہیں کہ "مجھ سے زیادہ یوسف صاحب کو کوئی نہیں جانتا"۔ بیگم فہمیدہ کا چہرہ ایک آئینہ ہے۔ جس میں آپ یوسف صاحب کے بہترین خدوخال دیکھ سکیں گے۔"

فہمیدہ اٹھی اور خواتین کچھ دیر ایک سناٹے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہیں۔

فہمیدہ نے کہا۔ "اپنے رفیق حیات کے متعلق کچھ کہتے ہوئے مجھے ہمیشہ

یہ احساس رہے گا کہ میں ان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکی اور شاید کئی سال اور میں اس قابل نہ ہو سکوں کہ یوسف صاحب کے متعلق بلا جھجک کوئی بات کر سکوں۔ میں نے جب سے انہیں دیکھا ہے میرے دل میں ہر روز ان کی عزت اور احترام میں اضافہ ہوا ہے۔ اگر وہ آئینہ بن کر میری نگاہوں کے سامنے نہ آتے تو مجھے کبھی احساس نہ ہوتا کہ میرے اندر بھی کوئی خوبی ہے۔ —— گمشدہ قافلے کے متعلق یوسف صاحب کی کتاب پڑھ لینے کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ جس جگہ بھی ہوتے ہیں اپنے قارئین کو وہاں لے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی قاری کتاب کے صفحات الٹتے ہوئے ان کی سسکیاں سنتا اور آنسو بہتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ کیفیت اس پر بھی طاری ہو جاتی ہے۔ میں کئی بار ہوشیار پور کے قافلے کا المیہ پڑھ چکی ہوں۔ جس میں میری بہن، بہنوئی اور ان کا بیٹا شہید ہو گئے تھے۔ یہاں آپ نے یہ پڑھا ہو گا کہ یوسف صاحب اچانک اپنے قافلے کو راستے میں چھوڑ کر واپس اپنے گاؤں چلے گئے تھے۔ اس کے بعد یوسف صاحب کے ساتھ نسرین کا سفر شروع ہوتا ہے اور میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ نسرین کے ساتھ میں بھی اس سفر میں شریک ہوں۔ اس کے بعد خواب کے عالم میں میری نگاہوں کے سامنے اس داستان کا وہ حصہ کئی بار دہرایا گیا ہے۔ جبکہ یہ دریا عبور کر رہے تھے۔ میں خواب کے دوران ہی یہ دعا کرتی ہوں کہ یا اللہ! یہ ایک خواب ہو۔ میں آپ کی شکرگزار ہوں کہ مجھے آپ نے اس مجلس میں کچھ کہنے کا موقع دیا ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ مجھے اپنے رفیقِ حیات کو صحیح خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے بیس پچیس برس اور انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ ہمارے لئے یہ دعا کیا کریں کہ تاریخ نے جو ذمہ داریاں ہمارے سپرد کی ہیں وہ ہم پوری کر سکیں۔"

مردوں کے اجتماع میں پروفیسر عظیم کے اصرار پر ڈاکٹر جمیل نے یہ تقریر کی:

"جناب یوسف سے میرا ایک قریبی رشتہ بھی ہے اور دوستی بھی، لیکن مصنف کی حیثیت سے میں نے اسے اس دن سے دیکھنا شروع کیا ہے جب یہ زخمی تھے اور میرے خاندان کے کئی لوگ ان کی تحریروں سے مسحور ہو چکے تھے۔ مجھے ان کی جس بات نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا وہ یہ تھی کہ یہ ابتدائی عمر میں ہی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ میں ایک کامیاب ناول نگار بنوں گا۔ میں اپنی دونوں بھتیجیوں نسرین اور فہمیدہ کی ذہانت کا قائل تھا۔ مجھے ان کی گفتگو سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس مصنف میں کوئی خاص بات ضرور ہے۔ بہرحال میں نے ان کے مسودے پڑھنے شروع کر دیئے اور اب میں آپ سب کی طرح اس نوجوان ادیب کا مستقل قاری بن چکا ہوں اور اس کا قریبی رشتہ دار ہونے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد یوسف نے پروفیسر عظیم سے کہا "پروفیسر صاحب! میں نے پانچ منٹ کے لئے آپ سے علیحدگی میں بات کرنی ہے علیحدگی میں بات کرنے کو آپ گستاخی تو نہیں سمجھیں گے؟"

"نہیں یوسف صاحب، آپ کی کوئی بات گستاخی نہیں ہو سکتی۔ ہم چند منٹ کے لئے ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھ جائیں گے۔"

پندرہ منٹ بعد یوسف ایک الگ کمرے میں پروفیسر عظیم سے کہہ رہا تھا۔

"عظیم صاحب! آپ سے میں جو بات کہوں گا وہ عنبرین کو اپنی بہن سمجھ کر کہوں گا۔"

"بیٹا، میں نے کب کہا ہے کہ عنبرین آپ کی بہن نہیں ہے۔ تم جو بات کرنا چاہتے ہو وہ کھل کر کہہ سکتے ہو۔ وہ میری اکلوتی بیٹی ہے اور میں عام طور پر بیمار رہتا ہوں اگر میرے ذہن سے اس کے مستقبل کا بوجھ اتر جائے تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "پروفیسر صاحب! آپ نے میرا مسئلہ بہت آسان کر دیا

ہے۔ جمیل کے متعلق آپ جانتے ہیں اور وہ آپ سے اس وقت بھی یہ کہنے کے لئے نیار ہو گا کہ پھول کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا، آپ گھر میں صلاح کر لیں اور مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ میں جمیل کے ایک دو عزیزوں کو یہاں بلا لوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر فہمیدہ کے چچا اور ان کی بیگم صاحبہ یہاں آ جائیں تو بھی یہ کافی ہو گا۔ رشتوں کے معاملے میں عام طور پر ان کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔"

پروفیسر عظیم نے کہا، "بیٹا! جس دن بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ اس دن سے اس کے والدین اس کے مستقبل کے متعلق سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ عنبرین کے متعلق میری کوئی تازہ دعا قبول ہوئی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں انشاء اللہ پانچ دن کے اندر اندر جمیل صاحب کے عزیز یہاں پہنچ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ رسمی کارروائی کی ذمہ داری وہ مجھے اور میری بیوی کو ہی سونپ دیں لیکن شاید وہ یہ بھی محسوس کریں کہ میں ہر اس رسمی کارروائی کا مخالف ہوں جس کا مقصد محض نمود و نمائش ہوتا ہے۔"

"بیٹا! یہ بات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ فضول رسومات سے نفرت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی اس نیکی کے اثرات کسی دن ہمارے گھروں میں بھی پہنچ جائیں۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا "جناب! میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انشاء اللہ! آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی اور ایک بات کہنے کے لئے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔"

"وہ بھی کہہ دیجئے!"

"جی میں یہ اجازت چاہتا ہوں کہ میری بیوی، عنبرین کے ساتھ اس مسئلے

پر کھل کر بات کرے۔ کیونکہ اس کی پسند کے بغیر یہ معاملہ شروع ہی نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا، اگر تم چاہو تو میں عنبرین کو یہیں بلا لیتا ہوں کیونکہ مجھے اپنی بیٹی کے متعلق کوئی الجھن نہیں ہے۔"

"جناب! عنبرین کے متعلق میری بیوی کو بھی کوئی الجھن نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ انہیں کافی جانتی ہے۔ ان کی گفتگو محض رسمی ہوگی۔"

ایک ہفتہ بعد ڈاکٹر جمیل کے تینوں بڑے بھائی اور ان کی بیویاں اور بچے ایبٹ آباد پہنچ گئے۔ اگلے دن دوپہر کی دعوت پروفیسر محمد عظیم کے ہاں تھی۔ یوسف صبح سیر کے بہانے گھر سے نکلا اور پروفیسر عظیم کے گھر چلا گیا۔ عنبرین جو صحن میں کھڑی نوکروں کو ہدایات دے رہی تھی یوسف کو اپنے باپ کے کمرے میں لے گئی۔ پروفیسر عظیم نے اسے دیکھتے ہی تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا: "یوسف صاحب! مجھے رات دیر تک کھانا پکانے والوں کو ہدایات دینی پڑیں اور اس کے بعد مجھے تھکاوٹ سے نیند نہیں آئی۔"

یوسف نے کہا، "پروفیسر صاحب، مجھے باہر اتنی دیگیں دیکھ کر حیرت ہوئی ہے۔ مسئلہ تو صرف چند آدمیوں کے کھانے کا تھا۔"

"نہیں بھائی، ہم مہمانوں کی گنتی نہیں کیا کرتے۔"

یوسف نے کہا "میرے ذہن میں رات ایک بات آئی تھی اور میں سیر کے بہانے اس طرف نکل آیا ہوں۔ پروفیسر صاحب! ایسا تو نہیں ہونا چاہیئے کہ ایک نیک کام کے لئے آپ کی صحت ہی خراب ہو جائے۔ اب تک جو انتظامات آپ نے کر لئے ہیں وہ مجھے ضرورت سے زیادہ معلوم ہوئے ہیں۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ آج کھانے کے ساتھ عقد اور رخصتی کی رسم بھی ادا ہو جائے عنبرین

اپنے گھر سے رخصت ہو کر کہیں دور نہیں جائے گی۔ ڈاکٹر جمیل کی قیام گاہ سے وہ صبح و شام آپ کو آ کر دیکھ سکتی ہے۔"

"بیٹا! آپ جمیل صاحب کو یہاں رہنے پر رضامند نہیں کر سکتے؟"

"جی وہ بعد کی باتیں ہیں۔ جمیل آپ کی ہر خواہش کا احترام کرے گا۔"

"بیٹا، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے بیہودہ رسموں کی پابندی سے بہت کچھ کھویا ہے اور اب اس عمر میں مجھے کوئی نیک مشورہ رد نہیں کرنا چاہیئے۔ میں ابھی اپنے مہمانوں کو یہ پیغام بھیج دیتا ہوں کہ منگنی اور نکاح ایک ساتھ ہوں گے۔"

یوسف نے کہا: "پروفیسر صاحب! میں کسی سے بات کر کے نہیں آیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر رخصتی بھی ساتھ ہی ہو جائے تو جمیل صاحب کے عزیزوں کو اس بات سے بہت خوشی ہوگی۔ وہ لاہور میں آباد ہوئے ہیں لیکن کوئی آپ سے یہ نہیں کہے گا کہ ہم دلہن کو لاہور لے جائیں گے۔ اس وقت آپ کو شاید یہ بات اچھی نہ لگے لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کے تمام عزیز میرے شکرگزار ہوں گے۔ عنبرین کو میری بیوی سے صرف اتنا پوچھ لینا چاہیئے کہ ہمارا نکاح کن حالات میں ہوا تھا اور ہم اور ہمارے عزیز کتنے خوش ہیں۔"

پروفیسر صاحب نے سیدھا لیٹتے ہوئے کہا، "بیٹا! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم مجھے ایک نئی دنیا کی طرف کھینچ رہے ہو۔ لیکن میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج تمہارا مشورہ مان لینے سے مجھے کسی دن خوشی ہوگی۔ اب ہمیں بہت تھوڑے وقت میں بہت سا کام کرنا ہے۔ عنبرین کو میرا یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ تمہارا بھائی تمہیں ایک نیک مشورہ دے کر گیا ہے۔ اور وہ یا اس کی ماں کوئی اعتراض نہیں کریں گی۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا، "پروفیسر صاحب! آپ نے میرے سر سے ایک بوجھ اتار دیا ہے۔ جب میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کسی رسم میں ہم

غیر مسلموں کی نقالی کر رہے ہیں تو میں اس کی مخالفت اپنا فرض سمجھ لیتا ہوں۔"

"بیٹا، مجھے بھی بہت سی رسموں سے گھن آیا کرتی تھی لیکن اس زمانے میں تم جیسے نوجوان نہیں تھے۔"

"جناب! ایسے نوجوانوں کو تلاش کرنا اور ان سے کام لینا ہماری پہلی ذمہ داری ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ نے ایک نیک فیصلہ کیا ہے۔ اور اس کے اثرات بہت دور رس ہوں گے۔"

یوسف گھر پہنچا تو فہمیدہ کے چچا اور چچیاں دم بخود ہو کر اس کی باتیں سن رہی تھیں کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ جمیل کی شادی کی رسومات آج ہی ادا ہو جائیں گی جمیل خاموشی سے یہ گفتگو سنتا رہا۔ بالآخر یوسف نے اس سے سوال کیا: "جمیل صاحب! میں کوئی غلطی تو نہیں کر آیا؟"

"نہیں بھئی، میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ کل رات گئے میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ نے اب تک پروفیسر صاحب کو اس غلطی پر آمادہ کیوں نہیں کیا!"

یوسف بولا "بھئی یہ بات اس وقت بھی میرے ذہن میں تھی جب میں نے تمہارے رشتے کا مسئلہ چھیڑا تھا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ چند دنوں تک میں پروفیسر صاحب کے اتنا قریب آجاؤں گا۔ فہمیدہ نے عنبرین سے پہلی ملاقات کے بعد ہی یہ کہہ دیا تھا کہ یہ لڑکی میرے چچا جان کے لئے بنائی گئی ہے۔ جمیل صاحب! اب آپ جتنی جلدی ممکن ہو اپنے پندرہ بیس دوستوں کو دعوت نامے بھیج دیں۔"

نسرین بولی "بھائی جان! آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟ کیا واقعی دلہن آج ہمارے گھر آجائے گی؟"

"بھئی، اس کا انحصار تمہاری ضد پر ہے۔ اگر تم یہ کہہ کر فرش پر لیٹ گئیں کہ

میں دلہن کے بغیر گھر نہیں جاؤں گی تو انہیں تمہارا فیصلہ ماننا پڑے گا۔"

"بھائی جان! چچا جان کی خوشی کے لئے مجھے یہ بھی منظور ہے۔"

"اچھا اگر یہ بات ہے تو تم ابھی فہمیدہ کے ساتھ ان کے گھر جاؤ مجھے یقین ہے کہ وہ فہمیدہ کی باتوں سے متاثر ہونے کے بعد اپنے والدین پر اثر انداز ہو سکے گی۔ اپنے گھر میں اس کی پوزیشن ایسی ہے کہ اس کا ہر فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔"

بلقیس بولی: "بیٹا! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آئندہ ہمارے خاندانوں میں آپ کا ہر فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جائے گا۔ میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہارے ساتھ اتنا بڑا انقلاب آجائے گا۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "چچی جان! میں آپ کو کبھی یہ نہیں بتا سکوں گا کہ اگر میں آپ کی شفقت سے محروم رہتا تو میری زندگی کتنی بے کار اور تلخ ہوتی۔"

بلقیس نے پریشان ہو کر کہا: "بیٹا! تم میری غلطی کبھی بھولو گے بھی یا نہیں۔"

"چچی جان! مائیں کبھی غلطی نہیں کرتیں اور پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ چند دن تکلیف اٹھانے کے بعد میرے مستقبل کے راستے کتنے ہموار اور مختصر ہو گئے تھے۔ اور پھر چچی جان مجھے کبھی اس بات کا یقین نہیں آیا تھا کہ آپ مجھ سے واقعی خفا ہو گئی ہیں میں تھوڑی دیر کے لئے ایک بھنور میں پھنس گیا تھا اور اس بھنور سے باہر نکلنے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ جب میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا تو آپ مجھے باہر نکلنے کے لئے سہارا دے رہی تھیں۔"

اسی دن سہ پہر کے وقت جمیل اور عنبرین کا نکاح پڑھا جا رہا تھا اور عشاء کے قریب جمیل کی قیام گاہ پر دلہن کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ جب مہمان خواتین جو بیشتر فوجی افسروں کی بیگمات تھیں، رخصت ہو گئیں تو یوسف، ڈاکٹر جمیل کے ساتھ دلہن کے کمرے

میں داخل ہوا اور اس سے کہا: "عنبرین بہن! مجھ سے عجیب وغریب غلطیاں ہوا کرتی ہیں لیکن اس غلطی کے لئے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میرے اصرار پہ آپ کے والدین آپ کو آج ہی رخصت کرنے پہ آمادہ ہو گئے تھے۔"

عنبرین بولی: "بھائی جان! مجھ پہ آپا فہمیدہ کا جادو چل گیا تھا ورنہ میں سب کے فیصلے رد کر دیتی۔ انھوں نے میری طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھا اور میں بے بس ہو کر رہ گئی۔ پھر وہ امی جان کے پاس گئیں اور انہوں نے انھیں یہ خوش خبری سنائی کہ عنبرین کو رخصت ہونے پہ کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ جمیل صاحب کی بھتیجی اگر میری جان بھی مانگتی تو بھی میں انکار نہیں کر سکتی تھی۔"

ایک روز یوسف کو سندھ سے احمد خان کا خط ملا۔ اس نے لکھا تھا:

یوسف صاحب!

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ کی خیریت مجھے دوسروں سے معلوم کرنی پڑتی ہے اگر میں نے دہرہ دون میں آپ کے عزیزوں کے ایڈریس نہ لکھوا لئے ہوتے تو آج تمہارا پتہ کرنے کے لئے مجھے اخبار میں اشتہار دینے پڑتے۔ میں نے منظور احمد صاحب اور عبدالکریم صاحب کو خطوط لکھے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ دونوں طرف سے جواب آ گیا ورنہ مجھے کبھی یہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ ایبٹ آباد میں ہیں۔ خان محمد عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا ہے جب لڑکوں کو سخت تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک سال تک آپ جہاں ہوں وہ آپ کے ساتھ رہے۔ میں بھی گرمیوں میں ایبٹ آباد آجایا کروں گا۔ اتنے بڑے انقلاب کے بعد آپ سے ملنا ضروری ہے۔ اس لئے میں آپ کا جواب ملتے ہی یہاں سے ایبٹ آباد کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ منظور احمد نے مجھے بہت سے حالات بتا دیئے ہیں، لیکن آپ

پہ جو گذری ہے، وہ میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ اپنی بیگم صاحبہ کو میرا سلام اور ننھی شہزادی کو میری دعائیں پہنچا دیجئے۔ خان محمد آپ کو بہت سلام کہتا ہے۔

آپ کا بھائی

احمد خان

اگلے روز یوسف اس خط کا جواب لکھ رہا تھا۔

خان صاحب!

آپ کے خط کا بہت شکریہ۔ میں یکم مارچ کو لائل پور اور اس کے بعد لاہور جا رہا ہوں۔ میرے خاندان کے بیشتر لوگ لائل پور آباد ہو گئے ہیں۔ وہاں انہیں جن مسائل کا سامنا ہے۔ ان کی وجہ سے مجھے بار بار لائل پور جانا پڑتا ہے۔ پہلا مسئلہ تو یہ تھا کہ ان کو جو زمین الاٹ ہوئی تھی اس کے سکھ مالک کے مکان پہ ایک غیر متعلقہ خاندان نے قبضہ کر لیا تھا۔ اتفاق سے ضلع کے ایس پی اور ڈی سی میرے نام سے واقف تھے۔ میں ان کے پاس یہ معاملہ لے کر پہنچا تو انہوں نے بڑی مستعدی سے کام لیا۔ سہ پہر کے وقت گوجرہ سے ایک فرض شناس اے ایس آئی کی قیادت میں پولیس پارٹی روانہ ہوئی اور عشاء کی نماز سے پہلے میرے خاندان کے لوگوں کو قبضہ مل چکا تھا۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ محکمہ مال اور پولیس کے اہل کار دیہاتی لوگوں کو کس قدر مصروف رکھتے ہیں اور لوگ بھی وہ جن کے ساتھ مہاجر کا لفظ لگ گیا ہے۔ یہ لوگ پریشان ہوتے ہیں تو میرے پاس ایبٹ آباد پہنچ جاتے ہیں۔ مجھے بذاتِ خود لائل پور جانا پڑتا ہے یا کسی ذمہ دار افسر کو فون کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں اگر میں اپنے دوستوں اور بزرگوں کی طرف توجہ نہیں دے سکا تو مجھے

قابلِ معافی سمجھا جانا چاہیئے۔ لاہور میں آپ سے ملاقات ہوگی تو بہت سی باتیں کروں گا۔ میں عام حالات میں عبدالعزیز صاحب کے پاس جایا کرتا ہوں لیکن آپ کی سہولت کے لئے میں عبدالکریم صاحب کا ایڈریس بھی لکھ رہا ہوں۔ انہوں نے جب سے اپنے نئے بنگلے بنوائے ہیں انہیں کسی معزز مہمان کا انتظار رہتا ہے۔ میں دونوں کا ایڈریس لکھ رہا ہوں آپ روانہ ہونے سے پہلے مجھے میاں عبدالکریم کے پتہ پر تار بھیج دیجئے گا۔

آپ کا بھائی یوسف

فروری کے آخری ہفتہ خوب بارش ہوئی اور ایبٹ آباد میں کبھی کبھی برف بھی گرتی رہی لیکن ۲۶ فروری کے بعد آسمان صاف ہوگیا۔ یکم مارچ کو یوسف، فہمیدہ، نسرین، عنبرین اور ڈاکٹر جمیل گاڑی کے ایک ریزرو ڈبے میں سفر کر رہے تھے۔ راستے کے بعض اسٹیشنوں کے بک اسٹالوں پر یوسف کی نئی کتاب کی جلدیں قرینے سے لگی ہوئی تھیں اور جگہ جگہ یوسف کی تصویر کے ساتھ نئی کتاب کے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ یوسف اور فہمیدہ ایک بک اسٹال کے سامنے کھڑے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی نے غور سے پوسٹر کی طرف دیکھا اور پھر ایک کتاب خرید کر یوسف کو پیش کرتے ہوئے کہا: "جناب! اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ یوسف صاحب ہیں۔ اگر تکلیف محسوس نہ کریں تو اس کتاب پر اپنا آٹوگراف لکھ دیں۔"

یوسف نے کتاب پکڑ کر کھولی اور اندر پہلے صفحہ پر اپنا نام لکھنے کے بعد بولا: "محترمہ! جب کسی کو کوئی اچھا موقع ملے تو اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس کتاب پر میرے ساتھ میری بیوی کا آٹوگراف بھی ہوتا تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی۔"

"جی! آپ کی بیگم صاحبہ آپ کے ساتھ سفر کر رہی ہیں؟"

"میرا خیال تھا کہ آپ جیسی ذہین لڑکی کو پلیٹ فارم پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد انہیں پہچان لینا چاہیئے تھا۔"

لڑکی نے چونک کر فہمیدہ کی طرف دیکھا اور اس کی طرف دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "معاف کیجئے بہن! مجھے معلوم نہ تھا کہ یوسف صاحب پر اللہ نے کتنے احسان کئے ہیں۔ اگر میں کسی اور جگہ آپ کو دیکھتی تو شاید میرے دل میں پہلا خیال یہی آتا کہ آپ کو یوسف جیسے مصنف کی رفیقۂ حیات ہونا چاہیئے تھا۔ اس سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ بعض اوقات سپنے بھی حقیقتیں بن کر سامنے آ جاتے ہیں۔"

یوسف مسکرایا: "محترمہ، شاید ہمارے عزیزوں کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ ہم کوئی سپنا دیکھ چکے ہیں اور وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ ان بیوقوف اور ناسمجھ لوگوں کے تمام سپنے حقیقتوں میں تبدیل ہوجائیں۔"

لڑکی بولی: "یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ایک بات میں آپ کے پبلشر نے عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیگم صاحبہ کی تصویر ضرور آنی چاہیئے تھی۔"

"بیگم صاحبہ کبھی اس بات کی اجازت نہ دیتیں۔"

"اگر میں بیگم صاحبہ کے پڑوس میں ہوتی تو وہ کبھی اعتراض نہ کرتیں ——— آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہم لاہور جا رہے ہیں۔"

لڑکی بولی: "میں وزیر آباد تک آپ کے ساتھ سفر کروں گی اور وہاں سے سیالکوٹ کی گاڑی پر سوار ہوجاؤں گی۔"

جب گاڑی وزیر آباد سے نکل رہی تھی تو عنبرین بولی: "بھائی جان! وہ آفت کون تھی؟"

"میں اس کے متعلق فہمیدہ سے زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے معلوم ہے کہ انسان کو زندگی میں کئی آفتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن جہاں تک میرا مسئلہ ہے مجھے یہ اطمینان ہے کہ فہمیدہ ہر بلا کے سامنے میری مضبوط ترین ڈھال ہے۔"

نسرین بولی: "بھائی جان! آپ بھی تو آپا جان کی ڈھال ہیں نا۔"

امینہ کی دعوت

پھر ایک دن لاہور میں امینہ کی دعوت پر شہر کی پڑھی لکھی خواتین عبدالکریم کی کوٹھی کے وسیع لان میں شامیانوں کے نیچے جمع تھیں۔ ان میں سے بعض کالجوں کی پروفیسر اور اُستانیاں تھیں۔ دو پرنسپل اور گیارہ مختلف کالجوں کے پروفیسرز بھی اگلی قطاروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

امینہ نے اسٹیج پر جا کر اعلان کیا: "معزز خواتین اور حضرات! ہم بہت دیر سوچنے کے باوجود یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس مجلس کی جو ملک کے نامور ناول نگار یوسف صاحب کی خدمات کو خراج پیش کرنے کے لئے منعقد ہوئی ہے، صدارت کس کو سونپی جائے اب میری بہنوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ جناب یوسف صاحب اپنی پسند کے صدر کو بذاتِ خود اسٹیج پر لے آئیں۔"

یوسف حیران سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے حاضرین کی طرف دیکھا اور تیسری قطار کی طرف بڑھا، جہاں بلقیس اور عبدالعزیز بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ان کے قریب جا کر بلقیس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا، "آئیے چچی جان!"

"بیٹا میں!" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی "تم میرا مذاق اڑاؤ گے۔"

یوسف نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا، "چچی جان! میری زندگی میں اور میرے بعد بھی کوئی آپ کا مذاق نہیں اڑائے گا۔"

بلقیس نے جھجکتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ یوسف نے اسے کرسیٔ صدارت پر بٹھاتے ہوئے کہا، "معزز خواتین اور حضرات! آج اس جگہ اس معزز خاتون کو ہونا چاہیئے تھا، جس نے سب سے پہلے میرے اس دعوے پر یقین کر لیا تھا کہ میں کسی دن ایک ناول نگار کی حیثیت سے پہچانا جاؤں گا۔ وہ معزز خاتون میری والدہ تھیں اور جب میں اپنی منازل سے بہت دور تھا تو وہ میرا ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔ ان کے بعد بیگم عبدالعزیز صاحبہ نے، جو اس وقت آپ کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ مجھے زندگی کا حوصلہ دیا تھا۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ وہ پیار اور شفقت جس سے میں اپنی والدہ کی وفات کے بعد محروم ہو گیا تھا، قدرت نے اس عظیم خاتون کو منتقل کر دی تھی۔ میں رسمی الفاظ سے ان کے پیار اور خلوص کی توہین نہیں کروں گا۔ اور میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے جس کشادہ دلی سے بچپن میں میرے سر پہ ہاتھ رکھا تھا اسی کشادہ دلی کے ساتھ یہاں آ کر بیٹھ گئی ہیں جو لوگ میرے متعلق کچھ جاننا چاہتے ہیں وہ کبھی تنہائی میں اس عظیم خاتون سے گفتگو کر لیا کریں۔"

امینہ بولی، "اب میں آپ کے سامنے ایک آئینہ پیش کرتی ہوں جس میں آپ کو میرے بھائی جان یوسف صاحب کے خدوخال نمایاں دکھائی دیں گے۔ میں فہمیدہ بیگم سے درخواست کرتی ہوں کہ اسٹیج پر تشریف لائیں۔

فہمیدہ ہر مجلس کی طرح یہاں بھی نمایاں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اٹھی اور نسرین کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج پر بلقیس کے ساتھ آ بیٹھی۔

اس کے بعد امینہ نے اعلان کیا: "معزز خواتین اور میری بہنو! اب آپ بھائی جان کے اس قدردان کی تقریر سننے کے لئے تیار ہو جائیں جنہیں ہم ایک مشہور سرجن کی حیثیت سے جانتے ہیں اور اس حیثیت سے میرے اور میرے بھائی یوسف صاحب

کے خاندان کے بہت بڑے محسن ہیں اور جن کی وجہ سے مجھے اور میرے عزیزوں کو یہ اطمینان رہتا ہے کہ ہم میں سے کسی کو تکلیف ہو گی تو ایک کامیاب ڈاکٹر ہمارے علاج کے لئے موجود ہو گا۔ چند ہفتے قبل ادب کے ساتھ ان کے لگاؤ کا ہمیں کوئی علم نہ تھا لیکن جب ڈاکٹر صاحب کو اس اجتماع میں شرکت کی دعوت دی گئی تو انہوں نے مجھے ٹیلی فون پر کہا ——— "میں بڑی خوشی سے اس اجتماع میں حاضر ہوں گا اور تقریر بھی کروں گا" ——— مجھے یقین ہے کہ آپ ان کی تقریر غور سے سنیں گے۔ یہ ڈاکٹر کمال الدین ہیں اور ان کی عادت ہے کہ اگر ہسپتال سے کسی ایمرجنسی کے متعلق فون آ جائے تو یہ سارے کام چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ لہٰذا میں اس خطرہ سے بچنے کے لئے محترم ڈاکٹر کمال الدین صاحب کو دعوت دیتی ہوں کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور کسی تمہید کے بغیر تقریر شروع کر دیں ——— انہیں سب سے پہلے اس لئے بلایا جا رہا ہے کہ محترمہ صدر صاحبہ بھی سب سے پہلے ان سے کچھ سننا چاہتی ہیں۔"

ڈاکٹر کمال الدین آخری صف سے اٹھا اور سٹیج پر آ کر بولا:

"معزز خواتین و حضرات!

میرے لئے علم و ادب کے موضوع پر تقریر کرنے کا یہ پہلا موقع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یوسف صاحب کو ایک کامیاب مصنف کی حیثیت سے پہچاننے سے پہلے میں صرف ایک ایسے انسان کی حیثیت سے جانتا تھا جو اپنے اندر دوسروں کے لئے ایک غیر معمولی کشش رکھتا ہے۔ ان سے متعارف ہونے سے پہلے میں نے یہ سنا تھا کہ وہ اپنے متعلق مستقبل میں ایک کامیاب ناول نگار بننے کا یقین رکھتے ہیں لیکن اس ملک میں جو شہرت ان کے مقدر میں تھی اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب یوسف صاحب زخمی تھے اور ایک گولی ان کے کندھے کی ہڈی کے قریب پھنسی ہوئی تھی اور ان کے سر کے زخم سے بھی بہت سا خون بہہ چکا تھا۔ ان کی جان بچانے

کے لئے ایک انتہائی نازک اپریشن کی ضرورت تھی۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ ایسے مریضوں کو موت کے منہ سے واپس لانے کے لئے ڈاکٹروں یا جراحوں کی قابلیت سے زیادہ مریض کے عزم ویقین اور اندرونی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ توانائی اور عزم زندگی کے کسی مقصد سے وابستگی کا مرہون ہوتا ہے۔ مجھے اس بات کی حیرت تھی کہ یوسف صاحب اپریشن کے بعد فوراً ہوش میں آگئے تھے اور اس بات پر زیادہ حیرت تھی کہ جب میں نے انہیں ہسپتال سے فارغ ہونے کے دو ہفتے بعد دیکھا تھا تو مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ نوجوان اتنے خطرناک اپریشن سے گزر چکا ہے اور میں سوچنے لگا: "آخر وہ کیا جذبہ ہے۔ جو انہیں زندہ رکھ رہا ہے اور اتنے مہلک زخموں سے وہ اتنی جلدی عہدہ برآ ہو گئے ہیں —— یہ سوال کتنا عرصہ میرے سینے میں کلبلاتا رہا۔ پھر یوسف صاحب سے وابستگی مجھے ان کی تصانیف کی طرف لے گئی میں نے ان کی کتابیں پڑھیں اور بار بار اس لئے پڑھیں کہ ان کے آئینہ میں مجھے وہ بلند مقاصد نظر آتے تھے۔ جنہوں نے یوسف صاحب کو انتہائی تشویشناک حالات میں زندہ رکھا تھا۔ میری دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں بذات خود ان المناک حالات سے گذر چکا تھا جن کا سامنا کرنے کے لئے یوسف صاحب قوم کو بروقت بیدار کرنا چاہتے تھے۔ میں آپ کو وہ خط پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں جو یوسف صاحب جہاد کشمیر پر روانہ ہوتے وقت اپنی رفیقۂ حیات کے لئے لکھ کر چھوڑ گئے تھے۔ اس خط کے مضمون کا ایک ادھورا سا عکس ان کی نئی کتاب میں بھی آیا ہے لیکن میں اصل خط آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ جس سے یوسف صاحب کی پوری شخصیت، ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ خط یہ ہے:

"رفیقۂ حیات!

...... مجھے رات۔ سوتے وقت اچانک خیال آیا۔ کہ آپ کے پاس، کئی

لوگ یہ پوچھنے آیا کریں گے کہ ایک کامیاب مصنف جسے دنیا کی تمام خوشیاں حاصل تھیں، کشمیر کے محاذ پر کیوں چلا گیا؟

میں چاہتا ہوں کہ آپ ایسے لوگوں سے بحث کرنے کی بجائے انہیں یہ خط دکھا دیا کریں یہ ان لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے۔ جنہیں ابھی تک یہ احساس نہیں ہوا کہ کشمیر کو ہم ہندوستان کے جارحانہ تسلط سے آزاد کرائے بغیر پاکستان کے خواب کی صحیح تعبیر نہیں دیکھ سکتے۔ ابھی ہندوستان میں مسلمانوں کا خون خشک نہیں ہوا ابھی تک وہ اس وحشت و درندگی کے مظاہرے دیکھ رہے ہیں جس نے برہمنی استبداد کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ انسانیت کے لئے دنیا میں بہت سے خطرات پیدا ہوئے ہیں۔ ہمیں سب سے بڑا خطرہ ہندو سامراج سے ہے۔ اس کے عزائم کو دائمی شکست دیئے بغیر ہم اپنی آئندہ نسلوں کو یہ پیغام نہیں دے سکتے کہ ہم نے ان گنت قربانیوں کے بعد پاکستان ہی نہیں بنایا بلکہ اس عفریت کے جبڑے بھی توڑ دیئے ہیں، جو اسلامی ممالک کو اپنی شکارگاہ سمجھتا ہے —— فہیدہ! شاید میں یہ بات کئی بار دہرا چکا ہوں کہ دنیا کی بدترین سفاکی اور درندگی نے ان لوگوں کے ذہنوں میں جنم لیا ہے جہاں آسمان پر سب کچھ بھگوان کا ہوتا ہے اور آسمان کے نیچے سب کچھ برہمن کا یا ان دیوتاؤں کا جن کی ہیبت سے برہمن عوام کو ڈرا کر لوٹ سکتے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم نے پاکستان بنا کر برصغیر کے ایک حصے کو برہمنی جارحیت سے محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ برہمن ایک موقع کھونے کے بعد دوسرے موقع کا انتظار کرے گا اور وہ صدیوں تک مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کے لئے بہترین موقع کا منتظر رہے گا۔ ایک ہندو، غیر ہندو سے نفرت کئے بغیر ہندو نہیں رہ سکتا۔ وہ اگر غیر ہندو سے چھو جائے تو اس کے دھرم کی دولت لٹ جاتی ہے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک مسلمان کو پاکستان

میں زندہ اور آزاد رہنے کے لئے برہمنی استبداد کی پوری تاریخ پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔ ایک زمانہ تھا کہ آرین فاتحین ہندوستان پر غالب آگئے تھے اور پھر انہوں نے ہندو مت کے نام سے ایسے مذہبی اور اخلاقی ضابطوں کی بنیاد رکھی جس سے وہ مفتوحہ قوم کے خلاف ہندو سماج کے نفرت کے جذبات زندہ رکھ سکتا تھا۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا جب کہ اچھوت کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک وہ تھے جن کے ساتھ چھو جانے سے ہندو بھرشٹ ہو جاتا تھا۔ اس سے زیادہ حقیر وہ گروہ بھی تھا۔ جسے دیکھنے، جس کی آواز سننے یا جس کا سایہ پڑنے سے برہمن کے دھرم کی دنیا تباہ ہو جاتی تھی۔

جنوبی ہندوستان میں ان اچھوتوں کی بے بسی کی داستانیں زیادہ پرانی نہیں ہوئیں جو سفر کے لئے گھر سے باہر نکلتے تھے تو اپنے ڈنڈے سے ایک گھنٹی باندھ لیتے تھے اس گھنٹی کی آواز اونچی ذات کے ہندوؤں کو یہ اطلاع دیتی تھی کہ ایک ملیچھ یا شودر جسے دیکھنے، جس کی آواز سننے اور جس کا سایہ پڑنے سے ان کا بیڑہ غرق ہو جاتا ہے، اس راستے پر آرہا ہے اور اونچی ذات کے ہندو اُس راستے سے ایک طرف ہو جاتے تھے، اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔

غیر ہندو سے نفرت، ہندو سماج کی میراث ہے اور انہیں جب موقع ملے گا وہ اس میراث کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہندو اپنے ظلم اور درندگی کی ابتدا کشمیر سے کرے گا۔ اس لئے کشمیر کو اس کے غاصبانہ قبضے سے نجات دلانا ہماری ایک عظیم ترین ذمہ داری ہے۔ میں مستقبل کے افق پر اس آنے والے دور کے بھیانک مناظر دیکھا کرتا ہوں جب ہندو بیسویں صدی کے اسلحہ سے لیس ہو کر کشمیر کی وادیوں میں جبر و استبداد کے ایک نئے دور کا آغاز کریگا۔

اس کی افواج کی حفاظت ٹینکوں اور ہوائی جہازوں سے ہو رہی ہوگی وہ نہتے کشمیریوں کی بستیاں جلاتے گا۔ اس کے فوجی لوگوں کے گھروں میں گھس جایا کریں گے۔ اور ان گھروں سے مرتی ہوئی انسانیت کی آخری سسکیاں سنائی دیا کریں گی۔ میں قوم کو ان عافیت پسندوں سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں کہ آج کے حالات پرانی رنجشوں کا نتیجہ ہیں اگر ہم نے تدبر سے کام لیا تو ہندو خود بخود ٹھیک ہو جائے گا ——— ان لوگوں کو میرا پیغام یہ ہے کہ ہندو ان کی نیک خواہشات سے کبھی خوش نہیں ہوگا۔ یہ کمزور کا گلا گھونٹتا ہے اور طاقتور کے پاؤں پر گرتا ہے۔ وہ کسی پانی پت کے میدان سے منہ کی کھا کر تو راہِ راست پر آسکتا ہے لیکن نیک تمناؤں سے اسے ٹھیک نہیں کیا جا سکتا۔

میں مانتا ہوں کہ وہ تعداد میں زیادہ ہے۔ میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ انہوں نے کچھ اپنی کوشش اور کچھ دوسروں کی مدد سے اسلحہ کے انبار لگا لئے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جب اسے انسانی خون کی پیاس محسوس ہو تو ہم اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جائیں اُس کے جارحانہ عزائم کو شکست دینا ہماری ایک تاریخی ذمہ داری ہے اور یہ تاریخی ذمہ داری ہمیں آئندہ نسلوں پر نہیں چھوڑنا چاہیئے ورنہ انہیں زیادہ نامساعد حالات میں بھارتی جبر و استبداد کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم کشمیر سے اسے مار بھگائیں تو ہمارا آدھا خطرہ کم ہو جاتا ہے اور کسی چھوٹے سے پانی پت میں باقی رہے سہے خطرات ختم ہو جائیں گے ——— یہ قیاس آرائی نہیں یہ تاریخ ہے ——— جس ایک ہزار سالہ عرصہ میں مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ اس دور میں ہندو سے زیادہ امن پسند کوئی نہ تھا۔ اور جب ایک ہزار سال کی غلامی کے بعد اس کا ہاتھ مسلمان کی شہ رگ تک پہنچ گیا تو اس سے زیادہ ظالم بھی کوئی نہ تھا۔

دانا لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو شریف دوست نہ مل سکے تو اسے ایک شریف دشمن کو بھی غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ہندو ہمیشہ ایک بُرا دوست اور بدترین دشمن ثابت ہوتا رہا ہے۔ اس کی ذہنیت تبدیل کرنے کے لئے ہمیں قدم قدم پر یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ ہم پوری جرأت اور عزم و استقلال سے حالات کا سامنا کریں گے۔ جس دن ہم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ ہمیں اپنے ہندو ہمسائے سے کوئی خطرہ نہیں اور ہماری شرافت اُسے کسی طرح راہِ راست پر لے آئے گی تو ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم اس دن زندگی سے زیادہ موت کے قریب ہوں گے۔"

یوسف

ڈاکٹر کمال الدین کی تقریر کے بعد امینہ قدرے توقف کے بعد بولی: "معزز خواتین و حضرات! محترمہ نسرین صاحبہ، بیگم یوسف صاحبہ کی چھوٹی بہن ہیں اور قوم کی ایک ہونہار بیٹی ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ ان سے باتیں کرنا اور ان کی باتیں سننا پسند کرتے ہیں۔ وہ یوسف صاحب کے متعلق اتنی باتیں جانتی ہیں کہ شاید کوئی اور نہ جانتا ہو۔ یوسف صاحب کہا کرتے ہیں کہ اس ہونہار بچی نے مجھے اس زمانے میں ایک کامیاب مصنف تسلیم کر لیا تھا، جب مجھے کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب میرے چاروں اطراف غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ تو یہ میرا ہاتھ پکڑ کر روشنی کی طرف لے گئی تھیں۔ یوسف صاحب یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ بیگم بلقیس صاحبہ اور نسرین کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے کبھی موزوں الفاظ نہیں ملیں گے —— اب میں نسرین صاحبہ کو کچھ کہنے کی دعوت دیتی ہوں۔"

نسرین اٹھی اور مائیک کے سامنے آکر بولی: "معزز خواتین و حضرات، میری محترم اور عزیز بہنو! مجھے وہ زمانہ ایک خواب معلوم ہوتا ہے۔ جب میں نے

بھائی جان کو پہلی بار دیکھا تھا اور بھائی کے لفظ کا میرے ذہن میں ایک خاص مفہوم پیدا ہوا تھا۔ اگر میں ان کے متعلق وہ سب کچھ بیان کروں جو میں جانتی ہوں تو آپ سنتے سنتے اور میں بولتے بولتے تھک جاؤں، لیکن خوشی کے موقع پر تھک جانا کوئی اچھی بات نہیں۔ اس لئے میں آپ کے صبر کا امتحان نہیں لوں گی۔

آپ نے یوسف بھائی جان کی نئی کتاب پڑھی ہوگی۔ آپ اس کتاب کے متعلق میرے احساسات کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ایک قافلہ جس کے ساتھ میں، میری بڑی بہن، میرا بہنوئی، ان کا بیٹا اور ان کے دوسرے عزیز سفر کر رہے تھے ہوشیار پور سے دریا عبور کر کے اس امید کے ساتھ ضلع گورداسپور پہنچا تھا کہ وہ پاکستان میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ قافلہ بھائی جان کے گاؤں کے راستے میں گم ہو گیا تھا۔ اور میں زندہ بچ کر رات کے وقت ایک اجڑے ہوئے گاؤں میں پہنچی تھی۔ یہ بھائی جان کا گاؤں تھا۔ اور ان کے خاندان کی ہجرت کے بعد گاؤں کے غیر مسلم بھی جوابی حملے کے خوف سے بھاگ گئے تھے۔ آپ نے ایسا مکمل اور ایسا ہولناک سناٹا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ ایک پورے جیتے جاگتے گاؤں میں کوئی انسانی آواز نہیں تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہر درخت، ہر جھاڑی اور کماد اور چری کے ہر کھیت میں بھوتوں، چڑیلوں اور خونخوار درندوں کی فوجیں چھپی ہوئی ہیں۔ باہر سے کوئی آواز آتی تھی تو وہ آس پاس گیدڑوں اور دوسرے گاؤں کے کتوں کے بھونکنے اور رونے کی آواز تھی۔ گاؤں کی مسجد کے قریب کس مشکل سے میرے منہ سے یہ آواز نکل رہی تھی "بھائی جان! بھائی جان! بھائی جان!!" اور ساتھ ہی میں رو بھی رہی تھی اور یہ دعا بھی کر رہی تھی۔ "اللہ کرے کہ بھائی جان اور ان کے سب عزیز پاکستان پہنچ گئے ہوں۔" خوف اور بیچارگی کے الفاظ شاید میرے احساسات کا مفہوم ادا نہ کر سکیں۔ پھر کوئی کہہ رہا تھا، میری بہن، میری

شہزادی، میری بیٹی!" یہ میرے بھائی جان اس وقت بھی اتنے عظیم تھے کہ یہ اپنے قافلے کو امرتسر سے کوئی پندرہ میل آگے لاہور کے راستے میں چھوڑ کر واپس پہنچ گئے تھے اور یہ سن کر واپس پہنچ گئے تھے کہ میں اپنی بہن، بہنوئی، بھانجے اور ان کے خاندان کے دوسرے لوگوں کے ساتھ دریا عبور کر کے ضلع گورداسپور کے راستے پاکستان پہنچ رہی ہوں۔ اور پھر میں نے ایک ایسا سفر شروع کیا تھا جس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجھے یہ فخر بھی محسوس ہوتا ہے کہ میرے ساتھ میرا وہ بہادر بھائی تھا جس کی قربت کے احساس نے میرے دل سے موت کا خوف نکال دیا تھا۔

بہنو، اور بزرگو! ——— میں گم شدہ قافلوں کی ایک جھلک دیکھ چکی ہوں اور یہ قافلہ ان بے شمار قافلوں میں سے ایک تھا، جن کے نشان وقت کی ریت کے نیچے دبتے جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہمارے لئے اپنی تاریخ کا بدترین دن وہ ہوگا، جب ہمارے دلوں سے ان گمشدہ قافلوں کی یاد مٹ جائے گی۔ میں اس قوم کے دانشوروں، ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نگاروں سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ اپنی قوم کو جس نے آگ اور خون کے دریا عبور کر کے پاکستان حاصل کیا ہے اس کا ماضی یاد دلاتے رہیں۔ میں آپ میں کوئی انتقامی جذبہ بیدار کرنا نہیں چاہتی لیکن اس بات سے ڈرتی ہوں کہ آپ کہیں اپنے دائمی دشمن کو بھول نہ جائیں اور گرد و پیش سے آنکھیں بند کر کے تباہی کے ان راستوں پر نہ چل پڑیں جو ماضی سے سبق نہ حاصل کرنے والوں کی آخری سزا ہوتی ہے۔"

نسرین کے بعد ایک کالج کی پروفیسر اور دوسرے کالج کے پرنسپل نے باری باری اسٹیج پہ آکر تقریریں کیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر یوسف کو داد دی۔ بالآخر امینہ اسٹیج پہ آئی اور اس نے جھک کر بلقیس کے کان میں کہا: "چچی جان! اگر آپ میرے

منہ پر تھپڑ نہ ماردیں تو میں درخواست کرتی ہوں کہ آپ تقریر سے انکار کے فیصلے پر نظرثانی فرمائیں۔ حاضرین ایک ماں سے اس کے عظیم فرزند کے متعلق ضرور کچھ سننا چاہیں گے۔" بلقیس نے یوسف کی طرف دیکھا، مسکرائی اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

چند ثانئے خاموشی سے حاضرین کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے جھجکتے ہوئے تقریر شروع کی: "میرے بھائیو، بزرگو، بہنو اور بیٹو! ——— مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک خواب دیکھ رہی ہوں۔ اس قسم کے اجتماع میں یہ میری پہلی تقریر ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ یوسف کے متعلق کچھ کہتے ہوئے میں ہچکچاہٹ یا خوف محسوس نہیں کرونگی کیونکہ یوسف صاحب اور خوف ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ ایک عورت جسے اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہو لیکن اولاد نہ ہو تو اسے بدنصیب سمجھا جاتا ہے لیکن میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک عظیم خاتون جس نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ اچانک بیمار ہوئی اور چند گھنٹوں کے اندر اندر اللہ کو پیاری ہوگئی۔ زندگی کے آخری لمحات میں اس نے اپنے بیٹے کے متعلق چند باتیں کی تھیں اور مجھ سے چند وعدے لئے تھے۔ پھر وہ چلی گئیں۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ جن کی وفات پر ہم کئی دن روتے رہے تھے میرے دل میں اپنے ہونہار بیٹے کا پیار چھوڑ گئی ہے۔ جو اس دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے آیا ہے۔ اس کے بعد مجھے کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ میری دنیا میں کسی چیز کی کمی ہے۔ ہمیں بہت قریب سے دیکھنے والے میری کسی کوتاہی پر نکتہ چینی کر سکتے ہیں، لیکن یوسف جو مجھے چچی جان کہا کرتا ہے۔ اس کی فرمانبرداری اور سعادتمندی کے متعلق مجھے کبھی معمولی سی شکایت بھی نہیں ہوئی۔ مجھ سے پہلے میرے میاں نے اسے انتہائی خطرناک ڈاکوؤں کو باندھ کر تھانے پہنچاتے ہوئے سنا تھا۔ میری چھوٹی بھتیجی نسرین اور اس کی نانی جان نے اس کی رفاقت میں انتہائی مشکل سفر کے دوران اس کی غیرت اور جواں مردی کے ناقابلِ فراموش مظاہرے دیکھے تھے۔ سفر کے دوران

وہ غلطی سے اپنی پہلی تصنیف کا مسودہ گاڑی میں بھول گیا تھا۔ نسرین بہت چھوٹی تھی لیکن اس میں اتنی سمجھ تھی کہ اس کا بیگ اٹھا کر گھر لے آئی تھی اور مسودہ سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ اس کی بڑی بہن فہمیدہ جسے آپ بیگم یوسف کی حیثیت سے جانتے ہیں اس ملک کی پہلی لڑکی تھی جس نے یہ مسودہ بار بار پڑھنے کے بعد یوسف کے تابناک مستقبل کی پیش گوئی کی تھی ——— اور ہمارا سارا خاندان یوسف سے متعارف ہو گیا تھا ———

میری بہنو! میری تعلیم واجبی سی ہے اس لئے میں آپ کو اس سوال کا جواب نہیں دے سکوں گی کہ مصنف کی حیثیت سے یوسف کیسا ہے ——— کیونکہ یوسف کے متعلق مجھے صرف ایک ماں کے ذہن سے سوچنے کی عادت ہو گئی ہے ——— اس جگہ اگر کوئی یہ پوچھے کہ یوسف کیسا بیٹا ہے تو میرا جواب یہ ہو گا کہ شہر کی تمام مائیں اگر اپنے بیٹوں کے ساتھ اس جگہ جمع ہو جائیں تو مجھے جہاں ہر بیٹے پر پیار آئے گا وہاں میں یہ بھی کہوں گی کہ میرے یوسف جیسا کوئی نہیں ——— اور میری طرح اسے آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

بلقیس کی آنکھیں پُرنم ہو چکی تھیں۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھنے کی بجائے اسٹیج سے اترنے لگی تو یوسف نے جلدی سے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔ اور پھر خواتین اور نوجوان لڑکیاں آگے بڑھ بڑھ کر اسے گلے لگا رہی تھیں۔

ایک خاتون نے کہا۔ "محترمہ! آپ نے کسرِ نفسی سے کام لیا ہے کوئی ماں اپنے بیٹے کے متعلق اس سے بہتر تقریر نہیں کر سکتی تھی۔" بلقیس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "نہیں بہن ایک ماں ایسی تھی جو تقریر کے بغیر آپ کو اس سے زیادہ متاثر کر سکتی تھی جو نزع کی حالت میں بھی یوسف کا نام پکار کر سننے والوں کو رُلا سکتی تھی۔"

جب بلقیس کے گرد عورتوں کا ہجوم ذرا کم ہوا تو عبدالعزیز نے آگے بڑھ کر اسے کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "بلقیس! مجھے معلوم نہ تھا کہ یوسف کے اثرات کہاں تک پہنچ

چکے ہیں۔ تمہاری تقریر سن کر مجھے بڑی شدت کے ساتھ زندگی کی ان راحتوں کا احساس ہوا ہے۔ جو ہمارے گھر یوسف کے ساتھ آئی ہیں۔"

بلقیس بولی۔ "جناب! میں آپ کی لاڈلی بھتیجی سے بھی بہت متاثر ہوں۔ یہ اس کے الفاظ تھے کہ بعض لوگ دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے کے لئے آتے ہیں۔"

نسرین جو اُن کے قریب کھڑی تھی بولی: "چچی جان! بھائی جان کے متعلق میری کوئی بات یاد نہیں رہی آپ کو؟"

بلقیس نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "بیٹی تمہاری ہر بات میرے دل پر نقش ہے۔ اور ہر بات کے لئے ہر جگہ موزوں نہیں ہوتی لیکن اگر تم خوش ہو سکتی ہو تو میں دوبارہ اسٹیج پر جانے کے لئے تیار ہوں۔"

امینہ بولی: "نہیں خالہ جان! اس کے لئے کئی مواقع آئیں گے۔ فہمیدہ بھی تو ایک کتاب لکھ رہی ہے۔ جس میں اس کی ننھی بہن کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اور شاید میں بھی کسی دن لکھنا شروع کر دوں۔"

نسرین بولی: "آپا جان! خدا کے لئے ضرور لکھیں۔ میں آپ کی مدد کر سکوں گی اور بھائی جان بہت خوش ہوں گے۔"

کمال الدین کا سفر اور واپسی

۲۰ اگست کی شام ڈاکٹر کمال الدین، یوسف کے نام یہ مختصر سا پیغام چھوڑ کر اچانک غائب ہو گیا کہ "مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ حیدر آباد کے چند گھرانے کراچی میں آباد ہو گئے ہیں۔ اگر کراچی سے کوئی امید کی روشنی دکھائی دی تو ممکن ہے میں دکن کی طرف چل پڑوں۔ میں نے یہ سطور لکھنے سے پہلے آپ سے ٹیلی فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ دفتر میں نہیں تھے۔ بہر حال، اس سفر میں مجھے قدم قدم پر آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہو گی۔ یہ گھر چھوڑتے ہوئے مجھے اس بات کا ملال ہے کہ میں اپنے محسن کے ساتھ بات نہیں کر سکا۔"

کوئی ستائیس دن بعد بلقیس کے نام کمال الدین کا یہ خط آیا۔

"چچی جان!

میں اس بات پر بہت نادم ہوں کہ میں نے ایسے لوگوں کو بھی پریشان کیا ہے جن کی میں بے حد عزت کرتا ہوں۔ اگر نیچے لکھے ہوئے ایڈریس پر مجھے آپ یہ بتا سکیں کہ آپ میرے جرم کو قابلِ معافی سمجھتی ہیں اور نسرین بھی میری یہ خطا معاف کر سکتی ہے تو میں انشاء اللہ جلد از جلد اپنا سفر ختم کر کے واپس آجاؤں گا۔ آپ کی طرف سے جواب نہ آنے کا مطلب یہ ہو گا کہ میں جس جنت سے بھاگ آیا تھا اس کا دروازہ میرے لئے بند ہو گیا ہے۔"

چند منٹ بعد بلقیس اسے یہ جواب لکھ رہی تھی:

"ڈاکٹر صاحب!

خدا کے لئے فوراً واپس آجائیے، آپ سے کوئی ناراض نہیں۔ اور نسرین کی تو یہ حالت ہے کہ وہ آپ کا خط پڑھتے ہی رو پڑی تھی اور جب میں نے اُس سے پوچھا تھا کہ تمہاری طرف سے کیا لکھا جائے تو اس کا جواب تھا کہ اگر میں ان کے آنے سے پہلے مر جاؤں تو آپ انہیں یہ بتا دیں کہ آخری وقت پر بھی میں انہیں آوازیں دے رہی تھی۔"

چھ ہفتے بعد وہ بلقیس کے سامنے کھڑا بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا اور جب بلقیس اسے اپنے سامنے بٹھا کر تسلیاں دے رہی تھی تو وہ یہ کہہ رہا تھا، کہ چچی جان! میں یہ سمجھ کر یہاں سے نکلا تھا کہ یہ دنیا بہت وسیع ہے اور اس کی وسعتیں اپنے اندر میرے سارے غم سمیٹ لیں گی۔ لیکن یہاں سے نکلتے ہی مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں جس قدر آپ سے دور جا رہا ہوں اسی قدر یہ دنیا تنگ ہوتی جا رہی ہے اور وہ مقام بہت جلد آجائے گا جس سے آگے میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکوں گا۔ میں وہ اجڑا ہوا گاؤں دیکھ آیا ہوں جو کبھی میرا گاؤں تھا۔ لاہور سے روانہ ہونے سے قبل میں نے انگلینڈ میں اپنے ایک استاد کو یہ خط لکھا تھا کہ شاید مجھے ایک مدت کے لئے پاکستان سے ہجرت کرنی پڑے، مجھے امید ہے کہ آپ کی توجہ سے مجھے انگلینڈ یا امریکہ میں کوئی معقول ملازمت مل جائے گی۔ جواب کے لئے میں نے انہیں کراچی کے ایک دوست کا ایڈریس بھی دیا تھا۔ میں دکن کی خاک چھاننے کے بعد واپس کراچی پہنچا تو میرے پروفیسر کی طرف سے یہ حوصلہ افزا پیغام پہنچ چکا تھا کہ تمہیں انگلینڈ اور امریکہ میں اچھی ملازمتیں مل سکتی ہیں تم جلد از جلد میرے

پاس پہنچ جاؤ۔ ——— لیکن چچی جان! یہ عجیب بات ہے کہ میں اپنے اس دوست
کے پاس ایک گھنٹہ بھی نہیں ٹھہر سکا۔ کراچی واپس آکر میرے ذہن میں سیدھا یہاں
پہنچنے کے سوا اور کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جس مشعل کی روشنی
میں مَیں اپنا راستہ دیکھ سکتا تھا وہ کہیں گم ہوگئی ہے۔ مجھے اس کی تلاش میں واپس
جانا پڑے گا۔ تو بہت پیاری چچی جان! میں واپس آگیا ہوں اور راستے میں ہر قدم
پر مجھ پر یہ خوف سوار تھا کہ آپ کی نگاہوں میں غصہ میرے لئے بہت بڑا مسئلہ ہوگا۔
چچی جان! کراچی سے ایک دوست نے میرے لئے ہوائی سفر کا بندوبست کردیا تھا
اور ہوائی جہاز پر سوار ہوتے اور اترتے ہوئے اور اس کے بعد گھر کے راستے پر میں
قدم قدم پر یہ دعا کر رہا تھا کہ میں آپ کو مسکراتا ہوا دیکھوں۔ یہ چھوٹی سی خواہش میرے
لئے زندہ رہنے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔"

بلقیس نے پیار سے اس کے سر پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور اس کے ساتھ ہی
اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔ بلقیس نے کہا: "بیٹا، اس مہم میں اگر تمہیں کوئی
کامیابی ہوئی ہے تو تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ تمہارے اچانک روپوش ہوجانے
سے ہمیں کتنی تکلیف ہوئی ہے۔"

"چچی جان! میں یہاں یہ دعائیں کرتا ہوا پہنچا ہوں کہ آپ کے چہرے پر ایک
ماں کی مسکراہٹ دیکھوں۔"

بلقیس نے جواب دیا: "ماں صرف اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھ کر مسکرا
سکتی ہے۔"

کمال الدین نے قدرے توقف کے بعد پوچھا: "نسرین کہاں ہے، چچی جان؟"

"شکر ہے کہ تمہیں اس کا بھی خیال آگیا۔"

"چچی جان، اگر آپ یہ سن کر خوش ہوسکتی ہیں کہ نسرین ہر مقام پر میرے ساتھ

تھی اور اس مکان میں داخل ہونے کے بعد سے میری نگاہیں اسے تلاش کررہی ہیں۔
میں آتے ہی اس کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا لیکن کسی خوف نے میری زبان بند کر رکھی تھی۔
——— چچی جان! وہ ٹھیک ہے نا؟"

"بیوقوف، تم خود ہی اس سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔"

"وہ کہاں ہے، چچی جان؟"

"اگر وہ یہاں ہے تو تم کسی دقت کے بغیر اسے تلاش کرسکتے ہو۔"

کمال الدین مسکرایا اور تیزی سے بالاخانے کی طرف بڑھا اور چند ثانیے بعد وہ
آنسوؤں کے دھندلکے میں نسرین کو دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپائے دیکھ رہا تھا۔

"نسرین!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم اپنا منہ چھپانے
کی بجائے مجھے یہاں سے بلا تاخیر نکل جانے کا حکم سنادو۔"

نسرین نے ہاتھ نیچے کرلئے اور دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"ارے! تم رو رہی ہو؟"

"کیا آپ کسی کو سزا دیتے وقت رونے کے حق سے بھی محروم کردیتے ہیں؟"

"نہیں نسرین، میں صرف اپنے آپ کو سزا دے رہا تھا۔ اس بات کی سزا دے
رہا تھا کہ میں نے اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی تلاش میں کوتاہی کی ہے۔ مجھے
انہیں تلاش کئے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی خوش ہونے یا آرام کی نیند سونے کا حق
نہیں تھا۔ ایک دن مجھے کراچی میں حیدرآباد کے بعض لوگوں کے آباد ہونے کی
اطلاع ملی اور مَیں یوسف صاحب کو ایک مختصر سا رقعہ لکھ کر کراچی کی طرف روانہ ہوگیا۔"

"لیکن انہوں نے صرف یہ بتایا تھا کہ آپ کسی اہم کام سے کراچی روانہ ہوگئے ہیں
جب کوئی ان سے پوچھتا تھا کہ وہ کب آئیں گے تو وہ صرف یہ جواب دیتے تھے کہ
اس کا انحصار ان کی کامیابی یا ناکامی پر ہے۔ لیکن اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں

ہے۔ پھر آپ کا صرف ایک خط آیا تھا کہ آپ کراچی سے کسی لمبے سفر پر جا رہے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ جلدی لوٹ آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ساری عمر چلتے رہیں اور یہ ایسے الفاظ تھے جن کی میں آپ سے توقع نہیں کر سکتی تھی۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ میں آنسو بہانے میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔ لیکن کوئی اور بات کہنے سے پہلے آپ کو پورے خلوص کے ساتھ یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ آپ پھر ایک بار ایسے حالات پیدا نہیں کریں گے۔ میرے لئے آپ کا اس طرح غائب ہو جانا ایک بہت بڑی سزا تھی۔"

"نسرین!" کمال الدین نے مغموم آواز میں کہا: "میں بہت شرمسار ہوں اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کی اجازت کے بغیر گھر سے ایک قدم بھی باہر نہیں جاؤں گا۔ اب مجھے باہر جانے کے تصور سے خوف آتا ہے۔"

دبے دبے قدموں کی آہٹ کے بعد بلقیس کی آواز سنائی دی: "بیٹا! تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ نسرین سمجھ گئی ہے۔ تمہیں مجھ سے یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ نسرین کبھی غصے کی حالت میں اگر کہہ بھی دے تو تم باہر نہیں جاؤ گے۔"

نسرین بولی: "میں غصے کی حالت میں بھی ان سے کچھ نہیں کہہ سکوں گی۔"

یوسف نے نیچے سے آواز دی: "چچی جان! نسرین!!"

بلقیس نے نیچے جھانکتے ہوئے کہا: "بیٹا! اوپر آجاؤ، کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

یوسف بھاگتا ہوا اوپر پہنچا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کمال الدین کو گلے لگا لیا۔ بلقیس بولی: "ہم نے ڈاکٹر صاحب سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ وہ ہماری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائیں گے اور میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی یہ وعدہ لے لینا چاہیئے۔"

یوسف مسکرایا: "نسرین نے بھی یہ وعدہ لے لیا ہے؟"

"ہاں بیٹا، اصل مسئلہ تو یہی تھا۔"

"تو پھر چچی جان، مجھے وعدہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نسرین کا چہرہ دیکھ کر میں اس پر اعتماد کر سکتا ہوں اور اگر میں اعتماد نہ بھی کروں تو بھی مجھے یہ اطمینان ہے کہ انہیں بہت جلد وہی حالات پیش آنے والے ہیں جو مجھے مسوری میں پیش آئے تھے اور کل یہ اتنے مصروف ہوں گے کہ انہیں سوچنے کا بھی وقت نہیں ہوگا اور پھر ان کے ذہن سے ہمیشہ کے لئے یہ بات نکل جائے گی کہ اپنی رفیقۂ حیات کے بغیر وہ گھر سے باہر کسی طرف بھی قدم اٹھا سکتے ہیں۔"

اگلی شام کمال الدین نے عشاء کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر ایک لمبی دعا کرنے کے بعد نسرین سے کہا: "نسرین! ہم زندہ ہیں۔ ہم دونوں زندہ ہیں۔"

"جی ہاں، لیکن میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں مر کر دوبارہ زندہ ہوئی ہوں۔ صرف ایک بار نہیں کئی بار ـــــ اور زندگی کا اس سے بڑا معجزہ کیا ہو سکتا ہے کہ ہم کئی بار مرتے ہیں اور کئی بار زندہ ہوتے ہیں۔"

اختتام

نسیم حجازی
الغیاث۔ ۲۳ بی سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی
۱۱ مارچ ۱۹۹۱ء